نغمۂ اکمل

باجازت نظارت اصلاح وارشاد
صدر انجمن احمدیہ
ربوہ

قیمت :

روپے

کتبہ :
منشی محمد اسمٰعیل
فیروز والہ۔ ضلع گوجرانوالہ

تعارفیہ

کِس سے سیکھا ہے یہ اندازِ سخن اے اکملؔ
کہ ہیں انگشت بدنداں سبھی حیراں ہو کر

ابی المکرّم حضرت قاضی محمد ظہور الدین اکملؔ رضؓ کی وفاتِ حسرت آیات کے ٹھیک ایک برس بعد اُن کا مجموعہ کلام ——— "نغمہ اکملؔ" ہدیۂ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرکے اپنے فرضِ منصبی سے سبکدوش ہو رہا ہوں!

آپ کا یہ کلام ۱۹۰۶ء سے ۱۹۶۵ء تک کی مطبوعہ نظموں کا انتخاب ہے۔ اِن میں سے بیشتر منظومات سلسلہ عالیہ احمدیہ کے اخبارات اور رسائل و جرائد میں چھپ چکی ہیں۔ کتابی صورت میں "نغمہ اکملؔ" کا پہلا حصہ ۱۹۱۱ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس کے بعد ۱۹۳۹ء تک وقتاً فوقتاً دس اجزا طبع ہوئے باقی کلام صرف سلسلہ کے اخبارات میں شائع ہوا اور اب پہلی مرتبہ کتابی صورت میں یکجا کیا جا رہا ہے ———!

ابی المکرّم ۲۵ مارچ ۱۸۸۱ء کو پنجاب کی مردم خیز سرزمین میں دریائے چناب کے کنارے ضلع گجرات کے ایک گاؤں گولیکی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے جدِّ امجد (مولانا محمد بدر الدین م) اور والدِ ماجد (مولانا ابوالاکمل محمد امام الدین م) دونوں علوم عقلیہ و نقلیہ کے متبحّر تھے۔ اگرچہ آپ نے دنیوی تعلیم مشن ہائی سکول گجرات میں میٹرک تک حاصل کی۔ لیکن عربی و فارسی، فقہ و حدیث اور علوم قرآنی پر (دستور کے مطابق) مسجد اور خانقاہوں میں عبور پایا۔ آپ کو اُردو علم و ادب اور صحافت سے بچپن ہی میں لگاؤ تھا چنانچہ سترہ برس کی عمر ہی میں آپ کے مضامین نظم و نثر برصغیر کے تمام قابلِ ذکر اخبارات و رسائل میں شائع ہونے لگ گئے۔ ۱۹۰۴ء تک آپ اپنی عمر سے دگنی تعداد میں رسائل و کتب چھپوا چکے تھے جس میں ایک دیوان "سبحۃ المرجان"، شامل ہے۔ اس کے علاوہ قصص القرآن منظوم (پانچ ہزار اشعار)، سورۂ یٰسین، چاروں قُل، ادعیہ القرآن اور منتخب احادیث (منظوم) بھی اسی زمانہ میں منظرِ اشاعت پر آئیں۔ سنہ ۱۹۰۱ء کے بعد ۹ برس تک آپ تپ لازم اور دیگر امراض کا شکار ہو کر صاحبِ فراش رہے۔ تاہم اسی حالت میں اسلامی معاشرہ کی اصلاح و ارشاد کے بارے میں ملک بھر کے اخبارات کو اپنے مضامین بھجواتے رہے۔ چنانچہ صرف ایک سال (۱۹۰۴ء) میں آپ کے پچاسی ۸۵ مضامین اٹھارہ مختلف اخبارات میں شائع ہوئے۔ جن میں سے

چودھویں صدی، لاہور پنچ، صدائے ہند، زمیندار، وکٹوریہ پیپر، سیالکوٹ پیپر، گلزار ہند، پنجاب آرگن، پنجاب سماچار، پٹیالہ اخبار سرفہرست ہیں۔

آپ چونکہ ۱۸۹۷ء ہی میں سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بیعت سے مشرف ہو چکے تھے۔ اس لئے دسمبر ۱۹۰۶ء میں گھر بار چھوڑ اپنے آقا و مقتدا کے حضور اس نیت کے ساتھ حاضر ہو گئے کہ ؎

ہم قادیاں کو چھوڑ کے ہرگز نہ جائیں گے
کوچے میں اپنے یار کے دھونی رمائیں گے

دوپہر کی نماز کے بعد حضرت اقدس کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا تو فی البدیہہ وہ نظم پڑھی جس کے دو اشعار یہ ہیں ؎

آتش فرقت محبوب نے جب گرمایا — جذبۂ شوقِ زیارت مجھے پھر لے آیا
کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں میں گزاریں کیوں کر — دلِ شیدا کو تری یاد نے کیا تڑپایا

اس کے ساتھ ہی آپ نے روایتی شاعری۔ زلف و گیسو اور گل و بلبل کی حکایتوں کو خیرباد کہا اور اسلامی معاشرہ اور مذہبی احکام و حقائق کی اشاعت و تبلیغ کے لئے اپنے ذہن و عمل کو وقف کر دیا۔ خود لکھتے ہیں ———

"ایک ہی ہے جو حامد ہو کر محمد کہلایا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور جس کا مظہر اس چودھویں صدی میں احمد کے نام سے آیا جس نے ہمیں پھر توحید کا ترانہ سنا کر وہ محبوب ازلی یاد دلایا جو حسن و احسان کا سرچشمہ تمام خوبیوں سے متصف، دلدار و دلربا ہستی ہے ——— شپرہ چشم اُن کو نہیں دیکھ سکتے۔ مگر وہ جن کو آنکھیں دی گئی ہیں اُس کے جلوۂ دیدار کی تاب نہیں لا سکتے، ایک ہی جھلک سے بے خود ہو کر، گھر بار چھوڑ، خویش و اقارب سے منہ موڑ، یار و احباب سے رشتۂ تعلق چھوڑ کر اُسی کے دروازے پر دھونی رما دیتے ہیں۔ اُن کی رگ رگ میں محبت و عشق کا راگ ہوتا ہے۔ جب ذرا مضراب دل کو حرکت ہوئی تو سازِ سخن چھیڑا، پھر کچھ نہ پوچھو، ایک سماں بندھ جاتا ہے۔ شجر و حجر سے ندائے احسنت سنتے ہیں۔ سنگدل سے سنگدل انسان سر دھنتے ہیں۔ وہ جدھر نظر اُٹھاتے ہیں انہیں اپنے ہی محبوب کے جلوے نظر آتے ہیں ——— کیا ہی مبارک ہے یہ قوم اور کیا ہی خوش قسمت ہیں یہ لوگ جو اپنے مولا کے ہیں۔ یہ کسی سے محبت کرتے ہیں تو خدا کے لئے۔ اپنے دُکھ درد کا افسانہ کہتے ہیں تو خدا کے لئے۔ رنج و الم سہتے ہیں تو خدا کے لئے"۔ الخ

آپ اسی مسلک و عقیدہ پر تادم وفات قائم رہے۔ ۱۹۱۱ء تک آپ نے اخبار بدر میں حضرت مفتی محمد صادق رضؓ کے اسسٹنٹ ایڈیٹر کے طور پر کام کیا اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے آپ کو رسالہ تشحیذ الاذہان کا ایڈیٹر مقرر کر دیا ۱۹۲۰ء

میں ریویو آف ریلیجنز کی ادارت کے علاوہ آپ نے ناظم طبع و اشاعت کے مہتمم کا عہدہ سنبھالا جس کے تحت قادیان سے شائع ہونے والے سلسلہ کے تمام اخبار و رسائل الفضل ۔ مصباح ۔ سن رائیز اور احمدیہ گزٹ وغیرہ کی ایڈیٹری و منیجری آپ خود کرتے رہے ۔ ۱۹۳۶ء میں ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ خانہ نشین رہے ۔ تاہم مشق سخن برابر جاری رہی پاکستان کے قیام پر ۱۱ اکتوبر ۱۹۴۷ء کے بعد لاہور میں فروکش رہے اور ۱۷ ستمبر ۱۹۵۶ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ کے بلانے پر دارالصدر شرقی کے ایک کوارٹر میں رہائش اختیار کرلی جہاں ۲۷ ستمبر ۱۹۶۶ء کو صبح چھ بجے حرکت قلب بند ہونے سے وفات پائی ۔ آپ کا مزار بہشتی مقبرہ ربوہ میں قطعہ صحابہ اولین میں ہے ۔ اس طرح آپ کی یہ دیرینہ خواہش پوری ہوئی ؎

اے مسیحائے زماں صدقہ آل اطہر

مقبرے میں مجھے مل جائے زمیں تھوڑی سی

اس مختصر تعارفیہ میں نہ تو آپ کی شہرت علمی و ادبی خدمات پر سیر حاصل تبصرہ ممکن ہے ۔ نہ آپ کے مکمل سوانح حیات ہی درج کئے جاسکتے ہیں ۔ یوں بھی ؏ اکمل کو جانتے ہیں سب نغمہ خواں ہمارا

زیر نظر مجموعہ کے بارے میں اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ ابی المکرم کے فانوسِ شعر و شاعری میں احساسات و تاثرات کی جو شمعیں جگمگا رہی ہیں اُن کی روشنی سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیمات و ارشادات ہی سے مستعار ہے بلکہ ؎

ایں چشمہ رواں کہ بخلق خدا دہم

یک قطرہ ز بحرِ کمالِ محمد است

ابی المکرم کو کم و بیش چالیس برس قادیان کے ملکوتی ماحول میں بسر کرنے کا شرف حاصل ہوا ۔ آپ کو بانی سلسلہ اور خلفائے کرام (خصوصاً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضؓ) سے جو بے پناہ عقیدت و محبت تھی ۔ اس کا اظہار اُن کے ہر ہر شعر سے ہوتا ہے ۔ آپ خاندانِ حضرت مسیح موعودؑ اور ابنائے فارس کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کا محرک و مظہر سمجھتے تھے ؎

نجاتِ خلق وابستہ ہے اب ابنائے فارس سے

انہی کے سر رہے گا یہ صاحب قراں سہرا

آپ نے ۱۹۳۴ء حضرت میرزا ناصر احمد ایداللہ تعالیٰ کے سہرے میں دُعا کی ؎

الٰہی ناصر احمد کو منصورِ جہاں رکھیو

اور اس کے روئے انور پر سعادت تو انان سہرا

اس کے بعد انتخاب سے پہلے رویا دیکھا کہ خلافت کی قبا انہی کو پہنائی گئی ہے ۔ ابی المکرم سلسلہ کے اخبارات ـــــــ

خصوصاً بدر کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات و خطبات نوٹ کرنے پر مامور رہے۔ اس لئے آپ کو حضورؑ کی مجالس عرفان سے فیض یاب ہونے کا بالالتزام موقع ملا ؎

اللہ رے، شانِ مصطفیٰؐ مہدی زماںؑ

بھر بھر کے پیالے شوق کے میں نے کئی پئے

اس دوران میں جب بھی اجازت ہوتی آپ اپنی تازہ نظم مسجد مبارک میں پڑھ کر سناتے جس پر حضور اکثر جزاک اللہ کے کلمات سے نوازتے۔ حضرت مولوی عبدالکریمؓ تو لبا اوقات اُٹھ کر اُن کو سینے سے لگا لیتے اور حضرت خلیفہ اوّلؓ بھی ان کے کلام پر پسندیدگی کا اظہار فرماتے۔ اپریل ۱۹۰۷ء میں جب ابی المکرم نے وہ نظم حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کی جس کا مقطع ہے ؏

ہم قادیاں کے اکمل اور قادیاں ہمارا

تو حضورؑ نے فرمایا "یہ نظم نہایت سنجیدہ اور عمدہ ہے۔ اُن سے لے کر چھاپ دی جاوے"۔ اسی طرح مئی ۱۹۰۸ء میں حضرت اقدسؑ تقریر کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو ابی المکرم فرماتے ہیں "میں قادیان میں گھبرا گیا اور چند اشعار لکھے جب یہ اشعار حضرت اقدسؑ کی نگاہ سے گزرے تو آپ نے فرمایا اُن کو جلدی یہاں بلوالو"۔ اس نظم کا مقطع یہ ہے ؎

اپنے اکمل کو بلا لیجئے جلدی حضرت

ہر گھڑی جس کی زباں پر ہے بیانِ لاہور

لیکن کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات داغِ ہجرت ثابت ہوگی۔ اس کے بعد حضورؑ کا لاہور ہی میں وصال ہو گیا۔ ابی المکرم بتایا کرتے تھے کہ اس آخری تقریر کے نوٹ لینے کا شرف بھی مجھے حاصل ہوا۔ ازدحام بہت تھا۔ احمدیہ بلڈنگس کی مسجد کے پہلو میں ایک ٹوٹی پھوٹی دیوار تھی جس پر بمشکل جگہ ملی۔ تاہم میں تقریر نوٹ کرنے میں کامیاب رہا۔

نغمہ اکمل کے فنی پہلو پر کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے۔ ایسے پاکیزہ، مذہبی کلام کا مدعا و منشا شاعری و زبان دانی کا اظہار نہیں ہوتا۔ اور نہ اسے سخندانی کے مروجہ قواعد و ضوابط پر پرکھنا مناسب ہوتا ہے۔ ابی المکرم خود فرماتے ہیں ؎

فقط اظہارِ دردِ دل ہے مقصد اپنا شعروں سے

یہ میں نے کب کہا اکملؔ زباں دانوں میں رہتا ہوں

تاہم مجھے یہ کہنے میں تامل نہیں کہ فن کے لحاظ سے بھی حضرت اکمل کا درجہ اپنے ہمعصروں میں نمایاں ہے۔

الطاف حسین حالی نے پنجاب میں آنے کے بعد نعرہ لگایا تھا ؎

حالی اب آؤ پیرویٔ مغربی کریں
بس اقتدائے مصحفی و میر ہو چکی۔

لیکن محمد شیریں مغربی کا تصوف بھی مصحفی و میر سے چنداں مختلف نہیں ہے۔ متقدمین میں سے جس کسی شاعر نے بھی تصوف و روحانیت کی کیفیات و مدارج پر قلم اُٹھایا ہے وہ "وجود و شہود"، "حقیقت و مجاز"، اور "مستی و سرمستی" کی بھول بھلیوں میں بھٹک کر رہ گیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "مشاہدہ حق کی گفتگو" کرتے وقت اُس نے "بادہ و ساغر" کا سہارا نہیں لیا اُن کی فرضی یا حقیقی لذتوں کو اپنا مقصدِ حیات قرار دے لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو چونکہ اللہ تعالےٰ نے نبی کے درجہ پر فائز کیا اس لئے حضور نے بہت سے ایسے مسائل جن پر شطحیات و مزخرفات کی تہہ جم گئی تھی اپنے "قلبی واردات" کی بنا پر سلجھا دیئے۔ ابی المکرم کو چونکہ مدتوں حضور علیہ السلام اور حضور کے خلفائے کرام کی صحبت و مجالست سے فیض یاب ہونے کا موقع ملا اور آپ نے اپنی آنکھوں سے وحی والہام مکالمت و مخاطبت اور کشف و کرامات کی بارش ہوتے دیکھی اس لئے قدرتی طور پر آپ کے کلام میں وہ ابہام نہیں ہے جو اکثر شعرائے متقدمین میں استدراک و عرفان نہ ہونے کی وجہ سے پایا جاتا ہے۔ ابی المکرم نہ تو میر و مصحفی کی طرح متشائم اور فراریت پسند تھے۔ نہ حالی کی طرح ماضی کے نوحہ خواں۔ ان میں نہ تو اقبال کی عینیت پسندی ہے نہ اکبر الٰہ آبادی کا تمسخر، انہوں نے حقیقی اسلام ——— احمدیت کے واضح نصب العین کو شاعرانہ شگفتگی کا لباس پہنا کر جہاد و عمل کی تلقین کی ہے۔ اُن میں مولوی ظفر علی کا سا اشتعال وغیظ نہیں پایا جاتا بلکہ وہ معاندین سلسلہ کو بھی وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا کے ارشاد کے مطابق دعوتِ فکر دیتے ہیں۔ اُن کے تغزل میں حسرت موہانی کا رنگ پایا جاتا ہے لیکن سوچ کا انداز وہی ہے جس کی طرح خود سلطان القلم نے "درثمین" میں ڈالی۔ وہ اُردو شاعری کے جدید تقاضوں سے بھی بے خبر نہیں رہے۔ لیکن گیت یا گانا لکھتے وقت بھی اپنے موضوع سے رُوگرداں نہیں ہوئے۔ وہ عروض و قوافی اور انشا و املا کا خاص طور پر لحاظ رکھتے تھے۔ اور "ضرورتِ شعری"، "غلط العام" اور "غلط العوام" کا سہارا نہیں لیتے تھے بلکہ اصل تلفظ کی نشان دہی کے لئے اعراب ڈال دیتے تھے۔ اُن کو اردو اور پنجابی کے علاوہ فارسی، اور عربی میں بھی محاورہ حاصل تھا انھوں نے قرآن و احادیث کے حوالے جس تدبر و حسن سے نظم کئے ہیں وہ تلمیحی شاعری کے ایک درخشاں باب کا درجہ رکھتے ہیں۔ اُن کے تبحر اور وسعتِ علم کا اندازہ ان اشعار سے ہو سکتا ہے جو عربی، فارسی حتٰی کہ کشمیری، ہندی اور گورکھی زبان میں کہے گئے ہیں۔ لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے ابی المکرم کی شاعری کا مقصد "اظہارِ زباندانی" اور "ذہنی ورزش" نہیں ہے۔ بلکہ اُن کے سامنے ایک ہی نصب العین تھا جس کے حصول کے لئے وہ بار بار جماعت احمدیہ سے خطاب کرتے رہے ——— تبلیغ ——— اس کا عملی نمونہ انہوں نے خود پیش کیا ہے ——— ہجرت سے پہلے وہ اردگرد کے دیہات میں نکل جاتے اور لوگوں کو مسائل دینی سمجھاتے بلکہ فقہ و حدیث کی روشنی میں اُن کے خانگی

تنازعات کا فیصلہ بھی کرتے جس کی وجہ سے آپ کو "قاضی" کا خطاب ملا۔ اس کے علاوہ ریل گاڑی اور ایکہ پر جب بھی سفر کرتے اپنے ہم سفروں کو اسلام کا حقیقی پیغام پہنچانے سے دریغ نہیں کرتے تھے۔ اس دوران میں آپ کو کئی مرتبہ زدوکوب بھی کیا گیا لیکن آپ کی زبان اعلائے کلمۃ الحق سے باز نہ آئی۔ آپ نے ان "تبلیغی اسفار" پر ایک مثنوی بھی رقم کی تھی۔ قادیان میں آپ کے سپرد سلسلہ کے بہت سے تحریری کام رہے جن میں دن رات کی مصروفیت تھی۔ تاہم آپ صبح و شام سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مزار پر بڑی باقاعدگی سے حاضری دینے کے لئے وقت نکال لیتے۔ اس کے علاوہ جذبۂ شوق آپ کو ان پگ ڈنڈیوں اور گذرگاہوں پر بھی لے جاتا جن پر آپ کے آقا و مولیٰ سیر کے لئے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں ؎

دیکھا جہاں بھی نقشِ کفِ پائے میرزا
اکمل نے جھٹ ادا وہیں دوگانہ کر دیا

اس دوران میں اگر کوئی غیر مسلم یا غیر از جماعت مل جاتا تو اس کو دعوتِ حق دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ چنانچہ دہریہ، سکھ، پادری، ہندو، سجادہ نشین، گنوار عورتوں اور اہلِ پیغام سے ملاقاتوں کا حال آپ نے خود قلم بند کیا ہے۔ آپ کا جنونِ تبلیغ اس حد تک بڑھا ہوا تھا کہ جب کوئی نہ ہوتا تو چاند، زہرہ، دُمدار ستارہ، بلبل، کبوتر، فاختہ، کوئل حتیٰ کہ "ویرانے کے بادشاہ" ہی سے باتیں کرتے اور اپنے دل کی کہہ ڈالتے تھے۔ آپ کی بیشتر نظموں کا محور تاریخ احمدیت کا کوئی نہ کوئی اہم واقعہ ہے۔ اس لئے کوئی محقق چاہے تو بیعتِ اول سے لے کر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے انتخاب تک سلسلہ کے عروج و ارتقا کا بڑی آسانی سے احاطہ کر سکتا ہے۔

غرض ابی المکرم رضی کا یہ دیوان نہ صرف تاریخی حیثیت رکھتا ہے بلکہ احمدی نوجوان اسے باذوق حلقوں میں تبلیغ و اشاعت اور اصلاح و ارشاد کے لئے بھی کارآمد پائیں گے۔

ربوہ ——— ۲۷ ستمبر ۱۹۶۷ء   جنید ہاشمی
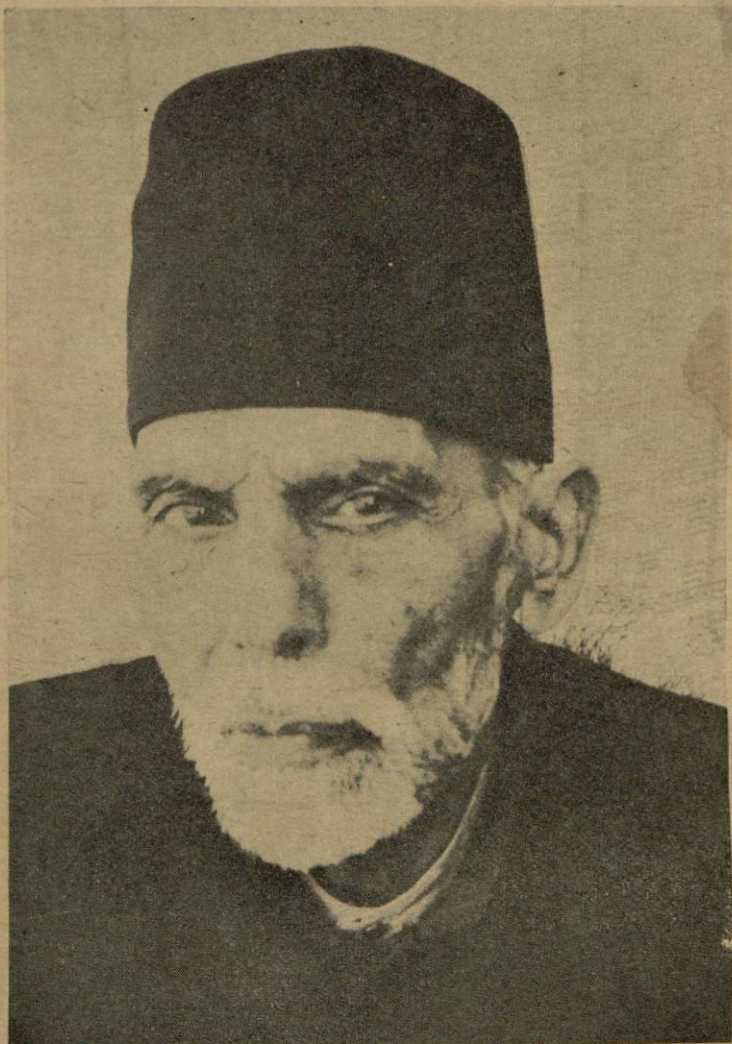
پہلی بعثت میں نبی ص کا مدح گو حسّان تھا
دوسری میں کہتے ہیں اکمل کہ تُو پیدا ہُوا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً

"وہ دن یاد آتا ہے تو خون کے آنسو رُلاتا ہے۔ جب مَیں اپنے امامؑ کے حضور آیا۔ اور اِس فکر میں تھا کہ کیا تحفہ پیش کروں۔ آخر نماز ظہر سے پہلے بیٹھ کر یہ چند اشعار جن میں قافیہ کا کچھ لحاظ نہیں وہیں بیٹھے بیٹھے لکھے اور پھر پڑھ دیئے آپ کی مُسکراہٹ نے میرے خرمنِ صبر و قرار پر اور بھی بجلیاں گرائیں اور مَیں یہیں کا ہو رہا۔"

آتشِ فرقتِ محبوب نے جب گرمایا
جذبۂ شوقِ زیارت مجھے پھر لے آیا

کیا کہوں ہجر کی گھڑیاں ہیں گذاریں کیونکر
دلِ شیدا کو تری یاد نے کیا تڑپایا

دل جو رہتا متوجہ بدیارِ محبوب
قبلۂ دیں کے لئے قبلہ نما بن آیا

مُرغِ دل جو کہ تڑپتا ہی رہا کرتا تھا
قطب دوراں کیلئے قطب نما بن آیا

پھوٹے وہ آنکھ نہ جسمیں ہو ترا شوقِ دید
ٹُوٹے وہ ہاتھ جو بیعت کو نہ تیری آیا

دل وُہ کیا دل نہ ہو جسمیں تری کچھ بھی اُلفت
سر وُہ کیا سر ہے نہ جسمیں تیرا سودا آیا

یُوسفِ مصرِ نبوّت کے حضور اک نادار
اپنی کم مائگی کو لے کے خریدار آیا

دی صدا اَوْفِ لَنَا الْکَیْلَ کی اُس نے آکر
مَسَّنَا الضُّرّ کی عرضی کو وُہ لے کر آیا

میرا پیمانہ معارف سے خُدارا بھر دے
کاسۂ عجز لئے ایک سوالی ... آیا

کچھ پتہ اس کو بھی محبُوبِ ازل کا دینا
ایک سرگشتۂ وادیٔ محبّت آیا

اِک جھلک اپنے سوالی کو بھی دکھلا دینا
اُسی محبُوب کی جس کا تُو نشان بن آیا

کونسی راہ سے دلبر کی طرف جاتے ہیں
راستہ پُوچھنے گُم کردۂ منزل آیا

تیرے چہرے سے نظر آئے خدا کا چہرہ — حق نما آئنہ واللہ یہی ہے آیا
شپرہ چشموں کو دکھلائی وہ دیتا کیونکر — اُفقِ وحی پہ جو مہرِ رسالت آیا
قلزمِ عشق سے نکلے ہوئے سچے موتی — ہدیہ کے طور پہ لے کر ترا خادم آیا
آرزو ہی تری خدمت میں رہوں کچھ مدت — بس اسی واسطے پردیس میں اکمل آیا

اپنے مولیٰ سے یہی میری دعا ہے دن رات
تیرے سایہ میں رہوں تو ہے خدا کا سایا

جنوری ۱۹۰۷ء

(۲)

ہم ڈھونڈتے تھے جس کو وہ دلربا یہی ہے — وہ پیارا پیارا چہرہ وہ مہ لقا یہی ہے
اپنا سلام جس کو ختم الرسل نے بھیجا — نبیوں کی شان والا وہ مجتبیٰ یہی ہے
تیغِ دعا کا جس کی لیکھو ہوا تھا کشتہ — وہ صلح جو بہادر جنگ آزما یہی ہے
کردی ہی جس نے قائم کل مذہبوں پہ حجت — وہ غالبِ زمانہ شبیرِ خدا یہی ہے
آتھم کو پہلے مارا۔ سعدی کو پھر پچھاڑا — وہ بابِ لُد کا فاتح کشور کشا یہی ہے
اپنے نشاں دکھا کے جھٹلایا رُعبِ حق نے — ڈرتے ہیں دل میں جس سے کل آریا یہی ہے
عیسیٰ کی موت ثابت سارے جہاں میں کردی — جو مر گیا وہ لوٹے جھوٹی رجا یہی ہے
ہوں سیدھے بال جس کے اور رنگ گندمی بھی — وہ مہدی و مسیحا بیٹھا ہوا یہی ہے
طاعون و زلزلہ کی پہلے خبر سنائی — ان پیشین گوئیوں نے ثابت کیا یہی ہے
پھر صدق پر ہے شاہد وہ آیت تقول — جو افترا ہو کرتا اس کی سزا یہی ہے
بخشی جسے خدا نے اعداء پہ کامیابی — جس کے گواہ بنتے ہیں ارض و سما یہی ہے
گم کردگانِ منزل آؤ تمہیں بتاؤں — وہ مرشدِ خلائق وہ رہنما یہی ہے
اس آئنہ میں دیکھے وہ جس نے دیکھنا ہو — محبوبِ لم یزل کا چہرہ نما یہی ہے
میرا دلی عقیدہ گر مجھ سے پوچھتے ہو — تو صاف میں کہونگا وہ مصطفےٰ یہی ہے

ڈنکے کی چوٹ سب کو میں یہ سُنا رہا ہوں
وُہ مُرسلِ الٰہی ہادی مرا یہی ہے

جس میرزا کی خاطر گھر بار ہم نے چھوڑا
آؤ تمہیں دِکھائیں وُہ میرزا یہی ہے

محتاج ہے دُعا کی رُوح وجسد کی حالت
کمزوریوں کا پُتلا خادم ترا یہی ہے

لُٹتا ہے معرفت کا ہر روز اِک خزانہ
اِس کاسہ میں بھی ڈالو میری صدا یہی ہے

بیٹھا ہے تیرے در پہ دُھونی رَمائے اکملؔ
اب ہو رہے ہے یہیں کا بس التجا یہی ہے

فروری ۱۹۰۷ء

(۳)

"حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے فرمایا کہ نظم نہایت سنجیدہ اور عمدہ ہے،
اِن سے لے کر چھاپ دی جاوے۔"

سارے جہاں سے اچھا دارالاماں ہمارا
دار الاماں ہمارا جنّت نشاں ہمارا

جس جا پہ اپنا عیسیٰ اُترا ہے آسماں سے
اے سُننے والو سُن لو ہے وُہ مکاں ہمارا

مسجودِ قدسیاں ہے یہ سرزمین واللہ
ہر لب پہ ذکر جاری ہے ہر زماں ہمارا

گُلہائے معرفت پر ہم بُلبلیں ہیں گویا
اب ہو چکا نشیمن یہ بوستاں ہمارا

یارب یہ آرزو ہے پُوری ضرور کرنا
مسکن ہو یاں ہمارا۔ مدفن ہو یاں ہمارا

کیا خوف ہے خزاں کا اِس بوستانِ دیں کو
جب احمدِ مکرّم ہے باغباں ہمارا

جو کام کر دکھایا۔ مہدی ترے قلم نے
وُہ کام۔ کر نہ سکتے سیف وسناں ہمارا

کُل اولیاء سے بہتر بعض انبیاء سے افضل
یہ مصطفٰے ہمارا یہ دِلستاں ہمارا

حد سے بڑھیں نہایت ایذائیں دشمنوں کی
طاعون حق نے بھیجا پھر پاسباں ہمارا

تم اے زمینی لوگو! نقصان کیا کروگے
ہے روزِ اوّلیں سے جب آسماں ہمارا

وُہ دِن بھی آرہا ہے جب ہو گا ایک عالم
اِن گالیوں کے بدلے خطبہ خواں ہمارا

برباد ہو رہے ہیں پر مانتے نہیں ہیں!
کب سمجھے گا الٰہی ہندوستاں ہمارا

مُنہ کالا دشمنوں کا کیا خُوب کر رہا ہے
ہر روز ہو کے ظاہر اک نیا نشاں ہمارا

زخمی جگر ہے اپنا اغیار کی زباں سے
پر کون جانتا ہے دردِ نہاں ... ہمارا

بیماریوں سے مَیں تو تنگ آگیا نہایت
چھوڑا نہیں ذرا بھی تابِ و تواں ہمارا

رو کے رکھا مرض نے ورنہ مَیں جلد آتا
لگتا بجز یہاں کے ہے دل کہاں ہمارا

کچھ ہو سکے تو کر لو بیمار کا مداوا
ورنہ عدم کو جاتا ہے کارواں ہمارا

دُکھ درد کی حکائت دِل کھولکر سُنائیں
کوئی نہیں جہاں میں پر رازداں ہمارا

کیوں گو لیکی میں رہتا کیا بیوفا تھا کوئی
ہم قادیاں کے اکملؔ اور قادیاں ہمارا

اپریل ۱۹۰۶ء

(۴)

چُن لے نگاہِ شوق تُو دار الاماں کے پھُول
دار الاماں کے پھُول کہ جنّت نشاں کے پھُول

ہم باغ باغ ہیں کہ خزاں کا خطر نہیں
ہاں ہاں سدا بہار ہیں اِس بوستاں کے پھُول

خوشبو سے اُن کی میرا معطّر دماغ ہے
کوئی دِکھائے مجکو ہیں ایسے کہاں کے پھُول

اے عندلیب! بھُول نہ اِس فانی پھُول پر
آئیں تجھے دِکھاؤں بقا کے مکاں کے پھُول

لے جاؤ میرے دوستو! بھر بھر کے جھولیاں
وقتِ سخن جو جھڑتے ہیں شاخِ زباں کے پھُول

شاخِ قلم ہی لائے گی پھل باغِ دہر میں
اب ہو چکے وُہ۔ موسمِ تیغ و سناں کے پھُول

بادِ خزاں ہُوت سے غفلت شعار قوم!
مُرجھائے جاتے ہیں ترے ہندوستاں کے پھُول

کچھ کانٹے اپنی راہ کے مدفون خاک ہیں
گنگا میں کچھ بہائیں گے اعداءِ جاں کے پھُول

یہ آگ کس کی آہوں نے یارب لگائی ہے
بس جل کے خاک رہ گئے ہر خانداں کے پھُول

جو باغ ہے بہار پہ احمدؑ کا باغ ہے
ہیں ہر طرف کھِلے ہُوئے اسمیں نشاں کے پھُول

چشمک زنی ستاروں سے کرتے ہیں رات دن
رنگت میں نکلے شوخ تری عزّ و شاں کے پھُول

جو آگیا چمن میں ترے اے خلیلِ وقت
اِس نار میں وُہی تو چُنے گا اماں کے پھُول

جو آیا بوستانِ ارادت میں شوق سے
چُننے اُسے پڑیں گے ضرور امتحان کے پھُول

ذرّے جو تیری خاک قدم کے ہیں اے مسیح!
وُہ اُڑ کے جا بنے چمنِ آسمان کے پھُول

جو ہٹ گئے ہیں تیری محبت میں اے حبیب
مٹی سے نکلے بن کے وُہی لامکاں کے پھُول

اِس کشتِ زار دِل میں جو اُلفت کا بیج تھا
وُہ لایا بن کے پودا کسی مدح خواں کے پھُول

کہتے ہیں شاخ آہ تو رہتی ہے بے ثمر
دیکھو لگے ہُوئے ہیں اسی میں فغاں کے پھُول

کس رشکِ گُل کی یاد میں نکلے ہیں میرے اشک
جو بن گئے نکلتے ہی باغِ جناں کے پھُول

کانٹا ہُوا ہے جسم مرا سُوکھ سُوکھ کے
یارب کبھی چُنوں گا مَیں تاب و تواں کے پھُول

اے باغبانِ باغِ نبوّت! قبُول کر
خادم ترا جو لایا ہے یہ ارمغاں کے پھُول

کچھ دامنِ بیان ہی کوتاہ و تنگ ہے
ورنہ تھے بے شمار مری داستاں کے پھُول

یہ ہار ہوں گلے میں ہمارے حبیب کے
اکملؔ نے جو کھلائے ہیں اپنے بیاں کے پھُول

(۵)

امام اپنا عزیزو! اِس زماں میں
غلام احمدؑ ہُوا دار الاماں میں

غلام احمدؑ ہے عرشِ ربّ اکرم
مکاں اُس کا ہے گویا لامکاں میں

غلام احمدؑ رسول اللہ ہے برحق
شرف پایا ہے نوعِ انس و جاں میں

غلام احمدؑ مسیحا سے ہے افضل
بروزِ مُصطفٰے ہو کر جہاں... میں

غلام احمدؑ کا خادم ہے جو دِل سے
بلاشک جائیگا باغِ جناں میں

تسلّی دِل کو ہو جاتی ہے حاصل
یہ ہے اعجاز احمدؑ کی زباں میں

قلم سے کام جو کر کے دِکھایا
کہاں طاقت تھی یہ سیف و سناں میں

غلام احمدؑ مختار ہو کر
یہ رُتبہ تُو نے پایا ہے جہاں میں

تری مدحت سرائی مجھ سے کیا ہو
کہ سب کچھ لکھ دیا رازِ نہاں میں

خدا سے تو - خدا تجھ سے ہے واللہ
ترا رتبہ نہیں آتا بیاں میں

اپریل ۱۹۰۶ء

(٦)

"سلام بحضور امام"

السلام اے عیسیٰ گردوں مقام — السلام اے مہدئ ذی احترام
السلام اے فاتح ملک سخن — السلام اے واقفِ سرّ و علن
السلام اے کعبۂ دل کے خلیل — السلام اے مظہرِ نورِ جلیل
السلام اے منبع جود و کرم — السلام اے میرے سلطان القلم
السلام اے یوسفِ کنعان دیں — السلام اے روحِ روح و جان دیں
السلام اے یادگار اسحاق کے — السلام اے شہریار آفاق کے
السلام اے مالک ملک عظام — السلام اے سالکِ راہ کرام
السلام اے اہلِ فارس کے نصیب — السلام اے اپنے مولا کے حبیب
السلام اے آدم آخر زماں — السلام اے عالم معجز بیاں
السلام اے باغِ احمد کے نہال — السلام اے ابن مریم کے کمال
السلام اے عترتِ ختم الرسل — السلام اے وارثِ ہر جزو و کل
السلام اے فخرِ آلِ مجتبیٰ — السلام اے افتخارِ مصطفیٰ
السلام اے نازشِ قلب بتول — السلام اے خاص فرزندِ رسول
السلام اے حجۃُ اللہ السلام — السلام اے ناقۃُ اللہ السلام
السلام اے روئے احمد کے جمال — السلام اے شانِ سرمد کے جلال
السلام اے نوحِ طوفانِ ضلال — السلام اے کشتی بانِ بے مثال
تو وہی ہے مومنوں کا پاک امام — جس کو پیغمبر نے بھیجا ہے سلام

اے امامِ اوّلین و آخرین — مدح تری مجھ سے ہو سکتی نہیں
تُو نے ہی عیسیٰ کی ثابت کی وفات — شرک سے ہم لوگوں کو بخشی نجات
تُو نے ہی مُردوں کو ہے زندہ کیا — سامنے آئے کوئی یہ کہہ دیا
مانتے ہیں صدقِ دل سے لا کلام — تجھ پہ نازل ہوتا ہے حق کا کلام
تُجھ کو نادانوں نے پہچانا نہیں — قدر تیری کو ذرا جانا نہیں
تُو وُہی مَوعُود ہے حق کی قسم — اَولیاء کے سر پہ ہے تیرا قدم
ہدیۂ اخلاص لے کر آیا ہوں — کاٹ کر ٹکڑے جگر کے لایا ہوں
نقدِ جاں حاضر کیا با صد شغف — گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

بس یہی ہے التجاء لیل و نہار
جانِ اکملؔ تیرے قدموں پر نثار

اپریل ۱۹۰۶ء

(۷)

ہو دُرود آپ پر افلاک سے آنے والے — اپنی اُمّت کو ہلاکت سے بچانے والے
آگیا ہم کو یقیں مہدئ معہود ہے تُو — اے میرے راہِ ہدایت کے دِکھانے والے
صُور پھونکا گیا عالم میں مسیحا تُو ہے — دمِ اعجاز سے مُردوں کو جلانے والے
ابنِ مریم سے نہ جو ہونا تھا وُہ تُو نے کیا — احمدی شان کو عالم میں بڑھانے والے
تُو نے بتلایا محمدؐ ہی ہے اِک زندہ نبی — اے الوہیّتِ عیسیٰ کو مٹانے والے
تُو نے اعجازِ نبی از سرِ نَو زندہ کیا — افصحِ عجم و عرب بن کے دِکھانے والے
تیرے چہرے سے برستے ہیں پیاپے انوار — ہُو بہُو شکلِ مسیحا نظر آنے والے
اپنے ہاتھوں سے تجھے حق نے معطّر ہے کیا — باغ توحید کا دُنیا میں لگانے والے
ہم کو بے دار نہ ہونے دیا۔ بیدار کیا — خوابِ غفلت سے ہمیں آ کے جگانے والے
آفریں کہتا ہے ہمّت پہ تری کُل عالم — غمِ اُمّت کو اکیلے ہی اُٹھانے والے

ایک حق کے لئے سب کو ہے بنایا دشمن
آفریں کر رہے ہیں سارے زمانے والے

جم گیا سکہ ترا اے میرے سلطانِ قلم
فاتحِ ملکِ سخن نام رکھانے والے

گرم جوشی سے تری آریہ۔ عیسائی۔ سکھ
پڑ گئے ٹھنڈے سبھی جوش دکھانے والے

جب کہ ہیں ختمِ رسل سرورِ عالم مانے
پھر کہاں حضرت عیسیٰ ہوئے آنے والے

خاک میں کرتے ہیں وہ اپنے نبی کو مدفون
چرخ پہ حضرت عیسیٰ کو چڑھانے والے

تو نے سمجھایا توفی کے ہیں معنے "مرنا"
شاہد آیات و احادیث کو لانے والے

دابۃ الارض ہی طاعون ہے بس فیصلہ کن
ٹھیک فرماتے ہیں یہ معنے سمجھانے والے

ہاں خدا کے لئے اکملؔ کو دعائیں دینا
احقر النّاس کی بگڑی کو بنانے والے

ستمبر ۱۹۰۶ء

(۸)

"۱۹۰۸ء کی سہ ماہی اول میں لاہور کسی کام کے لئے آیا تھا۔ وہاں لکھا۔"

اب سہا جاتا نہیں اکملؔ فراقِ قادیاں
کب نظر آئے گا مجھ کو پھر رواقِ قادیاں

جان کب ہوگی مری مہدی کے قدموں پر نثار
ہائے کب آئے گا وہ یومِ تلاقِ قادیاں

میں یہاں ہوں دل وہاں ہے تن یہاں ہے جاں وہاں
کس عبارت میں ہو ظاہر اشتیاقِ قادیاں

مجھ کو اس لاہور میں کچھ بھی نظر آتا نہیں
ہائے وہ شان و شکوہ و طمطراقِ قادیاں

مجھ کو معراجِ ترقی ہے وہی دل سے پسند
جو کراتا ہے مجھے علمی براقِ قادیاں

اے پرندو! ایک دن کے واسطے دو پر تو دو
اڑ کے جا پہنچوں نہیں تاب فراقِ قادیاں

چیر دوں وہ دل نہیں جس میں محبت جاگزیں
توڑ دوں وہ سر نہیں جس میں فراقِ قادیاں

یہ عروسِ کامرانی ہو چکی میرے لئے
نقد جان و دل دیا میں نے صداقِ قادیاں

ایک[۱] دن ڈنکا بجیگا بس اسی کے نام کا
چپکے چپکے کہہ رہا ہے یہ سیاقِ قادیاں

اپریل ۱۹۰۸ء

۱؎ یعنی ایک نبی اللہ کا مسکن ہونے کے سبب تمام عالم میں مشہور ہو جائیگا جیسا کہ گذشتہ سالوں کی ترقی سے ظاہر ہے۔"

(۹)

"جب میرا سیّد و مولیٰ لاہور گیا تو مَیں قادیان میں گھبرا گیا اور یہ چند اشعار لکھے آپ نے سُنکر فرمایا۔ اُن کو جلد یہاں بُلوا لو۔"

صفحۂ ارض پہ زرّیں ہے نشانِ لاہور
بڑھ گئی چرخِ چہارم سے بھی شانِ لاہور

مُردہ قوموں کے جِلانے کو مسیحا آیا
مُژدہ صد مُژدہ تمہیں زندہ دلانِ لاہور

اُتر آئی مرے مُولیٰ کی برہنہ تلوار
سرنگوں کس لئے ہونگے نہ بُتانِ لاہور

شبِ تاریکِ زلازل میں وُہ بدرِ کامل
کر رہا خُوب ہے تنویرِ جہانِ لاہور

جاں نکلنے کو ہے تیار ہمارے تن سے
ہائے کب آئے گا وُہ رُوحِ روانِ لاہور

"صُبح سے شام ہُوئی شام سے پچھلا پہر"
نظر آیا نہ مگر ماہِ زمانِ لاہور

کھا چکے جتنا غم و رنج و الم کھا سکتے
ختم لیکن نہ ہُوا قصّۂ خوانِ لاہور

تیرے مہجور مہاجر ہیں نہائت مضطر
دیکھنا چاہتے ہیں وُہ بھی مکانِ لاہور

کوئی اِس زخم پہ للّٰہ لگا دے مرہم
گڑ گئی ہے مرے سینے میں سنانِ لاہور

تیر پہ تیر جُدائی کے چلے آتے ہیں
کھچ گئی میرے لئے کیسی کمانِ لاہور

کہہ گیا کچھ مَیں اگر۔ جوشِ تپِ فُرقت میں
مجھے معذور رکھیں احمدیانِ لاہور

اپنے اکمَلؔ کو بُلا لیجئے جلدی حضرت!
ہر گھڑی جس کی زباں پہ ہو بیانِ لاہور

مئی ۱۹۰۸ء

(۱۰)

"حضرت اقدس ؑ کے وصال کے بعد مہاجرین کے دِلی خیالات"

ہم قادیان کو چھوڑ کر ہرگز نہ جائیں گے
کُوچے میں اپنے یار کے دُھونی رمائیں گے

پروانہ وار جان بھی کر دیں گے ہم نثار
لو اپنی شمعِ حُسن سے ایسی لگائیں گے

رہنے دو یہ حمیرؔ مرے کام کا نہیں
ہم اس کی گردِ راہ کا سُرمہ بنائیں گے

اے عندلیب! پھول رہی ہے تو پھول پر
ہم تجھ کو اپنا پھول کسی دن دکھائیں گے

پہلے کہیں سے جا کے جگر تھامنا تو سیکھ
پھر اپنی داستان تجھے ہم سنائیں گے

سینے کے زخم سینے کی حاجت تو درکنار
ان پر نمک چھڑک کے مزے ہم اڑائیں گے

دارالاماں کی خاک کو ترجیح دیں گے ہم
آبِ حیاتِ خضر بھی گو مفت پائیں گے

جس پر کبھی زوال کی راتیں نہ آتی ہوں
اُس چودھویں کے چاند سے ہم دل لگائیں گے

مشتاقِ دید دیدہ و دل فرشِ راہ ہیں
یا رب ہمارے پاس وہ کس وقت آئیں گے

آتی ہے یہ صدا۔ لبِ جاں بخش سے ترے
ہم مُردگانِ قوم کو قُم سے جلائیں گے

پھر آگیا بہار پہ موسم بہار کا
زخمِ جگر کو کھول کے ہم گُل کھلائیں گے

جان جاتی ہے تو جائے یہ پروا نہیں ہمیں
جو قول کر چکے ہیں اُسے ہم نبھائیں گے

یہ سر ہے اپنا اور ترا سنگِ آستاں
اُٹھ جائینگے جہاں سے نہ اسکو اُٹھائیں گے

تیری ہوا میں اڑتے ہیں جو طائرانِ دل
وہ آشیانہ عرش پر اپنا بنائیں گے

اِس کوچہ کی گدائی بھی اکملؔ قبول ہے
پر قادیاں کو چھوڑ کے ہرگز نہ جائیں گے

۱۸ر جون ۱۹۰۸ء

(۱۱)

مَیں اپنے بخت پہ کس واسطے نہ ناز کروں
جنابِ حق میں نہ کیوں خم سرِ نیاز کروں

حضورِ مہدیٔ آخر زماں نصیب ہُوا
نغمہ ہائے طرب کس لئے نہ ساز کروں

نہ ہو خلافِ شریعت تو ہے مری مرضی
مَیں اپنے کعبۂ دل کی طرف نماز کروں

اگر حوادثِ ارض و سما ستائیں مجھے
تو دارِ امن و اماں ملجاؤ ملاذ کروں

ہزار سال گیا تیرہ سو برس کے بعد
نبی کا چہرہ جو دیکھا تو کیوں نہ ناز کروں

خدا کے فضل سے اِک ناخدا ملا ہے مجھے
نہ چاہیئے مجھے اندیشۂ جہاز کروں

عُلوِّ شان جو عرش عظیم تک پہنچی
مَیں کس زمیں میں تری مدح اب طراز کروں

مقابلہ میں ترے آگیا جو کوئی حریف
اُسے نصیحتِ "اے ترک من مناز" کروں

سُنائیں آپ کو کچھ اپنا حالِ زار مگر
خلاف شیوۂ عشاق کشف زار کروں

گنوا کے صبر کی مفتاح یہ تو ٹھیک نہیں
درِ شکایتِ غمہائے قلب باز کروں

ملالِ طبع کا خطرہ ہے ورنہ ذوقِ سخن
یہ چاہتا ہے ابھی اور کچھ دراز کروں

مرا ہو مسکن و مدفن اِسی جگہ یارب
جو کوئی آز کروں میں تو پھر یہ آز کروں

ہے ابتدا سے حقیقت پسند طبع میری
کبھی پسند نہ مَیں مسلکِ مجاز کروں

بروزِ مکہ مدینہ ہے قادیاں موجود
غریب ہو کے مَیں طے کیوں رہِ حجاز کروں

دُعا کرو کہ ہو نیکی کے کرنے کی توفیق
بدی سے صحبتِ بد سے مَیں احتراز کروں

یہی دُعا ہے یہی التجائے اکمل ہے
مجھے وہ آنکھ ملے جس سے امتیاز کروں

۹ر جون ۱۹۰۶ء

(۱۲)

"رات مَیں حسبِ معمول اپنی چارپائی پر لیٹا تھا۔ بدر نے اُفقِ مشرق سے سر نکال کر تیرگیٔ عالم کو جھانکنا شروع کیا۔ اُسوقت جو کچھ میرے قلب کی کیفیت ہوئی وُہ لفظوں میں نہیں آسکتی۔ اس بدر کا چمکتا ہوا چہرہ دیکھ کر مجھے اپنا بدرِ آسمانِ نبوّت یاد آگیا اور بے اختیار میری زبان سے نکلا۔ ؎

چاند کو اب دیکھ کر میں سخت بیکل ہوگیا ؛ کیونکہ کچھ کچھ ہے نشاں اُسمیں جمالِ یار کا

"ایک فُرقت زدہ ایسی حالت میں مجبور ہو جاتا ہے اِس بات پر کہ اس کا جوش شعروں کی صُورت میں نکل جائے۔ مَیں نے چاند ہی کو مخاطب کیا۔ اور اس قدیمی مگر نئے ہرکارے کے ذریعہ یہ سلام بھیجا۔ .. .. خود حاضر ہو کر پہنچاتا تھا"

اے چاند تیری چاند سی صُورت عجیب ہے
یاد آتا تجھ کو دیکھ کے وجہ الحبیب ہے

یہ تیری روشنی مری آنکھوں کا نُور ہے
ہاں ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی دل کا سرور ہے

کچھ کچھ مناسبت ہے تجھے میرے حال سے
مَیں ہمکلام تم سے ہُوا اِس خیال سے

سینے میں تیرے داغ ہے میرے بھی داغ ہے — دونوں گھروں میں جل رہا اک ہی چراغ ہے

فق ہوگیا ہے رنگ ترا کس کی یاد میں — چہرہ سفید پڑ گیا کس اوفتاد میں

ٹکڑے جگر ہوا ترا کس کے فراق میں — گردش ہے رات دن تری کس اشتیاق میں

وہ کون سی زمیں ہے جس میں نہ تو گیا — ہر جا یہ جل چکا ہے ترے سوز کا دیا

آخر یہ جدّ و جہد یہ دن رات کا سفر — کس کے لئے اٹھاتا ہے ننھی سی جان پر

ہاں گھٹتے گھٹتے تو کبھی شاخِ کھجور ہے — پھر بڑھتے بڑھتے رشکِ تجلّیٔ طور ہے

کیا راز ہے تمہارے زوال و کمال کا — تبدیل ہونا صورتِ بدر و ہلال کا

جب زلف کھولی لیلیٔ شب نے بوقتِ شام — تو نے پئے نظّارہ بنایا فلک کو بام

یہ کیا معاملہ ہے بتا دے مجھے ضرور — جو سچّی بات ہے وہ سنا دے مجھے ضرور

اے چاند ایک بات ہے، مانے تو میں کہوں — میری شبِ فراق کے مونس! سنا ہی دوں

پیغام بھیجنا ہو کوئی کوئے یار میں — لیجاؤ یا نہیں؟ اُسے کرنوں کی تار میں

ہاں ہاں ضرور کام یہ اے جان کیجیو — ناکام ناتواں پر احسان کیجیو

اِک باغ پُر بہار ہے دار الامان کا — واں مقبرہ ہے میرے مسیح الزمان کا

اس مقبرہ پہ نور کی چادر چڑھائیو! — پھر یہ پیامِ اکملِ محزوں سنائیو!

کہنا کہ اے خدا کے نبی۔ مہدیٔ زماں — اے وہ کہ جسکے واسطے پیدا ہوا جہاں

جس کا ظہور خاص خدا کا ظہور ہے — جس کا مکان غیرتِ صد کوہِ طور ہے

تحمید جس کی ہوتی ہے عرشِ عظیم سے — جس کے عجیب راز ہیں ربِّ کریم سے

جس کے قدم کے واسطے کُل اولیاء نے — آنکھیں بچھائیں راہ میں اور سر جھکا دئے

بعض انبیاء سے بڑھ کے ہی جو اپنی شان میں — جو تیر بر ہدف ہے خدا کی کمان میں

شہرہ ہے جسکے فضل کا سارے جہان میں — بھیجا گیا مسیح۔ محمدؐ کی شان میں

صد ہا درود تجھ پہ ہو۔ صد ہا سلام ہو — رحمت خدائے پاک کی نازل مدام ہو

منظور یہ دُعا مرے پروردگار ہو
اکملؔ کی جان راہ میں تیری نثار ہو

۲۰ر جولائی ۱۹۰۸ء

(۱۳)

چار بجے سے کچھ پہلے میری آنکھ کھلی۔ تو یک دم میری نظر اس روشن سیارے کی طرف پڑی جو آجکل اُفق مشرق پر عروس فلک کی زینت بن رہا ہے۔ بارش ہو چکی تھی مطلع صاف تھا۔ اِسلئے اس کا نکھرا ہوا رنگ کچھ عجیب دلآویز تھا۔ آشفتہ مزاج اکملؔ کا دِل بے اختیار ہو گیا اُسوقت شاعرانہ ترنگ میں جو کچھ کہہ گیا وُہ یہ ہے۔ ایسی حالت میں جو کچھ کہہ جاؤں اسکی اِصلاح نہیں کیا کرتا۔

الماس کا یہ ٹکڑا۔ کیسا چمک رہا ہے
ماتھے پر آسماں کے جھومر لٹک رہا ہے

آنکھوں میں میری آجا او دُور رہنے والے
کیا سُن رہا ہے جو کچھ کہتے ہیں کہنے والے

کیوں دُور دُور ہم سے پھرتا ہے نُور والے
ہم تو وُہی ہیں تیرے مشتاق طُور والے

اے صبح کے ستارے! کیا روشنی ہے تیری
کیا شکل پیاری پیاری۔ من موہنی ہے تیری

یہ صبح صبح سیریں جو ہِ سما میں کیسی
یہ دَوڑ دُھوپ تیری۔ ہر اس فضا میں کیسی

ہاں ہاں طرارے بھرتا تُو جا رہا کہاں ہے
کس کا پیام لایا؟ کس کا خبر رساں ہے

مَیں خُوب جانتا ہوں جس کا پیام بر ہے
جس مہرباں کی خاطر بیدارئ سحر ہے

از بس قریب ہے، اب وقتِ ظہورِ صادق
پھیلے گا کوئی دم میں دُنیا پہ نُورِ صادق

ہو جائے گا اُجالا نکلے گا شاہِ خاور
پہنچے گا فیض اس کا افلاک سے زمیں پر

میرا بھی ایک صادق رہتا ہے آسماں پر
قربان میری جاں ہو اس پیارے دِلستاں پر

وُہ نیّرِ رسالت وُہ آفتابِ قدرت
پھیلی ہے اِک جہاں میں جسکی ضیاءِ وحدت

جو نُور ہے خدا کا جو طُور ہے خدا کا
فرزند مصطفٰے کا ہادی رہِ ہُدےٰ کا

خاکِ قدم سے جس کی انوارِ حق ہویدا
اِک اِک اَدا سے جس کی شانِ خدا ہے پیدا

میرے عزیز تارے! اس کی خبر سُنانا
اس زیرِ جہاں کے حالات کچھ بتانا
کب پھر طلوع ہوگا الہام کے اُفق پر
کب پھر رجوع ہوگا۔ اسلام کے اُفق پر
کب آئیں گی بہاریں۔ اصحاب کے چمن میں
کب گائیں گے ملاریں۔ احباب پھر وطن میں
کب وُہ کلامِ عزت آویز گوش ہوگا
ہاں کب وُہ جامِ وصلت دِلبر کا نوش ہوگا
کب پیارا پیارا چہرہ۔ مشتاق دید دیکھیں
کب صائمینِ فرقت۔ وصلت کی عید دیکھیں
زہرہ! او پیارے زہرہ! یہ لمبی داستاں ہے
اور اس طرف کو اے لے۔ وُہ ہو رہی اذاں ہے

تیرا سفر ہے لمبا اب جاؤ تم خوشی سے
اکمل بھی جا رہا ہے مسجد نماز پڑھنے

(۲۰ر اگست ۱۹۰۸ء)

(۱۴)

(ایک پُرانی نظم۔ جو سخت بخار کی حالت میں لکھی گئی تھی)

تیرہ[۱۳] صدیوں سے تھی اُمید ترے آنے کی
جلوہ رُوئے جہانتاب کے دکھلانے کی
منزلت عرشِ مُعلّٰی کی عطاء ہو جائے
کس کو اُمید تھی یہ پایہ یہاں پانے کی
کس جواں مردنے کی کسرِ صلیب اعداء
مَیں بتاؤں؟ مرے ہادی مرے مرزا نے کی
چشمِ حق بیں جو نہ رکھتے تھے تو ان اندھوں پر
منکشف کچھ بھی حقیقت نہ ہُوئی کانے کی
خدمتِ دیں میں جاں اپنی فدا کر دینا
حق کے نزدیک ہے، لوگو! یہی اعلیٰ نیکی
جس قدر چاہتا ہے زور لگالے دشمن
آرزو تیری نہیں ایک بھی برآنے کی
ہُوا منصور و مظفر یہ خدا کا مُرسل
پیش کچھ بھی نہ گئی یاں کسی مُلّانے کی
چل رہی سر پہ ہے تلوار مرے مہدی کی
جو صدا نکلے ہے وُہ چیخنے چِلّانے کی
دوڑتی آتی قدم لینے اجابت اس کے
جو دُعا اس مرے مُرشد مرے آقا نے کی
ناخدا ہے مری کشتی کا یہی مردِ خدا
پختہ اُمید ہے ساحل پہ پہنچ جانے کی
حکمت آموز فلاطوں ہے ترا ہر خادم
عقل سقراط سے بڑھ کر ترے دیوانے کی

چیر کر سینہ دکھاؤں دلِ بریاں اپنا ۔۔۔ تاب ہے کس کو مگر دیکھنے دکھانے کی

کھانے پینے سے تو نفرت ہے مگر عادت ہے ۔۔۔ خونِ دل خونِ جگر پینے کی غم کھانے کی

قیس مجنوں تھا جو جنگل میں رہا سرگرداں ۔۔۔ سیکھتا مجھ سے ادا یار پہ مرجانے کی

آرزو ہے کہ یہیں مسکن و مدفن ہو مرا ۔۔۔ ترے مخلص۔ ترے شیدا۔ ترے دیوانے کی

ایک چلو ہی میں گھر بار بھلایا ہم کو ۔۔۔ خوب مے ہے مرے ساقی ترے پیمانے کی

آنکھ طوطے کی نہیں ہوں کہ بدل جاؤں میں ۔۔۔ آستاں چھوڑنے کا میں نہیں خمخانے کی

معنی پرور جو ہیں آواز سے اُن کو کیا کام ۔۔۔ باطنی لوگوں کو لت ہوتی نہیں گانے کی

قلزمِ عشق سے نکلے ہیں یہ سچے موتی ۔۔۔ گو مجھے طرز نہ آئی ہو پرو لانے کی

جوششِ عشق میں اکمل نے لکھے چند اشعار

ورنہ اِن ہاتھوں میں طاقت نہ تھی لکھوانے کی

۲۴ ستمبر ۱۹۰۸ء

(۱۵)

حضرت "مغفور" کا مرثیہ۔ لکھنے کو جب قلم اُٹھاتا۔ تو قلم ہاتھوں سے گر پڑتا۔ آخر ایک دن یہ چند اشعار زبانِ قلم سے نکل گئے۔

※

وہ چہرۂ منور کچھ اور دیکھ لیتے ۔۔۔ وہ دلستان و دلبر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

ہو اصل جس کی ثابت اور فرع آسماں پر ۔۔۔ اِس نخل کا گلِ تر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

کیا کاٹ تھی غضب کی دشمن کی صف اُلٹ دی ۔۔۔ تیغِ نبیؐ کے جوہر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

وہ ظہر و عصر آکر۔ کچھ دیر بیٹھ جانا ۔۔۔ وہ جلوۂ مکرر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

ہر روز ہو میسر۔ دیدارِ روئے انور ۔۔۔ یہ خوبیٔ مقدر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

خوشبو پہنچتی جن کی میرے مشامِ جاں تک ۔۔۔ وہ گیسوئے معنبر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

وہ حسنِ مجتبائی۔ وہ خلقِ مصطفائی ۔۔۔ وہ شانِ ربِّ اکبر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

وہ لطف و مہربانی۔ وہ ذوقِ قدردانی ۔۔۔ وہ دل دہیِٔ مضطر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

جس نے پلائے اکملؔ بھر بھر کے جامِ وحدت
وُہ معرفت کا کوثر۔ کچھ اور دیکھ لیتے

(١٦)

سچ کہہ دوں اے مخالف گر تو بُرا نہ مانے
تیرے خیال اگلے سب ہو گئے پُرانے

وُہ دن گئے کہ عیسٰی زندہ تھا آسماں پر
احمدؑ کی زندگی کے گائیں گے اب ترانے

سردارِ انبیاء ہوں مدفون زمیں کے نیچے
جس کے لئے بنائے ارض و سما خدا نے

مُوسٰی کا اِک خلیفہ بٹھلا کے آسماں پر
کچھ بے تکی مُلا نے اُلٹی لگے اُڑانے

مخصوص ہیں خدا سے جو کام اِس جہاں میں
اِک بندۂ خدا میں تم لگ گئے سُنانے

اب رنگ کچھ جہاں کا ایسا ہی ہو رہا ہے
پہلے نہ تھا یہ ہرگز گزرے کئی زمانے

رکھتے نہیں ہیں روزے پڑھتے نہیں نمازیں
حج و زکوٰۃ میں بھی سَو سَو کریں بہانے

عہدوں کا توڑ دینا کچھ بات ہی نہیں ہے
دُنیا میں رہ گئے ہیں اب صدق کے فسانے

اپنے پرائے بن کر۔ ہم کو ستا رہے ہیں
بیگانے ہیں وُہی اب جو تھے کبھی یگانے

سِلنے کے زخم اپنے سینے ہُوئے ہیں مُشکل
اب سوزنِ تفکر ٹانکے لگی لگانے

جھگڑے یہ مذہبوں کے مِٹتے نہیں مٹائے
نا اتفاقیوں کے صدمے پڑے اُٹھانے

دن رات ہم تو روتے سَو طرح کے غموں میں
اور دشمنوں کے گھر میں بجتے تھے شادیانے

یہ حالتِ زمانہ مُصلح کو چاہتی تھی
دل سے نکل رہے تھے اندوہ کے فسانے

کشتی شکستگانیم اے بادِ شرط برخیز
باشد کہ باز بینیم آں یارِ دلستانے

مایُوسی کی گھٹائیں ہر دِل پہ چھا رہی تھیں
کچھ کی مگر رسائی اس آہِ نارسا نے

جب ہاتھ سُوئے گردوں رو کر اُٹھائے میں نے
سُن لیں مری دُعائیں آخر مرے خُدا نے

بھولا نہیں سماتا جامے میں وُہ خوشی سے
کچھ گوشِ گل میں جھک کر کیا کہہ دیا صبا نے

محبوب میرا آیا۔ جلوہ عجب دِکھایا
ہوش و حواس اپنے کیونکر رہیں ٹھکانے

دیرینہ سال پیرے بُردش بیک نگاہے — آں دل کہ رم نمودے از خُوبرُو جوانے

دِل میرود زِ دستم صاحبدِلاں خدارا
دردا کہ رازِ پنہاں خواہد شُد آشکارا

آہم دُوئی کے جھگڑے اِکدم سبھی مٹا دیں — کثرت میں رنگِ وحدت لوگوں کو ہم دکھا دیں

زنّار میں پرو دیں تسبیح کے یہ دانے — احمدؐ امام اُن کا اسے مہرباں بنا دیں

صحرائے رازِ اُلفت سُنسان ہو رہا ہے — لے کر مقامِ خُلّت بنیاد اِک اُٹھا دیں

اپنے ہی آنسوؤں سے گوندھیں گِلِ محبّت — کعبہ اِسی زمیں میں چھوٹا سا اِک بسا دیں

کعبہ بھی وُہ کہ جس پر ہو شانِ کبریائی — در پر پھر اسمِ اعظم بس یک قلم لکھا دیں

جب مُہرِ قفلِ در پر ختم الرسل کی چمکے! — ہاتھوں میں میرزا کے اِسکی کلید جا دیں

ہو سنگِ اسود اس کا ہی آستانِ ابیض — بوسوں کا تار اس پر ہم روز و شب لگا دیں

ہجرت ہو چھوڑ دینا نفسانی خواہشوں کا — اور زادِ راہ تقویٰ اپنے لئے بنا دیں

گھر سے نکل کے پہنیں ہم کفنیاں گلے میں — دُنیا کی خواہشوں کے کپڑے سبھی جلا دیں

دُنیا سے ہاتھ دھولیں ہو غسل غسلِ میّت — گو جیتے جاگتے ہوں پر ہستیاں مٹا دیں

پہنیں لباس ایسا ہو جس میں رنگ تقویٰ — بد کو حرام سمجھیں۔ احرام کی ندا دیں

کتنے عزیز اپنے پیچھے بُلا رہے ہوں! — محبُوبِ لم یزَل کو لبیک کی صدا دیں

طاعات کی رسن ہو گویا مُہار اپنی — نفسوں کی اُونٹنی کی قُربانیاں چڑھا دیں

ہر اِک خیالِ بد کو دِل سے نکال دینا — رمی الجمار اپنا اس طرز میں نبھا دیں

حلق الرؤس یُوں ہو۔ دُنیا کا بار پھینکیں — اُلفت کی آگ لیکر ہم دھونیاں رما دیں

اپنا طواف ہر دم کعبہ کے گرد رکھیں — یعنی اِسی کی خاطر دُنیا کو ہم بھلا دیں

صدقے ہوں اس طرح سے محبُوب دلستاں پر — جانیں نثار کر کے جانِ جہاں ملا دیں

ساقی کے سامنے ہو رکھّی مئے دو سالہ — بھر بھر کے جامِ عرفاں احباب کو پلا دیں

"ہات الصبوح ھبّوا یا ایُّھا السُّکارا" کعبہ کی چھت پہ چڑھ کے ہم یہ اذاں سُنا دیں
مستی میں ہم دِکھائیں بیدار مغزی کامل
تا عرش پھر زمیں سے اِک تہلکہ مچادیں

(۱۷)

ہمارے سینہ میں ایسی سوزش ہو راکھ کردے جلا جلا کر
آگ دل کی نہیں ہے بجھتی۔ تھکے ہیں ہم تو بجھا بجھا کر

یہ موت ہم کو دِکھا رہی ہے عجیب نقش و نگار ہستی
ہزاروں خاک کے اُڑا اُڑا کر۔ ہزاروں نقشے جما جما کر

بندھی ہے جنکی ہوا یہاں پر۔ ہوائی قلعے بنا رہے ہیں
کریگی برباد انکو اِک دن۔ ہوائے دُنیا اُڑا اُڑا کر

مسیح کوئی خُدا نہیں تھا جو مُردے قبروں سے زندہ کرتا
شریکِ باری بنا نہ ظالم۔ خدا خدا کر خدا خدا کر

ہے چند روزہ یہ فانی دُنیا۔ رہا نہ کوئی نہ یاں رہیگا
گھٹا رہا ہے سرورِ دل کا تُو حرص اپنی بڑھا بڑھا کر

جہازِ عمرِ رواں نہ ڈوبے تھپیڑے موجوں کے آ رہے ہیں
نسیمِ عشرت نہ کردے غافل تھپک تھپک کر سُلا سُلا کر

فلک پہ جائے وجودِ خاکی۔ غلط ہے بالکل قسم خدا کی
نہ کہنے والوں نے کُچھ حیا کی یہ جھوٹے قصّے سُنا سُنا کر

کہا شرارے نے کچھ چمک کر۔ بتایا غنچہ نے پھر چٹک کر
وُہ راز رکھتے تھے صُوفی صاحب جو ہم سے اتنا چھپا چھپا کر

تُو میری آنکھوں میں نُور بنکر تو میرے دِل میں سُرور ہوکر
ضرور آ جا کہ تجھ کو اے جاں ہے پایا صدمے اُٹھا اُٹھا کر

پلادے ساقی پلائے ساقی نہ رہنے دے آج کچھ بھی باقی
ہمیں تو دِلبر سے کر ملاقی کہ تھک گئے ہم منا منا کر

یہ حوضِ کوثر پہ کون بیٹھا ہے مستِ جامِ الست ساقی
کہ بادہ نوش آج پی رہے ہیں علانیہ سر ہلا ہلا کر

گُناہ گاروں سیاہ کاروں پہ ابرِ رحمت کا ایک چھینٹا
ترس رہے ہیں ترسنے والے نگاہیں اپنی اُٹھا اُٹھا کر

نماز روزے سے گر ہیں غافل تو کافروں میں ہوئے وہ شامل
اگرچہ بچّوں کو بی اے۔ ایم اے بنایا ہم نے پڑھا پڑھا کر

وُہ چرخِ رفعت کا تارا بنکر ضرور چمکیگا اِک دن آخر
بنے جو خاکِ رہِ محمدؐ۔ وجود اپنا مٹا مٹا کر

جہاں کی چیزوں سے سرد کردے محبت اپنی وگرنہ اکمل
یہ حرصِ دُنیا وہ آگ ہے جو بھسم کریگی جلا جلا کر

۲۱ر جنوری ۱۹۰۹ء

(۱۸) زہرہ کے ذریعے سے۔ بلادِ مغرب کو

"غالباً نو یا دس دن گزرے ہوں گے۔ مَیں نے زہرہ کو شفق کی سُرخی میں دیکھا۔ اُسوقت جو خیالات میرے دل میں پیدا ہُوئے۔ وُہ ہدیۂ ناظرین ہیں۔"

پھاڑ کر تُو نے گریبانِ سحر کیا دیکھا
اپنی ہستی ہی میں پیغامِ فنا کا دیکھا

سوچتا ہوں کہ یہ آنا بھی کوئی آنا ہے
تیری آمد ہی میں رفتن کا تماشا دیکھا

پہلے پہلے تو مَیں سمجھا کہ شفق پھیلی ہے
پھر جو دیکھا تو۔ ترا۔ خُونِ تمنّا دیکھا

کِس کے نظّارے نے حیراں کیا ہے اِتنا
ہم نے اس آنکھ کو اِک نرگسِ شہلا دیکھا

لالہ زاروں میں یہ اُڑتا ہے کہاں کا جُگنو
کِس کے سینے کا یہ اِک داغ ہَویدا دیکھا

کون سی شمع کا پَروانہ ہے اُڑنے والا
جس کی پَرواز میں پروانہ قضا کا دیکھا

کون سی کان سے نکلا ہے یہ سُچّا موتی
کِس گلو کا یہ چمکتا ہُوا ہیرا دیکھا

میری آنکھوں سی تجھے دیکھے جو دیکھے کوئی
چشمِ محبُوب کا مَیں نے تجھے تارا دیکھا

دیکھنا دیکھنا یہ مُہرِ نبوّت تو نہیں
جسمیں یُوں جلوۂ صد نیّرِ بیضا دیکھا

یاد آئی ہو مجھے کِس کی درخشندہ جبیں
کچھ سمجھتے ہیں جن آنکھوں نے وُہ مِرا دیکھا

تُو وہی صبح کا تارا تو نہیں اے زہرہ
کچھ مہینے ہُوئے مَیں نے جسے تنہا دیکھا

مرحبا پیکِ سحر خُوب تگ و دو ہے تری
تجھے ہر وقت کِسی چیز کا جویا دیکھا

سیر کی تُو نے بہت یہ تو بتا دے ہم کو
کونسے بُرج میں خورشید ہمارا دیکھا

دیکھے ہوں گے کئی انوار کے پُتلے تُو نے
کیا کوئی اُن میں مرا نُور کا پُتلا دیکھا

آج کل ٹھانی ہے تُو نے سفر مغرب کی
ایک تقویم میں۔ مَیں نے یہی لکھا دیکھا

میرے "صادق" کا بھی پیغام وہاں لے جانا
تجھے پیغام رسانی میں تو یکتا دیکھا

کہنا اِک مہرِ رسالت ہے چڑھا مشرق میں
جس سے تاریکئ عالم میں اُجالا دیکھا

تشنہ کامانِ ولائت کو سُنا دو مژدہ
ہم نے توحید کا بہتا ہُوا دریا دیکھا

"آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند"
ہند میں فرشِ زمیں پر وہ مسیحا دیکھا

اُس نے ثابت کیا اسلام ہی سچا مذہب
دین و دنیا میں اُسے انفع و اعلیٰ دیکھا

"سب جہاں چھان چکے ساری دکانیں دیکھیں
مئے عرفان کا یہی ایک ہی شیشہ دیکھا"

"کس سے اس نور کی ممکن ہو جہاں میں تشبیہ
وہ تو ہر بات میں ہر وصف میں یکتا دیکھا"

"پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں
پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا دیکھا"

"یا الٰہی تیرا فرقاں ہے کہ اک عالم ہے
جو ضروری تھا وہ سب اس میں مہیا دیکھا"

"آؤ لوگو کہ یہیں نورِ خدا پاؤ گے"
ہم نے یہ طور پئے جلوۂ مولیٰ دیکھا

جاں بلب پیاس سے کچھ لوگ ہوئے جاتے تھے
"ناگہاں غیب سے اک چشمۂ اصفیٰ دیکھا"

اسی کوثر کا ہے ساقی شہِ خوباں احمدؐ
جس کا اللہ کو بھی چاہنے والا دیکھا

بس یہ پیغام ہے اکمل کا جو پہنچا دینا
تجھے دیرینہ رفیق اور شناسا دیکھا

(۱۹)
ایک دوست کو پیغام

آکہ یہ مال نثارِ شہِ خوباں کر دیں
مال کیا چیز ہے قرباں دل و جاں کر دیں

رات کو اُٹھ کے تہجد میں دعائیں مانگیں
مشکلیں راہ میں جتنی ہیں وہ آساں کر دیں

ظلمتیں ظلم کی. کافور سبھی ہو جائیں
نورِ ایماں کی جو اک شمع فروزاں کر دیں

حق کی توحید کا ہو جوش کچھ ایسا دل میں
جتنے کافر ہیں جہاں میں وہ مسلماں کر دیں

لا کی تلوار سے جو بت ہو ہٹا دیں اُسکو
ذاتِ اللہ کو دنیا میں نمایاں کر دیں

صیقلِ عشق سے ہم قلب کو دیں ایسی جلا
آئینہ سازی میں ہر ایک کو حیراں کر دیں

اپنی شیریں سخنی کا یہ دکھائیں اعجاز
گالیاں دیتے ہیں جو اُن کو ثنا خواں کر دیں

پھول جھڑتے ہوں دہن سے جو کبھی گویا ہوں
گویا محفل کو ہم اک صحنِ گلستاں کر دیں

خانۂ دل کو ہم اغیار سے خالی کر کے ... اپنے محبوب طرحدار کو مہماں کر دیں
نہ رہے چور کا ڈر اور نہ رہزن کا خطر ... آ کہ اپنے تئیں ہم بے سر و ساماں کر دیں
لے کے ہاتھوں میں اُولوالعزمی کا اک گُرز گراں ... ہم جوانمردی سے سرکوبیٔ شیطاں کر دیں
عرشِ بلقیسِ معارف کو اُڑا لائیں ہم ... زندہ اعجازِ غلامانِ سلیماں کر دیں
بہتری خلق کی مقصود بنا لیں اپنا ... جتنی اوقات ہے، وہ وقفِ ندیماں کر دیں
کوچۂ یار میں فریاد کریں کچھ ایسی ... حشر زا شور سے دشمن کو ہراساں کر دیں

سوز ہو۔ درد ہو اشعار میں ایسا اکملؔ
پیارے محمودؔ کو بھی آج غزلخواں کر دیں

(۱۱ مارچ ۱۹۰۹ء)

(۲۰)

"رات کے ایک بجے آشفتہ مزاج اکملؔ کی آنکھ کھل گئی۔ دل میں ایک غیر معمولی جوش تھا اور دماغ میں خیالات کا تموج۔ اُس وقت یہ نظم لکھی گئی۔ جس میں انسان کی اس حالت کا ذکر ہے جب وہ ناکامیوں اور سرد مہریوں کے متواتر تجربوں سے اِس دُنیا کی ہر ایک دل لُبھانیوالی اور چند روزہ فائدہ پہنچانے والی چیز کو فانی اور غیر مستقل سمجھکر حسن و احسان کے اصل سرچشمہ محبوب حقیقی کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔"

عارضی رنگِ بقا تھا مجھے معلوم نہ تھا ... سُرمۂ چشمِ فنا تھا مجھے معلوم نہ تھا
دِل لیا پہلے تو پھر دولتِ ایماں چھینی ... دِلربا۔ دیں ربا تھا مجھے معلوم نہ تھا
پیدا ہونے کے یہ معنے ہیں فنا اب ہونگے ... زندگی نامِ قضا تھا مجھے معلوم نہ تھا
پیٹ پھیرا گیا سیپیوں کا یتیموں کے سبب ... پرورش کا یہ صلہ تھا مجھے معلوم نہ تھا
مہ وخورد دیکھ کے کہتا ہوں انہی نوروں میں ... وہ مرا نور چھپا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا
جس جھپے امر یہ خورشید نہاں ہو ہو کے ... روشنی ڈال رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا
حلقۂ گیسوئے پیچاں میں پھنسا طائرِ دل ... یہ بھی اک دامِ بلا تھا مجھے معلوم نہ تھا

آن کی آن میں جو بامِ فلک پر پہنچے
آہ کا تیرِ رسا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جس نے فردوس میں پائی ہی حیاتِ ابدی
کشتۂ تیغِ ادا تھا مجھے معلوم نہ تھا

حُسن کے پردے میں تھا حُسنِ رُخِ دل افروز
یار میں یار چُھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

ہاں خموشی میں بُتوں کی تھی خدا کی آواز
قبلہ اِک قبلہ نما تھا مجھے معلوم نہ تھا

خون پہ خون ہوا آرزوؤں کا میری
دِل بھی گنجِ شہدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

داغ پہ داغ دئے لالہ رُخوں نے اِتنے
سینہ میں باغ کِھلا تھا مجھے معلوم نہ تھا

بُت تو مخلوق ہیں اور پیار کے قابل دراصل
خالقِ ارض و سما تھا مجھے معلوم نہ تھا

اِک حرز اُن کی حفاظت کے لئے اللہ سے
افعیِ زُلفِ دوتا تھا مجھے معلوم نہ تھا

کچھ تعلق ہی مجاز اور حقیقت میں نہیں
وُہ جدا تھا یہ جدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جن عزیزوں سے توقع تھی وفا کی ہر ایک
بانیِ جور و جفا تھا مجھے معلوم نہ تھا

سخت نادانی تھی مَیں نے جو کہا "یہ میرا"
جو مرا تھا وُہ ترا تھا مجھے معلوم نہ تھا

بعد مُدّت کے یہ سمجھا ہوں کہ آئینِ جہاں
ہمہ تزویر و دغا تھا مجھے معلوم نہ تھا

آ کے جلوت میں نہیں پایا بجز رنج و الم
اِسی خلوت میں مزا تھا مجھے معلوم نہ تھا

رات دن مجمعِ احباب مرے گھر رہنا
اِس سے اِک حشر بپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

مذہبِ عشق میں کچھ شغلِ مے و مینا بھی
حجِ اکبر کا مزا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا

گاہے گاہے نگہِ لطف و کرم کا پڑنا
ایک تمہیدِ جفا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جس نے موسیٰ کو کیا غش وُہ ترا ہی اے دوست
جلوۂ ہوش رُبا تھا مجھے معلوم نہ تھا

کشتیِ عمر نہ گردابِ بلا میں آتی!
ناخدا میرا خُدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

پرتوِ خالِ سیاہ رُخِ محبوبِ ازل
زہرۂ پُر ضیا تھا۔ مجھے معلوم نہ تھا

یُونہی اکملؔ مَیں رہا شیفتۂ حُسنِ بُتاں٭
میرا محبوب خدا تھا مجھے معلوم نہ تھا

یکم اپریل ۱۹۰۹ء

٭ دُنیا کی ہر ایک دل لُبھانے والی چیز

(۲۱)

زاہد میں جانتا ہوں تمہاری نماز کو ۔ دل جانبِ بتاں ہے تو منہ ہے حجاز کو
رگ رگ میں میری عشق و محبت کا راگ ہے ۔ باور نہ ہو تو چھیڑ ذرا دل کے ساز کو
بندہ خدائے پاک کا۔ امت نبی کی ہوں ۔ اِس بات پر ہے ناز سراپا نیاز کو
محمودؔ! تیرے اور ہزاروں غلام تھے ۔ کیا بات تھی جو تو نے نوازا ایازؔ کو
منصور دار دار پر اس کو چڑھائینگے ۔ یاں جو چھپائیگا نہ محبت کے راز کو
انجام کار۔ کنجِ لحد ہی مقام ہے ۔ اے تُرک۔ ترک کر دے تو اِس ترکتاز کو
واعظ سنا جو یاد ہو میرے پیا کی بات ۔ رہنے دے قصہ ہائے طویل و دراز کو
اے خضر پیچھے پیچھے ترے آ رہے ہیں ہم ۔ کچھ جانتے نہیں ہیں نشیب و فراز کو
رندانِ بادہ نوش بھی بندے خدا کے ہیں ۔ تحقیر ناپسند ہے اُس بے نیاز کو
دم بھر بھی کر بھروسہ نہ دم پر مرے عزیز ۔ یہ بادباں ڈبوئے گا اِک دن جہاز کو
کیا راز ہے شمع پہ پروانے گرتے ہیں ۔ یہ پوچھا چاہیئے کسی سینہ گداز کو
جو جو خیال سوجھے ہیں میرے مسیح کو ۔ کب سوجھتے ہیں شاعرِ جادو طراز کو
کچھ عشق کی خبر ہو تمہیں شیخ و برہمن ۔ دنیا سے تم اٹھا ہی دو اِس امتیاز کو
قابو جو دل پہ دیتے ہو امّارہ نفس کو ۔ چڑیا پہ چھوڑتے ہو مری جان باز کو

اکملؔ کبھی نصیب نہ وصلِ حبیب ہو
جبتک نہ چھوڑے کوئی بُتِ حرص و آز کو

(۲۲ر اپریل ۱۹۰۹ء)

(۲۲)

بیابانوں میں رہتا ہوں مجھے گھر بار کیا کرنا ۔ مسافر ہوں میں دو دن کا تو اتنا بار[۱] کیا کرنا
سرِ تسلیم خم ہے دیکھتے کیا ہو میں حاضر ہوں ۔ جو ہو تیار مرنے پر اُسے تیار کیا کرنا
سیہ کاروں خطا کاروں گنہ گاروں کو اے مولا ۔ ترے دربار میں جز توبہ استغفار کیا کرنا

۱؎ انبار

کہیں کافر اذیت دیں گلا کاٹیں کہ پھانسی دیں
جو تیرے ہو چکے مرزا تو پھر انکار کیا کرنا

وفاداری پہ ہیں نازاں یہ ہی قولِ جوانمرداں
جو پورا ہی نہ کرنا ہو تو وہ اقرار کیا کرنا

پڑے ہیں جاں کے لالے کھلے ہیں میرے سینے میں
ہزاروں پھول لالے کے مجھے گلزار کیا کرنا

محبت کیجئے اُس سے کبھی ہنس بول لیں جس سے
بُتانِ سنگ دل پتھر ہیں اُن سے پیار کیا کرنا

مری بُرہان قاطع ہی سرِ دشمن اُڑاتی ہے
مرا دم ہی دمِ شمشیر ہے تلوار کیا کرنا

سوئے کو مارنا کوئی جوانمردی نہیں ہوتی
جو تیغِ عشق کا کشتہ ہو اُسپر وار کیا کرنا

کہاں کی دوستی، کیسی محبت۔ دشمنی ٹھہری
لگا کر دِل بُتوں سے اپنا دِل بیزار کیا کرنا

بچھے ہیں جادۂ عشقِ بُتاں میں سینکڑوں کانٹے
برہنہ پا کو سیرِ وادیٔ پُر خار کیا کرنا

تپِ فُرقت کے مارے تھک کے اِس کوچے میں آبیٹھے
ہمیں اے جاں بغیر از سایۂ دیوار کیا کرنا

عدو اچھا ہے اِس سے دشمنی تو کھل کے کرتا ہے
جو دِلداری نہ کر سکتا ہو وہ دِلدار کیا کرنا

جو لڑنا ہو تو لڑ تو نفسِ امّارہ سے اے بھائی
اجی جنگل میں جا کر شیر سے پیکار کیا کرنا

مجھے وہ چاہیئے نشہ نہ مرنے تک بھی جو اُترے
گھڑی دو کیلئے اپنے تئیں سرشار کیا کرنا

مجھے اِس خود فراموشی کی کیفیت میں رہنے دو
جسے ہو بیخودی اچھی اُسے ہشیار کیا کرنا

حکایت بود بے پایاں بخاموشی ادا کردم
گزرتی ہے جو اِس دِل پر اُسے اظہار کیا کرنا

تجھے اِس تنگنائے دہر میں خستہ جگر اکمل
بجز یادِ غلام احمدؐ مختار کیا کرنا

۶ مئی ۱۹۰۹ء

(۲۳)

آفتاب کے ذریعے۔ کرنوں کی تار ہیں

نماز پڑھ کے چھت پر چار پائی بچھائے مشرق کی طرف منہ کئے بیٹھا تھا۔ نسیم صبحدم کے جھونکوں نے میرے دماغ پر ایک خاص کیفیت طاری کر دی۔ خیالات میں تموّج شروع ہوا۔ مَیں نہیں جانتا تھا یہ رَو کس طرف جانے والی ہے کہ یکایک

خورشید خاوری نے دریچۂ شرق سے اپنا مُنہ باہر نکالا۔ اِس نظارہ نے بیتاب ہی تو کر دیا۔ سمنۂ عشق پر ایک اور تازیانہ ہُوا۔ پھر اُس وقت جو کچھ مَیں نے اپنے برق زا قلب سے کرنوں کی تار میں مسیح کے مزار پر پیغام بھیجا وُہ ناظرین کی آگاہی کے لئے چھپواتا ہوں:۔

اے آفتاب! صبح سے تیرا تھا انتظار
تُو ہے رُخِ حبیب کی ادنیٰ سی یادگار

یہ تیری روشنی ہے کہ دریائے نُور ہے
موجوں سے جسکی قُدرتِ حق کا ظہُور ہے

آئینہ بن گیا ہے تُو کِس کے جمال کا
ہے ایک ہی نمُونہ تُو کِس کے کمال کا

روشن ترے ہی نُور سے ہوتا ہی کل جہاں
دن چڑھ گیا نکل کے گیا تُو جہاں جہاں

حیران ہُوں مَیں صُورتِ زیبا کو دیکھ کر
تجھ میں کسی کا چہرہ مجھے آتا ہے نظر

کیونکر نہ فیض عام ہو مخلوق پر ترا
ہے نُور تجھ میں نُورِ سمٰوات و ارض کا

ہر چیز کی حیات ہے تیرے وجود سے
تُو نعمتِ عظیم ہے ربِّ ودود سے

ہوتا ہے علم تجھ سے نشیب و فراز کا
جسمانی مملکت میں ہے تُو ہی تو رہنما

اے آفتاب! میرا بھی ایک آفتاب تھا
وُہ تیرے دیکھنے سے مجھے یاد آگیا

وُہ بھی تھا نُور۔ نُورِ سمٰوات و ارض کا
کافُور جس نے ظلمتِ شیطاں کو کر دیا

ہم سو رہے تھے دیر سے غفلت کے خواب میں
بیدار لُطف و مہر سے اُس نے کیا ہمیں

ظلمات میں پڑے تھے نظر کچھ نہ آتا تھا
اُس نے پتہ دیا ہے نشیب و فراز کا

دکھلایا یہ گڑھا ہے یہ ہموار یہ پہاڑ
آباد یہ زمیں ہے یہ خوفناک اُجاڑ

القصّہ بن کے ہادی و مہدی و رہنما
رُوحانی مملکت سے خبردار کر دیا

وُہ آفتاب گرچہ بڑا نُور بار تھا
صُورت سے اُسکی جلوۂ حق آشکار تھا

آتا مگر وُہ شپّرہ چشموں کو کیا نظر
محروم رہ گئے وُہ زیارت سے بے خبر

اب بھی تو اُس کا نُور ہی دار الامان میں
پھیلا رہا ہی روشنی سارے جہان میں

چمگادڑوں کو اس کی خبر گر نہیں نہ ہو
دیکھیں گے کیا جو چشم ہی حق بیں کھلی نہ ہو

اے آفتاب! یہ تو بتا ہر سحر کو تو | کس کو؟ نکل کے ڈھونڈتا پھرتا ہے کو بکو
فرقت میں کس کی چہرہ ترا زرد پڑتا ہے | ہر شام جب کہ نقشۂ عالم بگڑتا ہے
کس کے تپ فراق میں ہے اتنا کانپتا | اس مہ لقا کا کچھ تو مجھے بھی بتا۔ پتا
ہاں کس کے سوز ہجر میں یہ اضطرار ہے | اتنا تڑپ رہا ہے بڑا بے قرار ہے
تیری شعاع۔ ہے کہ یہ شعلہ ہے آہ کا | عالم دکھا رہا ہے جو روز سیاہ کا
آفاق کو نہ پھونک دیں ہوگا بڑا زیاں | حد سے بڑھی ہوئیں تیری شعلہ نوائیاں
حالت مری بھی فرقت جاناں میں ہے یہی | اک آگ سی ہے سینہ کے اندر لگی ہوئی
میرا بھی چہرہ زرد ہے میں بھی ہوں کانپتا | مجھ کو بھی اپنے یار کا ملتا نہیں پتا
سینے میں میرے داغ ہے وہ تجھ سے کم نہیں | ہجر حبیب کا مجھے کیا کچھ الم نہیں
ملتا تھا اپنا حال ترے حال زار سے | اسواسطے یہ درد کے نعرے نکل گئے
ورنہ ہوں میں قائل دم شو و دم مزن | نکلے نہ منہ سے آہ اگرچہ بڑھے جلن
چل پھر کے تو تو اپنا یونہی دن گذار دے | اور میں تو اٹھ کے بیٹھ نہیں سکتا ضعف سے
یہ راز ہوگا گردش لیل و نہار کا | ہر روز تو طواف کرے کوئے یار کا
یہ بات ہے تو ایک مرا بھی پیام ہے | پہنچانا ہے اسے جو جہاں کا امام ہے
ہے نور دین جسکے غلاموں سے اک غلام | اور خاکپاء ہے جس کا محمد علی سا نام
ہاں جسکی جوتیاں کئی صادق اٹھاتے ہیں | اور جائے فرش راہ میں آنکھیں بچھاتے ہیں
محمود جس کی کان کا رخشندہ لال ہے | احمد چمن کا جسکے گل بے مثال ہے
یعقوب ہو حسین ہو رحمت ہو یا کمال | ناصر ہو یا نواب ہو حامد ہو یا جمال
سرور ہو یا حضرت احسن سا مولوی | سب جسکی بارگاہ کی کرتے ہیں چاکری
اکبر اویس۔ مدرج سے نیر سے ہر زماں | کرتے ہیں جس کی یاد میں نغمہ سرائیاں
کہنا کہ السلام علیک ایہا النبی | نازل خدا کی رحمتیں تم پر ہوں ہر گھڑی

الکمل تمہارے ہجر کی رکھتا نہیں ہے تاب
تم خواب ہی میں آؤ جو ہے اسقدر حجاب
رُوحی فداک! ایک نظر آکے دیکھ لو
ہے بیقرار۔ تفتہ جگر آکے دیکھ لو
جانم نثار کوچۂ آلِ مسیح باد
خاکم غبارِ چشم عدوئے قبیح باد
۱۷ رجون ۱۹۰۹ء

(۲۴)

مَیں آبادی میں رہ کر بھی بیابانوں میں رہتا ہوں
ہُوا وحشت پسند اتنا کہ ویرانوں میں رہتا ہوں

اذاں بن کر مَیں ناقوسِ برہمن میں سے نکلونگا
یہ باعث ہی مُسلماں ہو کے بُت خانوں میں رہتا ہوں

"خوشی روتی ہی جس کو مَیں وُہ محرومِ مُسرّت ہوں"
بروزِ عید بھی گویا عزا خانوں میں رہتا ہوں

یہ کیسی کُفر کیشی ہے یہ کیسی بُت پرستی ہے
بُتانِ کُفر زا کے منظر ستانوں میں رہتا ہوں

مِرا قصہ جو سُننا ہو زبانِ شمع سے سُن لو
سراپا سوز ہُوں پُر درد افسانوں میں رہتا ہوں

مِری نغمہ سرائی کے ہیں چرچے بوستانوں میں
مَیں بُلبل ہوں مگر اکثر بیابانوں میں رہتا ہوں

مَیں اِک آئینہ رُو کی یاد میں تصویرِ حیرت ہُوں
مَیں اِک زُلفِ معنبر کی پریشانوں میں رہتا ہوں

مِری صُورت خُدا نے اپنی صُورت پر بنائی ہی
بوصف احسن التقویم قرآنوں میں رہتا ہوں

میں کرمنا بنی آدم کی تفسیر مجسم ہوں
مَیں لفظِ کُن کا معنی ہُوں جو انسانوں میں رہتا ہوں

کیا ہے گوہرِ عقل و ذکا نذرِ شہِ خوباں
مِری فرزانگی ہے یہ کہ دیوانوں میں رہتا ہوں

صدا دی زور سے یہ دردِ دل نے اُٹھ کے پہلو سے
ندیم عاشقاں ہوں مَیں گرانجانوں میں رہتا ہوں

اِدھر پیغامِ رحلت کوئی دم میں آنیوالا ہے
اُدھر مَیں اَور ہی دُنیا کے سامانوں میں رہتا ہوں

حضوری گر نہیں تو بھی تعلق کچھ نہ کچھ ہوگا
مَیں چل کر آج ہی سے اُنکے دربانوں میں رہتا ہوں

پریشاں حالی و درماندگی میری نہ کچھ پوچھو تم
اُلجھ کر موئے پیچاں سے میں شانوں میں رہتا ہوں

مِری آنکھوں میں اِک تصویر پھرتی رہتی ہی ہردم
مجھے مَیں یاد کر کے غزلخوانوں میں رہتا ہوں

کبھی قیدِ معاصی میں کبھی قیدِ مصائب میں
مِرا جینا ہے کیا جینا میں زندانوں میں رہتا ہوں

یہ دُنیا کے بکھیڑے مجکو اچھے ہی نہیں لگتے
یگانوں میں بھی ایسا ہوں کہ بیگانوں میں رہتا ہوں

وُہ عاری عقل سے خود ہی جو کہتا ہے مجھے ننگا
لباسِ اپنا ہے تقویٰ اور عُریانوں میں رہتا ہوں

یہ گرگر طفلِ اشک آنکھوں سے بولائیں وُہ موتی ہوں
غم واندوہ رنج و درد کی کانوں میں رہتا ہوں

کنارِ آبِ حیواں خشک لب مانندِ ساحل ہوں
بوقتِ وصل بھی ملنے کے ارمانوں میں رہتا ہوں

فقط اظہارِ دردِ دل ہے مقصد اپنا شعروں سے
یہ مَیں نے کب کہا اکمل زباندانوں میں رہتا ہوں

۸ رجولائی ۱۹۰۹ء

(۲۵)

"شاعر انسان کے جذبات[۱] - حالات[۲] - خیالات[۳] - معتقدات[۴] - پیش آمدہ واقعات[۵] کی تصویر مؤثر الفاظ میں کھینچتا ہے وُہ کسی سوسائٹی میں اگر کوئی عیب دیکھتا ہے یا کسی سے شکایت ہو تو اُس کو اپنی ذات سے منسوب کر کے بیان کر دیتا ہے۔ اگر کوئی خُوبی دیکھتا ہے تو اُسے بھی کسی طرز میں ظاہر کر دیتا ہے۔ پس کسی شعر میں اگر ایسا ذکر ہو تو اسکو پڑھتے ہی شاعر کو اِس کا مصداق نہیں سمجھ لینا چاہیئے۔ یہی نکتہ نہ سمجھنے کی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ شاعر جو کہتا ہے وُہ اُس کے دِل میں نہیں ہوتا۔"

لوحِ محفوظ کی مِٹتی کبھی تحریر نہیں
آگے تقدیر کے چلتی کوئی تدبیر نہیں

چشم کے چشمے ہیں داغوں سے ہے سینہ گلشن
سرد آہیں ہیں مجھے حاجتِ کشمیر نہیں

سات پردوں میں چھپے بیٹھے ہو اللہ غنی
آپ سے ملنے کی کیا کوئی بھی تدبیر نہیں

کافرِ زلفِ بتاں ہو کے خدا پایا ہے
ظلمتِ کفر سے بڑھ کر کوئی تنویر نہیں

کُفر بھی میرا مُکفّر ہے مَیں وُہ کافر ہوں
کِسی مُلّا کو ضرورت پے تکفیر نہیں

حلقۂ گیسوئے پیچاں کے بغیر اے محبوب
تیرے مجنوں کیلئے کوئی بھی زنجیر نہیں

خنجرِ ناز کا زخمی ہدفِ تیرِ نگہ
مَیں وُہ مذبُوح ہُوں جس کیلئے تکبیر نہیں

غیر کی آنکھ کا تنکا بھی نظر آتا ہے
اپنی آنکھوں میں کچھ اندیشۂ شہتیر نہیں

غیر کے پاس جو منکوحہ کو اپنی بھیجے — تم ہی انصاف سے کہدو کہ وہ خنزیر نہیں؟

اور کیا کسرِ صلیب آ کے مسیحا کرتے — موت عیسیٰ ہی سے ہر قسم کی تکسیر نہیں؟

نامہ بر! یہ مرا فوٹو ہے۔ اِسے لیجاؤ — مَیں ہوں جس حال میں وہ قابلِ تحریر نہیں

ایک میں بندِ قفس ہوں یہ غضب پھر اُسپر — پرِ پرواز بھی جوں بلبلِ تصویر نہیں

جو بلا آتی ہے سر پر مَیں وہ سہہ لیتا ہوں — یہ طبیعت مری منت کشِ تدبیر نہیں

بل بے تیرِ نگہ یار نشانہ تیرا — وادیٔ عشق میں ہے کون؟ وہ نخچیر نہیں

یہ تعجب ہے کہ دلگیر ہوا ہیں اُلٹا — دِل لیا آپ نے پر آپ تو دلگیر نہیں

دیکھ لی جب کوئی صورت تو ہوا متوالا — یہ مرے دل کی خطا ہے مری تقصیر نہیں

سوزِ دل۔ سوزِ جگر۔ سوزِ فراقِ احباب — گرمیٔ عشق ہے یاں سردیٔ کشمیر نہیں

ہے تلامذہ کے لئے مغفرت و اجرِ عظیم — جھوٹ ہے ان کے لئے آیۂ تطہیر نہیں

کیسا نواب نہ جو ہو ضعفا کا ناصر — زندہ دِل ہی نہیں جو معتقد میر نہیں

روبۂ نفس بھی جو صید نہ کر سکتا ہو — سخت بزدل ہے وہ نامرد ہے رنبیر نہیں

بیسیوں لوگ یہاں رانجھہ بنے پھرتے ہیں — پر وہ کھیڑے نہیں۔ وہ سیال نہیں ہیر نہیں

عشق اِک دم میں ہے لوہے کے چنے چبواتا — کہہ دو ملّاں سے یہ حلوا نہیں کھیر نہیں

نغمہ سنجی و نوا سنجی کا کچھ لطف نہیں — ہمصفیر اپنا یہاں بلبلِ کشمیر نہیں

میرے شعروں میں ہو موزونیت اکمل کیونکر
آہ و نالہ کبھی پابندِ بم و زیر نہیں

ن کیسی
۲۷ اگست ۱۹۰۹ء

(۲۶)

یادِ حبیب

یاد آتے ہیں وہ دِن جب جلوۂ جانانہ تھا — اور ہر مشتاق جامِ وصل سے مستانہ تھا

بیٹھنا مخلوق میں اس کو پسند آتا نہ تھا — کیونکہ محبوبِ ازل کی ذات سے یارانہ تھا

کیوں اکھیڑا باغباں نے میری کیا تقصیر تھی
مَیں تو اِس گلشن میں مثلِ سبزۂ بیگانہ تھا

سامنے آ کر نشانِ صدق دِکھلاتا کوئی
یہ کسی کا حوصلہ - یہ زہرہ - یہ یارا - نہ تھا

بھر مسیحائی کی کملی اوڑھ کر آنا تیرا
غافلوں کو کیا خبر ہے نازِ معشوقانہ تھا

جب حجابِ ظاہری اُٹھا تو یہ پردہ کُھلا
مَیں جسے مسجد سمجھتا تھا وُہ اِک میخانہ تھا

کیفِ صہبائے محبّت کا اثر تو دیکھئے
پُلصراطِ حشر پر میرا قدم مستانہ تھا

محفلِ پیرِ مغاں میں میری ڈیوٹی کیا لگی
اِک صراحی تھی بغل میں ہاتھ میں پیمانہ تھا

ہائے وُہ دِن - ساغرِ وحدت بکف ساقی مرا
جلوہ فرما بزم میں باشانِ محبوبانہ تھا

ہمسفر اپنے تو باغوں میں ہیں پھرتے باغ باغ
میری قسمت میں مگر پنجرے کا آب و دانہ تھا

مَیں نے سمجھایا بہت اِس رہ میں ہیں دشواریاں
مانتا اِک بھی نہ لیکن یہ دِل دیوانہ تھا

مُفلسی میں بھی نہ چھوڑیں وضع کی پابندیاں
فقر و فاقہ میں مزاج اپنا وُہی شاہانہ تھا

یہ بلانوشئ رنداں سبوکش دیکھئے
دَم کے دَم میں خالی اُنکے ہاتھ سے خمخانہ تھا

فضلِ ایزد سے لیا شیطاں کو آخر پچھاڑ
مَیں بہت کمزور ہوں پر حوصلہ مردانہ تھا

میں کہاں سے آ گیا اِس وادئ پُر خار میں
یاد آیا ہے کہ جنّت میں مرا کاشانہ تھا

اے شرر پیغامِ ہستی تھا ترے اِک ہاتھ میں
ساتھ ہی پر دُوسرے میں مَوت کا پروانہ تھا

شمعرُویوں سے سوا جلنے کے کُچھ پایا نہیں
جن کے سوزِ ہجر میں یہ دِل مرا پروانہ تھا

ہم بوقتِ مرگ سمجھے - عالمِ امکاں میں
"خواب تھا جو کُچھ کہ دیکھا جو سُنا افسانہ تھا"

میری وحشت دیکھ کر احباب کہتے ہیں مجھے
کیا ہُوا اکملؔ تجھے - تُو عاقل و فرزانہ تھا

(۲۷)

"نغمۂ عرفان"

بڑے ادب سے یہ عرض کرتا الٰہی تیری جناب میں ہُوں
کہ نفسِ سرکش سے تنگ آیا اور اسکے ہاتھوں عذاب میں ہوں

کیا ہے فوجِ الم نے ڈیرا۔ بڑھا ہی حد سے گناہ میرا   الٰہی پھر بھی ہوں بندہ تیرا۔ اگرچہ حالِ خراب میں ہوں
جمالِ احمدؐ میں کیا کشش ہے کہ اسکی خاطر یہ کشمکش ہے   کوئی بھی ایسی میری روش ہے کہ حاضر اُسکی جناب میں ہوں
وطن کے پیارے عزیز بھائی۔ قبول سب کی مجھے جدائی   ہے دھونی در پر ترے رمائی۔ مثالِ دہلیز باب میں ہوں
کتابی چہرہ سے یاد آتا جو اپنے محبوب دلستاں کا   دلِ حزیں کا ہی یہ تقاضا۔ ہمیشہ شغلِ کتاب میں ہوں
جو ساز مرزا نے آ کے چھیڑا تو سمجھا اسکو عبث بکھیڑا   یہ فہم تیرا؟ یہ ذوق تیرا؟ اور اسپہ میں ہی عتاب میں ہوں
نماز میں ہے سرور بیشک۔ نہ پائے اسکو کرے جو بک بک   یہ "دَنتے شاہی" کہیگا کبتک کہ شغلِ چنگ و رباب میں ہوں
رضاءِ دلبر میں چاہتا ہوں فقط محبت نباہتا ہوں   نہ میں اُمیدِ ثواب میں ہوں نہ میں خیالِ عقاب میں ہوں
حضوری اسکی مجھے ہو حاصل یہ سخت مشکل ہے سخت مشکل   جہاں فرشتوں کے جلتے ہیں پر وہاں یہ میں کس حساب میں ہوں
جمالِ شمس و قمر کو دیکھا۔ تو ہر اِک زباں سے یہ نکلا   مگر کسی نے مجھے پکارا کہ میں تو اُنکے حجاب میں ہوں
نماز تری نہیں ہے بھاتی۔ کہ اِس سے بوئے ریا ہے آتی   زکوٰۃ تیرا ہی کیا بناتی جو دِل کہے میں عذاب میں ہوں
بنایا تو نے دربہشتی۔ نہیں یہ جنت کی راہ چشتی   تو کہہ رہا ہے ڈبو کے کشتی کہ میں کنارِ حباب میں ہوں
ہے بحث مذہب کی روز باقی کہ صوفی ملاں ہیں سب مراقی   تو جام بھر کر پلا او ساقی کہ میں تو شغلِ شراب میں ہوں
تمام چیزیں جہاں کی دیکھیں یہاں کی دیکھیں وہاں کی دیکھیں   نتیجہ آخر یہی نکالا کہ میں ہی سب کے جواب میں ہوں

جگانے والے جگا چکے ہیں۔ بہت سر اپنا کھپا چکے ہیں
کچھ ایسا غافل ہوا ہوں اکمل کہ میں بدستور خواب میں ہوں

۲۳ ستمبر ۱۹۰۹ء

(۲۸)

بحالتِ تپِ لرزہ

پسند آیا ہے دین اسلام مجکو سارے دینوں میں   جو کوہِ نور ہیرا ہے نبوت کے خزینوں میں
جو داغِ یاس و حرماں بن کے میرے دل میں آیا ہے   چمکتا ہے وہی تو نور ہو کر مہ جبینوں میں
وہ راز آخر کھلا اِک رِند بادہ نوش پر ملاں!   چھپائے رکھتے تھے صوفی جسے اپنے ہی سینوں میں
ہدایت کیا کسی کو دیں وہ خود گمراہ پھرتے ہیں   جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں گدی نشینوں میں

جو ہیں نااہل اُن کو وعظ سے کیا فائدہ ہوگا — کہ بیج اُگتا ہے مشکل ہی سے پتھریلی زمینوں میں
بنے پھرتے ہیں لاکھوں پانچویں ہم بھی سواروں میں — مری کیا پوچھتے ہو میں نہ تیرہ میں نہ تینوں میں
جہاں کی روز خبریں مخبر صادق سناتا تھا — وہاں سے اب خبر اک بھی نہیں آتی مہینوں میں
غمِ اُمت کو میرے سینے ہی میں مخفی پاؤ گے — یہ وہ گوہر ہے جو ملتا نہیں شاہی خزینوں میں
بس اک نعرہ ہی پہنچائیگا بامِ عرش پر تجھ کو — بہت مشکل ہے ان عشق مجازی والے زینوں میں
خدا کی راہ میں جو جاں دیتے ہیں وہ زندہ ہیں — لکھا ہے نام نامی اُن کا شُہرت کے نگینوں میں
"خیالِ خاطرِ احباب ہر دم چاہیئے" ہمدم — غُبار آنے نہ پائے صاف روشن آبگینوں میں
دِکھائی دے گی ذرّے ذرّے میں بستی تجھے دنیا — جو دیکھے چشم دل سے تو خرد کی خوردبینوں میں

جسے دیر و حرم میں ڈھونڈتا پھرتا تھا میں اکملؔ
وہ نکلا میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں

۲۲ ستمبر ۱۹۰۹ء

(۲۹)

"اکمل کا پیام بنام حضرت امام"

"عرصہ ہوا میں نے کبھی کوئی شعر نہیں لکھا۔ میرا خیال تھا کہ اچھا ہوا کہ یہ سودا میرے سر سے نکل گیا۔ لیکن جب میں گھر آیا اور آج صبح ایک لکّہ ابر کو ہوا کے گھوڑوں پر سوار دیکھا۔ تو دلِ مشتاق دیوانہ وار تارِ نگہ کے ذریعے اُس کی طرف دوڑا اور یہ پیغام منظوم ہوگیا۔"

ابر کے ٹکڑے کہاں جاتا ہے تو — مجھ پہ اک احسان فرماتا ہے تو؟
مَیں نے اک پیغام دینا ہے تجھے — اَجر ملتا ہے جو لینا ہے تجھے
فُرقتِ احباب میں ہوں دِلفگار — حد سے بڑھ کر ہو رہا ہوں بیقرار
ہے بٹالہ سے پرے اُن کا مقام — قادیاں۔ دار الاماں۔ دار السّلام
مثلِ سبزہ طور اُگتے ہیں جہاں — نور کا جس کے ہے مُوسیٰ اِک جہاں
جسکے کانٹوں میں ہے پھولوں کی مہک — جسکے جھاڑوں میں ہے سبزے کی لہک

جس کی تاریکی میں نوروں کی ضیاء
جس کی باریکی میں شانِ کبریاء

جسکے میدانوں میں جنّت کی جھلک
جسکی گلیوں کے نگہباں ہیں ملک

جس کی پستی میں بلندی ہے نہاں
جسکی کمزوری میں قوّت ہے عیاں

جسکی بیداری میں خوابوں کے مزے
جس کی ہشیاری میں مستی زا نشے

جسکی خوابوں میں ہی بیداری کا رنگ
جسکی غفلت میں ہی ہشیاری کا رنگ

ہے فنا جس کی بقا کی شان میں
ہے جفا جس کی وفا کی شان میں

جس کا جاہل برتر از سقراط ہے
جس کا احمق بہتر از بقراط ہے

کفر میں جس کے ہے نورِ ایمان کا
جہل میں جس کے ہے طورِ عرفان کا

موت میں جس کی حیاتِ جاوداں
زندگی میں جس کی۔ مرگِ ناگہاں

ہجر میں جس کے مزا ہی وصل کا
گریہ میں جس کے ہنسی کی ہے ادا

دشمنی میں جس کی۔ الفت کے مزے
رنج میں جس کے مسرّت کے مزے

جس کا ابجد خواں ہے عالمِ منتہی
بے خبر کو جس کے ہے صد آگہی

جسکے بوڑھے بھی ہیں ہمّت میں جواں
جسکے بچپن میں بڑھاپے کی ہے شاں

جس کی خاموشی میں سو فریاد ہے
جسکی فریادوں میں چپ کی داد ہے

مہر ساماں جس کا ذرّہ ذرّہ ہے
بحر داماں جس کا قطرہ قطرہ ہے

مختصر جس کا مطوّل ہو گیا
پیچھے آنے والا اوّل ہو گیا

میرے مرشد کا وہی ہے خوابگاہ
مہبطِ انوارِ حق شام و پگاہ

میرے مہدی کا وہیں مرقد ہوا
جس پہ فضلِ ذوالمنن بے حد ہوا

جس کو حق نے چن لیا اپنے لئے
اپنی خلقت کی ہدایت کے لئے

کون وہ مرشد۔ اماموں کا امام
مرسلِ حق۔ عیسیٰ گردوں مقام

جس کے دامن پر فرشتوں کی نماز
سمجھی جاتی مایۂ صد عزّ و ناز

جس کے شمشیر قلم نے یک قلم — کر دئیے اعداءِ دیں کے سر قلم
باب لد کا فاتح روشن ضمیر — وُہ مجسّم قدرتِ ربِّ قدیر
جس کے وصفوں کا نہیں ممکن بیاں — گرچہ ہو ہر موئے تن میرا زباں!
اِسلئے مَیں دے کے تھوڑا سا نشاں — اپنے دردِ دل کا کرتا ہوں بیاں
کہنا جاکر ابر کے ٹکڑے! ضرور — آپ کا خادم وُہی مخلص "ظہور"
جو گنہ گاری میں اپنی فرد ہے — جس کا دِل اس زندگی سے سرد ہے
جسکے لب خشک اور چہرہ زرد ہے — جس کا جینا مایۂ صد درد ہے
جو نہیں رکھتا۔ کوئی حُسنِ عمل — ماسوائے اُلفتِ آل بے بدل
جو سِیہ کاری میں واں مشہور ہے — دوستوں کی نگہ میں مقہور ہے
جو ہے ننگ اپنی جماعت کیلئے — جو ہے گنگ انکی سماعت کے لئے
جو کہ ان کی خوبیوں میں عیب ہے — جو کہ ظاہر ہو کے پھر بھی غیب ہے
عار ہے جس کا وجود ان کے لئے — نُور میں ہے مثلِ دُود ان کے لئے
جو مریض اب تک شفایابوں میں ہے — جو ذلیل و خوار نوّابوں میں ہے
جو کہ اِس گلشن کے پھولوں میں ہے خار — جو خزف۔ لعلوں میں ہوتا ہے شمار
جو ہے عبرت اِس زمانے کے لئے — جو ہے ہیرو اِک فسانے کے لئے
جو ہے اکمل پر سُنو! کس بات میں — نقص و عیب و ضعف۔ بس اِس بات میں
*جو محبّت میں بڑا بد نام ہے — کُشتۂ تیغِ بُتِ خود کام ہے
کُفر کیشی جس کا دین اسلام ہے — دِل فروشی جس کا ہر دم کام ہے

---

*ان دو شعروں میں سالک کی اُس حالت کی طرف اشارہ ہے جس میں وُہ عجائبات دُنیا کے ذرّے ذرّے میں دِل لگاتا اور پھر اُن کے نقص و عیب سے آگاہ ہو کر ان کا کفر کرتا۔ آخر اس سرچشمۂ حسن و احسان کا عرفان حاصل کرتا ہے۔

جس کی آنکھوں میں نہیں جچتا کبھی
عارضِ حسنِ بُتانِ آذری

کیوں کہ ان آنکھوں نے دیکھا مہ جمال
شاہِ خوبانِ جہاں یُوسف مثال

ظاہر و باطن میں تھا جو بے نظیر
آسمانِ حُسن کا بدرِ مُنیر

جس کی دُنیا کو ضرورت تھی بڑی
جس کو دی اللہ نے قدرت تھی بڑی

وُہ بھی جب آنکھوں سے اوجھل ہو گیا
کون ہے پھر اور؟ جو رہ جائے گا

اس لئے اس لا اِلٰہ کے ساتھ ہی
دِل صدا دیتا ہے اِلّا اللہ کی

بس اِسی دِل والا کہتا ہے سلام
اور اس کے بعد دیتا ہے پیام

جلد پاس اپنے بُلا لیجو شہا
جلوہ ہی اپنا دکھا دیجو شہا

جا ہَوا کے گھوڑوں پر ہو کر سوار
سامنے جب آ گیا تیرے مَزار

میرے آنسُو بن کر اس پر تو برس
دِل میں رہ جائے نہ باقی کچھ ہوس

اس کی مٹی میں تو ہو جا کر فنا
مَیں بھی دو ہفتہ کے بعد آ جاؤنگا۔ (انشاءاللہ) ۵ر دسمبر سنہ ۱۹۰۹ء

(۳۰)

"ٹوٹے ہوئے دِل کی آواز"

یاروں کو ہم سے اب تک کیوں بدگمانیاں ہیں
کیوں چھیڑ خانیاں ہیں کیوں بدزبانیاں ہیں

دیکھو نہ مرے دِل کو اے دوستو! دُکھاؤ
از بس مری گھڑی کی نازک کمانیاں ہیں

رُوح و روانِ عالم! مَرتے ہیں تجھ پہ ہر دم
ہم کشتگانِ غم کی یہ زندگانیاں ہیں

آنکھوں سے اشک بہنا۔ لب پر فغاں کا رہنا
عشقِ نبیؐ کی مجھ میں۔ یہ دو نشانیاں ہیں

دُنیا ہے آنی جانی۔ ہر چیز اِس کی فانی
عیسیٰؑ کی زندگانی۔ جھوٹی کہانیاں ہیں

(۱۳ر جنوری سنہ ۱۹۱۰ء)

(۳۱)

دُمدار سیّارہ سے دو تین باتیں

دیدۂ حور میں۔ یہ۔ سُرمۂ نورانی ہے
یا کسی ہاتھ میں تسبیحِ سلیمانی ہے

شملۂ دستارِ فضیلت کا اِسے۔ کہدیجے
درّہ۔ اکرامِ شریعت کا اِسے۔ کہدیجے

شہپرِ بازِ تقدّس۔ یہ نظر آتا ہے
یا۔ کوئی پیک۔ لئے نامہ۔ اِدھر آتا ہے

کون مقتل میں لئے تیغ وسناں آتا ہے
کونسی بزم میں یہ شعلہ زباں آتا ہے

کاٹتا دُور سے چکّر یہ کہاں سے آیا
وُہ جہاں۔ دُور ہی کتنا۔ یہ۔ جہاں سے آیا

آجا۔ آجا۔ کہ نرالی ہے یہ صُورت تیری
میری آنکھوں میں کھُبی جاتی ہے مُورت تیری

آ تجھے آنکھ کے پردے میں بٹھا لیتا ہُوں
آ مری جان تجھے سر پہ اُٹھا لیتا ہُوں

آ۔ مرے گھر میں چلا آ۔ کہ مبارک تُو ہے
نُوری مخلوقِ خُداوندِ تبارک تُو ہے

تُو مبارک ہے۔ مبارک ہے مہورت تیری
اِس زمانے میں نہایت تھی ضرورت تیری

اُفقِ غرب پہ دُمدار ستارا تُو ہے
چشمِ عرفانِ خُداوند کا تارا تُو ہے

تُو مجھے نُور کا پُتلا جو نظر آتا ہے
یہ خُدا کے لئے بتلا۔ کہ کدھر جاتا ہے

لُطفِ ہمسائگیٔ شمس کا ہے شوق تجھے
بادۂ وصلتِ محبوب کا ہے ذوق تجھے

مانتا ہوں تیری ہمّت تیری جُرأت تالے
آفریں بول اُٹھے دیکھنے والے سارے

تُو بڑی دُور سے دِن رات سفر کر کر کے
محفلِ "مہرِ جہانتاب" میں پہنچا مر کے

اَور ابھی شوق کا یہ حال ہے نزدیک آؤں
جس قدر ہو سکے آگے ہی مَیں بڑھتا جاؤں

جانتا ہوں کہ تیرے جی میں ارادہ کیا ہے
اور تمنّاءِ دلی اس سے زیادہ کیا ہے

بس یہی ہے کہ اسی نور میں ملجاؤں مَیں
ایسا مِل جاؤں کہ ملکر نہ کبھی آؤں مَیں

مَیں بھی اِک رُوئے پُر انوار کا شیدائی ہوں
مَیں بھی اِک مہرِ ضیا بار کا شیدائی ہوں

دور سے آیا کہ اُس یارِ ازل تک پہنچوں
جو دمِ نقد نہ پہنچوں تو اَجل تک پہنچوں

آرزو ہی مرے دل میں یہی پوری ہو جائے
صحبتِ نور سے یہ بندہ بھی نوری ہو جائے

قرب حاصل ہو۔ بہت دور یہ دوری ہو جائے
اور میسّر مجھے ہر وقت حضوری ہو جائے

نور ہی نور میں رہ جاؤں تمنّا ہے یہی
ایسا ہو جاؤں کہ نہ پھر آؤں تمنّا ہے یہی

مثلِ پروانہ۔ اسی رُخ پہ فدا ہو جاؤں
اپنی ہستی کو مٹا کر میں فنا ہو جاؤں

(۵ مئی ۱۹۱۰ء)

(۳۲)

جناب امیرؒ سفر ملتان پر گئے۔ اُس وقت مہاجرین کے قلوب کی کیا کیفیت تھی۔ شاید یہ نظم کسی قدر ترجمانی کرسکے۔

ناتواں جسم کو پابندِ سلاسل باندھا
دلِ بے تاب کو اک طائرِ بسمل باندھا

رنجِ فرقت کا یہ مضمون بمشکل باندھا
"جب بتقریب سفر یار نے محمل باندھا

تپشِ شوق نے ہر ذرہ پہ اِک دل باندھا"

جانتا ہوں کہ نہیں ہے سفرِ دور دراز
خود بخود پھر بھی ہوا جاتا ہی کیوں سینہ گداز

مضطرب دیکھ کے سب کو مجھے آئی آواز
"اہلِ بینش نے بحیر تکدۂ شوخیٔ ناز

جوہرِ آئینہ کو طائرِ بسمل باندھا"

صدفِ قلب نے الطاف کا نیساں مانگا
چشم نے از پئے نظارہ گلستاں مانگا

وحشتِ دل نے مگر دشت و بیاباں مانگا
"یاس و امید نے یک عربدہ میداں مانگا

عجزِ ہمت نے طلسمِ دلِ سائل باندھا"

پرِ پرواز نہیں ورنہ میں پہنچوں افسوس
حال کوتاہیٔ قسمت نے کیا یوں افسوس

نہ ہوا مجھ سے کوئی نالۂ موزوں افسوس
"نہ بندھا تشنگیٔ شوق کا مضموں افسوس

گرچہ دل کھول کے دریا کو بھی ساحل باندھا"

۴ر اگست ۱۹۱۰ء

(۳۴)

کچھ بھی نہیں

لوگ کہتے ہیں کہ اکملؔ کی زباں کچھ بھی نہیں ٹھیک ہے اِس پر بجز آہ و فغاں کچھ بھی نہیں

ہم نے دیکھا قادیاں میں نورِ دینِ مصطفےٰ جھوٹ بکتے ہیں جو کہتے ہیں یہاں کچھ بھی نہیں

کوئی دیکھے آ کے میرے سینۂ پُر داغ کو سامنے اِس بہارِ بوستاں کچھ بھی نہیں

لوگ دوڑے جاتے ہیں کیوں پیر خانوں کیطرف ڈھونڈتے ہیں یہ وہاں سے کچھ جہاں کچھ بھی نہیں

خوبیٔ اِسلام تھی جس سے ہوئے مفتوح ملک ظاہری تیر و کماں تیغ و سناں کچھ بھی نہیں

مَیں نے پوچھا مفتری ہو کر مرے یوں کامیاب؟ چُپ رہا۔ ملّاں نہ بولا ہُوں نہ ہاں کچھ بھی نہیں

ہے کہاں ڈوئی کہاں آتھم کہاں ہے لیکھرام کشتگانِ تیغِ مرزا کا نشاں کچھ بھی نہیں

بلبلوں نے دی گواہی چند روزہ ہے بہار پھاڑ کر گل پیراہن بولا کہ ہاں کچھ بھی نہیں

طور پر موسیٰ نے جو دیکھا وُہی دیکھیں یہاں دل کے اندھوں کی نظر میں قادیاں کچھ بھی نہیں

زندگی اُس موت میں ہے جو خدا کی رہ میں ہو چند روزہ عیش اے زندہ دلاں کچھ بھی نہیں

دِل نثارِ شاہِ خوباں کر چکے مدّت سے ہم مال کیا چیز ہے جان بھی جانِ جہاں کچھ بھی نہیں

چشمِ گریاں۔ دل ہے بریاں۔ رنگ زرد اور آہ سرد مجھ کو مت چھیڑو مجھے اے دوستاں کچھ بھی نہیں

تیرے فضلوں ہی سے بیڑا پار ہو تو ہو مرا رُوح ہے کمزور جسمِ ناتواں کچھ بھی نہیں

دل مدہ اِلّا بدلدارے کہ حسنش دائم است عارضی حسنِ بتانِ مہ رخاں کچھ بھی نہیں

آ رہی ہے گورِ عیسےٰ سے صدا کشمیر میں یہ تنِ خاکی بہ اوجِ آسماں کچھ بھی نہیں

بندۂ مسلم ہو اُس کے ہاتھ میں قرآن ہو اس کے آگے شوکتِ صاحبقراں کچھ بھی نہیں

مُرشدِ برحق وُہی ہے جسکی صحبت سے ہوں نیک اور بھی جو کُند کر دے وُہ فساں کچھ بھی نہیں

تجھ کو لاکھوں عیب امامِ پاک میں آئیں نظر غور سے دیکھے اگر اے بدگماں کچھ بھی نہیں

صاحبِ اسلام ہیں یا کافر و بیدین ہیں
تھوڑی مُدّت دیکھ یاں رہ کر زباں کچھ بھی نہیں

جلوۂ مولیٰ جو دیکھا دار پر منصور نے
وُہ نہ دیکھو تو کہو دار الاماں کچھ بھی نہیں

خاک اُنکے مُنہ میں جو بیباک ہو کر یُوں کہیں
میرزا صاحب مسیحائے زماں کچھ بھی نہیں

ایک وُہ دن بھی کہ جاں قُرباں کرنی پڑتی تھی
اب تو دینِ حق میں ایسا امتحاں کچھ بھی نہیں

تم بڑھے جاؤ پہنچ جاؤں گا میں بھی ایک دن
طاقتِ رفتار مجھ میں ہمرہاں کچھ بھی نہیں

ایک وُہ ہیں جنکے پاؤں چلنے کے قابل نہیں
ایک وُہ ہیں جو ہیں شاکی زیرپاں کچھ بھی نہیں

زندہ مذہب ہے اگر کوئی تو وُہ اسلام ہے
اور مذہب مُردہ ہیں رُوح و رواں کچھ بھی نہیں

ہائے اِک دل تھا سو وُہ بھی خُون ہو کر بہ چکا
صبر کر باقی بہ چشمِ خونفشاں کچھ بھی نہیں

قِصّۂ اکمل سُنا - تو بول اُٹھے بے ساختہ
وامق و فرہاد والی داستاں کچھ بھی نہیں

۱۳ / اکتوبر ۱۹۱۰ء

(٣٤)

اگر ہیں عشق کا دعویٰ مِرے عدو کرتے
تو وُہ بھی نذرِ دل و جان و آبرو کرتے

ہر ایک جا پہ جو تیرا ظہور مانتے ہم
تو خاص دیر و حرم میں نہ جُستجو کرتے

جو ایک جام مئے معرفت کا مِل جاتا
تو بادہ کش نہ پیا سے سبو سبو کرتے

جو رمز کچھ بھی سمجھتے صدائے مینا کی
تو جِنّ و انس زمانے کے تُوہی تُو کرتے

نمک چھڑک کہ اِسی میں مزا کچھ آتا ہے
نگاہِ یار کے زخمی نہیں رفو کرتے

بیان اپنی پریشانیہائے خاطر کا
کبھی جو موقعہ ملتا تو مو بمو کرتے

ملے جو خاک ترے راہ کی مِرے پیارے
بجائے آب تیمّم سے ہم وضو کرتے

نبی کریمؐ کی سُنّت کی قدر گر ہوتی!
مجدّدی نہ مجالس میں ہاؤ ہُو کرتے

جو تیرے چاہِ ذقن سے کچھ آب مِلجاتا
ادا نماز نہ ہم مست بے وضو کرتے

مقیم خانۂ دل میں ہے - یہ خبر ہوتی
تری تلاش نہ عشاق کُو بکُو کرتے!

نومبر ۱۹۰۹ء

(۳۵)

میرا صادق

کس بیان میں ہو ادا مدحِ بیانِ صادق
ماہیٔ چشمۂ کوثر ہے زبانِ صادق

کون ہے ساقیٔ کوثر! وُہی احمدؐ پیارا
جس کے قرآں کا ہر نقطہ نشانِ صادق

میمِ احمدؐ کا ہے آئینۂ نُورِ احدی
قاب قوسین سے ثابت ہے مکانِ صادق

اتباع اسکی بنا دیتی ہے حق کا محبوب
شان والوں میں بڑی شان ہے شانِ صادق

اس میں "چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا"
سب جہانوں سے جُدا ہے یہ جہانِ صادق

ہر طرف زور بلاؤں کا ہوا دُنیا میں
امن کی جا ہے فقط دارِ امانِ صادق

دل و جاں لیتے ہیں ایمان دیا کرتے ہیں
بس اسی طور پہ چلتی ہے دُکانِ صادق

دشمن و دوست کو دیجاتی ہے دعوت یکساں
وسعتِ حوصلہ سے بچھتا ہے خوانِ صادق

تیر پر تیر چلے آتے ہیں اعدا کے لئے
جب کبھی کھچتی ہے دُنیا میں کمانِ صادق

تختہ و تخت میں کچھ فرق سمجھتے ہی نہیں
ایسے سرمست ہیں پیمانہ کشانِ صادق

اپنے دشمن کو بھی جنّت کی بتاتے ہیں راہ
کیا کہوں وصفِ دلِ فیض رسانِ صادق

ایک طوفان وُہ عالم میں بپا کرتی ہے
جب چلے دیدۂ خُوننابہ فشانِ صادق

سرِ دشمن کو کُچل دیتا ہے دم کے دم میں
غیب سے پڑتا ہے جب سنگِ گرانِ صادق

کیوں فدا ہوں نہ ہر اک لفظ پہ سَو سَو جانیں
دلرُبا ہوتا ہے اندازِ بیانِ صادق

بادشاہوں کو تو فوجوں کا سہارا ہوگا
ایک اللہ ہے بس حافظِ جانِ صادق

ایک عالم کو بٹھا دیتا ہے گھائل کرکے
جب کبھی اُٹھتا ہے یہ دردِ نہانِ صادق

سنگ دل کیوں نہیں تُو قہرِ خُدا سے ڈرتا
عرشِ اعظم کو ہلادے گی فغانِ صادق

اسکے کانٹوں سے بھی پھولوں کی ہے خوشبو آتی
رشکِ صد گلشنِ عالم ہے خزانِ صادق

بول اُٹھا پڑھ کے بخاری کی حدیثیں اکملؔ
لعلِ خوش رنگ اُگلتی ہی یہ کانِ صادق

۲۶ جنوری سنہ ۱۹۱۱ء

(۳۶)

سرجوش

"چودھویں کے چاند کی یاد رات کی تاریک گھڑیوں میں"

پھر وُہی ہو ساقیٔ مہ وش وُہی ساغر چلے
پھر وُہی ہو تیر و پیکاں پھر وُہی خنجر چلے

زخم آلے ہو گئے - کوئی نمک ریزی کرے
پھر وُہی تیغِ نگاہِ یار - اِس دل پر چلے

پھر وُہی ہوں حسن کے بازار کی سرگرمیاں
پھر وُہی سودا ترے سودا کا اے دِلبر چلے

پھر وُہی باتیں وُہی گھاتیں وُہی راتیں ملیں
پھر وُہی ہو بزم ساقی - پھر وُہی ساغر چلے

پھر وُہی ہوں رونقیں میخانۂ توحید میں
بادۂ عرفاں بدستِ ساقیٔ کوثر چلے

پھر ہمارے دشمنوں کے سر پہ کالی رات ہو
پھر نسیم صبحدم بُستانِ احمدؐ پر چلے

پھر ہماری چشم تر ہو پھر جگر میں سوز ہو
پھر دُعا ہائے دلِ مضطر کا اسٹیمر چلے

پھر دیارِ یار کے پیغام پہنچائے کوئی
پھر وُہی - ٹیلگرامِ حضرتِ داور چلے

پھر کوئی خضرِ طریقت پھر کوئی رہبر ملے
پھر ہمارے آگے آگے کوئی پیغمبر چلے

فرقتِ محبوب میں اب یہ ہمارا حال ہی
رات بھر جاگا کیے تڑپا کیے دِن بھر چلے

خوبرو اُس سا دِکھا دے - کوئی ہو کر میرے ساتھ
پُورب و پچھم چلے دکھن چلے اُتر چلے

کشورِ دل بیچتا ہوں اک نگاہِ ناز پر
جنسِ ارزاں ہی مری - ہاں - کوئی سوداگر چلے

تیری محفل میں تو بیٹھے بیٹھے جی اُکتا گیا
کچھ نہ کچھ چلتا رہے ساغر چلے خنجر چلے

سُن لے اکملؔ کی دُعا یا ربنا اَتمم لنا
پھر ہمارے ساتھ ساتھ ایک نور کی چادر چلے

۱۷ فروری سنہ ۱۹۱۱ء

(۳۷)

بیراگ

اب نہیں جی چاہتا جانے کو بُستاں کی طرف
چھوڑ دو مجھ کو نکل جاؤں بیاباں کی طرف

ہائے وہ بیتابیٔ دل اور وہ شوقِ لقا
روز لے جاتا تھا مجھ کو کوئے جاناں کی طرف

کُفر کیشی نے مجھے اسلام تک پہنچا دیا
یعنی ظلمت لے گئی انوارِ ایماں کی طرف

پھر مرے دل میں خیال آیا بُتِ طنّاز کا
گاہ گھر کو دیکھتا ہوں گاہ مہماں کی طرف

ایک قطرے سے بُجھے گی کیا سمندر کی پیاس
اپنی صورت دیکھئے اور میرے ارماں کی طرف

مَیں اسیرِ حلقۂ گیسوئے دلبر ہو چکا
کیوں لئے جاتے ہیں مجھکو لوگ زنداں کی طرف

کوئی لائٹ ہوس دکھلاؤ مجھے اے دوستو!
میری کشتی جا رہی ہے بحرِ حرماں کی طرف

جب بڑھا حد سے مرض میرا مداوا ہو گیا
بُت پرستی لے گئی توحیدِ یزداں کی طرف

دیکھئے تر دامنی اپنی تو پہلے شیخ جی
پھر نظر کرنا مرے چاکِ گریباں کی طرف

خُون رُلوایا مجھے یادِ دلِ مرحوم نے
جب کبھی نکلا ہوں مَیں گنجِ شہیداں کی طرف

لے چکے ہیں جو مزے تیرے لبِ جاں بخش کے
آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھیں آبِ حیواں کی طرف

کیا بتاؤں کیا گزرتی ہے دلِ پُر درد پر
جب گزر ہو جاتا ہے گورِ غریباں کی طرف

کیا کریں گے ہم بنا کر ایک یُونی ورسٹی
گر توجہ ہی نہ ہو گی دیں کے ارکاں کی طرف

کُفر کہتے ہیں کسی مامور کے انکار کو
لِکھ کے بھجوا دو یہ مصرع ہر مُسلماں کی طرف

حجّ کعبہ کرنے کی توفیق ملتی ہی نہیں
شوق سے جاتے ہیں لیکن انگلستاں کی طرف

ایک ہم ہیں چھوڑ کر اپنوں کو تیرے ہو چکے
ایک وہ ہیں جھکتے ہیں جو بزمِ شیطاں کی طرف

جو فقیری میں مزے ہیں وہ امیری میں کہاں
مَیں نہ جاؤں گا کبھی دربارِ سُلطاں کی طرف

اپنے مولیٰ سے لگاؤ دل کہ ہے وہ باوفا
چھوڑ دو اکملؔ توجہ نسلِ انساں کی طرف

۴ رمئی سنہ ۱۹۱۱ء

(۳۸)

کوئل

کوئل او پیاری کوئل! تو آگئی کہاں سے
پہلے ہی پھُک رہا تھا میں سوزشِ نہاں سے

یہ اَور آگ کیسی۔ تُو نے لگائی آ کر
بجھنا ہی جس کا مشکل اِس جسمِ ناتواں سے

آواز جو تری ہی۔ کیا درد سے بھری ہے
بیتاب کر رہی ہے۔ اندازِ دلستاں سے

بُلبُل ہزار نغمے۔ ہاں دل فگار نغمے
مجھ کو سُنا چکی ہے۔ گلزار میں زباں سے

پُر یہ صدا سُریلی۔ تجھ سے سُنی اکیلی
کھُلتی نہیں پہیلی پھر بھی ترے بیاں سے

خود ہی مجھے بتا دے۔ جو حال ہی سُنا دے
اِک آگ سی لگا دے۔ پُر درد داستاں سے

ہے اشتیاق کس کا۔ سوزِ فراق کس کا
تجھ کو نکال لایا۔ اُس پہلے آشیاں سے۔

تُو کیوں وطن سے نکلی۔ ہاں کیوں چمن سے نکلی
پھرتی ہی جنگلوں میں۔ بیزار اپنی جاں سے

کُوکُو ہے کس کی خاطر۔ تھا کون یارِ شاطر
جس کیلئے جُدا ہی۔ تُو پیارے خانماں سے

ہر وقت اشکباری۔ دن رات آہ و زاری
اَور اتنی بیقراری۔ پائی ہے کس مکاں سے

گلشن میں گُل کھلے ہیں۔ آپسمیں ہنس رہے ہیں
ہے کام تجھ کو لیکن۔ بس نالہُ و فغاں سے

رُوح و روانِ اکملؔ ہی تجھ میں شانِ اکملؔ
بنجا زبانِ اکملؔ۔ اس طرزِ دلستاں سے

وُہ بھی ہوا مُسافر۔ اِک مہرباں کی خاطر
گھر بار چھوڑ بیٹھا۔ ہی دُور خانماں سے

احباب چھوڑ آیا۔ مُنہ اُن سے موڑ آیا
اپنا وطن بھلایا۔ اُلفت میں قادیاں سے

عاجز ہی ناتواں ہی۔ اِک مُشتِ استخواں ہی
معتوبِ دوستاں ہی۔ مشہور اِس نشاں سے

اُسکی سیاہ کاری اس کی گُناہ گاری
پھر اس کی بیقراری بالکل الگ جہاں سے

ہے بندۂ محبت۔ تکلیف میں مُسرت
ذِلت میں ایک عزت۔ پاتا ہی امتحاں سے

بوئے وفا سے خالی - پھولوں کی پائی ڈالی
مر مر کے جاں نکالی - ناچار بوستاں سے
اب جنگلوں میں پھر کر - ہر ہر قدم پہ گر گر
ڈھونڈیگا اپنا دلبر - وہ چشمِ خونفشاں سے
کوئل او پیاری کوئل! آ مل کے دونو روئیں
داغِ فراقِ دلبر - اشکوں سے اپنی دھوئیں

۱۱ رمئی سنہ ۱۹۱۱ء

(۳۹)

عرضِ حال

(اپریل سنہ ۱۹۱۰ء کی ایک رات)

کہوں میں کیا گرفتارِ بلا ہوں
کسی کا کشتۂ تیغِ ادا ہوں
کسی کی شان سے میں جی رہا ہوں
کسی کی آن پہ میں مر مٹا ہوں
بتاؤں کیا تمہیں اپنی حقیقت
شکستِ وعدۂ قالو بلیٰ بلا ہوں
پہنچ جاتی ہے جو عرشِ بریں تک
کسی مظلوم کی آہِ رسا ہوں
لبوں تک جو پہنچ کر رہ گئی ہو
کسی مسکین کی وہ التجا ہوں
مری اُفتادگی کا ہے یہ عالم
جہانِ خاکساری کا سما ہوں
یہ میرے قتل کے سامان ہیں کیوں؟
کہ میں تو آپ ہی اپنی قضا ہوں
ہمیشہ طارق رہنا میری قسمت
نمازِ شام کی گویا ادا ہوں
ہمیشہ خونِ دل پینا ہے عادت
کسی کے دستِ رنگین کی حنا ہوں
ہمیشہ خاک بر سر پھرتے رہنا
الٰہی میں بھی کیا بادِ صبا ہوں
ہمیشہ مضطرب خانہ نشیں ہوں
کسی کی چشمِ پُرفن کی حیا ہوں
میں ہوں گم کردۂ سوتِ تجلّی
کسی موسیٰ کا میں بھی اک فتی ہوں
خراب و خستہ حال و زار بیکس
کسی کے عشق کی میں انتہا ہوں

سرِ رفعت ہے میرا آسماں پر حبیبِ کبریا کا خاکپا ہوں
غلامِ احمدِؐ مختار ہو کر
سراپا نقص اکملؔ پُر خطا ہوں

(۴۰)

سوزِ اکملؔ

مسیحا جس قدر اخلاص ہے تیرے مُریدوں میں
یہ پیدا ہونا ممکن ہی نہیں ہے زرخریدوں میں

دلوں پر کافروں کے قفل ایسے لگ گئے کیونکر
مجھے اِس مسئلہ کا حل نہیں ملتا کلیدوں میں

خدا کے برگزیدوں سے عداوت رکھتے ہیں ایسی
کہاں کا خُبث یارب آگیا ہے ان پلیدوں میں

ترے سچّے اماموں کے ہیں ہر دم خُون کے پیاسے
کمی کچھ بھی نہیں آئی الٰہی ان یزیدوں میں

دغا۔ چوری۔ بغاوت۔ جعلسازی قتل و خونریزی
یہی خبریں پڑھی جاتی ہیں روزانہ جریدوں میں

جو دیکھا میری آنکھوں نے سُنا جو تُو نے کانوں سے
خدا کا خوف اے واعظ نہیں تیرے وعیدوں میں

گدائے بابِ یزداں ہوں۔ فقیروں کا ثنا خواں ہوں
امیروں کی خوشامد کیوں کروں اپنے قصیدوں میں

جلا لے اپنے مُردے کو سُنا دے کوئی بات اپنی
دِکھا دے رُوئے تاباں میں بھی ہُوں تیرے ندیدوں میں

محبّت کرنے والے کو تو آنکھوں پر بٹھاؤنگا
سلائی گرم کرکے دُونگا میں حاسد کے دِیدوں میں

بہت ہی تار بھجوائے جواب اِک بھی نہیں آیا
بہت ہی سُست یارانِ عدم ہیں کیوں رسیدوں میں

مُصیبت پر مُصیبت ہے عجب دُنیا کی حالت ہے
نظر آنے لگی شانِ محرّم اب تو عیدوں میں

اجل گیا ہے یہ تمہیدِ وصالِ یار ہے گویا
یہی باعث ہے ماتم ہی نہیں ہوتا سعیدوں میں

ہُوئے جاتے ہیں بسمل خود ہی بسم اللہ پڑھ پڑھ کے
بڑھا شوقِ شہادت اِس قدر مخلص مُریدوں میں

پسند آئی ہے کیا یہ رسمِ خاک و خُون غلطیدن
ہمارے بھائی ہوتے جاتے ہیں داخل شہیدوں میں

۲ مارچ ۱۹۱۱ء

(۴۱)

ایک پیغام بٹالے والوں کے نام

(بتقریب جلسہ انجمن احمدیہ)

صبا یہ مژدہ سُنادے بٹالے والوں کو / کہ زیر کرلیا احمدؑ نے گورے کالوں کو

جو فتوے کفر کے دیتے تھے سخت نادم ہیں / ملے قرار کہیں بھی نہ خستہ حالوں کو

اِدھر کمال مِرے میرزا کا یہ دیکھو! / کہ جمع کرلیا دُنیا کے باکمالوں کو

ہمارے ہاتھ سے اِک جام پی کے مست ہوئے / بُھلائے پھرتے تھے واعظ جو اپنے گالوں کو

نظر نہ آتی ہو اِسلام کی اگر تصویر / تو کیا ہُوا جو سجایا بھی اپنے ہالوں کو

نجات قیدِ عدو سے ہوئی ہمیں حاصل / خُدا نے روک لیا دشمنوں کی چالوں کو

کسی کلید سے یہ قُفلِ دل نہیں کُھلتے / خُدا ہی کھولے تو اَب کُھلے انکے تالوں کو

نہ لو شرارت و شوخی سے کام مذہب میں / کہ دھرم گال بنادے یہ دھرم پالوں کو

خدا کے پاک اماموں کو گالیاں دینا / ذرا بھی شرم نہیں آتی بدخصالوں کو

جو کملی والے کو دِل دے چکے ہیں کمبل پوش! / نہیں دھیان میں لاتے کسی کی شالوں کو

اِسی زمانہ کی بابت ہے یقتل الخنزیر / سنبھالو جوش سے توحیدِ حق کے بھالوں کو

صحابہؓ نے تو نثار اپنی جان بھی کردی / تُم اور کچھ نہیں قربان کردو مالوں کو

جو بو الحکم تھا ابوجہل بن گیا آخر / سمجھنے والے سمجھتے ہیں اِن مثالوں کو

جو مُرغ سدرہ ہو اُسکے لئے زمیں پہ عبث / بچھائے پھرتا ہے صیّاد اپنے جالوں کو

ثمود و عاد سے فرعون سے جو گذرا تھا / ضرور آئے گا پیش اُن کے ہمخیالوں کو

تمہارے پاس معارف کا چشمہ بہتا ہے / بٹالے والو! اُٹھو! بھر لو تم پکھالوں کو

یہ معرفت کا خزانہ ہے اِس کی قدر کرو / کہ مُفت ملتا ہے سارے نکو خصالوں کو

تمہارے گھر میں مسیحا تمہارے گھر میں نبی
عجب کہ ڈھونڈتے پھرتے ہو تم حوالوں کو

تمہارے گھر میں وُہ محبوب چل کے خود آیا
اُور آ کے پیار کیا اپنی چاہ والوں کو

یہ خاکساری نہیں ہے کہ تیل مٹی کا!
لگاؤ اے مرے پیارو تم اپنے بالوں کو

ہے خاکساری کہ مہدی کے خاکپا ہو کر
مٹاؤ اپنے تئیں اور ان خیالوں کو

جو شک ہو کوئی تو بیشک نکال لو آ کر
خدا کے فضل سے کر دینگے حل سوالوں کو

مطیع ہو کے رسولوں کے نعمتیں لے لو
مخالفت سے کرو جمع مت وبالوں کو

جو نقدِ جان بھی دیدو تو پھر بھی پا نہ سکو
لُٹا رہے ہیں یہاں مفت ایسے لالوں کو

جو دیکھ پاتے جھلک اِک بھی میرے یوسف کی
تو چھوڑتے ابھی آپ اور خوش جمالوں کو

الٰہی دین تیرا پھیل جائے دُنیا میں!
سُنے گا کون سوا تیرے! میرے نالوں کو

شراب شوق اگر جام میں نہیں ملتی!
تو اوک سے ہی پلا دے تُو پینے والوں کو

طفیلِ اُمّیٔ یثرب یہ فضل ہو تیرا
کہ پھل لگے مرے گُلشن کے نونہالوں کو

سعید بندے تری یاد میں رہیں اکملؔ
شکار کرتے ہیں جو علم کے غزالوں کو

۱۰ر اگست سنہ ۱۹۱۱ء

(۴۲)

میری توبہ

توبہ مرے کردگار توبہ
توبہ ہے ہزار بار توبہ

آیا تیرے در پہ ہو کے نادم
کرتا ہے سیاہ کار توبہ

لرزاں ہے زمیں مجھ سے ہر دم
ایسا ہُوں گُناہ گار توبہ

پیماں پہ رہ سکوں نہ قائم
جاتا رہا اعتبار ۔ توبہ

دن رات گُناہ کر رہا ہُوں
اِس واسطے بار بار توبہ

احمدؐ کا غلام ہے الٰہی
اعمال سے شرمسار توبہ
ہے مالکِ مُلکِ مغفرت تُو
یاربّ بصد اعتذار توبہ
جو داغ ہیں دل پہ وُہ ہٹا دے
کرتا ہوں بہ انکسار توبہ
کنگن جسے ہاتھ کا میں سمجھا
نکلا وُہ سیاہ مار توبہ
باز آیا میں اُلفتِ بتاں سے
ان سے ہو مرا پیار توبہ
دیں کے لئے بیقرار ہونگا
دُنیا پہ ہو دِل فگار توبہ

اب آگیا ہوش مجھ کو اکمل
اُترا ہے مرا خمار توبہ

۲۲ر جون سنہ ۱۹۱۱ء

(۴۳)

دہریہ

کل مجھے اِک دہریہ صاحب ملے
مَیں نے پُوچھا کہئے حضرت خیر ہے
آپ کو کس بات پر ہے اِفتخار
مُنکرِ حق ہو گئے ہو کس لئے
کیوں کئے جاتے ہو اِتنی شوخیاں
کیوں نہیں ڈرتے خدا کے قہر سے
وُہ خدا جس نے تمہیں پیدا کیا
اور زندہ رہنے کے ساماں دئے
مَیں ابھی کچھ اور بھی کہتا اُسے
بول اُٹھا وُہ بات میری کاٹ کے
کون کہتا ہے کوئی "اللہ" ہے
کچھ دلیل اس کی مجھے بتلائیے
عرض کی اس بات کا ہی کیا ثبوت
آپ ہیں فرزند اپنے باپ کے
کیا دلیل اِس امر پر موجود ہے
کون شاہد اس کا ہے فرمائیے
یہ تو ظاہر ہے عیاں را چہ بیاں
میری ماں کہتی ہی بولے جوش سے
تب کہا مَیں نے کہ سُن اے ہوشمند
ایک عورت پر بھروسہ ہے تجھے

اس کے کہنے کا تو اتنا اعتبار
پر گواہی دیں جو لاکھوں راستباز
راستباز ایسی صداقت کے لئے
اس شہادت میں نہیں ہو اختلاف
خالقِ کون و مکاں ہے "ایک" ہے
دل میں اُٹھتا ہو مرے سو سو اُبال
چشم دِید اُن کی گواہی ہے یہی
دہریئے سے بن نہ آیا کچھ جواب
مَیں نے پھر پُوچھا کہ ہاں یہ تو کہو
دُم دبا کر بھاگتا آیا نظر

جو نہ مانے ہو خفا اس پر بڑے
اس کو ہرگز تم نہیں ہو مانتے
جان بھی قربان اپنی کر چکے
مختلف قوموں میں ایسے لوگ تھے
یہ گواہی سب کے سب دیتے رہے
کیوں نہیں سچّا انہیں تم جانتے
جس کا ردّ کوئی نہ ہرگز کر سکے
ہنس کے چاہا بات میری ٹالدے
کس طرح بیٹھے ہو اپنے باپ کے
پھر نہیں آیا وُہ اب تک سامنے

پھر کہا مَیں نے تناسخ کا ثبوت
سوچ کر کہنے لگا رنگِ جہاں
کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے
کوئی دَولت مند ہے کوئی فقیر
فرق آتا ہے نظر حالات میں
اس سے ثابت ہو کہ ملتی ہو ہمیں
دو۲ روپے مَیں نے نکالے اور کہا
یہ معمّا دیکھ کر حیراں ہُوا
گر اُٹھا لیتا تو اُس کی مَوت تھی
وُہ روپے یکرنگ تھے یکساں تھے
لالہ صاحب کو اگر تھا اختیار

مہربانی سے مجھے دیجے بتا
دیکھ کر حل ہوتا ہے یہ مسئلا
ہے کسی کو دُکھ کسی کو سُکھ بڑا
کوئی اندھا کوئی لُولا لنگڑا
عادل و منصف ہو لیکن وُہ خدا
اپنے اپنے پچھلے عملوں کی جزا
ایک ان میں سے ابھی لیجئے اُٹھا
اَور پھر کچھ سوچ کر چُپ رہ گیا
اختیارِ امر ثابت ہوتا تھا
فرق اُن میں کچھ نہیں تھا مطلقا
تو خُدا کو کیوں نہیں اس بات کا

جس کو چاہے دے جسے چاہے نہ دے
کیوں نہ ہو ایسا وہ مالک جو ہوا

(۴۴)

مُلّاں زادہ

کل مِلا اِک مُلّا زادہ راہ میں
مَیں نے چاہا اُس سے کچھ باتیں کریں

بڑھ کے مَیں نے جب سلام اُسکو کیا
کچھ جواب اِس کا نہیں مُجھ کو دیا

بڑھ چلا آگے چڑھا کر تیوری
عرض کی مُجھ سے خطا کیا ہو گئی

آپ بولے آگے پیچھے دیکھ کر
چودھری جی کو نہ ہو جائے خبر

ورنہ کہدیں گے وُہ سب کو برملا
لو "میاں" بھی میرزائی ہو گیا

بولنے سے اِس لئے معذور ہوں
جانتے ہیں آپ۔ مَیں مجبور ہوں

"چودھری رازق نہیں" مَیں نے کہا
اور باہر دُور اُس کو لے گیا

واں کہا مَیں نے برادر نیک خُو
تم مری باتیں جو کہتا ہُوں سُنو!

خود خُدا کہتا ہے عیسیٰ مَر گیا
اِس جہاں سے صاف رحلت کر گیا

اور آنحضرتؐ نے پھر معراج میں
اُسکو دیکھا مُردگاں کے لاج میں

پھر صحابہؓ نے کیا اجماع ہے
قَد خَلَت فانی ہُوئی ہر ایک شَے

پھر یہ کیا اللہ نے فرمایا نہیں
آدمی کی مستقر ہے یہ زمیں

ایسی قرآں میں کئی آیات ہیں
غَیرُ اَحیَاءٍ کہ سب "اموات" ہیں

مُردے زندہ ہو کے پھر آجائیں کیوں
جب لکھا ہے اَنَّھُم لَا یَرجِعُون

وعدہ فرمایا مثیلِ مُوسوی
ہے خلافت میں نبیؐ ہاشمی

تھا مسیح اُس کا خلیفہ آخری
چاہیئے اب ایک عیسیٰ احمدیؐ

یہ بتاتا ہے ہمیں حرفِ کَمَا ہے مشبّہ اور مشبّہ بہٖ جُدا

حُلیہ دونوں کا بتایا مُختلف تا نہ دھوکہ میں ہو کوئی مُنحرف

ابنِ مریم کے سمجھنے کے لئے سُورۂ تحریم کو پڑھ لیجیئے!

پھر بتایا اپنے مہدی کا نشاں جو ہُوا وقتِ مقرّر پر عیاں

تیرہویں کو اور اُٹھائیس کو گہن شمس و بدر کو روزوں میں ہو

اور پھر طاعون آئے اِس قدر بول اُٹھیں سارے بشر أَيْنَ الْمَفَر

اُونٹنی بیکار بندوں میں ہو میل مُنتشر اخبار ہوں چل جائے ریل

پھیل جائے ساری دُنیا میں وہ شے ذِکر جس کا کہف کی سُورۃ میں ہے

اُس گھڑی آئے گا عیسیٰ بالضرور اس کی آمد کا ہو شُہرہ دُور دُور

ہند میں شرقِ دمشق اِک شہر ہو قادیاں۔ کدّہ قریبِ نہر ہو

چادریں دو زرد ہونگی بے گماں یعنی لاحق حال دو بیماریاں

اِسرائیلی قد۔ نبی کی نیک خُو اور اجلی الجبہہ اقنی الانف ہو

چودھویں کے سر پہ آئے لاکلام اہلِ فارس سے غلام احمدؐ ہو نام

الغرض جیسا کتب میں تھا لکھا وقت جب آیا تو ایسا ہی ہُوا

میرزا نے دیدیا یہ اشتہار مہبطِ وحیِ خُدا ہے خاکسار

گو مخالف ہونگے میرے صد ہزار پر مجھے مانیں گے آخر تاجدار

اب مجھے کوئی نہیں ہے جانتا ایک وقت ایسا مگر آجائے گا

دُور سے چل کر یہاں لوگ آئیں گے بیسیوں تحفے تحائف لائیں گے

بات جو اُس نے کہی پُوری ہُوئی پر تعجّب ہے تمہیں دُوری ہُوئی

زلزلہ طاعون موسم کا بُخار سینکڑوں ایسے نشاں ہیں آشکار

جو مخالف سامنے آیا "ہلاک" یا گرفتارِ عذابِ دردناک

ہے کہاں آتھم کہاں ڈوئی کا نام
اور پھر وہ آریوں کا لیکھرام
کُشتۂ تیغِ دُعا ہیں یہ سبھی
ہوتی ہے تائید جھوٹوں کی کبھی؟
مُجھ کو بتلاؤ کہ کوئی مُفتری
ہو خدا کی وحی کا یُوں مُدعی
اور پھر اِتنے برس زندہ رہے
کامیابی پا کے دُنیا سے مَرے
اور پھر تعلیم میں اُس نے کہا
"مُصطفٰے مارا امام و پیشوا"
اِقتداءِ قولِ او در جانِ ماست
ہرچہ زو ثابت شود ایمانِ ماست
ماننے میں کیا تامّل ہے اُسے
تُم جھجکتے ہو بھلا کس بات سے
سُن کے بولا قاضی صاحب سچ کہوں
مَیں تو بیعت کے لئے تیار ہوں
پر مرے گھر میں پھر آئیں گی کہاں
اِک محلّہ کی یہ اِتنی روٹیاں

(۴۵)

پیرزادہ

ایک سجادہ نشین کل باغ میں
سَیر کرتے مَیں نے دیکھا ناگہاں
پیچھے پیچھے ہو لیا مَیں بھی وہیں
مُڑ کے دیکھا آپ نے۔ پُوچھا کہاں؟
عرض کی۔ کچھ بھی نہیں اِک بات ہے
ہو اجازت تو سُنا دیتا ہوں یاں
آپ نے فرمایا حضرت شوق سے
آپ کہیئے مَیں سُنوں گا کُل بیاں
نحمدُ اللہ پڑھ کے مَیں نے یہ کہا
جانتے ہو میرزائے قادیاں
جس نے یہ دعوٰی سُنایا بارہا
مہبطِ وحیِ خُدا ہُوں بے گُماں
گر وُہ سچّا تھا تو پھر فرمایئے
کس لئے تکذیب میں کھولی زباں
حشر کے دِن آپ کو معلوم ہے
حال کیا ہوگا مکذّب کا وہاں

گر وہ اِس دعوے میں تھا جھوٹا ضرور — اِس کا مقصد کیجیے حضرت بیاں
کیا یہی دُنیا اُسے مطلوب تھی؟ — جمع کیا اُس نے کیا دیجئے نشاں
کونسی اُس نے خریدی جائداد — کونسا اُس نے بنایا ہے مکاں
کیا وُہ اپنے عیش میں ضائع کیا — مال و دولت جس قدر آیا یہاں
یا مِلا کر اُس میں اپنا مال بھی — راہِ حق ہی میں فدا کی اپنی جاں
جس قدر آئی یہاں نذر و نیاز — اُسکے مصرف تھے مقرّر ہر زماں
مدرسہ لنگر اشاعت مقبرہ — بطورِ امداد ضعیف و ناتواں
خرچ کرنے کے لئے اِک انجمن — جس پہ تھا اللہ اکبر نگہباں
آپ کو پروا نہ تھی کچھ مال کی — مال کیا ہے اُستخواں پیشِ سگاں
اسکی باتوں میں بتاؤ کوئی بات — جس میں ہو دُنیا کی اُلفت کا نشاں
فکر تھی اُس کو تو فکرِ اسلام کی. — رات دِن رہتا بچشمِ خونفشاں
دینِ احمدؐ کی لگی رہتی لگن! — داستاں کہتا تو اُس کی داستاں
پھر صداقت کا نشاں مُجھ سے سُنیں — جب ہُوا حکم خُدائے دوجہاں
وقتِ رُخصت اب قریب آنے کو ہے — آپ کو چلنا ہے سُوئے آسماں
الوصیّت لِکھ کے فوراً چھاپ دی — جس کو پڑھ کر ہم تو کرتے تھے فغاں
آپ کو لیکن مُسرّت تھی بڑی — جلد جانے والا ہُوں دلبر کے ہاں
دیکھئے مطلق نہیں اس میں لکھا — میرے بچّوں کا ہے یہ سب بوستاں
آپؑ کو دُنیا اگر مطلوب تھی — کیوں نہیں پھر دُنیا داری کے نشاں
دو مثال ایسی کہ ہو دُنیا پرست — اور پھر یُوں مال سے نفرت کُناں
یُوں وصیّت میں نہ کچھ بھی ذِکر ہو — یُوں وُہ اطمینان سے دے اپنی جاں
سُن کے سجادہ نشین نے یہ کہا — سچ کہا۔ جو کُچھ کہا۔ اکمل میاں!
ہم ہی جھُوٹے ہیں وُہ سچّا تھا ضرور — چھوڑنی پڑتی ہیں یہ شیرینیاں

میری سُنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہے

نہ تڑپ خیالِ بُت میں تُو خدا کا یار ہو جا
ترا پیار ہو اُسی سے اُسی پر نثار ہو جا

نہ خزاں کی کچھ غمی ہو۔ نہ بہار کی خوشی ہو
کسی گل کی یاد میں تُو مری جان خار ہو جا

درِ یار تک رسائی۔ ابھی تک نہیں جو پائی
تُو مٹا کے اپنی ہستی ہمہ تن غبار ہو جا

وُہ طریق میں بتاؤں کہ ہو دین کی اشاعت
تُو نمونہ بن کے اچھا ہمہ اشتہار ہو جا

نہ ہو فکرِ مستمندی۔ نہ خیال سربلندی
ہو گدائے کُوئے احمدؐ۔ شہِ تاجدار ہو جا

جو کریگا تُو تواضع۔ تو عروج پا ہی لیگا
دلِ داغدار لیکر۔ مہِ نُور بار ہو جا

کسی کام کی نہیں ہے تری ہوشیاری اکمل
کسی مصطبہ میں جا کر اجی بادہ خوار ہو جا

میرا مُرشد کیا فرماتا ہے!

واہ رے باغِ محبت موت جسکی رہ گذار
وصلِ یار اس کا ثمر پر اردگرد اُسکے ہیں خار

اس جہاں میں خواہشِ آزادگی بے سُود ہی
اِک تری قیدِ محبت ہی جو کر دے رُستگار

دل جو خالی ہو گدازِ عشق سی وُہ دل ہی کیا
دل وُہ ہی جس کو نہیں بے دلبرِ یکتا قرار

تلخ ہوتا ہی ثمر جب تک کہ ہو وُہ ناتمام
اس طرح ایماں بھی ہی جبتک نہ ہو کامل پیار

اس جہاں کو چھوڑنا ہی تیرے دیوانوں کا کام
نقد پا لیتے ہیں وُہ اور دُوسرے اُمیدوار

کوئی رہ نزدیک تر راہِ محبت سے نہیں
طے کریں اس راہ سے سالک ہزار ہا دشتِ خار

اسکے پانے کا یہی اے دوستو اِک راز ہے
کیمیا ہی جس سے ہاتھ آجائیگا زر بیشمار

تیرِ تاثیرِ محبت کا خطا جاتا نہیں
تیر اندازو! نہ ہونا سُست اسمیں زینہار

ہے یہی اِک آگ تا تم کو بچاوے آگ سے
ہے یہی پانی کہ نکلیں جس سے صدہا آبشار

اس سے خود آکر ملیگا تم سے وہ یارِ ازل
اس سے تم عرفانِ حق سی پہنو گے پھُولوں کے ہار

خروش

بُتانِ ماہ رُو سے دل لگانا بیوقوفی ہے
فقط مولیٰ کا ہو جانا یہی تو فیلسوفی ہے

یگانہ ہو کے بیگانہ پرایا بن کے اپنا ہو
اسے مت مُنہ لگاؤ۔ چھوڑ دو کمبخت کوفی ہے

نہیں کچھ امتیازِ ماؤ تو شہرِ محبّت میں
برابر اسجگہ پر مُفتی و قاضی و صُوفی ہے

مُسلمانی کا دعویٰ۔ اور پھر ماموُر کا مُنکر
یہی تو جاہلیت ہے یہی تو بیوقوفی ہے

عمل قرآن پر کیسا کیا یہ پُوچھا جائے گا
نہ کام آئی وہاں تفسیر رازیؒ رؤفی ہے

بھروسہ نسلِ انساں پر نہ کرنا پھر کبھی اکمل!
کہ صرف اِک ذاتِ محبوبِ ازل عہدو نکو موفی ہے

۱۵ ستمبر ۱۹۱۱ء

وَلولۂ محبّت

پھر مرے دل میں خیالِ ماہ رُو پیدا ہُوا
پھر لبِ جُو سبزۂ بیگانہ رُو پیدا ہُوا

پھر کسی کُوچے میں ذوقِ جُستجو پیدا ہُوا
پھر کسی سے مجھ کو شوقِ گفتگو پیدا ہُوا

پھر مرے سینے کے داغوں میں بہار آنے لگی
پھر کوئی بلبل بہ شاخِ آرزُو پیدا ہُوا

پھر ہُوا پیماں شکن کی یاد میں توبہ شکن
پھر وُہی سودائے زُلفِ مُشکبُو پیدا ہُوا

پھر چمک اُٹھے محبّت کے شرارے قلب میں
پھر وُہی آتش فشانِ شعلہ رُو پیدا ہُوا

پھر دلِ ایذا طلب کو چھیڑ کی عادت ہُوئی
شوقِ دُشنامِ زبانِ تُند خُو پیدا ہُوا

پھر لگی ٹانکے لگانے سوزنِ فکر و خیال
پھر مرے چاکِ گریباں میں رفو پیدا ہُوا

پھر کسی کی نوکِ مژگان کی خلش ہونے لگی
دردِ دل میں اور اشکوں میں لہو پیدا ہُوا

پھر دلِ درماں طلب کو اِک مسیحا کے حضور
حاضری کا شوق باصد آرزو پیدا ہُوا

پھر نمک پاشِ جراحت دِلربا کی یاد ہے
پھر مرے بُستانِ دل میں لالہ رُو پیدا ہُوا

مُدّتوں سے دِل کی بستی ہو چکی تھی اِک اُجاڑ
جانے کیوں اس بن میں نخلِ آرزو پیدا ہُوا

بڑھ گئی جب حد سے تیرے میکشوں کی تشنگی
غیب سے اِک جامِ صہباء وسُبو پیدا ہُوا

جب خزاں آئی ہمارے گلشنِ اُمّید میں
ابرِ رحمت سے گُلِ لَا تقنطُوا پیدا ہُوا

پھر وُہی ختم الرسل کی بعثتِ ثانی ہُوئی
جب گروہِ پاک لَمّا یَلحِقُوا پیدا ہُوا

آگئی فی الفور آڑے رحمتِ پروردگار
جب کبھی اسلام کا کوئی عدو پیدا ہُوا

پھر وُہی ہے جلوۂ احمدؐ وُہی مُشتاق ہیں
غلغلہ صَلِّ عَلیٰ کا چار سُو پیدا ہُوا

چودھویں کے چاند سے مجھ کو محبّت ہو گئی
اِس صدی میں جب سے تو اے ماہ رُو پیدا ہُوا

ٹھوکریں کھا کھا کے رہ جائیگا راہِ عشق میں
جسکو فکرِ مال و جان و آبرُو پیدا ہُوا

پہلی بعثت میں نبیؐ کا مدح گو حسّان تھا!
دُوسری میں کہتے ہیں اکملؔ کہ تُو پیدا ہُوا

۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۱ء

ترے میخانے کی خیر

جام دینا مُجھے ساقی ترے میخانے کی خیر
حرص رہ جائے نہ باقی ترے میخانے کی خیر

نہ تو مُلّا سے ہو رغبت نہ ہو صُوفی سے عناد
کرادے دِلبر سے ملاقی ترے میخانے کی خیر

ایسا اِک جام ملے کوئی ہوس رہنے نہ دے
پیارے ساقی مرے ساقی ترے میخانے کی خیر

ایسا عالم ہو کہ مشہور ہو اِک عالم میں
یہ مری چُستی و چاقی ترے میخانے کی خیر

پُرتگالی کی تمنّا نہیں پنجابی کو
ہو حجازی نہ عراقی ترے میخانے کی خیر

جلد تدبیر ہو محبُوب سے جا ملنے کی
ہُوا جاتا ہُوں مراقی ترے میخانے کی خیر

ایسی پلوا کہ نکل جائیں ہمارے تن سے
سبھی امراض نفاقی ترے میخانے کی خیر

جُستجو میں تری کانٹوں پہ ملے جنگل میں
راحتِ خوابِ رواقی ترے میخانے کی خیر

ایک دِن مرجعِ عالم یہی چوکھٹ ہوگی
پیشگوئی ہے سیاقی ترے میخانے کی خیر

دیدے اِک جام کہ دم لے کے سُناؤنگا تجھے
قِصّۂ لیلِ فراقی ترے میخانے کی خیر

دِلرُبائی ہے کہ دِل لے کے ہو دِلداری بھی
یہ تو قزّاقی ہے ساقی ترے میخانے کی خیر

اِس لئے کہتا ہُوں دِلدادہ فقط اللہ پہ
تا ابد ہے وُہی باقی ترے میخانے کی خیر

حلق میں ڈال مرے قطرۂ آبِ حیواں
کہ ہُوں بیمار فواقی ترے میخانے کی خیر

عرش تک کی میں خبر لا کے سُناؤنگا تجھے
دیکھنا میری براقی ترے میخانے کی خیر

یہ تو پیغام ہے اکملؔ کا بحالِ فُرقت
باقی پھر عند تلاقی ترے میخانے کی خیر

حمامۃ البُشریٰ

اے کبوتر ذرا پیغام مرا لے جانا
جو ٹرپلی کے مُسلمان ہیں اُنہیں دے آنا

ایک دن تھا کہ حکومت تھی تمہاری اس جا
نہ تو جرمن کا خطر اور نہ تھا اٹلی کا

امن سے چین سے دِن رات بسر ہوتے تھے
جاگتے اپنی خوشی اپنی خوشی سوتے تھے

قہر نازل ہوا مولےٰ کا یکایک ایسا
دیکھنے سُننے میں آیا نہیں اب تک ایسا

چھن گیا مُلک کئی بھائی ہوئے ہیں مقتول
حق تو منصف ہے ضرور اسکی وجہ ہے معقول

لَا یُغَیِّرُ کو میں پڑھتا ہُوں تو کُھل جاتا ہے
لوگ جب بدلیں تو انعام بدل جاتا ہے

سلطنت سے ہوئے محروم جو مانند یہود
ہے یقیناً ہوا انکارِ مسیحِ مُوعودؑ

وُہ مسیحا کہ غلام احمدؐ مختار کا ہے
اور بھیجا ہوا پھر حضرتِ غفّار کا ہے

وُہی مہدی ہے جو ہونا تھا بروزِ احمدؐ
جس پہ الطاف و عنایاتِ خُدا ہیں بیحد

جو نشاں اپنی سچائی کے بہت لایا ہے
جسکی بیعت کیلئے حُکمِ رسُول آیا ہے

جس نے بتلایا کہ عیسےٰ تو جہاں سے گذرا
دفن کشمیر میں ہی جب سے وُہ جاں سے گذرا
اِس طرح کسرِ صلیب آپ نے کی اِک دم میں
اور خنزیر ہوُئے قتل سبھی عالم میں
رُوح میں اُس کی محمدؐ کا خلیفہ آیا
پئے تائید ہر اِک پہلا صحیفہ آیا
دیکھو انجیل میں عیسےٰ نے یہ فرمایا ہے
یحییٰ الیاہ کی خُو بُو پہ یہاں آیا ہے
اُور قرآں میں کَمَا اسْتَخْلَفَ فرماتا ہی
حُلیہ بھی پہلے کا پچھلے سے جُدا آتا ہی
جس سے ظاہر ہوُا موعُود کوئی اُور ہی تھا
جسکے بارے میں ہی لَا مَھْدِیَ اِلَّا عیسےٰ
ہند میں بستی ہے اِک کدعہ بنامِ احمدؐ
اہلِ فارس سے بس آنا تھا غلامِ احمدؐ
آگیا اپنی صداقت کے نشاں لایا ہے
قحط و طاعون و زلازل کا عذاب آیا ہے
سب مذاہب پہ ہوُئی آپکی حجّت پُوری
لیکھرام آتھم و ڈوئی کو جہاں سے دُوری
جو مقابل ہوُا مارا گیا مغلوب ہوُا
جو مبائع ہوُا۔ اللہ کا محبُوب ہوُا
دینِ اسلام کو زندہ کیا بیدار کیا
از سرِ نو کئی اصحاب کو تیار کیا

مان جاؤ کہ مُصیبت یہ چلی جائے گی
وُہی نعمت وُہی عزّت تمھیں دیجائے گی

ہوَا سے باتیں

پیام میرا اُنہیں دے جو درس سُنتے ہیں
ریاضِ نور سے گلہائے نصح چُنتے ہیں
بوقتِ عصر ہیں بزمِ امامؑ میں شامل
گروہِ پاک صحابہ کرامؓ میں شامل
عرب کے۔ خوست کے۔ کابل کے۔ مالابار کے لوگ
دکن کے۔ سندھ کے کشمیر کے۔ بہار کے لوگ
ہر ایک مُلک کے ہر صُوبے ہر دیار کے لوگ
ہر ایک ذات۔ ہر ایک وضع۔ ہر قطار کے لوگ
سیالکوٹ کے۔ گجرات و شاہپور کے ہیں
بتاؤں نام میں کس کس کا۔ پُتلے نُور کے ہیں
ہزاروں چاند کے ٹکڑے بشکلِ نُورانی
متاعِ حُسن کی کردی جنھوں نے ارزانی

ہزاروں عاشقِ صادق ہزاروں شیدائی
قتیلِ خنجرِ ناز و اداءِ مرزائی

ہزاروں کُشتۂ تیغِ اداءِ دلبر ہیں
نثارِ کوچۂ جاناں فداءِ دلبر ہیں

نگاہِ یار کے زخمی نثارِ مولیٰ ہیں
طرابلس کے شہید اُنکے سامنے کیا ہیں

یہ بھانت بھانت کی بولی کے بولنے والے
زباں ستائشِ باری میں کھولنے والے

کوئی ہے ایم اے تو کوئی ہے مولوی فاضل
غرض کسی نہ کسی بات میں ہر اک کامل

حکیم و منشی و حاجی و مفتی و قاضی
خدا تو اُن سے ہے راضی۔ خدا سے وُہ راضی

عدو کے واسطے میکسیم کی توپ ہیں گویا
وُہ اپنی قوم کی اُمید و ہوپ ہیں گویا

نہیں ہے اور کو اٹلی کے ٹوپ کی کچھ قدر
اسی طرح سے نہیں انکو پوپ کی کچھ قدر

ہزاروں حاکمِ اعلیٰ بنے ہُوئے محکوم
جو اُنکی شان تھی پہلے کسی کو کیا معلوم

ہزاروں ایسے کہ محمُود سے ایاز ہُوئے
سراپا ناز تھے۔ آکر ہمہ نیاز ہُوئے

کسی کے نُور کا ایسا ظہور ہے ہر وقت
کہ بلدہ طیّبہ ربّ غفور ہے ہر وقت

امیر ایسا کہ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ
مُرید ایسے کہ مشہور فِیْ اَطَاعَاتِهٖ

ترانے "بلبلِ باغِ حجاز" کے سُن لو
فسانے غور سے راز و نیاز کے سُن لو

ہزار نغمے سُنائیں گے گو طیور یہاں
مگر یہ درد یہ رِقّت کہاں یہ سوز کہاں

پلا رہا ہے جو ساقی اسے چڑھا جاؤ
پیاس ہو کہ نہ ہو خم کے خم اُڑا جاؤ

یہ مومنوں کی شرابِ طہور ہے گویا
نشے میں اسکے ابد کا سرور ہے گویا

یہ وقت پھر نہ ملے گا ضرور قدر کرو
ہلالِ الفتِ قرآں کو دِل میں بدر کرو

تمہارے سینے منوّر ہوں نُور سے اُسکے
اندھیرے میں جو ہو شیطاں کوئی وُہ کھسکے

تمام گلشنِ احمدؐ کی آبیاری کرو
جہاں میں چشمۂ کوثر کی نہریں جاری کرو

دِلوں پہ سکّہ تمہارا چلے۔ جہاں جاؤ
نمونہ نیک بنو۔ دشمنوں کو شرماؤ

جو کچھ زباں سے بولو۔ وُہی عمل ہووے
تمہاری زندگی عالم میں بے خلل ہووے

غلامِ احمدِ مختار بن کے پھیلو تم
فرنگیوں سے بھی سُن لو ندائے ہیلو تم

دکھاؤ اُٹھ کے زمانے کو تم کمال اپنا
ہر اک دُکان میں پہنچا کے چھوڑو مال اپنا

مگر خیال تمہارا ذرا اِدھر بھی رہے
بلاکشانِ محبت کی کچھ خبر بھی رہے

تڑپ رہا ہے کسی کے فراق میں کوئی
ہے بیقرار کسی کے اِشتیاق میں کوئی

کسی کی یاد میں بیتاب ہوتا جاتا ہو
تڑپ تڑپ کے وُہ سیماب ہوتا جاتا ہو

ہُوئی ہو آشتیٔ چشم و گوش کیوں ایسی!
نہ دیکھنا ہو۔ نہ سُننا تو زندگی کیسی!

غرض یہ بھول نہ جانا ضرور یاد رہے
ہمیں جو یاد رکھے یا الٰہی شاد رہے

کہ تم سوار ہو۔ پامردیٔ قوی بھی ہے
تمہارے ساتھ یہ اکمل برہنہ پا بھی ہے

چُبھے ہیں پاؤں میں کانٹے وُہ چل نہیں سکتا
مہیب دیو سے آگے نکل نہیں سکتا

کہیں نہ پیچھے سرِ رہگذار رہ جائے
کسی شکاری کا ہو کر شکار رہ جائے!

غریب بھائی ہے للّٰہ کچھ مدد کرنا
کہ سارے پھولوں میں ہی پھول خوشنما "کرنا"

حضور باری میں اِس کیلئے دُعا کرنا
مُراد اپنی وُہ پائے یہ التجا کرنا

جو اس سے میل کرے واصلِ الٰہی ہو
اور انکشافِ حقائق اسے کماہی ہو

۲۲ر نومبر سنہ ۱۹۱۱ء

ہاتو! یوڑ و لا!

لے کشمیریوں کو دعوت ۱۲

قادیاں اُترا مسیحائے زماں یوڑ و لا
ہے یہی مسکن آں جہان جہاں یوڑ و لا

چرخ پر جس کو سمجھتے ہیں تمہارے مُلّاں
وُہ تو مدفون ہے کشمیر میں ہاں یوڑ و لا

مُردہ اِسلام کو زندہ اسی عیسےٰ نے کیا
دینِ حق کی ہے یہی رُوحِ رواں یوڑ و لا

لفظ مِنکُمْ نے بتایا کہ اِسی اُمت سے
آنیوالا ہے۔ مسیحائے زماں یوڑ و لا

قحط و طاعون و زلازل ہیں کسوف اور خسوف
حق نے دِکھلائے ہیں کتنے ہی نشاں یوڑ و لا

حضرتِ مہدیٔ و عیسٰے کا ہی حلیہ بھی یہی
بھول کر جاتا ہے نادان کہاں یوڑولا

مُفتری ہوتا تو ناکام ہی مَر جاتا وُہ
افترا کا نہ کرو اس پہ گماں یوڑولا

مغز لینا ہے تو آجا کہ مِلتا ہی یہاں
اُستخواں چھوڑ دے تو پیشِ سگاں یوڑولا

کانگڑی اُلفتِ محبوب کی ہی چاہ بھی ہے
سبھی سامان ہے موجود میاں یوڑولا

تو ہیئے کیا گئہ کہ تو ہنے چھوہ نہ مانن ہانتس
مرا مُرشد ہے بڑا فیض رساں یوڑولا

ژونٹھ عرفان کے کھا گلشنِ احمدؐ سے تُو
اور باغوں میں تو آئی ہے خزاں یوڑولا

نادِوَن تو ہئے پرس کن کہ ترادی غفلت
انوے ایماں نہیں کچھ بھی زیاں یوڑولا

حضرتِ نور سے قرآن و احادیث سُنو
دِلرُبا اس کا ہے اندازِ بیاں یوڑولا

یتھ مہ اُسن کہ گرفتار عذابوں میں گژد
کیا اکملؔ نے بصد درد عیاں یوڑولا

(۷ دسمبر ۱۹۱۲ء)

دردمند دِل کی پُکار

کل اِک غریب الوطن مہاجر - مزارِ مہدی پہ رو رہا تھا
کہ اے امامِ زماں مسیحا - پیام تیرا سُنا چکے ہیں

مگر نہ جاگے یہ سونے والے - یہ دین و دُنیا کے کھونے والے
حدیث و قرآں بھلا چکے ہیں - لقب فقیہوں کا پا چکے ہیں

نہیں وُہ پہلا سا جوش باقی - نہیں وُہ دِل کا خروش باقی
جو ہے تو دُنیا کا ہوش باقی - کہ دین اپنا بھلا چکے ہیں

نہ شان و شوکت نہ تمکنت ہی - نہ جاہ و حشمت نہ سلطنت ہے
نہ کوئی عزّت نہ مملکت ہے - نشان اپنا مِٹا چکے ہیں

جو دیکھو آپس میں لڑ رہے ہیں - بگڑ رہے ہیں جھگڑ رہے ہیں
قدم تو اُن کے اُکھڑ رہے ہیں - حریف ڈیرے جما چکے ہیں

یہ اِک تڑپلی کو رو رہے ہیں۔ مَیں ساری دُنیا کو رو رہا ہُوں
یہ جس کو زندہ سمجھ رہے ہیں۔ جنازہ اُس کا اُٹھا چُکے ہیں
کنارِ دوزخ کھڑے ہُوئے ہیں۔ یہ ضِدّ پر اپنی اڑے ہُوئے ہیں!
صنم کدوں میں پڑے ہُوئے ہیں۔ تو گھر میں مَولیٰ کے جا چکے ہیں
نہ پاسِ مذہب نہ آسِ مِلّت۔ نہ فکرِ نکبت نہ خوفِ ذِلّت
نہ شوقِ کثرت نہ رنجِ قِلّت۔ یہ ایسی گردش میں آ چکے ہیں
یہود بن کر خراب ہونگے۔ غم و الم سے کباب ہونگے
کہ ہر طرف سے عذاب ہونگے۔ یہ بات سچّی بتا چُکے ہیں
الٰہی تُو ہی انہیں سمجھ دے۔ مطیع ہو جائیں مُرسلوں کے
یہ صلح کرلیں اسی ولی سے کہ جس کو دشمن بنا چُکے ہیں
فلک سے پھر ہو نزولِ رحمت۔ وُہی ہو عزّت وُہی ہو حُرمت
وُہی ہو شوکت وُہی ہو حشمت۔ جو اپنے ہاتھوں گنوا چکے ہیں
وُہی بہاریں ہوں پھر چمن میں۔ وُہی سنواریں ہوں پھر وطن میں
وُہی ملاریں ہوں انجمن میں۔ جو قرنِ اوّل میں گا چُکے ہیں
الٰہی مجھ کو وُہ دن دِکھانا۔ حبیب میرا مجھے مِلانا!
اَور اپنے اکمل کو بھی پلانا۔ جو دُوسرے پی پلا چُکے ہیں

تقسیمِ بنگالہ

ہُوا حُکم تقسیمِ بنگالہ پہلے
تو اب اُن کی اِک روز دِلجوئی ہوگی
یہ فرمایا مہدی نے چھ سال اوّل
مگر لوگ کہتے نہیں کوئی ہوگی
علیٰ رغمِ انفِ عدو دیکھ لیجے
کہ جس کی جماعت بڑی روئی ہوگی

ہُوئی پیشگوئی مسیحا کی پُوری — زیادہ کہوں کچھ تو پس گوئی ہوگی
اِسے امر فیصل شُدہ مانتے تھے — مگر حق نے فرمایا دِلجوئی ہوگی
نشاں اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں پُورا — وُہی مانے گا جس میں حق جوئی ہوگی
ہمارے مخالف جو ہیں یاد رکھیں — وُہی جنس کاٹیں گے جو بوئی ہوگی

وُہ دِن آرہا ہے کہ ہم ہوں گے اکملؔ
نہ سنگھوئی ہوگی نہ ہردوئی ہوگی

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ

وِرد مرا ہے رات دِن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ — صَلِّ عَلٰی مُحمّدٍ - صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
لاکھ مُصیبتیں پڑیں سینکڑوں مشکلیں بڑھیں — دِل رہے اِس سے مُطمئن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
کیوں نہ کہیں یہ مخلصیں کیوں نہ پڑھیں یہ مومنیں — تُو ہے امین و مؤتمن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
ہند و عرب میں شوق سے پڑھتے ہیں اُٹھتے بیٹھتے — پیرو جواں ترے مُحسن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
شان بڑھے نبیؐ کی کیا کہتے ہیں جب لکھوکھا — وحش و طیور و انس و جن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
جو ہے ہمارا شہر یار۔ اُس کے کرم ہیں بیشمار — تو بھی نہ اُنگلیوں پہ گِن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ
ہم میں مسیح پاک تھا جس کا عدو ہلاک تھا — ہائے وُہ راتیں اور دِن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ

اکملِ جان نثار کی بات یہ ہے ہزار کی
حق سے کرے گا مقترن صَلِّ عَلٰی محمّدٍ

مقبرہ بہشتی کی فاختہ سے دو باتیں

اے فاختہ نہ بول مرا جی خراب ہے — نارِ فراق یار سے سینہ کباب ہے
دِل سخت بیقرار عجب پیچ و تاب ہے — کوکو سے تیری بڑھتا مرا اضطراب ہے

تیری صدا میں درد ہے سوز و گداز ہے
گویا کسی کے عشق میں جاں در عذاب ہے

تیرے گلے میں کس کا ہے یہ طوقِ بندگی
اے فاختہ وہ کونسی عالی جناب ہے

یوسف گرا تھا چاہ میں آخر نکل گیا
تیری زباں پہ اسکی حکایت کا باب ہے

میں بھی ہوں ایک چاہ میں۔ جاکر سنا خبر
کوئی مجھے نکال لے کارِ ثواب ہے

یہ آرزو ہے راہ میں مولا کی میں بکوں
سارے کہیں غلامِ رسالتمآب ہے

ایسا غلام جو ہے وفادار جاں نثار
جیسا مرا امام معلیٰ خطاب ہے

میں بھی عزیزِ مصر مسیحا بنوں کبھی
میرے بھی دن پھریں کہ یہ حالت خراب ہے

ہو دسترس خزائنِ قرآنِ پاک پر
اِک اِک گہر میں جسکے بڑی آب و تاب ہے

اس قحط میں لٹا کے بتا دوں جہان کو
بخشا خدا نے رزق مجھے بے حساب ہے

جن بھائیوں نے مجھ سے کیا ہے سلوکِ بد
جن کو مری تباہی کا اب آتا خواب ہے

محتاج ہو کے آئیں تو دوں انکو اسقدر
خود بول اٹھیں کہ یہ تو سخاوت مآب ہے

جب عذر خواہ ہوں تو لگا لوں میں سینے سے
کہدوں کہ آؤ اب تمہیں کیسا حجاب ہے

الزام تم پہ کچھ نہیں تم میرے بھائی ہو
یوسفؑ نے جو دیا وہی میرا جواب ہے

تم جب گلے سے لگ گئے جاتا رہا گلا
ان گالیوں کی یاد نہایت خراب ہے

ماں باپ کو میں تخت پہ یارب بٹھا سکوں
احسان انکا جاں پہ مری بیحساب ہے

بچھڑے ہوئے ملا کہ تجھے قدرتیں ہیں سب
روٹھے ہوئے منا کہ بڑا اضطراب ہے

غربت مسافرت میں خدا کے حضور ہو
دنیا کی زندگی تو مثالِ سراب ہے

باتیں ہیں اک پرند سے اکمل تو ہوش کر
کچھ سوچ تو سہی کہ یہ کس سے خطاب ہے

اے فاختہ نہ گا کہ یہ گانا فضول ہے
آ مل کے دونوں روئیں کہ رونا ثواب ہے

کوکو سے یادِ یوسفِ کنعاں دیں کریں
جو مصرِ حسن و عشق کا اک ماہتاب ہے

اسبابِ تنزّل اور اُن کا علاج

اِک باخدا بزرگ سے مَیں نے کیا سوال
دیکھا حضور! آپ نے ہم مُسلمانوں کا حال

دس بادشاہیاں تھیں وُہ کھوئی گئیں تمام
ہاں رہ گئی ہیں ٹرکی و ایراں برائے نام

نے مصر و الجزائر و مسقط نہ زنجبار
نے دہلی و مراکو بخارا کی ہے بہار

پھر اب طرابلس پہ چڑھائی ہے رُوم کی
وُہ قوم مٹ رہی ہے بڑی جس کی دُھوم تھی

اِس کا سبب بتائیے حیراں ہُوں مَیں بڑا
گرداب میں بلا کے جہاز آ کے کیوں پڑا

کیا ہم سے یہ نہ وعدۂ پروردگار تھا
دُنیا میں بول بالا ہے اسلام کا سدا

یہ کیا ہُوا کہ غیر کو ہے غلبۂ و سبیل
دیکھو جدھر اُدھر ہی مُسلمان ہیں ذلیل

مَولیٰ تھا جن کا۔ اُن کا تو مَولیٰ نہیں رہا
جن کا نہیں تھا کچھ بھی سبھی اُن کا ہو گیا

جو تھے ہمارے دستِ نگر۔ اَور بیوقوف
آوازے ہم پہ کستے ہیں بن بن کے فیلسُوف

کہنے لگے حضور۔ نہ اِتنا دِکھاؤ جوش
جاتے رہے ہیں شدّتِ رنج والم میں ہوش

ورنہ قصور ہے یہ تمہارا ہی اے عزیز
اے کاش میری قوم کو ہوتی ذرا تمیز

یہ سچ ہے "تم میں کچھ بھی لیاقت نہیں رہی
اب تم کو غیر قوموں پہ سبقت نہیں رہی"

"تم مر گئے تمہاری وُہ عظمت نہیں رہی
"صُورت بگڑ گئی وُہ صُورت نہیں رہی"

کیونکر ہو وہ نظر کہ تمہارے وُہ دِل نہیں"
شیطاں کے ہیں خدا کے پیارے وُہ دل نہیں"

تقویٰ کے جتنے جامے تھے سب چاک ہو گئے
جتنے خیال دِل میں تھے ناپاک ہو گئے"

"کچھ کچھ جو نیک مرد تھے وُہ خاک ہو گئے
باقی جو تھے وُہ ظالم و سفّاک ہو گئے"

"ہاں آپ تُم نے چھوڑ دیا دِیں کی راہ کو
عادت میں اپنے کر لیا فسق و گُناہ کو"

"اب زندگی تمہاری تو سب فاسقانہ ہے
مومن نہیں ہو تم کہ قدم کافرانہ ہے"

"سب پر یہ اِک بَلا ہو کہ وحدت نہیں رہی
اِک پُھوٹ پڑ رہی ہے مؤدّت نہیں رہی"

"اب تم خود ہی موردِ خشمِ خدا ہوئے
اُس یار سے بشامتِ عصیاں جدا ہوئے"

"پھر جبکہ تم میں خود ہی وُہ ایماں نہیں رہا
وُہ نورِ مومنانہ وُہ عرفاں نہیں رہا"

تو کیوں نہ غیر قوم کو تم پر سبیل ہو
اور کیوں نہ اُن پر فضلِ خدائے جلیل ہو"

اب بھی جو حبلِ حق سے کبھی اعتصام ہو
وحدت کا مخلصانہ وُہی اہتمام ہو

کرتے رہو دُعائیں مُسلمان تم بنو
علم و عمل میں ظاہر و باطن میں ایک ہو

ظاہر سکھایا جائے جو باطن میں مان لو
باطن میں جو تمہارے ہے ظاہر وُہی کرو

یہ جھوٹ یہ تکبّر و تحقیر چھوڑ دو
یہ سُستی و فضولی کی زنجیر توڑ دو

تو یہ زمیں کیا یہ فلک بھی تمہارا ہو
انسان کیا ہر ایک ملک بھی تمہارا ہو

شمس و قمر نجوم مسخّر تمہارے ہیں
انجامِ کار جیتینگے جو حق کے پیارے ہیں

وعدہ خدا کا سچ ہے مگر ہم ہی جھوٹے ہیں
موتی تھے آبدار قضا کار ٹوٹے ہیں

ہرگز نہ کام دیں گی ہمیں کچھ لڑائیاں
غیروں کی بڑھتی جائینگی یوں تو چڑھائیاں

اب بھی مسیحِ پاک کے قدموں میں آ گریں
اکمل کو ہے اُمید ہمارے بھی دن پھریں

مومن جو بن کے نیک نمونہ دکھائیں گے
شاہانِ روزگار مُسلمان ہو جائیں گے

پھر سلطنت ہماری ہے عزت ہماری ہے
شان و شکوہ و دولت و حشمت ہماری ہے

"ہم میں ہے جسکو دین و دیانت سے کچھ پیار
اب اُس کا فرض ہے کہ وُہ دل کر کے استوار"

"لوگوں کو یہ بتائے کہ وقتِ مسیح ہے
اب جنگ اور جہاد حرام اور قبیح ہے"

ہم اپنا فرض دوستو اب کر چکے ادا
اب بھی اگر نہ سمجھو تو سمجھائے گا خدا

۵ر فروری ۱۹۱۲ء

نگاہِ شوق

الٰہی کیوں مرے دل میں خیالِ بُت پرستی ہے
یہ بُت کیا ہیں فنا ہو جانیوالی ایک ہستی ہے

"خموشی گفتگو ہی بے زبانی ہو زباں" اُنکی
الٰہی شہرِ خاموشاں بھی کیسی پیاری بستی ہے
خُدا محفوظ رکھّے ظالموں کی چیرہ دستی سے
کِسی کا خوف ہی اُنکو نہیں کچھ ایسی مستی ہے
کبھی تو سامنے آئے خُدارا جلوہ دِکھلائے
نگاہِ شوق جس کے دیکھنے کو پھر ترستی ہے

یارب دلِ ناداں کو تُو فہم و فراست دے
تُو عقل و قیاست دے تُو علم سیاست دے
پھر کانٹوں پہ تلوار ہو پھر طُور کا جلوہ ہو
پھر منّ و سلویٰ ہو پھر رزق بہ منّت دے
پھر پیار کی باتیں ہوں پھر وصل کی راتیں ہوں
پھر اگلی محبّت دے پھر پہلی سی اُلفت دے

قومی وحدت

اَپنے مَولیٰ کا بڑا ممنُون ہُوں
نسبتاً آفات سے مصئون ہُوں
جب ہُوئے دو دِن برابر حال کے
اِس میں کیا شک ہے کہ مَیں مغبون ہُوں
قوم میں وحدت کا رہتا ہے خیال
مَیں شریکِ قسمتِ ہارون ہُوں
کچھ پتا چلتا نہیں مجھ کو کہ مَیں
اپنے بیگانے کا کیوں مطعون ہُوں
جان کر سب کچھ بنے انجان ہو
اِس اَدا پر آپ کی مفتون ہُوں
خود مرے تقویٰ کی حالت ہے خراب
اور اِس پر لِکھ رہا مضمون ہُوں
چھوڑ کر حُورانِ جنّت کا خیال
زالِ دُنیا پر ہُوا مفتون ہُوں
رحم کر مجھ پر الٰہی رحم کر
تیرے احسانوں کا مَیں مرہُون ہُوں
عمر بھر سہ سہ کے طعن میرزا
حیف ہے گر طعمۂ طاعُون ہُوں
حضرتِ اکملؔ آپکی کیا رائے ہے
لوگ کہتے ہیں کہ مَیں مجنُون ہُوں
نام ہے جس کا بہشتی مقبرہ
آرزو ہے اسجگہ مدفون ہُوں

دلِ رنجور

نہایت مضطرب میرا دلِ رنجور رہتا ہے
مگر پھر بھی خدا کے فضل سے مسرور رہتا ہے

نظر آتے ہیں اُسکے حُسن دل افروز کے جلوے
خُدا جانے وُہ ظاہر ہو کے کیوں مستور رہتا ہے

کیا کچھ بھی نہ پاسِ اُلفتِ دیرینہ ظالم نے
وُہ میرے پاس رہ کر پھر بھی مجھ سے دُور رہتا ہے

شریکِ قسمتِ موسیٰ۔ نبی کا اُمتی ہُوں میں
کہ میرے طُورِ دل پر اِک سہرا پا نُور رہتا ہے

نشانہائے قیامت اور تو سب ہو چکے پورے
جو کچھ باقی بھی رہتا ہے تو نفخِ صُور رہتا ہے

فدا کر دے جو اپنا مال و جان و آبرو دیں پر
وُہی دُنیا میں سچّی بات ہے منصُور رہتا ہے

نکاتِ معرفت سُن سُن کے یہ حالت ہُوئی اپنی
کہ گویا میز پر افشردۂ انگور رہتا ہے

سُنا ہر گز نہ قصّہ ہائے محمُود و ایاز اکمل
مجھے ہر دم خیالِ حضرتِ مغفور رہتا ہے

ورود مسعود

آج ہر لب پہ سُنا جاتا ہے نامِ محمُود
آج ہر ایک کو ہے شوق سلامِ محمود

اللہ اللہ ہے کیا شان مقامِ محمُود
مرحبا کہتے ہیں سب سُن کے کلامِ محمود

رہِ حق میں جو سفر ہو وُہ سفر اچھا ہے
اور قیام ایسا بھی کہلائے قیامِ محمود

صد مبارک کہ سفر ختم مہینے میں ہُوا
بدرِ کامل کی طرح تھا یہ خرامِ محمود

اِس سفر سے جو فوائد ہُوئے۔ ہم دیکھیں گے
احمدی مدرسہ میں حسن نظامِ محمود

نُور ہی نُور نظر آئے گا کُل عالم میں
روشنی دے گا عجب ماہ تمامِ محمود

یہ دُعا ہے کہ رہے شاد بفضلِ مولیٰ
مرزا محمُود و احبّاء کرامِ محمود

ریل کی سواری اور اکمل کی آہ وزاری

لو دِن نِکل آیا ابھی چھُپتے ہیں ستارے ‏ یاد آئے مجھے اپنے وُہ بچھڑے ہوئے پیارے
دس بجتے ہی پہنچا ہُوں مَیں دریا کے کنارے ‏ تیّار سفر کو ہُوا اللہ کے سہارے
اے ریل چلی چل تُو مسیحا کے دوارے ‏ رہتے ہیں جہاں مُرشدِ پُر نُور ہمارے
معلوم ہی یہ بات وُہی ہے تُو سواری ‏ دی جسکی خبر پاک نبیؐ نے مجھے ساری
یعنی جو زمانے میں مسیحا کے چلے گی ‏ ہاں بھاپ کے زور آگ بہت کھا کے چلے گی
دِن کو بھی چلے رات کو بھی شام و سحر بھی ‏ ہر وقت ہے تیار سفر بھی ہے حضر بھی
آواز بھی ساتھ آتی ہی ہاں آؤ چڑھو تم ‏ لے جائے گی جس جا پہ کہو آگے بڑھو تم
دِن ڈُوبنے سے پہلے کہیں کی وُہ کہیں ہے ‏ یہ تیزی و سُرعت کبھی بادل میں نہیں ہے
ہو ایک قدم اُٹھتے ہی طے فاصلہ اتنا ‏ چل سکتا ہی ہر فردِ بشر قوم میں جتنا
رفتار کا یہ حال ہے خود دیکھ لو چڑھ کر ‏ بس ہفتہ میں اک دورہ لگا لیتی ہی یکسر
پھر کان جو ہیں دونوں محافظ نظر آئے ‏ بس ان کی ہدایت کے مطابق چلی جائے
جب ہاتھ کو پھیلا کے ذرا ناپتے ہیں ہم ‏ چالیس عدد فاصلہ ہو جائے کم از کم
کچھ آگے تو دھوئیں کا پہاڑ آتا نظر ہے ‏ پھر اسکے سوا برف ہی یا اور ثمر ہے
یہ جنّت و دوزخ کا نمونہ ہے اکٹھا ‏ ناداں ہی جو سمجھے مری ان باتوں کو ٹھٹھا
اے ریل وُہی ہے تُو وُہی ہے تُو وُہی ہے ‏ یہ بات نہ دِل سے تجھے مَیں نے کہی ہے
ہاں ہاں تُو چلی چل اِسی رفتار سے آگے ‏ آرام نہ کر اور کوئی سوئے کہ جاگے
جلدی مجھے دِکھلا مرے دِلدار کی منزل ‏ مہدی و مسیح احمدِ مختار کی منزل
محبُوبِ خُدا سیّد ابرار کی منزل ‏ اُس پاکوں کے سردار خدا یار کی منزل
اُس وِرثۂ توحید کے حقدار کی منزل ‏ اُس منتخبِ حضرتِ غفّار کی منزل

اے ریل بتا تجھ میں یہ سوزش ہی کہاں کی
سینے میں ترے آگ ہے کیوں سارے جہاں کی

کیوں تجھ کو قرار آتا نہیں ایک جگہ پر
دن رات ہے بیچین سبب کیا ہی بیاں کر

یہ کس کی لگن ہی کہ ترا حال ہے برہم
کیوں آہیں نکلتی ہیں ترے سینے سے پیہم

کیوں اتنا دھواں اُٹھتا ہی کیا آگ لگی ہی
اُلفت میں ہی یہ حال کہ یُونہی خفگی ہی

میری بھی یہ حالت ہے کہ سیماب کی مانند
یا یُوں کہیں اک ماہیٔ بے آب کی مانند

بیچین ہُوں دن رات تڑپتا ہُوں زمیں پر
آرام نہیں دِل کو خُدا جانے کہیں پر

بس ایک تصوّر ہی مری آنکھوں میں دن رات
ہٹتا نہیں مٹتا نہیں ہیہات ہے ہیہات

ہے یاد اگر بات تو اُس جانِ جہاں کی
بھُولا ہُوں حکایت سبھی سیف و سناں کی

تھی جنبش ابروئے طرحدار کچھ ایسی
اور رُوئے پُرانوار کی چمکار کچھ ایسی

گھر بار تو کیا خویش و اقارب بھی چھڑا دے
احباب وفاکیش کی صُورت بھی بھلا دے

اے ریل یہ باتیں تو ہیں دیوانے کی باتیں
کٹ جاتی ہیں اِس طور سی ہم لوگوں کی راتیں

تُو اپنی سُنا! دشت و بیاباں کی سُنا کچھ
گر اس کی نہیں کچھ تو خیاباں کی سُنا کچھ

یہ لفظ کوئی اور جو سُن لے تو کہے کیا
بس یہ کہ ہیں بے معنی و مہمل ہیں سراپا

جو راز ہے رفتار کا تیری وُہ عیاں کر
تفصیل سی اس قوم کی خدمت میں بیاں کر

وُہ قوم جو ہے منتخبِ حضرتِ باری
اپنے سے بھی مجھ کو جو نہایت ہے پیاری

تُو اس کو بتا راز ترقی کا یہی ہے
محفوظ رہے سینے میں جو آگ دبی ہے

پھر ایک ہی انجن ہو تعلّق ہو اسی کا
پٹڑی سے اُتر جائے نہ پہیّہ بھی خدارا

بس سیدھے چلے جائیں اور آگے ہی بڑھیں ہم
گو لاکھ مُشقّت میں مُصیبت میں پڑیں ہم

اور بھاپ نہ کم ہو کہ ترقی کی یہ جان ہے
سچ کہتا ہے اکمل کہ یہی روح رواں ہے

دیکھو نہ ہوا نکلے تمہاری مرے پیارو
چھن جائے گی ورنہ یہ سواری مرے پیارو

اسٹیم کو محفوظ رکھو۔ بلکہ بڑھاؤ
پھر منزلِ مقصود میں تم شوق سے جاؤ

دُنیا بھی تمہاری ہے تو عقبیٰ بھی تمہاری
کام آئے گی اِک احمدِؐ پُر نُور کی یاری
اللہ سا معبُود محمدؐ سا نبی ہے
کیا چاہیئے پھر اور کہ جو کچھ ہے یہی ہے

فراق

ہے گُلستاں تو وُہی پر کیوں گُلوں میں بُو نہیں
مَیں گُلوں کو کیا کروں جب وُہ مرا گُلرو نہیں
لے گئی لو کونسی شمعِ نبوّت کی بجھے
ضُعفِ پیری - شدّتِ گرما نہیں یا لُو نہیں
فاختہ سر باختہ - کوئل نہایت مضمحل
کِس نشیمن سے صدا آتی مجھے کُو کُو نہیں
کیوں نہ ہو زخمی دلِ وارفتۂ حُسنِ بُتاں
تیر سے مژگاں نہیں ؟ مثلِ کماں ابرُو نہیں ؟
قُمریاں خمرے تو ہیں لیکن یہ کیا ! گلزار میں
نغمۂ مستانۂ حق سِرّہٗ یا ھُو نہیں
حق نے دِکھلائے نشاں حق ہو گیا ثابت مگر
بدگمانی کی کسی نے سچ کہا دارُو نہیں
کیوں فراقِ یار سے کہتے ہیں فارغ ہم کو لوگ
دِل میں سوز و درد ہے لب پہ مگر ہا ہُو نہیں
مثلِ پروانہ سبھی گرتے ہیں شمعِ حُسن پر
نُور پہ کوئی سوالِ مُسلم و ہندو نہیں
ہے سبھی کچھ کوثر و تسنیم جنّاتُ النّعیم
پر وہاں کیا جہاں جانِ جہاں اِک تُو نہیں

ویرانہ کے بادشاہ سے اکملؔ کا مکالمہ

کیوں تجھے کہتے ہیں اُلّو تو تو دانشمند ہے
چھوڑ کر ہنگامۂ محفل بہت خورسند ہے
خلط سے نفرت تُجھے - تنہا سدا رہتا ہے تُو
اور کسی ویران گوشے میں پڑا رہتا ہے تُو
اِک عداوت سی تجھے معمورۂ عالم سے ہے
شکوۂ ناسازگیِ طنبورۂ عالم سے ہے
اِس قدر بیگانگی بھی کیا ہو آدم زاد سے
دیکھنا تک بھی گوارا ہو نہ چشمِ صاد سے

روشنی سے بھاگتا ہے - یہ عجب اندھیر ہے
کچھ نظر آتا نہیں اِس کا سبب اندھیر ہے

تیرا الّو پن یہی ہے روشنی سے بھاگنا
دِن دہاڑے سوتے رہنا اور شب کو جاگنا

چھوڑ دے اِسکو بلائیں ہوتی ہیں ظلمات میں
وُہ ملے گا دِن میں جو ڈھونڈتا ہے رات میں

دیکھ سُورج کے ذریعے جلوۂ عالم کو تُو
اور پڑھ اخبار بزمِ ہستی کے کالم کو تُو

کیا عجب مضمون ہے قدرت کے منشی نے لکھا
دیکھتے ہی بول اُٹھے گا مرحبا - صد مرحبا

ایسی ایسی پیاری پیاری صُورتیں دیکھے گا تُو
ایسی ایسی اچھی اچھی مُورتیں دیکھے گا تُو

ایسے ایسے پھُول خوش رنگ اور کچھ ایسی بہار
قُدرتِ صانع پہ ہو جائیگا سو جاں سے نثار

زندگی کا لُطف تاریکی میں کچھ ہوتا نہیں
آ نِکل باہر کہ دانشمند کچھ کھوتا نہیں

خیر تُو نافہم ہے اِس واسطے معذور ہے
آدمی کیوں آدمیت سے نہایت دُور ہے

عقل والا ہو کے تاریکی سے کرتا ہے پیار
جیب میں موجود ہے نقدی مگر کھائے اُدھار

آسمانِ حق پہ سُورج تو چڑھا ہے دید کا
پر بڑا اندھیر ہے شیدا ہے وُہ اندھیر کا

ہر طرف پھیلا ہُوا ہے نور اُس خورشید کا
باندھ کر آنکھیں مگر بیٹھا ہے طالب دید کا

خُون یُوں کرتا ہے دانشمند کی اُمید کا
یہ محرّم چاہتا ہے چھوڑ کر دِن عید کا

اور کہتا ہے کہ مُجھ کو روشنی ہے ناپسند
مَیں اندھیرے میں رہُونگا - اپنی آنکھیں کر کے بند

کاش اسے معلوم ہوتا روشنی کیا چیز ہے
بالمقابل اِس کے تاریکی بہت ناچیز ہے

روشنی میں ہم نے دیکھی رُوئے جاناں کی جھلک
ہاں وُہی ہیں مُنتظر کچھ لوگ جس کے اب تلک

یعنی وُہ نُورِ محمّد مُصطفٰے نُورِ خُدا
مال و دولت چیز کیا ہے جان بھی اسپر فدا

روشنی میں زندگی ہے اور تاریکی میں موت
اِس سے ملجائیگا مقصد اِس سے ہو جائیگا فوت

اِمتیازِ نُور و ظلمت میں ہے مُسلم کی حیات
یعنی نیک و بد جو پہچانے وُہی پائے نجات

آدمی ہو کر جو الّو ہو بڑا بد بخت ہے
سچ کہا اکمل نے گو یہ لفظ قدرے سخت ہے

۱۸ ار اگست ۱۹۱۲ء

سُورج مُکھی کا پھُول

سُورج مکھی کے پھُول پہ بھنورے کو دیکھ کر
حَیران رہ گیا کہ عجب ہے یہ جانور

بھونڈی سی شکل کالا کلوٹا تو دیکھئے
پھر اسپہ اِس کا رنگ تمنّا تو دیکھئے

کچھ اپنی زِشت رُوئی کا اِسکو نہیں خیال
ہے جان و دِل سے محو بہ نظّارۂ جمال

جوش و خروشِ عشق کا عالم تو دیکھئے!
وارفتگیٔ شوق کا البم تو دیکھئے

ہر دم طواف ہے رُخِ جاناں کے گِرد گِرد
ہاں اس حریمِ قبلۂ مستاں کے گِرد گِرد

سب کُچھ بُھلا کے ایک ہی کا ذِکر رہ گیا
ہر دم اسی کی یاد یہی فِکر رہ گیا

اے مستِ سازِ عشق ذرا ہوش میں تو آ
کُچھ میری سُن لے اور کُچھ اپنی مجھے سُنا

کیا مست اپنے گیت میں یُونہی رہیگا تُو
میری نہیں سُنے گا بس اپنی کہے گا تُو

دُنیا میں کوئی اور بھی ہے حُسن والی شَے
یا اِک یہی کہ جس پہ بجاتے ہو اپنی نَے

ہاں اے فریب خوردۂ ایں حُسنِ عارضی
بس شاد و زندہ باش ابد روزگار زی

غیروں کی کچھ خبر نہ ہو یہ ہے کمالِ عشق
بے ہوش اپنے آپ سے یہ ہے مآلِ عشق

کیسا وہ عشق جس میں رقابت کا ہو خیال
بے اِعتنائیہائے صنم سے ہو کُچھ ملال

شکوہ زباں پہ لانا دُوئی کا نشان ہے
جاناں کو غیر جانا جو اپنی ہی جان ہے

یہ اُس کی مرضی مہر کرے یا جفا کرے
عاشق کو چاہیئے کہ وہ دِل سے وفا کرے

ہو کر غبارِ راہ میں اُس کی اُڑا کرے
اِک روز سُرمہ بنکے اُن آنکھوں میں جا کرے

جل جائے مُنہ پہ حرفِ شکایت نہ آنے پائے
یہ سوزشِ جگر نہ کسی کو سُنانے پائے

ہانڈی کی طرح سینے میں بے شک خروش ہو
پر آشنا نہ راز سے کوئی بھی گوش ہو

رکھتا ہو کان پر نہ سُنے غیر کی صدا
مُنہ میں زبان ہو نہ کہے حرفِ مُدّعا

اِس جنسِ آرزو کی نہ رکھا کرے کوئی
ہے دیکھنا یہی کہ نہ دیکھا کرے کوئی

یارب مجھے بھی اپنی محبّت میں مست کر
آبِ حیاتِ وصل سے فانی کو مست کر
محمودؔ کے ایازؔ کے۔ لیلیٰ کے قیسؔ کے
سب قصّے بھول جاؤں نہ کچھ یاد آسکے
نظّارۂ جمال کی خواہش نہ ہو کبھی
مژدگان کے خارزار کی کاہش نہ ہو کبھی
کچھ بھی نہ ذوق شوق پئے گفتگو رہے
"باقی نہ مَیں رہوں نہ مری آرزو رہے
ہاں گر رہے تو جانِ جہاں تُو ہی تو رہے"
تیری نمازِ شوق کا قائم وضو رہے
اپنا بنا لے مجھ کو اور اغیار سے چھڑا
ہر ذرّہ میری خاک کا اِس راہ میں اُڑا
ساری متاع ہار کے پھر جیت جاؤں میں
بھنورے کی طرح مست ترے گیت گاؤں مَیں

دِل سب کدُورتوں سے سراپاک و صاف ہو
تیرے حریمِ قدس کا ہردم طواف ہو

فی البدیہہ پیام۔ سالکؔ بٹالوی کے نام

سالکِ راہِ ہُدے آ جا اِدھر
کب تلک رکھے گا تُو حق سے بگاڑ
بُت پرستی چھوڑ دے کعبہ میں آ
اب خُدا کا گھر بسا۔ مندر اجاڑ
جس کو سمجھا ہے حصارِ عافیت
پڑ چکی ہے اس میں مُدّت سے دراڑ
گلشنِ توحید کو سرسبز کر
شرک کے بُوٹے جو ہیں جڑ سے اکھاڑ
جانِ من ظلمت کدے میں کچھ نہیں
نُورِ منزل میں عصائے شوق گاڑ
ابنِ مریم ایک فانی عبد ہے
کردیا لوگوں نے رائی کا پہاڑ
آسماں پر جو چڑھاتے ہیں۔ انہیں
آیت سُبحانَ رَبّی سے لتاڑ
پہلواں بنکر نکل میدان میں
بازوئے ہمّت سے شیطاں کو پچھاڑ
بھیڑ جو تھی بن گئی ہے بھیڑیا
ہاں سُنا احمدؐ کے شیروں کی دہاڑ
قولِ حق قولِ نبی تسلیم کر
ماسوا کا دفترِ پارینہ پھاڑ

چاہیئے ہرگز نہ اہلِ ارض کو — آسماں کے رہنے والوں سے بگاڑ
چہرۂ محبوبِ ازل کا دیکھ لے — بس ہٹا دے اپنی محجوبی کی آڑ
آفتابِ صدق دے گا روشنی — کھول دے تُو خانۂ دِل کے کواڑ

دست و بازوِ اکملِ محزوں کا بن
بند کر اس کے عدُو کی چھیڑ چھاڑ

سامعہ نواز

جہاں میں یُوں تو ہے آسان ہر اِک چیز کا مِلنا — بہت مُشکل ہے اے ہمدم مگر جنسِ وفا کا مِلنا
رفیقِ پارسا مِلنا۔ عزیزِ مہ لقا مِلنا — یہی ہے کیمیا مِلنا یہی ہے سیمیا مِلنا
مِری جنّت ہے اے زاہد شہِ ہر دوسرا مِلنا — حبیبِ کبریا یعنی محمد مصطفےٰؐ مِلنا
محبّت میں تِری مِلنا۔ مجھے آبِ بقا مِلنا — شہنشاہی سے بڑھ کر۔ گوشۂ غارِ حرا مِلنا
وُہ تیرے دونوں ہاتھوں کا بہنگامِ دُعا مِلنا — اِدھر فوراً ہمارے دِل کا سارا مُدّعا مِلنا
یہ سچ ہے آج کل مشکل ہے سچّا مقتدا مِلنا — مگر اِس سے بھی مُشکل ہے مُریدِ باصفا مِلنا
جگر میں سوز لب پر آہ اشک آنکھوں سے بہتے ہیں — مبارک تیرے بیماروں کو دردِ لا دوا مِلنا
پڑا ہے کس لئے اُلجھن میں یہ عُقدہ نہ وا ہوگا — نہیں اے فلسفی اِس دَور کا تجھ کو سِرا مِلنا
لگا دو ایک چرکہ اَور چھیڑو نوکِ مژگاں سے — مریضِ عشق کے حق میں یہی ہوگا شفا مِلنا
بھلا ایسی بھی طبعِ نازک اے جانِ جہاں کیا ہو — کسی پر خوش نہ ہونا اور جب مِلنا خفا مِلنا
سُنوں کیونکر وُہی باتیں کہاں سے لاؤں وُہ راتیں — کہ جب مِلنا بآں شوخی بصد شرم و حیا مِلنا
چلے آؤ۔ بڑھے جاؤ۔ مریضو۔ مژدہ صد مژدہ — تمہیں پھر قادیاں جیسا نہیں دار الشفا مِلنا
وُہ یُوں تو آنے کو ہر روز میرے پاس آتے ہیں — مگر جب دِل نہیں مِلتے تو یہ مِلنا بھی کیا مِلنا
یہ اُن کے دِل کی سختی اور کچھ میری ہی بدبختی — کہ آخر ہو گیا موقوف وُہ صبح و مسا مِلنا

کنارِ آب بیٹھے آج دو سارس نظر آئے
تو یاد آیا مجھے تیرا سرِ آبِ وفا ملنا

مری منصوری و شملہ میں کیا کچھ مل نہیں سکتا
بجز دار الاماں ممکن نہیں لیکن خدا ملنا

ہمارے کشورِ دل میں ہزاروں بت ہوئے پیدا
مگر دشوار ہے اب پھر کسی محمود کا ملنا

یہ طرزِ صلح اندازی نہیں ہے شیوۂ مومن
اُدھر اُن سے جدا ملنا۔ اِدھر ہم سے جدا ملنا

ہمارے بعد آنے والے شاہانِ زماں ہونگے
ملے گا اور تو سب کچھ۔ نہیں اک میرزا ملنا

ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ روتے رہتے ہو
مَیں کہتا ہوں نہیں پھر تم کو نورالدین سا ملنا

بتاؤں قادیاں میں فائدے کیا کیا ہیں رہنے کے
کلامِ مرتضیٰ سننا امامِ مجتبیٰ ملنا

بشیر احمد شریف احمد تو اکثر ملتے رہتے ہیں
مگر محمود احمد کب میسر ہو ترا ملنا

بہت اچھی ہے وہ کوٹھی مگر اک بات رکھتا ہے
جوارِ مہدیٔ آخر زماں میں جھونپڑا ملنا

ٹرپلی دے چکے ہو۔ خیر اب ایمان جاتا ہے
کرو کچھ فکر اس کی پھر نہیں یہ بے بہا ملنا

شبِ تاریک و بیمِ موج و گردابے چنیں حائل
گشتہ لنگرِ کشتی و مشکل ناخدا ملنا

خزینہ معرفت کا روز لٹتا ہے چلو لے لو
کہ پھر قسمت سے ہو شاید یہ موقع یہ صلا ملنا

جو میرے دل میں رہتے ہیں مری آنکھوں میں پھرتے ہیں
یہ مشکل ہے کہ مشکل ہو گیا اُن کا پتا ملنا

کبھی یاد آ گیا مَیں تم کو میرے بھولنے والے
تو پھر دار الاماں تشحیذ کے دفتر میں آ ملنا

صنم خانے میں یوں ہر دم پڑے رہتے ہو کیوں اکملؔ
نہیں اس طور سے مردِ خدا تم کو خدا ملنا

۲۰ اکتوبر ۱۹۱۲ء

سوزِ فرقت

تجھے پیغام پہنچا ہے یہ وحی آسمانی سے
ملے گی دولتِ ایماں مسیحِ قادیانی سے

یہ کس کا سوزِ فرقت ہے، کہ آہیں سرد ہیں لیکن
انہیں نسبت قرابت کی ہے البویدِ دخانی سے

مجھے یاد آ گیا وہ عہد۔ عہدِ نازک و خوشتر
کہ جب ٹکرا گیا عشقِ کہن اٹھتی جوانی سے

سبق پڑھنے پڑے مجھ کو دبستانِ محبت میں — وُہ سیکھا سیکھ سکتا جو نہ تقریرِ زبانی سے
وُہ دیکھا میری آنکھوں نے کہ یہ آنکھیں ترستی ہیں — نظر آئیں وُہی جلوے مجھے پھر طُورِ ثانی سے
مزے لُوٹے ہیں کیا کیا تو بہارِ حُسن کے میں نے — وُہ کھانا ڈال کے لُوٹے گلستانِ معانی سے
وُہ رس میں نے پیا اپنے پیا کے پیارے ہاتھوں سے — کئی درجے ہے بڑھ کر جو شرابِ ارغوانی سے
وُہ ماہِ چاردہ کی چاندنی میں لیٹنا میرا — مگر اب لوٹنا انگاروں پہ سوزِ نہانی سے
کہاں سے لاؤں وُہ راتیں۔ وُہ راتیں وصل کی راتیں — وُہ باتیں پیار کی باتیں۔ عزیز از جانِ جانی سے
مکاں تو اب بھی باقی ہے مکیں ملتا نہیں لیکن — نہ وُہ نقش و نگارِ صنع بیچوں اس کے بانی سے
اُٹھے عرفان کی غزنی سے پھر محمُود سا کوئی — بٹھا دے سطوتِ حق اپنی تیغ آسمانی سے
یہ لو آنکھوں کا کیمرہ۔ اور میرے دِل کا آئینہ — شبیہ یار کھچ سکتی نہیں بہزاد و مانی سے
سروشِ غیب نے مجھ کو پُکارا ہوش کر اکمل — نہ کر آگاہ اب اغیار کو دردِ نہانی سے
تمہارے اشک پیہم پر مجھے رونا تو آتا ہے — مگر یہ آگ وُہ ہے جو نہیں بجھتی ہے پانی سے
حُباب آسا نگوں پیمانہ رکھ تُو عینِ دریا میں — مجھے تعلیمِ خودداری ملی پیرِ زمانی سے
پیامِ مرگ تمہیدِ وصالِ یار ہوتا ہے — معبّر موت مسلم ہی حیاتِ جاودانی سے
چُبھے ہیں ضبط کے پاؤں میں ٹکڑے شیشۂ دِل کے — مُعافی چاہتا ہُوں اپنی اِس آتش بیانی سے

بہت کچھ ہو چکی تبلیغ دینِ مصطفائی کی
جھکا دے گردنیں یا رب نشانِ آسمانی سے

انتظارِ یار

کیا سبب ہے میرے دِل میں کچھ پریشانی سی ہے — یاد میں کس آئنہ رُو کے یہ حیرانی سی ہے
ساقئ مہوش نہیں وُہ محفلِ دِلکش نہیں — اب جو باقی ہے فقط شمعِ شبستانی سی ہے
فلسفی نے دیر میں سمجھا کہ ہونا چاہیئے — یہ خدادانی نہیں ہاں کچھ خدادانی سی ہے

فیضِ مُرشد سے بھروسہ ہے خدا پر اس قدر — ہر مصیبت نظر آتی اک آسانی سی ہے

ہائے اس اُجڑے ہُوئے گھر کی نہ پُوچھو داستان — جانے دو بس مختصر یہ ہی کہ طولانی سی ہے

نُورِ منزل ۔ مقبرہ ۔ دار العلومِ قادیان — بس جدھر دیکھو ۔ اُدھر اِک شانِ ربّانی سی ہے

گوہرِ مقصود بے محنت کبھی ملتا نہیں — مانگتی ہر نعمتِ حق ایک قُربانی سی ہے

ناصحِ مُشفق سے کوئی مُجھ کو اتنا پُوچھ دے — کس لئے تاثیر تیرے وعظ کی آنی سی ہے

میرے مومن ہونے کا یہ بھی ہی کیا کُچھ کم ثبوت — ہر خطا کے بعد دِل میں اک پشیمانی سی ہے

مر گیا عیسیٰ اور آئے گا تمہیں سے وُہ امام — کیا بخاری بھی سمجھتے ہو کہ طبرانی سی ہے

احمدی غیر احمدی کے پیچھے پڑھ لے گر نماز — صلح یہ صلح ٹریپولی و بلقانی سی ہے

جو نہ ملتا ہو نہ مِل سکتا ہو اُس کا ڈھونڈنا — سچ کہا منظور نے دُنیا بھی دیوانی سی ہے

بوسہ دُوں بوٹوں کو تعظیمِ شعائر چھوڑ کر — احمدیؐ کی عقل بھی کیا ایک نعمانی سی ہے

آنسوؤں کا تار اُن کے ذکر پر تھمتا نہیں — پنجۂ مژگاں میں تسبیحِ سُلیمانی سی ہے

کُچھ پتا اُس کا بتا دو او جہاں گردو مجھے — عقل ہشیاروں سے بڑھ کر شکلِ مستانی سی ہے

کس کی آہیں روضۂ احمدؐ پہ یکسر چھا گئیں — اشکِ پیہم کی تراوش ابر کے پانی سی ہے

تیرے گھر میں کس کی فریادوں کا اتنا شور ہے — ہو نہ ہو آواز لیکن ماہِ کنعانی سی ہے

ماہِ کنعاں کون یعنی یُوسفِ مصرِ مسیح — جسکی صورت اور سیرت (قُدرت) احمدِؐ ثانی سی ہے

نام بھی محمُود جس کا ۔ کام بھی محمُود ہو — اسکی الفت (عظمت) میرے دل میں شاہ گیلانی سی ہے

آہ ۔ اِن لوگوں نے پہچانا ۔ نہ اِس کے باپ کو — جسکی خُو بُو ۔ ہُو بہُو ۔ اِسلام کے بانی سی ہے

جلوہ گاہِ ناز میں ذوقِ تپیدن دیکھیئے — ذرّہ ذرّہ میں بھری کیا گرم جولانی سی ہے

میرے مولیٰ حرم جلدی بُتوں سے پاک ہو — شدّتِ غم سے مُجھے ۔ ہر دم گراں جانی سی ہے

ہائے کیوں جنسِ وفا ملتی نہیں اس شہر میں — ہاں متاعِ حُسن کی بیشک فراوانی سی ہے

دیکھئے کب لُوٹتا ہے حاجیوں کا قافلہ
انتظار میں اکمل پریشانی سی ہے

سیّدنا نورالدینؓ

بڑا قدیر ہے پروردگارِ نورالدین — بنایا قبلۂ عالم دیارِ نورالدین
جو دیکھنا ہو کسی نے صحابہ کیسے تھے — وہ آکے دیکھ لے لیل و نہارِ نورالدین
یہ انقطاع و تبتّل پھر اِس زمانہ میں — ہے خاص حصّۂ با اختیارِ نورالدین
ہر ایک کام میں سُنّت کا متبع رہنا — یہی شعار یہی ہے دثارِ نورالدین
بوقتِ عصر جو مسجد میں درس ہوتا ہے — دِکھائی دیتی ہے کیسی بہارِ نورالدین
سُپردِ اُمّتِ احمد کی دیدبانی ہوئی — جنابِ حق میں ہے یہ اعتبارِ نورالدین
جو پیشگوئی میں پڑھتے تھے اِسمہٗ احمد — وہ رکھتے بعد ازاں انتظارِ نورالدین
خُدا کا شکر کہ آخر مُراد بر آئی — بنے ہیں فضل سے ہم جاں نثارِ نورالدین
وہ صدق میں ہے ابوبکرؓ فرق میں ہے عمرؓ — دِلائے یادِ علیؓ ذوالفقارِ نورالدین
جو توڑتی سرِ اعدا کو ہے دلائل سے — مَنا کے چھوڑتی ہے افتخارِ نورالدین
غنا میں جامعِ قرآن کی شان ہے پیدا — خُدا کے آگے ہے صرف انکسارِ نورالدین
ہے چشمہ فیض کا جاری برحمتِ باری — بُجھائے تشنگیاں آبشارِ نورالدین
مسیحِ وقت کی خدمت کا یہ نتیجہ ہے — کہ خاص و عام کا مرجع ہے دارِ نورالدین
غلامِ مہدیٔ دوراں فقیرِ بابِ قدیر — ہُوا خلوص سے مدحت نگارِ نورالدین

دُعا قبول ہو یہ خاکسار اکمل کی
مدام چمکے مہِ نور بارِ نورالدینؓ

دعوۃ الحق

اذاں سُنتا ہوں میں ہر روز ناقوسِ برہمن سے — مہک پھولوں کی آتی ہے مجھے ہر خارِ گلشن سے
کہاں کا ابن کیسا باپ پھر اقنوم کیا معنے — میں واللہ کچھ نہ سمجھا پادری صاحب کے سرمن سے

صلوٰۃ صوم سے مانع۔ زکوٰۃ وحج کی دشمن ہے / نہایت تنگ آیا ہوں تمہاری سولیزیشن سے

وہ دل پتھر کا رکھتے ہیں کلیجہ ہم بھی پتھر کا / چلو ٹکرا کے دیکھیں آج آہن کو آہن سے

محرّم کی مجالس منعقد کرنے سے کیا حاصل / کہ بنتا کچھ نہیں فریاد و زاری آہ و شیون سے

بتاؤں قادیاں دارالاماں کی خوبیاں کیا کیا / صدا آتی ہے الّا اللہ کی ہر کوچہ و برزن سے

محبّ اہلِ بیت و مخلص ماموریزدانی! / بڑی سرکار ہی وابستہ ہوں میں جنکے دامن سے

جوانی میں نہایت پارسا محمود احمدؐ ہیں / اگر شک ہو شہادت آکے لے لو گل ڈویژن سے

خدا کے پاک نبیوں سے نقار و بغض رکھتا ہے / دیانندی کو میں اچھا نہیں کہتا سناتن سے

عرب کے والہ و شیدا سے ہندی بولنا مشکل / مجھے مسواک ہی اچھی ہے لالہ جی کے "داتن" سے

یہ سوزِ فرقتِ احباب ایسا سوز ہے اکمل / کہ کم ہوتا نہیں سیر مری منصوری۔ سوکن سے

مریضِ خستہ جاں اکمل ضعیفِ قادیاں اکمل
سنبھل جائیگا دم بھر میں ہوا دو گے جو دامن سے

مکالمہ

کل جو "ننگل" سے پرے تک خوش خرامی ہوگئی / ایک چمگادڑ سے میری ہمکلامی ہوگئی

میں نے پوچھا یہ تو بتلا کون ہے خالق ترا / لوگ کہتے ہیں کہ عیسیٰ نے تجھے پیدا کیا

بولی توبہ وہ بھلا کیونکر ہوا خالق مرا / جو کئی سو سال گزرے ہیں یقیناً مر چکا

وہ نبی تھا اس سے پہلے بھی ہوئے کتنے رسول / موت کا وارنٹ ہی کرنا پڑا سب کو قبول

خطبۂ صدّیق کیوں بھولے تمہارے مولوی / کیا خلاف اجماع کا کرتے ہیں سارے مولوی

کیا نہیں قرآن میں هل من یفعل من ذٰلکم / ہو کے مسلم پھر بھی ایسے مشرک و نادان ہو تم

کُل شیءٍ کی ہے نسبت۔ ایک خالق کی طرف / ساری دنیا کی نگاہیں ایک رازق کی طرف

خالقِ یکتا خدائے واحد و قہار ہے / جو حیوٰۃ و موت کا مالک ہے خود مختار ہے

خاصۂ شے۔ غیر شے میں پایا جانا ہے محال
اُسکے مخلوق میں کس طرح خالق کا کمال!

ذرہ ذرہ کی ہے پیدائش اُسی کے ہاتھ سے
پُوچھ لو جا کر کسی سچّے گروہ کے ناتھ سے

سُن کے بولا مَیں کہ اچھا مسئلہ طے ہو چُکا
ایک آنیوالا ابھی عقلوں پہ ان کی رو چکا

ایسی سیدھی بات اُلّو بھی سمجھتے ہوں جسے
حیف ہے گر مولوی صاحب نہ سمجھے ہوں اِسے

پھر یہ پُوچھا آجکل تیری رہائش ہے کہاں
یعنی رہنے کے لئے ہے کونسا تیرا مکاں

مسجدوں میں آجکل پڑھتا نہیں کوئی نماز
اب نظر آتے نہیں اِک جا پہ محمُودؔ و ایاز

اپنے مولیٰ سے نہیں کرتا کوئی راز و نیاز
بن چُکی ہے ایک افسانہ حدیثِ سوز و ساز

امتیازِ کُفر و اسلام اِک یہی تو بات تھی
دِن کہاں چڑھنا تھا عالم میں اندھیری رات تھی!

قلبِ مُسلم میں نہیں وُہ عشق کی چنگاریاں
جوش ٹھنڈے پڑ گئے بڑھ بڑھ کے سہل انگاریاں

ہے خراباتوں میں رَونق مسجدیں وِیران ہیں
اِس تغیّر اِس تبدّل پر سبھی حیران ہیں

بس بسیرا ہے وَہیں میرا کہ خالی ہے مکاں
مسجدوں سے بڑھ کے میرے واسطے موقع کہاں

اُمّتِ مرحومہ ہے مصروف ٹینس و بال میں
پیروِ یورپ ہُوئی اقوال میں افعال میں

آجکل وارفتۂ آنِ ہلالی ہے کہاں
گورے گورے رنگ میں شانِ بلالی ہے کہاں

بات سُنتے ہی کلیجہ تھام کر مَیں رہ گیا
خُونِ دِل خُونِ جگر آنکھوں کے رستے بہ گیا

لَوٹ آیا بادلِ اندوہگین و چشمِ راز
سامنے دِکھلائی دیتا تھا جو مہدی کا مزار

فاتحہ پڑھ کر نکالا خُوب ہی دِل کا بُخار
یعنی مَیں رویا کیا واں دیر تک زار و نزار

آہ اِن اسلامیوں کا حال ہے کیسا زبوں
کب یہ سمجھیں گے کہ تُو ہی گمرہوں کا رہنموں

تُو مسیحِ وقت ہے اللہ کا سچّا نبی
تیرے انفاسِ زکیّہ سے ملے اِک زندگی

تیرا دیں ہی دینِ حق۔ تیری ہدیٰ سچّی ہدیٰ
جان و مالِ اکمل مُشتاق ہو تجھ پر فدا

شرک کا نام و نشاں مٹ جائیگا تیری طفیل
بوستانِ احمدی پھل لائیگا تیری طفیل

مسجدیں آباد ہوں گی اب ترے ہی نام سے
ملّتیں آزاد ہوں گی اب ترے ہی نام سے

قدومِ میمنت لزوم

یہ قادیان میں شہرہ ہے حاج آ پہنچے — کہ انتظار تھا جن کا وُہ آج آ پہنچے
ہماری کشورِ دل سے زبانِ عالم سے — جو آفریں کا لیتے ہیں باج آ پہنچے
شبِ فراق کی ظُلمت جو تھی وُہ دُور ہُوئی — حریم قدس کے رَوشن سراج آ پہنچے
زہے نصیب زیارت ہُوئی نصیب ہمیں — ہماری مملکتِ دیں کے تاج آ پہنچے

ہمارے مہدیٔ موعود کے فرزند آ پہنچے — خدا کا شکر بیت اللہ سے خورسند آ پہنچے
نہایت مہربانی سے ہمیں خطبے سُنائیں گے — خلوص واتقا سے دینے والے پند آ پہنچے
تمام احباب شیریں کام ہونیوالے ہیں اکملؔ — ہی جنکی میٹھی میٹھی بات مصری قند آ پہنچے

دُور سُنتے تھے جنہیں آج قریب آ پہنچے — یعنی مکّہ سے مرے نیک نصیب آ پہنچے
سجدے شکرانے کے تڑپتے ہیں جبیں میں کیا کیا — جب خبر پائی کہ مولیٰ کے حبیب آ پہنچے
ہے مسیحا کی خدائی کا عقیدہ باطل — قامعِ زورا کا ذیبِ صلیب آ پہنچے
عربی ناز کرے جن کی زباندانی پر — ہو کے اللہ کے گھر سے وُہ ادیب آ پہنچے
مُژدہ صد مُژدہ مریضوں کو سُنا دو اکملؔ — دلِ پُر درد کے درماں کو طبیب آ پہنچے

مبارک صد مبارک میرزا محمُود آ پہنچے — مرے مخدوم ابنِ مہدیٔ موعود آ پہنچے
بہارِ تازہ باغِ احمدِ مرسل میں آتی ہے — کہ ایامِ ورودِ میمنت مسعود آ پہنچے
اولوالعزمِ زمانہ کامیاب و کامراں آئے — کہ پاکر دُنیوی و اُخروی مقصود آ پہنچے
ہدایت پانیوالوں پر خُدا کا فضل ہے اکملؔ — مسیحِ وقت کے وُہ شاہد و مشہود آ پہنچے

۱۰ جنوری ۱۹۱۲ء

حُبِّ میرزا

یہ تو سچ ہے۔ اِک دِلِ بے مُدّعا رکھتا ہُوں مَیں — پھر بھی گھبراتا نہیں آخر خدا رکھتا ہُوں مَیں
تیری توپوں اور بندوقوں سے کیوں ڈرنے لگا — اپنے ترکش میں کئی تیرِ دُعا رکھتا ہُوں مَیں

ناصرت کے رہنے والے کی خُدائی کیا کروں
مجھ کو بس ہے یہ محمد مصطفےٰؐ رکھتا ہوں میں

دیکھ ظالم مت ستا۔ حد سے نہ بڑھ اللہ کو مان
نالۂ شبگیر اور آہِ رسا رکھتا ہوں میں

"مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رضوانِ یار"
ملک فانی کیا کروں ملکِ بقا رکھتا ہوں میں

فرش سے اُٹھ کر ہلا دے عرش کی زنجیر کو
تیرے کوچے کا گدا ہوں وہ صدا رکھتا ہوں میں

ذکر و فکرِ حق تعالیٰ سے کبھی غافل نہیں
یاد پیمانِ وفا قَالُوا بَلیٰ رکھتا ہوں میں

آندھیاں چلتی رہیں طوفاں بھی برپا کریں
جڑ مری قائم رہے گی وہ تنا رکھتا ہوں میں

حشر کے دن پرسشِ اعمال پر میرا جواب
بس یہی ہو گا کہ حُبِّ میرزا رکھتا ہوں میں

نُور کے سایہ میں الکمل اُلفتِ محمود کی
صد شکایتہائے دردِ لادوا رکھتا ہوں میں

جمالی رنگ

مُسلم ہیں اگر مُسلم۔ دُنیا کو بچالیں گے
گرتوں کو سنبھالینگے۔ مُردوں کو جلالینگے

ہم نرمی و گرمی سے کام اپنا بچالینگے
گر شہد نہ پائیں گے۔ ہم زہر منگالینگے

مسجد میں نمازوں سے روکیں گے تو کیا لینگے
ہم اپنے گھروں ہی کو پھر قبلہ بنالینگے

منّت سے سماجت سے اُلفت سے محبت سے
رُوٹھے ہوئے بھائی کو اِک روز منالینگے

اِک ہاتھ بڑھو گے تُم دو ہاتھ بڑھینگے ہم
تُم دُور سے بولو گے ہم پاس بُلالینگے

کہتے ہیں اگر مانا۔ مِرزا کو نبی جانا
ہم خُون ہی پی لینگے ہڈی کو چبالینگے

کہدو کہ بڑھے آؤ۔ جو کُچھ ہے وہ کر جاؤ
تُم ہاتھ اُٹھاؤ گے ہم ہاتھ ہٹالینگے

مِرزا کی مُریدی سے اِنکار نہیں کرتے
ڈرتے نہیں لوگوں سے کیا ہم کو وہ کھالینگے

وحشی نہیں۔ انساں ہیں۔ مومن ہیں مُسلماں ہیں
رکھتے ہیں جو کُچھ دل میں وہ مُنہ سے نکالینگے

تُم آؤ ہمارے گھر ہے تُم کو بھلا کیا ڈر
آنکھوں میں بٹھالینگے ہاتھوں پہ اُٹھالینگے

اغیار کا غلبہ ہے پروا نہیں ہونے دو — اِس لام سے کیا لینگے۔ اسلام مٹا لینگے؟

وُہ جسم پہ قابض ہیں ہم رُوح پہ قابض ہوں — وُہ مُلک دبالیں گے ہم دِین دبا لینگے

مرزا کی مسیحائی یہ زور و توانائی! — رحمان ہلا دینگے شیطاں سے چھڑا لینگے

فٹ بال بھی ہو ہاکی بھی چُستی بھی ہو چاقی بھی — اسلام نہ گر ہو گا اِن باتوں سے کیا لینگے

ہے جام بھی۔ساقی بھی۔ دلدار ملاقی بھی — گو لیکی سے قادیں میں گھر اپنا بسا لینگے

ماتم بھی ہو شادی بھی۔ بربادی بھی آبادی بھی — جس طرح ہُوا ممکن۔ دُنیا میں نبھا لینگے

نفرت ہی ہو خوشامد سے۔ ہم بھیک نہ مانگیں گے — مزدُوری و محنت سے دو پیسے کما لینگے

گو ہیں بڑے گندے پھر بھی ہیں ترے بندے — معبُود ہوا تیرے کیا اور بنا لینگے

بیشک ہیں کئی دھندے دُنیا کے بھی ہیں پھندے — پھر بھی تیری طاعت کا ہم وقت نکالینگے

پیغام جو مہدی کا پہنچائیں گے لوگوں تک
مولا سے جزا لیں گے اکمل کی دُعا لینگے

جلالی رنگ

مومن ہیں اگر مومن کچھ کرکے دکھا دینگے — سوتوں کو جگا دینگے مُردوں کو جلا دینگے

توحید بڑھا دینگے۔تثلیث گھٹا دینگے — قرآن پڑھا دینگے انجیل چھڑا دینگے

معبُودِ حقیقی کا لوگوں کو پتا دیں گے — پھر طُور کا جلوہ ہم اِک بار دکھا دینگے

مرزا کی مسیحائی دُنیا کو دکھا دیں گے — بیمار ہیں جو قومیں ہم اُن کو شفا دینگے

دِل دے ہی چکے ہیں ہم اور مال بھی حاضر ہے — ننھی سی ہی جاں باقی اب یہ بھی لٹا دینگے

جیتے ہیں تو جیتیں گے اِک بار زمانے کو — ہنستوں کو رُلا دینگے روتوں کو ہنسا دینگے

مشرق سے جو نکلیں گے ہم شمعِ ہدیٰ لیکر — مغرب کے اندھیرے میں بس نُور ہی چڑھا دینگے

تثلیث کی ظلمت کو ہر شرک و ضلالت کو — انوارِ ہدایت سے دم بھر میں مٹا دینگے

توحید کے حامی ہیں اُلفت کے پیامی ہیں
بچھڑوں کو ملا دینگے رُوٹھوں کو منا دینگے

پُوچھیں گے نبی کیسا۔ کہدینگے کہ بس ایسا
تصویر کو مرزا کی۔ پاکٹ سے دکھا دینگے

مہدی ہے تو مرزا ہی۔ عیسیٰ ہی تو مرزا ہی
یہ حکم خُدا کا ہے۔ لوگوں کو سُنا دینگے

مانو گے بھلا ہو گا۔ منکر ہو بُرا ہو گا
تم ہو گے خُدا ہو گا۔ ہم سب کو جتا دینگے

زندہ جسے سمجھے ہو۔ مُردہ ہے وُہ مُردہ ہے
کشمیر میں عیسیٰ کا مدفن بھی دکھا دینگے

ہاں کھول کے کہتے ہیں مرزائی ہیں مرزائی
جو ہم کو ڈراتے ہیں ہم اُن کو ڈرا دینگے

چھپتے نہیں ظاہر ہیں، اندر نہیں باہر ہیں
کُچھ ہم کو سُنا دینگے تو ہم بھی سُنا دینگے

پر فائدہ کیا اس سے اِسواسطے اے اکمل
گالی جو ہمیں دیں گے ہم اُن کو دُعا دینگے

آمدِ بہار

"جذبات کو اُبھار دِیا ہے بہار نے"
دیوانہ کر دیا ہے دلِ بے قرار نے

سرزد ہوئے ہیں مجھ سے اگرچہ کئی گناہ
ستّاری کی۔ مگر مرے پروردگار نے

مُدّت سے دفن ہی جو سرینگر میں اُسے
حیرت ہے تم فلک سے لگے ہو اُتارنے

دُنیا یہاں ہی دین مگر قادیاں میں ہے
شملہ سے خط لکھا ہمیں فخرِ دیار نے

جل کر دکھا دِیا اُنہیں رو کر بتا دِیا
جو حال تھا بتا دِیا شمعِ مزار نے

چھوٹا سا اِک نشان تھا وُہ بھی مٹا دِیا
روندا ہی میری قبر کو کس شاہسوار نے

ساقی ترے بغیر خُدا کی قسم مجھے
کُچھ بھی مزا دیا نہ مئے خوشگوار نے

ہر لحظہ اپنے نفس کے ہاتھوں سے تنگ ہوں
مجبور کر دیا ہے مجھے اختیار نے

کوئی بھی میرے ساتھ نہ کانٹوں پہ چل سکا
رستے میں چھوڑا آہ ہر اک گلعذار نے

اے کاش کچھ تو قدر محبت کی کرکے
مجنوں بنا دِیا ہے مجھے جس نگار نے

گلزار چھوڑ دشت میں ڈیرا جما لیا
اِک دل فگار اکملِ اندوہ کار نے

لنڈن کی فاختہ

گلشن کی فاختہ جو مرے رُوبرو ہُوئی
تو اُس سے چار پانچ منٹ گُفتگو ہُوئی

مَیں نے کہا بتا مِرے یُوسف کی کیا خبر
ہاں ہاں سُنا خبر کوئی جلدی بتا خبر

تو بھی مُجھے عزیز ۔ تری بات بھی عزیز
اطوار بھی عزیز ہیں عادات بھی عزیز

تیری صدا میں سوز ہی رِقّت ہی درد ہے
نالہ ہے گرم گرم تو ہر آہ سرد ہے

احمد کا وُہ غلام ہے اب کِس خیال میں
ہاں کب عزیزِ مصر بنے گا کمال میں

یہ بچّہ ٹوٹرو تیری سُنتا ہُوں روز مَیں
اَور جانتا ہُوں عشق و محبّت کا سوز مَیں

پیلو کے پکنے کی جو خبر دے رہی ہو تُم
تحسین و آفریں بہت لے رہی ہو تُم

لیکن وُہ پک کے آئینگی کب میرے رُوبرو!
جنکے عجب مزے کا یہ شُہرہ ہے سُو بسو

کہنے لگی کہ پار سمندر کی کیا خبر
باہر جو رہتے ہیں اُنہیں اندر کی کیا خبر

بادِ سحر کبھی تو یہ گُتھی ٹٹولے گی
سربستہ راز جو ہیں کلی میں وُہ کھولے گی

جو مچھلیاں ہیں حوض کی کیا جانتی ہیں وُہ
اَور جانتی بھی ہونگی تو کب مانتی ہیں وُہ

طُوفان ہیں بلا کے سمندر سے اُٹھ رہے
لنگر ہیں ہر جہاز کے بندر سے اُٹھ رہے

اِس معرکہ میں دیکھئے منصُور کون ہو
ہنگامِ رستخیز میں مغفور کون ہو

دیکھیں نظر میں یار کی منظور کون ہو
کوتاہی و قصُور سے مدحور کون ہو

مشرق سے آفتابِ ہدایت طلوع ہے
کاہیدگی ظُلمتِ مغرب شروع ہے

اب علم ہو گا سب کو نشیب و فراز کا
محسوس ہو گا فرق جو ہے سوز و ساز کا

مذہب کے بارے میں ہے مری گفتگو تمام
مَیں نے سُنا دیا ہے کسی دوست کا پیام

ہاں ایک بات آپ بھی مُجھ کو بتائیے
لنڈن کی فاختہ سے تعارف کرائیے

مَیں نے کہا کہ صبر کرو ہم دکھائیں گے
توفیق دی خُدا نے تو تُم سے ملائیں گے

پُورا ضرور ہونا ہے کشفِ مسیحِ ہند
اِک دستِ حق پرست میں آنے ہیں کچھ پرند

کُھل جائے گا وُہ مسئلۂ خلقِ طیر پھر
اِس شرکِ ناروا کی نہیں ہوگی خیر پھر

یارب ہے تیرے جلوۂ قُدرت کا انتظار
کتمِ عدم سے جلد اِسے کیجے آشکار

دردِ دل

حال کیا لکھوں مَیں اپنا قیدِ تنہائی میں ہُوں
پاس لو بُر بھی نہیں۔ مشہور ہر جائی میں ہوں

مُدّتیں گُذریں کہ یاروں نے وُہ محمل جالیا
اور مَیں غافل یہیں بیٹھا صف آرائی میں ہُوں

ضُعف سے بیتاب ہوکر چارپائی پر گرا
اور وُہ سمجھے کہ مَیں تابِ شکیبائی میں ہُوں

ہاتھ پر سرسوں جمانا مُجھ کو آتی ہی نہیں
دوستو مَیں تو خیال بائی اینڈ بائی میں ہُوں

میٹھی میٹھی باتیں سُن سُن کر لبِ شیریں سے روز
کوئی کیا سمجھے کہ مَیں دُکانِ حلوائی میں ہُوں

ہے کفن میرا لباس اور قبر ہے آخر مکان
بُھول کر انجام اپنا شوقِ زیبائی میں ہُوں

آکے اِس دارالشفا میں مَیں نے پائی ہے شفا
ضُعف بھی جاتا رہا اب تو توانائی میں ہُوں

میرا سینہ آتشِ فُرقت سے ہے ہر دم تپاں
ماہِ دسمبر میں بھی گویا کہ جولائی میں ہُوں

کیا پہاڑی وعظ ہے جس پر کہ چل سکتا نہیں
اور دعوٰی ہو کہ مَیں دینِ چلیپائی میں ہُوں

آدمی کو چاہیئے اللہ کے حُکموں پر چلے
یہ بھی کوئی فخر ہے مَیں دینِ آبائی میں ہُوں

میرزا نے آکے اکمل حکمِ ربّانی سے کہا
مَیں بروزِ مصطفٰےؐ شانِ مسیحائی میں ہُوں

سُرخاب اور مَیں

سُرخاب جانتا ہُوں تری بے قراریاں
چلتی ہیں تیرے دِل پہ مری طرح آریاں

تُو بھی جُدا حبیب سے مَیں بھی جُدا ہُوا
آبیٹھ دونوں مِل کے کریں آہ و زاریاں

اب حالِ زار کس نے ہے ہمارا پُوچھنا
ہے کوَن وَیسے ہی جو کرے غمگساریاں

کیا کیا کچو کے فُرقتِ دلدار نے دِیئے
سینہ پہ چلتی رہتی ہیں ہر دم کٹاریاں

جس بکّہ پر چڑھتے تھے وُہ یکہ جو رُک گیا
منزل پہ جا کے پہنچیں گی کیونکر سواریاں

جس شاخ پر تھی پینگ محبّت کی چڑھ رہی
وُہ شاخ ہی نہ ہوگی تو کیا دوست داریاں

اِک دو قدم چلا تھا کہ ٹھوکر سے گر پڑا
کچھ بھی نہ آئیں کام مرے شاہسواریاں

لیکن اُٹھا لیا مجھے اِک دستگیر نے
اللہ سے اُس نے پائی ہیں یہ دستیاریاں

آ ایک بار ہمّتِ اعلیٰ سے کام لیں
مستی میں پھر دکھائیں وُہی ہوشیاریاں

اِک جھونپڑا بناؤں ارادہ ہے دشت میں
مِٹ جائیں روز غیر کے کُوچے میں خواریاں

ساتھی نہیں تو کیا ہُوا۔ اللہ ساتھ ہے
اُسکی جناب سے مجھے مِلتی ہیں یاریاں

"مہ نُور مے فشاند و سگ بانگ میزند"
یاربّ مدام نُور کی یہ نُور باریاں

اکملؔ وہ دِن کب آئیگا محسوس ہونگی جب
رُوٹھے ہُوئے حبیب کو یہ بے قراریاں

کلنگوں کی ڈار اور اکملؔ بحالِ زار

ہاں ٹھہر جا او کلنگِ دِل فگار
بولنا اُس درد سے پھر ایک بار

زیر و بم رِقّت بھری آواز میں
نغمۂ دِلکش ہی تیرے سَاز میں

اِنتہا کا سوز پایا جاتا ہے
یہ کلیجہ مُنہ کو آیا جاتا ہے

یاس و حسرت سے قریں تیرا بیاں
میرے دِل میں لے رہا ہی چُٹکیاں

تجھ کیا بِپتا پڑی مجھ کو سُنا!
کیوں ہُوا اپنے وطن سی تُو جُدا!

رنج و فُرقت سہتا ہی کِس کے لئے
کِس نے بدلے تجھ سی گِن گِن کے لئے

خانماں برباد ہے کِس کے لئے
بادِلِ ناشاد ہے کِس کے لئے

شوق میں کس کے یہ ہجرت کرتا ہے
آشیانہ چھوڑ کر نکلا ہے کیوں
لَوٹ کر جانے کا ہے کب تک خیال
تو مسافر کیوں ہُوا بتلا مجھے
تو مری مانند پردیسی ہوا
کہتے ہیں یہ حُبِّ وطن ایمان ہے
خوشتر از ملکِ سلیماں کہتے ہیں
سُن کے میری بات اِک آواز کی
اور اپنی لے میں یہ سمجھا گیا
جو وطن والے ہیں اُن کو کیا خبر
نیند کیوں آتی نہیں ہے رات بھر
شہر میں دل کس لئے لگتا نہیں
بس نہیں چلتا دلِ بیتاب پر
ہے نگاہِ فتنہ ساماں چیز کیا
ہائے ان لوگوں نے دیکھی ہے کہاں
کیسا میٹھا ہوتا ہے سیبِ ذقن
گیسوئے پیچاں کی ہے زنجیر کیا
پارہ پارہ ہوتا ہے رختِ قرار
سچ کہا جو کچھ کہا تُو نے کلنگ
لوحِ دل سادہ تھی اللہ کی قسم
کیا بتاؤں کیا ہوئیں گلکاریاں

کس لئے دن رات آہیں بھرتا ہے
مُنہ وطن سے موڑ کر نکلا ہے کیوں
میرا بے معنی نہیں کوئی سوال
اِس سفر میں کیا نظر آیا تجھے
اپنے سر پہ کیوں اُٹھائی یہ بلا
بلکہ یہ ایمان کی بھی جان ہے
اِس لئے اکثر گھروں میں رہتے ہیں
تُنتر نکلی اپنے دلکش ساز کی
جو حقیقت تھی مجھے بتلا گیا
عشق کیا ہوتا ہے کیا دردِ جگر
رہتی ہے اختر شماری تا سحر
امن سے بیٹھا نہیں جاتا کہیں
مضطرب رہتا ہے کیا آٹھوں پہر
جُنبشِ ابرو و مژگاں چیز کیا
برق ہوتی ہے تبسّم میں نہاں
خوش مزہ رکھتا ہے کیا آبِ دہن
چھوٹنے کی ان سے ہے تدبیر کیا
آدمی پھرتا ہے پھر دیوانہ وار
میں نے بیرنگی میں دیکھا ہے یہ رنگ
ہو گیا نقشِ محبّت مُرتسم
اور پھر کیا کیا چلی ہیں آریاں

انتظارِ یار کی راتیں ہیں یاد
اور اُس کے پیار کی باتیں ہیں یاد

موجزن سینہ میں تھا دریائے عشق
وُسعتِ دل سے سوا صحرائے عشق

اِک طرف موجیں تلاطم خیز تھیں
اِک طرف فوجیں بلا انگیز تھیں

یعنی اُٹھتے تھے بگولے رات دِن
اور پڑتے رہتے گولے رات دِن

کشمکش سے جب بہت گھبرا گیا
میرے جی میں ایک دن یہ آگیا

چھوڑ دے اپنا وطن گھر سے نکل
اے دلِ نادان چل پردیس چل

چل جہاں تُو چاہے جاتا ہُوں وہیں
چھوڑتا ہوں تیری خاطر یہ زمیں

جا کے اُس چوکھٹ پہ ہوتا ہوں فدا
گر خدا چاہے گا تو دے گا مِلا

اپنے پیارے خویش سارے چھوڑ کر
رِشتۂ الفت اخوّت توڑ کر

دشتِ غربت میں بسیرا کر لیا
ہاں مُسافر بن کے ڈیرا کر لیا

مَیں وطن میں بھی ہُوں اب تو بے وطن
جاں وَہیں ہے گو یہاں ہے میرا تن

جاؤ او پیارے کلنگو جاؤ تم
مجھ پہ اِک احسان یہ فرماؤ تم

جب مزارِ میرزا پہ ہو گذر
اِس زمانے میں جو ہے خیر البشر

جو زمیں والوں پہ اُتری ہے اماں
جسکی ہیں خدمات سرکاری عیاں

سارے شیطاں سامنے اُس کے ذلیل
پہلوانِ حضرتِ ربِّ جلیل

دینِ حق کو لے کے آیا ارض پر
اور محافظ ہوگیا ہر فرض پر

واں ادب کے واسطے جانا اُتر
بیٹھنا پھر بند کر کے اپنے پَر

اپنی منقاروں میں لے جانا سلام
اور پہنچانا بہ اخلاص تمام

عرض کر دینا کہ اک مسل جاں نثار
آجکل ہے سخت مضطر بے قرار

ڈار سے جیسے بچھڑ جائے کلنگ
پھر اکیلا ہو وہ اپنی جاں سے تنگ

بس یہی ہے حال اِس غمناک کا
اِس غلامِ سیّدِ لولاک کا

ناظرِ شام و پگاہِ بوستاں — اور مقہورِ نگاہِ دوستاں
اکمل اندوہگیں جلد آئے گا — اپنی ہستی نذرِ جاناں لائے گا
پیش کر دے گا بہ صد شوق و شغف
گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف

باوا نانک صاحبؒ

ایک سِکھ سردار سے مَیں کل ملا — باتوں باتوں میں مجھے کہنے لگا
میرزا صاحب نے آ کر کیا کیا — تفرقہ کچھ اور بھی ڈلوا دیا
مَیں نے نرمی سے یہ سمجھایا اُسے — تازہ نمبر "نور" دِکھلایا اُسے
مُسلم و سِکھ میں غلط فہمی جو تھی — آپ ہی کی ذات نے وُہ دُور کی
سِکھ اگر سوچیں تو اُن کا مقتدا — اِک ولی اللہ تھا۔ ہندو نہ تھا
ہندو جاتی کے ہیں جتنے اعتقاد — باوا نانک نے کیا اُن پر نہ صاد
وید کی بابت وُہ فرماتے ہیں یُوں — پنڈت اُنپر لائے ہیں ایمان کیوں
ایشور کا نام ہی اُس میں نہیں — اگنی وَایُو میں بھی مُکتی ہے کہیں
وید پڑھ پڑھ کے ہزاروں تھک گئے — ترکیبہ کچھ بھی نہ اپنا کر سکے
اور یہ اوتار اِک انسان ہے — جو خدا کہتا ہے نافرمان ہے
وُہ محیط الکل جو لا محدود ہے — ساری چیزوں کی اُسی سے بود ہے
قالبِ انسان میں کیونکر آ سکے — بھید پُتلا خاک کا کیا پا سکے
بُت پرستی سے تعلّق کچھ نہ تھا — مانتے ہرگز نہ دیوی دیوتا
آپ فرماتے برہما وِشن کا — ہے وُہی معبودِ برحق۔ جو مرا
پُوجنے سے اُن کے کچھ مطلب نہیں — وُہ بھی مخلوقِ خدا تھے رب نہیں

مورتی پوجا بڑی مذموم ہے
بت پرست اسلام سے محروم ہے

ایک پتھر کو بھلا ہو گیا پتا
مانگنے والا ہے اب کیا مانگتا

ربّ تو وہ ہے جو سدا بولا کرے
عقدے جو مشکل پڑیں کھولا کرے

پیدا کرے رزق پہنچایا کرے
نت نئے احسان فرمایا کرے

وہ نہیں جو آپ ہی محتاج ہو
رائگاں محنت اپنی تم کرو

ہوم یگیہ تیرتھوں کی جاترا
فائدہ ان سے نہیں کچھ مطلقا

بانجھ دنیا میں کبھی جنتی نہیں
بات "ست گر" کے سوا بنتی نہیں

ہو رفیقِ راہ توفیقِ خدا
دنیوی قیدوں سے دے سب کو چھڑا

چوٹی جنیو ہندوؤں کا ہے نشاں
منع فرمایا ہے اس سے بے گماں

آپ نے فرما دیا جائز نہیں
جو کرے ایسا کبھی فائز نہیں

پھر تناسخ سے کیا انکار ہے
ہندوؤں کو جس کا اب اقرار ہے

خالقِ ارواح ہے مولیٰ مرا
یہ تناسخ والا کب ہے مانتا

دفن مردہ آپ کا ارشاد تھا
اور جنازے کے لیے بھی کہہ دیا

پھر عذابِ قبر کے قائل بھی تھے
جنم ساکھی پڑھ کے کوئی دیکھ لے

الغرض ہندو نہ تھا وہ پیشوا
اس نے سچے دل سے تھا کلمہ پڑھا

جنم ساکھی میں ہے وہ فرما رہا
کل نہیں پڑتی ہے کلمہ کے سوا

اور وہ جو کرتے ہیں ترکِ نماز
اپنے مولیٰ سے نہیں رکھتے نیاز

خائب و خاسر انھیں فرماتے ہیں
ان کے سر پر لعنتیں بھجواتے ہیں

روزہ کی تاکید میں گویا ہیں یوں
تیس کر رکھتا نہیں انسان کیوں

تاکہ شیطانی وساوس سے بچے
نام بھی اس کا نہ نیکوں سے کٹے

اور پھر کہتے ہیں قرآن مجید
ہے خدائے پاک کا لطفِ مزید

ہے سراسر حق و حکمت کا کلام — اس میں ہیں پند و نصائح لاکلام

مان لو۔ اسکو کہ ہے اس میں نجات — اس پہ چلنے سے ملے گی اک حیات

اک حمائل آپ کی ہے یادگار — آپ کو آئے نہ میرا اعتبار

ہرسہا فیروز پور میں ہے پڑی — سکھوں میں تعظیم ہے اسکی بڑی

آپ پھر نورِ محمدؐ دیکھ کر — رہ گئے حیران و ششدر سر بسر

کشف میں کرلی زیارت آپ نے — اس سے حاصل کی بصارت آپ نے

سب خودی بھولے خدا کے ہو گئے — اس امامِ انبیاء کے ہو گئے

مومنو! اسپر پڑھو۔ سارے درود — کیونکہ ہے ارشاد مولائے ودود

رحمتیں ہونگی خدائے پاک کی — شان بڑھ جائیگی مشتِ خاک کی

بعد ازاں حج بھی کیا تھا آپ نے — روضۂ نبوی پہ بھی حاضر ہوئے

نیلے کپڑے ہاتھ میں لیکر عصا — اور بغل میں آپ کے قرآن تھا

دی اذاں جاکر کہ خلقت ہو گواہ — آپ نے پالی صداقت کی وہ راہ

جس کو کہتے ہیں صراطِ مستقیم — یعنی اسلامِ خداوندِ کریم

آپ نے چلّے بھی کاٹے بار بار — سرسہ میں ملتان میں تا پائیں پار

آپ کا پنجہ وہاں موجود ہے — اور یا اللہ بھی مشہود ہے

ڈیرے میں چولہ بھی جاکر دیکھئے — اور خوب اسکو اٹھاکر دیکھئے

یہ وہی چولہ ہے جو مشہور ہے — جسمیں قرآنِ خدا مسطور ہے

جس سے ثابت ہو رہا ہے بالیقیں — آپ کے اسلام میں کچھ شک نہیں

سن لیا سردار صاحب آپ نے — تم ہمارے بھائی ہو بچھڑے ہوئے

آگلے لگ جا دوئی کو چھوڑ دے — یہ جو زنجیریں ہیں ان کو توڑ دے

جان و دل اسلام پر کر دے فدا — باوا نانک کی طرح بن باوفا

سن کے میری بات آمنّا کہا — کیوں نہ کہتا آدمی معقول تھا

تردیدِ الوہیتِ مسیحؑ

ابنِ مریم میں ہوں ربّانی صفات | افتراء ہے اور بالکل جھوٹی بات
نسلِ انساں میں خدائی ہے محال | جو ہی ناقص اُسمیں ہو کیونکر کمال!
اِس سے پہلے بھی ہوئے لاکھوں محال | تھا الٰہ الخلق اُن سے ایک بھی؟
دونوں ماں بیٹا تھے محتاجِ طعام | جیسے آدم زاد ہیں ایسے تمام
آدم ہو کر جو کھاتا ہے اناج | اُس میں پائی جائیں گی ہر احتیاج
اہلِ حاجت میں خدائی کا نشاں | اس کی لغویت ہے دُنیا میں عیاں
خود مسیحا نے نہیں ہرگز کہا | مَیں خدا ہُوں یا خدا کا تیسرا
ابنِ آدم کہتے تھے اپنے تئیں | یعنی مجھ میں کچھ الوہیت نہیں!
جِس کو پھانسی دیدیا مخلوق نے | کِس طرح قادر توانا ہو سکے
توبہ کر لو اِس عقیدے سے شتاب | ورنہ کوئی دِن میں آتا ہے عذاب
عنقریب ارض و سما پھٹ جائینگے | رِشتے اسبابوں کے سب کٹ جائینگے
بائیبل کھولو کہ اُس میں ہے لکھا | ابنِ مریم ایک آدم زاد تھا
ابنؔ فرمایا محبّت کے لیئے | اپنے خالق کی عبادت کے لیئے
جو غنی ہو اور کامل ذات میں | کب بھلا محتاج ہو اس بات میں
اُس کا بیٹا کوئی ہو جائے ضرور | تا نہ ہو بعد از فنا کچھ بھی فتور
حیؔ اور قیوم ہے خالق مرا | پر مسیحِ ناصری بے شک مرا
مرنے والا تو خدا ہوتا نہیں | عقلمند اسپر فدا ہوتا نہیں
معجزے جو پیش کرتے ہیں کئی | بات اِن میں بھی نہیں کوئی نئی
ایسے ایسے معجزے دِکھلائے ہیں | اَور نبیوں نے یہاں جو آئے ہیں

الیسع نے کوڑھی کو اچھا کر دیا
خشک یُوشع نے بھی یردن کر دیا
ایلیاہ حزقیل کے قصے پڑھو
اور نہ حد سے اَے مرے بھائی بڑھو
ایک ہی رَبُّ الوریٰ ہوسکتا ہے
تین جو کہتا ہے نادان بکتا ہے
اِس پہ ایماں لاؤ میرے بھائیو
جھوٹ باتوں پر نہ بالکل جائیو
حق وُہی ہے جو کہا اِسلام نے
اور فارقلیط احمدؐ نام نے
جو مؤلف نے لکھا ہے ٹھیک ہے
اور جو کچھ بھی کہا ہے ٹھیک ہے
آپ کو لازم ہے پڑھنا غور سے
تا جو حق ہے وُہ سمجھ میں آسکے
انجمن کے حق میں کر اکمل دُعا
ہو ترقی اِس کی عالم میں سدا
اِک عزیز مہرباں کا حُکم تھا
نظم کردو جلد مضموں نثر کا
فی البدیہہ لکھا ہی میں نے صاف صاف
سُقم ہو کوئی تو کر دیجئے مُعاف

ایک نَو مُسْلِم کے نام

وُہ جو اِسلام کے حلقے میں چلے آئے ہیں
کفر کو چھوڑ کے ایمان ابھی لائے ہیں
اُن کی خدمت میں گذارش ہی بصد شوق و نیاز
بس اِسی سَاز پر بجتا ہے اِسلام کا سَاز
اِعتراضوں سے کسی شخص کے گھبراؤ نہیں
اور اغیار کے پھندے میں کبھی آؤ نہیں
استقامت کا نمونہ وُہ دِکھاؤ پیارے
دنگ رہ جائیں یسُوعی و مسیحی سارے
ایسی قرآن سے محبّت ہو کہ باید شاید
ایسی اِسلام کی اُلفت ہو کہ باید شاید
کُفر سے کچھ بھی تعلّق نہ رہے اَب باقی
پینے والا ہو بلا نوشِ محمدؐ ساقی
مست ہو جاؤ نہ اغیار کا کچھ ہوش رہے
دِل میں توحید کے پھیلانے کا بس جوش رہے

افواجِ آئی کا بگلچی

گائے ترانے احمد کے بینڈ ٹک نے آج رات
تیرا ہزار شکر ہے مولیٰ تو پاک ذات

کچھ بھی نہیں تھا میں تو مجھے ہست کر دیا
پھر اپنی یادِ پاک میں یوں مست کر دیا

تیرے ترانے گاؤنگا۔ تیرا ہی کھاؤنگا
انعام تیرے شکر کا دوچند پاؤنگا

سُنکر یہ چوٹ لگ گئی دِل پر کہ آہ! میں
غافل ہوں کیسا کرتا ہوں کتنے گناہ میں

مجھ پر بھی ایک بارشِ ابرِ کرم ہوئی
نازل خدا کی وحی یہاں دمبدم ہوئی

مُردہ تھا میں تو فضل سے زندہ مجھے کیا
جو کچھ کہ چاہیئے تھا مجھے وہ بھی دیدیا

گاڑھے کا کپڑا۔ فیض سے ململ بنا دیا
میرے مسیح نے مجھے اکمل بنا دیا

لازم ہے مجھ پہ حمد و ستائش کروں مدام
جیساکہ اس جہاں میں رہا مسلکِ کرام

ہمارا دارالعلوم

دلچسپیوں کا مرکز دارالعلوم ہوگا
بیت الفنون اس کا ہر ایک رُوم ہوگا

ہم ہونگے یا نہ ہونگے لیکن یقین جانو
دار الامان ہوگا۔ دارالعلوم ہوگا

گھربار تک لٹا کر اسکو نہ جو بنائے
مذہب میں عاشقوں کے وہ سخت شوم ہوگا

تعلیم انگریزی کُل مدرسوں سے بڑھ کر
قرآن کے درس کا بھی اس میں لزوم ہوگا

دیکھو گے جب اُٹھیں گے تبلیغ کیلئے ہم
اور سامنے ہمارے رُوما و رُوم ہوگا

یہ ہند و سندھ کابل۔ لندن فرانس جرمن
افریقہ و امریکہ۔ سب میں قدوم ہوگا

رازی سے کچھ جواں ہیں کچھ ابن تیمیہ سے
اک روز جنکے ہاتھوں قمع رسوم ہوگا

پھیلے گا نور دیں کا۔ عرفان کا یقیں کا
محمود ابن مہدی۔ بدر النجوم ہوگا

گلزار احمدی کا بلبل ہی قاضی اکمل
جو ہم نوا نہ ہوگا۔ وہ کوئی بوم ہوگا

۱۲ جون ۱۹۱۳ء

[illegible]

ہدایت نامہ

بہت جھنجھلا رہے ہیں قادیاں کچھ اور کہتا ہے
ابھی یہ قادیاں کیا۔ آسماں کچھ اور کہتا ہے

مجھے پروا نہیں جمہور اہل الرائے عالم کی
اگر اس میں خدائے مومناں کچھ اور کہتا ہے

منافق ہے مسلمانی پر اس کی شبہ ہے مجھ کو
جو یاں کچھ اور کہتا ہے وہاں کچھ اور کہتا ہے

کسی کی بات کیوں مانوں۔ میں ہادی اسکو کیوں جانوں
مجھے ہر روز میرا دلستاں کچھ اور کہتا ہے

وضو خانہ کبھی مسجد میں شامل ہو نہیں سکتا
جہالت ہے اگر ہندوستاں کچھ اور کہتا ہے

مسیح و مہدیٔ دوراں بڑا ہی پاک انساں تھا
جسے وہ منکرِ حق بدزباں کچھ اور کہتا ہے

یہ کیا شورِ عنادل ہے بہت مضطر مرا دل ہے
کہ پھل کچھ اور رنگِ بوستاں کچھ اور کہتا ہے

سراپا اپنے گلرو کا سنوں کس سے پریشاں ہوں
کہ تو کچھ اور کہتا باغباں کچھ اور کہتا ہے

وہ گھر بھی بس چکا جس گھر کی آپسمیں یہ حالت ہو
کہ بی کچھ اور کہتی ہو میاں کچھ اور کہتا ہے

جنازہ کیوں پڑھوں اس کا جو منکر ہو مسیحا کا
کہ دل کچھ اور کہتا ہو وہاں کچھ اور کہتا ہے

زبانِ خلق کو نقارہ میں ہرگز نہ سمجھوں گا
کہ عیسیٰ کا لبِ معجز بیاں کچھ اور کہتا ہے

مجدد تو کئی آئے۔ نبی اللہ باقی تھا
اب اس کا روز اک تازہ نشاں کچھ اور کہتا ہے

مبارک میرزا محمود کو اغیار کے طعنے
کہ ان طعنوں کا اندازِ بیاں کچھ اور کہتا ہے

تمہارے باپ کو بھی گالیاں نادان دیتے تھے
مگر صلِّ علیٰ اب بے گماں کچھ اور کہتا ہے

نجیب آباد میں چرچا ہی کیسا آجکل اکمل
کہ ہم کچھ اور اکبر شاہ خاں کچھ اور کہتا ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۱۴

مدینے سے سفر کرتے ہیں جنت میں اترتے ہیں

ہمیں ہر روز وہ الٹی چھری سے ذبح کرتے ہیں
کچھ ایسے سخت جاں ہیں ہم نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں

یہ اب ہم مجرمانِ جرم بے جرمی کی حالت ہے
قصور اپنا بھی ہو انکا ہمارا نام دھرتے ہیں

زبانیں کاٹ ڈالیں۔ بلکہ گدی سے نکالی ہیں
سنا ہے کوئی دن میں پر بھی قینچی سے کترتے ہیں

بڑے انعام دے دے کر سزا دینے کی ٹھانی ہے ۔۔۔ جو باتوں سے نہ سُدھریں وُہ تو لاتوں سے سُدھرتے ہیں

فلک پر ابنِ آدم ہو۔ زمیں پر سیّدِ عالم ۔۔۔ مُسلمانی کا دعویٰ کافروں کی پیٹھ بھرتے ہیں

نہ کوئی سلطنت باقی نہ عزّ و تمکنت باقی ۔۔۔ تعجّب ہے کہ پھر اتنا اکڑتے ہیں بررتے ہیں

مُقدّم دین کو دُنیا پر رکھوں گا۔ یہ وعدہ تھا ۔۔۔ مگر اس عہد میں اعمال سے اکثر مُکرتے ہیں

اِماماً مہدیاً عیسیٰ کو فرمایا ہے مسند میں ۔۔۔ تو پھر عیسےٰ کو مہدی سے جُدا کیونکر وُہ کرتے ہیں

وُہی یاجُوج ہیں اب اور کوئی قوم کیا ہوگی ۔۔۔ ہَوَاؤں میں جو اُڑتے ہیں سمندر میں اُترتے ہیں

کبھی سُستی نہ تم کرنا۔ پیامِ صُلح مت دینا ۔۔۔ یہی سب انتم الاعلون کی تفسیر کرتے ہیں

دُکھوں سے چھُڑائے گی زیادہ ہی پھنسائیگی ۔۔۔ نہ ان کے کام آئیگی یہ جس دُنیا پہ مرتے ہیں

خدا سے جنگ ہو مخلوق سے پھر صلح کیا معنی ۔۔۔ ہم ایسے شخص کے انجام سے وَاللہ ڈرتے ہیں

مری تقدیر ایسی ہے کہ بن بن کر بگڑتی ہے
پریشاں ہوتا ہے اکملؔ وُہ جُوں جُوں کچھ سنورتے ہیں

۱۵ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

احمدیہ بلڈنگس لاہور میں مسیحا کی یاد

یاد ہیں مجھ کو وُہ راتیں آہ! وُہ راتیں میاں! ۔۔۔ جب نبی اللہ کا پیارا نبی۔ اُترا یہاں

ہائے وُہ دن پیارے پیارے دن کہ جنکی ہر گھڑی ۔۔۔ میرے حق میں لیلۃ المعراج سے کچھ کم نہ تھی

کیا سبب ہے اب نظر آتی نہیں وُہ ہستیاں ۔۔۔ آرزو ہے پھر دکھائی دیں کہیں وُہ ہستیاں

برقِ عالم سوز جن کی ہر نگاہِ شوق تھی ۔۔۔ بال سے باریک بڑھ کر جنکی راہِ ذوق تھی

عشقِ احمد (صلے اللہ علیہ وسلم) دل میں۔ لب پر بھی اُسی کا نام تھا ۔۔۔ الٹی میٹم میں بھی اُن کے صلح کا پیغام تھا

کُفر تھا جن کے دلوں میں خیال بھی اغیار کا ۔۔۔ سر میں سودا تھا تو سودا احمدِ مختار کا

چودھویں کا چاند جب جلوہ فگن تھا بام پر ۔۔۔ خلق ٹوٹی پڑتی تھی اس میرے ابراہام پر

طائرانِ دل چکوروں کی طرح کرتے فدا ۔۔۔ چاندنی میں اوڑھ کر ہم احمدیّت کی رِدا

وُہ رِدا جو پاک ہے ہر اِک طرح کے داغ سے
جس پہ گُلکاری ہُوئی ہے مُصطفٰے کے باغ سے

وُہ رِدا جس کے سِوا ننگے ہیں اصحابِ کبار
آجکل کے سینکڑوں فیشن کروں جسپر نثار

اوڑھنا میرا وُہی ہے پھر بچھونا بھی وُہی
میری زینت بھی وُہی ٹکڑا کفن کا بھی وُہی

دسؔ بجے چھبیسؔ[1] مے بھی خوب مُجھ کو یاد ہے
درد دِل میں اور لب پر نالۂ و فریاد ہے

مَیں وُہی اکملؔ ہُوں لیکن ہے کہاں اکمل نواز
اب تو قسمت سے اکٹھے ہونگے محمُود و ایاز

۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۳ء

[1] یعنی ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء وصالِ حضرت مسیح موعود علیہ السلام

دِلی آرزُو

جو دِل دِیا ہے تو جاں کیوں فدا نہیں ہوتی
یہ آرزُو مری پُوری خُدا نہیں ہوتی

ہمارے سامنے جبتک وُہ رُوئے رُوشن ہے
نمازِ شام ہماری قضا نہیں ہوتی

بلائیں زُلف کی جبتک نہ بارہا لے لُوں
نمازِ صُبح بھی میری ادا نہیں ہوتی

ہر ایک کوہ نہیں کوہِ طُور بن جاتا
ہر ایک غار بھی غارِ حرا نہیں ہوتی

یہ مانتا ہُوں کہ عالم ہے تُو مگر مُلّاں
زکوٰۃ کیوں ترے گھر سے ادا نہیں ہوتی

نہ اپنے ساتھ ملانے کی جس میں طاقت ہو
کچھ اَور ہوتی ہے وُہ کہربا نہیں ہوتی

ہزار نغمۂ دِلکش سُنائے جاتے ہیں
مگر وُہ طرزِ نَو۔ میرزا نہیں ہوتی

سُنا کے آیت تَبَّتۡ یَدَا یہ مَیں نے کہا
جو بُولہب بنے اُسمیں حیا نہیں ہوتی

سلوک تُو نے جو اکملؔ سے اِن دنوں میں کیا
ہے اُس کا نام جفا یہ وفا نہیں ہوتی

۲۶ر نومبر ۱۹۱۳ء

گھر کا دُشمن

ہم تو سمجھے تھے وُہ عیّاریاں جاتی رہیں
راکھ بالکل ہو چکی چنگاریاں جاتی رہیں

دشمنوں نے دشمنی کی ہے تو اِس کا غم نہیں
اپنے بعض اصحاب کی دلداریاں جاتی رہیں

مستِ صہباءِ محبّت پھر رہے ہیں ہوشیار — غافلوں سے بھی وُہ سہل انگاریاں جاتی رہیں

آجکل یہ حال ہے مادر پدر آزاد ہیں — کیسے برخوردار برخورداریاں جاتی رہیں

وُہ بھی دن تھے عیب پوشی شیوۂ اخوان تھا — نکتہ چینی بڑھ گئی ستّاریاں جاتی رہیں

پہلے پہلے تو مداراتِ ندیماں فرض تھی — کام جب نکلا تو خاطر داریاں جاتی رہیں

سرکشی مَولیٰ سے کی کھینچے گئے سَر دار پر — آفتیں نازل ہُوئیں سرداریاں جاتی رہیں

بُتکدوں پر سطوتِ محمود جب غالب ہُوئی — بُت پرستی اُٹھ گئی۔ بدکاریاں جاتی رہیں

آگ بھڑکا کر جلاتے ہیں دِلوں کو اَور پھر
کہتے ہیں اکمل کہ خوش گفتاریاں جاتی رہیں

الفضل ۲۶ر نومبر ۱۹۲۶ء

فریادِ درد

یہ جو کھارے کی طرف جاتا ہی رستہ ریتلا — عصر کے وقت ایکدن کا ذکر ہے مَیں چل پڑا

راہ میں کچھ جھاڑیاں ہیں۔ جھاڑیوں کے درمیان — ایک پھول ایسا نظر آیا۔ کبھی دیکھا نہ تھا

دو قدم آگے بڑھا۔ پاؤں میں کانٹا چبھ گیا — اَور کچھ ایسا چُبھا چلنے سے مَیں تو رہ گیا

کیا کہوں احباب سُنکر غالباً ہنسنے لگیں — اشک آنکھوں میں بھر آئے درد کچھ ایسا اُٹھا

ریت کے ٹیلے پہ بیٹھا پاؤں ہاتھوں میں لیے — شکر ہے اُس وقت کوئی دیکھنے والا نہ تھا

حال سے بیحال تھا۔ قائم نہ تھے ہوش وحواس — جب ذرا آرام آیا۔ مَیں بہت نادم ہُوا

ایک کانٹے سے ہُوا اکمل تو اتنا بے قرار — سوچ پھر کیا حال ہونا چاہیئے اُس شخص کا

جس کے دِل میں درد ہو اور درد بھی اسلام کا — ہائے وُہ اسلام میرے مصطفےٰؐ کا لاڈلا

جس کی خاطر خُون کے دریا عرب میں بہہ گئے — مومنوں کی سینکڑوں جانیں ہُوئیں جسپر فدا

درد اس اسلام کا دُنیا پرستوں میں کہاں — چند پیسے ہی کما لینا ہو۔ جن کا مُدّعا

درد کو جانے وُہی جو خود ہو اہلِ درد سے — کون ہو سکتا ہے پھر وُہ ماسوائے میرزاؑ

جو سراپا درد تھا۔ بے درد بھی کہنے لگے
درد سے بیندھا ہوا ہے اس کا اک اک رونگٹا

یارب اس دردِ کہن سے کچھ مجھے بھی ہو عطا
میں بھی ہو جاؤں کسی درد آشنا کا آشنا

رات دن اس درد سے آئے نہ دم بھر بھی قرار
چارپائی پر پڑوں تو بھی رہوں میں لوٹتا

میرا جینا میرا مرنا درد سے خالی نہ ہو
از پئے اسلام ہو جو کچھ بھی ہو یا ربنا

قلب درد آمود ہو پھر عاقبت محمود ہو
یہ ہے میری آرزو۔ ہاں یہ ہے میری التجا

شہیدِ وفا

کیا ہے خنجرِ بے داد سے خونِ وفاداری
محبت کی قبا پر خوب فرمائی ہے گلکاری

شہادت ذرہ ذرہ کربلا کی خاک کا دے گا
کہ پھلتی پھولتی ہے خون سے ایمان کی پھلواری

وہ میرے دیکھتے ہی دیکھتے چھینا گیا مجھ سے
نہ کچھ بھی کام آئی پہرہ داروں کی خبرداری

لٹا ہے دن دہاڑے قافلہ اربابِ الفت کا
نئے سر سے ہوئی جاری وہی رسمِ ستمگاری

کیا ہے پرزے پرزے جیب و داماں جوشِ وحشت میں
مبارک ہو مرے دستِ جنوں کو رنج بیکاری

ہمارے حصے میں آئی وفا کیشی و وفا کوشی
تمہارے واسطے ہے یہ جفا بانی جفا کاری

مجھے نیکی سکھاتی ہے۔ گناہوں سے بچاتی ہے
الٰہی تیری قہاری۔ الٰہی تیری ستاری

انہی کانوں سے اکثر گالیاں بھی سننی پڑتی ہیں
سنا کرتے تھے جن کانوں سے ہم باتیں تری پیاری

مقابل ہو کے منہ کی کھاؤ گے دوزخ میں جاؤ گے
اسے طاقت بھی دیتا ہے جسے دیتا ہے سرداری

گرا بھی میں تو منہ کے بل گرا ہوں پائے ساقی پر
دکھا دی عالمِ مستی میں بھی میں نے یہ ہشیاری

یہاں وہ آ نہیں سکتے وہاں میں جا نہیں سکتا
یہی حالت رہی چندے تو بس پھر ہو چکی یاری

جنابِ احمدِ مرسل سے نسبت ہے غلامی کی
مجھے چھیڑو نہ تم لوگو کہ میں بندہ ہوں سرکاری

اسے کہنا خدائی فوجدار اک فوجداری ہے
جو اپنے آپ سے بھی بے خبر رہتا ہو درباری

ہُوا ہُوں قتل لیکن اُنکے پیارے پیارے ہاتھوں سے
نظر میں جنکی میری بے گناہی ہے گنہگاری
شہیدِ ناز کی تُربت پہ یہ دو پھُول رکھ دینا
خدا داری چہ غم داری، خدا داری چہ غم داری
ایسی آب و ہوا میں ابتدا سے پرورش پائی
محبت جرم ہے اکملؔ تو مَیں مجرم ہوں اقراری

بدر ۱۸ دسمبر ۱۹۱۳ء

دستانے پر اکملؔ کے ترانے

جانور تو جانور بے جان بھی ہیں ہمکلام
گرچہ آدم زاد اکملؔ سے کریں گے کم کلام
آج دستانے سے پُوچھا یہ کیا بات ہے
ہاتھ میں محبُوب کے ہر وقت تیرا ہات ہے
دست پنجہ خُوب لیتے ہو جُدا ہوتے نہیں
ساتھ چمٹے رہنے سے وُہ کیوں خفا ہوتے نہیں
مُجھ کو بھی للہ تُو آگاہ کر اِس راز سے
تاکہ مَیں بھی پا سکوں حصّہ اسی اعزاز سے

ہاں شریکِ قسمتِ خوش ایک دن کر لے مجھے
مہربانی سے اسی فائل میں پن کر لے مجھے
کیا جواب اچھا ملا مجھ کو جو اُبتک یاد ہے
بھُول جاناکس طرح جس سے مرا دل شاد ہے
اپنی ہستی کو مٹا کر شکل پائی دُوسری
جب کہیں جاکر ملی یہ سروری یہ برتری
پہلے مَیں کاٹا گیا۔ دُھنکا گیا۔ کاتا گیا
یعنی چڑھ کر چرخ پر چکر کئی کھاتا گیا
پھر اسی پر بس نہیں سیخوں کی وارِیں تھیں کئی
اور ہر اک وار پر مُوتوں کی تاریں تھیں کئی
بس ان ہی تاروں میں میرا ایک دن قتل ہو گیا
اور ان کے رنگ میں رنگین بالکل ہو گیا
بنی اُن کے ہاتھ سی جب شکل کر لی اختیار
ہو گئی فوراً ہی پُوری آرزوئے وصلِ یار
اپنی ہستی کھو چُکا تو اِک نئی ہستی ملی
جان دے کر پائی ہے لیکن بہت سستی ملی
بات جب سوچی تو نکلی واقعی بالکل درست
اور تشبیہِ گُل و بُلبل بہ جام و مُل درست
میرا مہدی جب ہُوا۔ حُبِّ محمدؐ میں فنا
اِک حیاتِ تازہ پاکر خود محمدؐ ہو گیا
بول اُٹھا۔ احمد اندر جانِ احمد شد پدید
لاجرم اسمِ غلامِ احمدؐ شد اسمِ آں توحید

پھر ہوئی خمخانۂ توحید کی پیدا کلید
پھر محرّم میں منائی ہم مسلمانوں نے عید

یہ وہی تھا اور اُن کے رنگ میں رنگین تھا
پردۂ اسلام پر یہ جان پرور سین تھا

تو بھی اکمل ہو فنائے الفتِ محبوبِ خویش
تو بھی اکمل ہو فدائے صحبتِ محبوبِ خویش

نور پر شمعِ رسالت کے ابھی پروانہ ہو
جان بھی جائے تری تو اس کی کچھ پروا نہ ہو

ایک دن آئیگا ایسا تو بھی وہ ہو جائیگا
اُس کو پائیگا جب اپنا آپ تو کھو جائیگا

ایزدِ منّان بخشے گا تجھے قلبِ سلیم
اور تو بھی دیکھ لے گا جلوۂ طورِ کلیم

پاک ہو جائیگا جب تو ہر طرح کے عیب سے
دستیاری پائیگا پھر ایک دستِ غیب سے

یہ دُعا منظور کرلے گا مرا مولائے کریم
اپنے بندوں پر نہایت مہرباں ہے جو رحیم

مثلِ دستانہ تجھے ہمدستئ محبوب ہو
عاقبت محمود صحبت صحبتِ مرغوب ہو

تشحیذ منقول ۱۲ جنوری ۱۹۱۳ء

مسلمِ خوابیدہ اُٹھ

مُسلمِ خوابیدہ اُٹھ۔ اُٹھکر ذرا ہوشیار ہو
خانماں برباد ہوکر۔ نیند سے بیدار ہو

ہاتھ مُنہ دھوکر۔ خُدا کے واسطے تیار ہو
کسل و غفلت چھوڑکر۔ آمادۂ پیکار ہو

میری چشموں سے رواں رہتے ہیں چشمے رات دن
ان سے لے پانی۔ اگر پانی تجھے درکار ہو

تیرے مولیٰ کی زمیں میں شرک و بدعت کا ہو زور
اور تو اس طرح سے مستِ بادۂ پندار ہو

سیّدِ عالم سے ہوں منسوب دُنیا کے عیوب
اور تو غافل رہینِ خانۂ خمّار ہو

جس امانت کا تو حامل ہو لُٹی جاتی ہے وہ
اُٹھ سنبھل جلدی مبادا غلبۂ اغیار ہو

گلشنِ اسلام کے پودوں کو بھیڑیں چر گئیں
دیکھ یہ سُستی نہیں اچھی ذرا ہوشیار ہو

وہ رسالہ کیوں ظفریاب اپنے دشمن پر نہ ہو
احمدِ والا حشم۔ جس کا علم بردار ہو

ہاتھ میں قرآن کی شمشیر لے کر تو نکل
اور ہر باطل کے سر پر اس کا پیہم وار ہو

سب سے بڑھکر تیرا دشمن ہے یہی نفسِ پلید
اِس فریبی کی ہلاکت کے لئے تیار ہو

احمدِ مُرسل کا رُوحانی عَلَم دُنیا میں گاڑ
ہم جدھر دیکھیں اُدھر توحید کا دربار ہو

بادشاہ آکے تیرے کپڑوں سے ڈھونڈیں برکتیں
تُو مسیحا کے گھرانے کا بڑا سردار ہو

سوز ایسا ہو کہ شمعِ محفلِ اعدا ہو تُو
درد اِتنا ہو کہ درمانِ دلِ بیمار ہو

شور ایسا ہو کہ پہنچیں عرش پر نالے تیرے
زور اِتنا ہو کہ آخر کار بیڑا پار ہو

آہ ایسی ہو کہ نخلِ بوستانِ دین بنے
اِس کی ہر ایک شاخ میوہ دار پُر اثمار ہو

اُٹھ کہ تیرے بیٹھ جانے میں سراسر ہے زیاں
چل کہ تیرے چلنے سے جاری یہ کاروبار ہو

تُو اسی دُنیا میں دیکھے جنّتُ الفردوس کو
یعنی جو مصداق تجری تحتھا الانھار ہو

حَیف ہے آنا نہ ہو وحیِ الٰہی پر یقیں
اَور اِس سے معتبر ریوٹر کا کوئی تار ہو

اچھّی صورت یعنی اِک مٹّی کی مُورت کیا کروں
چاہیئے انسان خوش گفتار و خوش کردار ہو

ساری دُنیا اپنے اپنے شغل میں ہو منہمک
اَور اکمؔل ہی اکیلا محوِ دیدِ یار ہو

کوئی لندن میں براجے کوئی استنبول میں
کام اکمؔل کا طوافِ کوچۂ دِلدار ہو

۵ر فروری ۱۹۱۴ء

دُعاءِ شفاءِ امیرؓ

الٰہی جلد نورُالدّین کو صحت عطا کردے
ہماری آرزوئے دِل کو پُورا اے خُدا کردے

تجھے سب قدرتیں ہیں شافیِ مطلق ہے تُو مولےٰ
مرض انکا فنا کردے قوِی سارے قوی کردے

جیا کرتے ہیں جس سے اولیاءِ حق زمانے میں
ہماری قسمتوں میں پھر وُہی آبِ بقا کردے

کلام اللہ سُنتے معرفت کے پھول چُنتے تھے
وُہی رونق ریاضِ نورِ دیں پھر اے خدا کردے

نسیمِ جانفزا آئے کلی دِل کی کِھل جائے
مری اُمّید کی کھیتی کو یارب پھر ہرا کردے

حجابِ معرفت اُٹھے۔ موانع دُور ہو جائیں
حدیثِ مصطفےٰ۔ آویزۂ گوشِ ہُدا کردے

گدائے کوچۂ جاناں۔ حکومت کا نہیں خواہاں
مثالِ نور اسے یاربّ غلامِ میرزا کردے

مبارک شوق ہو اُن کو سپہ سالار بننے کا
مجھے درباں بنا کر ہی کوئی در پر کھڑا کردے

سمرقند و بخارا کیا جہاں کی سلطنت دیدوں
اگر وہ "ترکِ شیرازی" نگاہِ لطف زا کردے

تمہاری داستان بیقراری بڑھ گئی اکمل
مطوّل مختصر کردے خموشی سے دعا کردے

نور ۲۵ فروری ۱۹۱۴ء

صبح کے دس منٹ حضرت خلیفہ اوّلؓ کے مزار پُر انوار پر

آپ اے امیر المؤمنیں۔ آپ اے امامِ متقیں
ہر وقت ہم کو یاد ہو بھولے نہیں بھولے نہیں

اسلام کے ماہِ مبیں اے آفتابِ علم و دیں
کیوں چھپ گئے زیرِ زمیں۔ مجھکو باَنوار یقیں

بیچین ہی پہلو میں دل۔ جانِ حزیں ہے مضمحل
سینہ پہ اپنے رکھ کے سِل رہتے ہیں ہم اندوہگیں

نالائقی اس قوم کی کچھ بھی نہ کی جس نے قدر
وہ رسم الفت چھوڑ دی۔ باہم بڑھایا بغض کیں

اُف کیا کہوں کیا ہوگیا۔ جو مال تھا وہ کھو گیا
بیدار ہو کر سو گیا۔ یہ مجمعِ اخوانِ دیں

یاربّ یہ کیا اندھیر ہی۔ قسمت کا کیسا پھیر ہے
تیرے کرم کی دیر ہی۔ ہاں بات تو کچھ بھی نہیں

اے کاش وہ سوچیں کبھی۔ آیا تھا ہم میں اک نبی
اُس نے ہمیں تعلیم دی۔ ملکر کریں خدمتِ دیں

جُوں دانہ تسبیح ہم۔ ہوں ایک رشتہ میں ہم
جاتے رہیں سب ہمّ و غم۔ خوشیاں منائیں ہم یہیں

اک دوسرے پر جاں دیں۔ منوائیں کچھ۔ کچھ مان لیں
اور صدق دل سی جان لیں۔ چارہ بغیر اسکے نہیں

ہو اک امام و مقتدا۔ محمود احمد میرزا
ہر دل عزیز و پارسا۔ عالم باعمالِ متیں

فاروق ہے سرگرم ہی۔ دِل کا نہایت نرم ہے
آنکھوں میں اسکی شرم ہی چہرہ ہے یا ماہِ مبیں

اے کاش وہ آتے یہاں۔ قرآن کا سنتے بیاں
وہ نکتہ ہائے دلستاں۔ جو ہیں غذائے مؤمنیں

مرکز بناتے قادیاں۔ جو کچھ ہے لاتے قادیاں
اُنکے تو آتے قادیاں۔ مأمن بنا لیتے یہیں

دارالاماں کو چھوڑ کر۔ اللہ سے منہ موڑ کر
ہاں عہد اپنا توڑ کر۔ جاتے نہ پھر ہرگز کہیں

اے نورِ دینِ مصطفےٰ۔ مَیں قبر پر تیری کھڑا
رونا مُجھی رونے لگا۔ جس سے مرا دل ہے حزیں

مَیں ضبط سے معذور ہوں۔ اِس خبط سے مجبور ہوں
خدمت سے تیری دُور ہوں۔ کچھ سُوجھتا مُجھ کو نہیں

اکمل کا جی گھبرا گیا۔ اِسواسطے یہاں آگیا
اسکو تو یہ غم کھا گیا۔ مانا نہ حُکمِ نوردین

کِس درد سے کِس پیار سے کتنے بڑے اصرار سے
اُس نے کہا اخیار سے۔ "میرا ہو کوئی جانشیں"

مذہب کے مذبح پر ایک قربانی

کل اِک پیارے دوست کی صورت کو دیکھکر
دِل نے کہا۔ کبھی یہ مرا انتخاب تھا

سو جان سے نثار تھا اِک اِک اَدا پہ مَیں
ہر قول و فعل اس کا محبّت کا باب تھا

اس کا وصال میری تمنّاؤں کا مآل
اس کا فراق موجب صد اضطراب تھا

ہر وقت میرے سامنے بیٹھا رہے کوئی
اِس آرزو میں سینۂ سوزاں کباب تھا

ہر بات اِک نبات تھی۔ ہر رات شب برات
ذوقِ مقال و شوقِ لقا بے حساب تھا

گہرے تعلّقات تھے۔ اچھے معاملات
اِک دُوسرے سے کچھ بھی نہ باقی حجاب تھا

یعنی تکلّفات رہے تھے۔ نہ درمیان
میں گر سوال تھا تو وُہ میرا جواب تھا

دو قالبوں میں رُوح تھی گویا کہ۔ ایک ہی
یہ اتّحاد زینتِ حُسنِ شباب تھا

مذہب کا اِک معاملہ جب پیش آگیا
میرا خیال خُوب تھا اُس کا خراب تھا

ھٰذا فراق بینی و بینک سُنا کے مَیں
اکمل! الگ ہوُا کہ یہ کارِ ثواب تھا

اب عطر بھی مَلے تو محبّت کی بُو نہیں
وُہ دِن گئے کہ اُس کا پسینہ گلاب تھا

قادیاں کے مہاجر

ہم نہیں جائیں گے ہرگز قادیاں کو چھوڑکر
قادیاں۔ دارالاماں۔ جنّت نشاں کو چھوڑکر

جس مدینے میں رہا برسوں مسیحائے زماں
جس میں وُہ مدفوں ہوُا ہاں اس مکاں کو چھوڑکر

سُرمۂ چشمِ مہاجر۔ جس کی گلیوں کا غبار / جس میں رہتی ہی بہار اس بوستاں کو چھوڑ کر
یہ تو سچ ہے شاندار اُن کی عمارت ہے بڑی / کس طرح جائیں مگر دار الاماں کو چھوڑ کر
وُہ بُلاتے ہیں بلائیں وُہ روپے دیتے ہیں دیں / جائیں کیوں محبوبِ حق کے آستاں کو چھوڑ کر
چشمۂ صافی یہاں ہُوا۔ اَور ہم جائیں وہاں / گدلا پانی کیوں پئیں آبِ رواں کو چھوڑ کر
اصل ہو کیسا ہی عمدہ خنجرِ فولاد کا / تیز ہو سکتا نہیں سنگِ فساں کو چھوڑ کر
بادہ کیش اسوقت بیشک ہیں بڑے ہی کیف میں / لُطف پائیں گے نہ کچھ پیرِ مغاں کو چھوڑ کر
پھر زمینی کیڑے بنجانا بھی کوئی عقل ہے / جاتے ہو تحت الثریٰ کیوں آسماں کو چھوڑ کر
کارفرمائے حقیقت فیل کر دیگا اُسے / بھاگ جائیگا جو پیار و امتحاں کو چھوڑ کر
یہ وفاداری نہیں اب چھوڑ دیں اسکو یہیں / ہم نے پایا تھا جسے سارے جہاں کو چھوڑ کر
تم ہمارے دوست ہو بھائی ہو کچھ دشمن نہیں / آؤ لگ جاؤ گلے اپنے گماں کو چھوڑ کر
"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" / آؤ اکملؔ سے ملو آہ و فغاں کو چھوڑ کر

ایک پیامی اَور حق کا حامی

کہا میں نے اولوالعزم زمانہ کس کے حق میں ہی / بتاؤ کونسا مہتابِ انور اس شفق میں ہے
علیٰ رغمِ حریفاں کامیابی کس کے حق میں ہے / جھکا دینا دلوں کو قُدرتِ ربّ الفلق میں ہے
تو وُہ بولا بڑے مُفسد بڑے پُر دغا تم ہو
کہ ابنِ مہدئ موعود کے ایسے فدا تم ہو

کہا میں نے کہ محمودِ خلائق کون ہے آخر / کرم میں اتّقا میں سب سے فائق کون ہے آخر
علومِ معرفت میں بحرِ رائق کون ہے آخر / امیرِ سلسلہ بننے کے لائق کون ہے آخر
کیا لاہور کے شوریٰ نے کس کو منتخب بولو
تو وُہ بولا کہ جاؤ جی نہایت فتنہ جو تم ہو

کہا مَیں نے جو نور الدّین نے پہلے وصیّت کی
لکھی تھی نام کس کے اس میں یہ سند خلافت کی
ازاں پس بار دوئم کس کی ان لفظوں میں مدحت کی
کہ جس سے سامنے آجائے صُورت ثانی قدرت کی

تو وُہ بولا کہ تم مشرک پرستاران باطل ہو
روافض ہو۔ خوارج ہو۔ غرض یاران باطل ہو

کہا مَیں نے کہ وُہ جو مصلح موعود آنا تھا
بشیر اوّل کے ساتھ اللہ نے مولود لانا تھا
وُہ نورالدّین نے بھی تو یہی محمود مانا تھا
اسی کو فضلؔ ہاں فضل عمر مسعود جانا تھا

تو وُہ بولا کہ اتنی جلد پوری پیشگوئی ہو
یہ ہی منصوبہ بازی ہم نہ مانیں خواہ کوئی ہو

کہا مَیں نے خلافت میں ترقّی ہی جماعت کی
یہی ہم کو بتاتی ہے عبارت الوصیّت کی
بناؤ قادیاں مرکز کہ یہ منزل ہے رحمت کی
غرض ہر طرح پُوری مدّعی بر حق کی حُجّت کی

مگر جب گالیاں دیتا گیا وُہ اپنی عادت سے
تو اِنّیِ صَائِمٌ کہکر کیا اعراض اکملؔ نے

۱۱ر اگست ۱۹۱۴ء

اضطراب مشتاق بزبان اشتیاق

نہ دیکھا چہرۂ جاناں۔ اِدھر جھانکا اُدھر جھانکا
مزاج اچھا تو ہے جانِ جہاں محبوبِ دوراں کا
نہایت مہربانی بلکہ اُلفت کی نشانی تھی
ہمارے زخمِ دل پر بھی لگا دیتے اگر ٹانکا
کہیں دُنیا نہ پامالِ خرامِ ناز ہو جائے
سُنا ہے سیر کرنے آج نکلے گا مِیرا بانکا
نصیبِ دشمناں یاربّ ملالِ طبعِ جاناں ہو
سُنیں پھر اس زباں گوہر فشاں سے درس قرآں کا
بپا رہتا ہے محشر آجکل جو کوئے جاناں میں
یہ ہے ڈالا ہوا فتنہ سبھی اِک فتنہ ساماں کا
اُسی پر وارِ جس نے ہاتھ میں تلوار دی تیرے
بجز اک اللہ یہی بدلہ ہوا کرتا ہے احساں کا
بہت جز بز ہوئے لیکن نہ کچھ بھی کر سکے آخر
خدا کے کام کو روکے ہے کیا مقدور انساں کا

بہت نزدیک ہے وُہ روز ۔ روزِ امتحاں یعنی
ابھی سے چاہیئے ۔ ہم کو تہیّا عید قرباں کا
معلّم نے پڑھایا تھا بہت محنت سے بچّوں کو
مگر حصّہ نہ پایا بالعض نے کچھ خوف یزداں کا
مزاجِ لااُبالی خالقِ فطرت سے پایا ہے
نہ مَیں منّت کشِ دَوراں ۔ نہ مَیں ممنون احساں کا

کئی دِن سے خلش ہوتی ہو پائے شوق میں اکملؔ
مِرے چھالوں کو چُٹکا پڑ گیا خارِ مغیلاں کا

۱۷ ستمبر ۱۹۱۴ء

قصّۂ ہجر کی پہلی فصل

تلطّفہائے یزدانی کا وُہ پُتلا نہیں بھُولا
نگاہِ گرم کا پڑنا نہیں بھُولا نہیں بھُولا
ستم کیشئ اخوان الصّفا تو بات ہے کل کی
حدیثِ سیزدہ صد سال حسرت زا نہیں بھُولا
بُتوں میں بُت شکن پایا یہ ہے معراج عشق اپنی
مجھے غزنی سے پھر محمود کا ملنا نہیں بھُولا
ہزاروں پھُول دیکھے اور کانٹے بھی چُبھے لاکھوں
مگر کیا بات ہے، اک نرگس شہلا نہیں بھُولا
جنہیں سمجھا تھا اپنے وُہ ہی بیگانے نکل آئے
دلِ ناداں ترا یہ دھوکا کھا جانا نہیں بھُولا
وطن میں بے وطن کا یہ پیامِ شوق کدہ میں
کوئی للہ پہنچائے رُخِ زیبا نہیں بھُولا
مسیح مجتبےٰ کے رَوضۂ انور پہ کہنا ہے
تمہارا خادمِ نادم وُہ عہد اپنا نہیں بھُولا
حدیثِ ترکِ دُنیا ہی رہے وردِ زباں جس کا
اُسے کہدو ابھی اے دوست تو دُنیا نہیں بھُولا
وُہ عیسےٰ آچکا اب ابنِ عیسےٰ کا زمانہ ہو
مگر مسجد کا مُلّا آئیگا عیسےٰ نہیں بھُولا
احبا اقرباء اموالِ دُنیا فائدہ ان کا
تمہاری یاد میں جانِ جہاں کیا کیا نہیں بھُولا
سراپا نقص تھا اکملؔ بنایا فیض احمدؐ نے
ترے الطافِ بے پایاں مِرے مولا نہیں بھُولا

۳ اپریل ۱۹۱۶ء

شانِ محمود

اے کہ عالم میں ہے تو ایک نشانِ مرزا
تیرے کاموں سے بڑھی اور بھی شانِ مرزا

کیا اثر ہے کہ دل و جان ہیں قائل اس کے
آ گئی مُنہ میں ترے گویا زبانِ مرزا

ناطقہ بند کیا اہلِ زباں کا تُو نے
حق نے بخشا ہے تجھے حسنِ بیانِ مرزا

کیوں نہ سب جانِ جہاں تجھ کو پکاریں جاناں
قوم کی رُوح ہے تُو اور ہے جانِ مرزا

نام محمود ترا - کام بھی محمود ترے
حسن و احسان میں بھی رُوح و روانِ مرزا

کان سُنتے ہیں تری بات زبان کہتی ہے
تُو ہے مَوعودِ خدا گوہرِ کانِ مرزا

قصرِ احمد میں جو پھینکا کسی مُفسد نے بم
مُصلحِ قوم وہیں پہنچا نشانِ مرزا

یعنی تُو فضلِ عُمر فارقِ حق و باطل
جسکے آنے سے ہی قائم وُہی آنِ مرزا

بہتریں عالمِ قرآن و حدیث و سُنّت
وارثِ علمِ لدُنّیٔ و جنانِ مرزا

دوست دشمن کے لئے مائدۂ رُوحانی
کیوں نہ تیار رکھے وسعتِ خوانِ مرزا

فتح کرنا ہی سب ادیان کو تم نے واللہ
بس بڑھے جاؤ بصد شوق یلانِ مرزا

طرزِ اکمل کا نہیں مدح سرائی لیکن
حق نے دکھلائی تری شان میں شانِ مرزا

یکم دسمبر ۱۹۱۴ء

بعثتِ ثانی

ایک وُہ دن تھا کہ ہم میں سے یہاں کوئی نہ تھا
ہم تو کیا ہوتے مسیحائے زماں کوئی نہ تھا

پھر رہے تھے اہلِ دُنیا بے قرار و مضطرب
یعنی اُن کے واسطے آرامِ جاں کوئی نہ تھا

تھے بہت اجسادِ دُنیا میں مگر رُوحیں نہ تھیں
یہ جہاں موجود تھا - جانِ جہاں کوئی نہ تھا

تھے بہت گاؤں مگر اللہ والوں کے نہ تھے
یہ زمیں تھی لیکن اس پہ آسماں کوئی نہ تھا

ریگ اُڑتی تھی بیاباں میں سفر دُشوار تھا
ناقۂ دینِ خدا کا سارباں کوئی نہ تھا

زیب و زینت سے معرّا اک محل موجود تھا
میہماں تھے سینکڑوں پر میزباں کوئی نہ تھا

خُلق تک سارے علومِ مذہبی کا تھا اثر
تھے بہت قرآن خواں - قرآن داں کوئی نہ تھا

سینکڑوں عالم۔ مگر علمِ الٰہی سے تہی
بیسیوں فاضل مگر صاحبِ قرآں کوئی نہ تھا

بادۂ صافی طلب کرتے تھے میکش قوم کے
تھی بہت اونچی دکاں۔ پیرِ مغاں کوئی نہ تھا

چشمۂ فاراں پر اعداءِ دیں کا زور تھا
بے کس و بے بس مسلماں۔ پاسباں کوئی نہ تھا

ایک چلّو کے لئے ترسا گئے تڑپا گئے
پیاس کیا بجھتی کہ ساقی ہی وہاں کوئی نہ تھا

یک بیک رحمت خدا کی آگئی جب جوش میں
دیکھتے کیا ہیں کہ زحمت کا سماں کوئی نہ تھا

بوستانِ احمدِ مختار میں آگئی بہار
اک ہوا ایسی چلی دورِ خزاں کوئی نہ تھا

مدرسہ جاری ہوا توحید کے اسباق کا
پاس سب ہوتے گئے بے امتحاں کوئی نہ تھا

جب دکھائی چہرۂ محبوب نے اپنی جھلک
حسنِ مطلق رہ گیا۔ حسنِ بتاں کوئی نہ تھا

عاشقوں کو انتظارِ جلوۂ محمود تھا
قدرتِ ثانی کے جلوے میں نشاں کوئی نہ تھا

وقت آپہنچا ظاہر ہو وہ رحمت کا نشاں
امّتِ احمدؐ کا چونکہ نگہباں کوئی نہ تھا

دوستوں نے جو دکھایا رنگِ اخلاص و وفا
مجھ کو سچّی بات ہے اس کا گماں کوئی نہ تھا

کشورِ دل بیچ دیتے اک نگاہِ ناز پر
تو منافع ہی منافع تھے زیاں کوئی نہ تھا

یوں تو دنیا میں بہت گذرے ہیں عشاقِ زمن
لیکن ان میں اکملؔ شیوا بیاں کوئی نہ تھا

بدخلقی

کل اک ستم نواز کو آیا نہ جب جواب
جل بھن کے بزمِ عیش میں وہ ہوگیا کباب

جھوٹا کہا اور اس کے علاوہ کچھ اور بھی
پھر دوسرے بزرگ نے پورا کیا حساب

وہ وہ مغلّظات سنائے کہ الامان
لازم ہے متّقی کو بڑا جن سے اجتناب

اسپر بھی جب نہ آپ کا دھیماں ہوا غضب
نے ماری منہ پہ احمدی بھائی کے اک کتاب

مسجد میں غل پڑا کہ یہ کیا سانحہ ہوا
کس بات پر "حضور" کا نازل ہوا عتاب

میں نے کہا کچھ نہیں معمولی بات ہے
لایا ہے رنگ ان کی امارت کا انتخاب

۱۱ فروری ۱۹۱۵ء

۱۴۔ مارچ سنہ ۱۹۱۵ء

یہ وہی دن ہیں کہ جب اے نور دین مصطفیٰ ... ہم سے تو رخصت ہوا۔ اللہ سے واصل ہوا
یاد ہے ہم کو ترا نورانی چہرہ یاد ہے ... شانِ صدیقی نظر آتی تھی جس میں بر ملا
وہ ترا لطفِ نمایاں وہ ترا رعب و وقار ... سچ تو یہ ہے تو بھی گویا جامع الاضداد تھا
جان و دل سے سب فدا تھے اور پھر ڈرتے بھی تھے ... بیٹھتے تھے پاس۔ لیکن کانپتے تھے ہم سدا
رعب و داب ایسا کہ عرضِ حال بھی دشوار تھا ... بے تکلف اس قدر بچے بھی کہہ لیں ماجرا
غیر مسلم بھی ترے مداح پائے جاتے ہیں ... تری باتوں میں ہلا کرتا تھا اُن کو بھی مزا
خرق عادت طور پر اخلاق میں شائستگی ... ترا قول و فعل۔ قول و فعلِ حزبِ مرتضیٰ
وہ جو قرآن کے معارف تو سناتا تھا ہمیں ... اور وہ پند و نصائح بھول سکتے ہیں بھلا
جو وصیت تو نے کی۔ ہم نے عمل اُس پر کیا ... پالیا وہ جانشیں تیرا۔ خدا کا مصطفیٰ
جو عفو الناس ہے دل کا نہایت ہی حلیم ... اور اپنی شان میں ہر دلعزیز و پارسا
احمدیت کی اشاعت میں بڑا سرگرم ہے ... رات دن اسکو یہی دھن ہے۔ یہی ہے مشغلا
تیری آنکھیں مُوندتے ہی چند لوگ ایسے بھی تھے ... خوب کھیل کھیلے جو دل میں تھا وہ ظاہر کر دیا
پہلے تو پاؤں تلے روندا وصیت کو تری ... پھر خلافت کا سرے ہی سے انہیں انکار تھا
رفتہ رفتہ پھر مسیحا سے کیا انکار یوں ... ایک معمولی مجدد کو نبی کس نے کہا؟
انجمن پہلے خلیفہ تھی۔ مگر کچھ دن کے بعد ... اسکی بھی پروا نہ کی اور ہو گئے سب سے جدا
احمدیت کے یہ معنی ہیں۔ انہیں مشرک کہو ... جو خلافت کے ہوں قائل از رہِ صدق و صفا
اور سب دنیا مسلمان ہے۔ مگر کفار ہیں ... سب مہاجر قادیاں کے اور ابن میرزا
ہاں وہی بیٹا مسیحا کا جو پیارا تھا تجھے ... مصلح موعود جس کو ایک دن تو نے لکھا!
وہ جو تجھے لکھتے تھے مرشد۔ مرے آقا مطاع ... اب وہ کہتے ہیں طبیب ایک شخص نورالدین تھا

جنکو تیرے عشق کا دعویٰ تھا وہ بھی چل دیئے — یہ وفاداری ہے اُن کی مرحبا صد مرحبا

جو خلافت موجبِ تسکینِ خاطر تھی کبھی — جڑھ فسادوں کی بنی اُن کے لئے واحسرتا

لیکن اے میرے مسیحا کے خلیفے سینکڑوں — احمدی ایسے بھی ہیں کہتے ہیں جو صلِّ علیٰ

رحمتیں نازل خدائے پاک کی تجھ پہ مدام — اور تیری متبع اولاد کا غلبہ سدا

میرے آقا کا مجھے یہ مصرع تریاد ہے — "ظلمتیں کافور ہو جائینگی اک دن دیکھنا"

نام ہی محمود جس کا وہ کیوں مذموم ہو — یہ وہ پیارا نام ہے جان و دلم براو فدا

ابتداء ہی سے ہمیں نسبت ہے کچھ اس نام سے — یاد آیا میکہ بر ما رفت طرفہ ماجرا

یعنی وہ محمودِ حق - احمد ہوا محمودِ قوم — جسکی یادِ حسن میں آساں ہی سب کچھ چھوڑنا

لیجئے اب اکملِ محزوں کو رخصت دیجئے — حاضرِ دربار ہوگا۔ پھر کبھی خادم ترا

یہ دعا کیجئے کہ اگلے سال میں آکر یہاں
یہ بشارت دے سکوں فتنہ جو تھا سب مٹ گیا

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

بڑھ چلا حد سے مرا فسق و فجور اے مولیٰ — کر رہا ہوں میں قصوروں پہ قصور اے مولیٰ

تُونے اِنعام پہ اِنعام کئے ہیں مجھ پر — سب سے بڑھ کر تو ہی مہدی کا ظہور اے مولیٰ

سخت غفلت میں یہ ماہِ رمضاں گذرا ہے — اب نہ گذریں کبھی یُوں میرے شہور اے مولیٰ

میں پشیماں ہوں بہت اپنی غلط کاری پر — بخشدے مجھ سے ہوئے جتنے قصور اے مولیٰ

اور مرے قلب میں وہ نورِ ہدایت بھردے — جس سے بنجاؤں میں اک عبدِ شکور اے مولیٰ

رات دن تیری عبادت ہی میں مشغول رہوں — اور مقبول بنوں تیرے حضور اے مولیٰ

پھر اسی خاک میں ہو مسکن و مدفن میرا — جس کے ہر ذرے میں ہے طور کا نور اے مولیٰ

ٹکڑے ٹکڑے ہو مرے سامنے وہ جمعیت — جس نے ڈالا ہے جماعت میں فتور اے مولیٰ

اپنے محمود کی شوکت کو نمایاں کر دے
سلسلہ ہیں ہو ترقی کا وفور اے مولیٰ

اک جنوں ہو ہمیں اسلام کے پھیلانے کا
پھونکیں توحید کا ہر وادی میں صور اے مولیٰ

خوابِ غفلت کے جو ماتے ہیں وہ جاگیں جلدی
مردے زندہ ہوں جو ہیں سخت کفور اے مولیٰ

اس پاک نبی مسیحائے زماں کے صدقے
سن لے اکمل دعائیں تو ضرور اے مولیٰ

الفضل ۱۰ اگست ۱۹۱۵ء

سیدنا فضلِ عمرؓ

تم فخرِ رسل ہو سیدنا۔ تم فضلِ عمرؓ ہو سیدنا
تم مصلحِ کل ہو سیدنا۔ تم شمس و قمر ہو سیدنا

محمودِ جہاں ہو سیدنا۔ مسعودِ زماں ہو سیدنا
مقصودِ شہاں ہو سیدنا۔ ممدوحِ بشر ہو سیدنا

تم راہِ دیارِ احمد ہو۔ تم شاہ سوارِ احمد ہو
تم رنگِ بہارِ احمد ہو۔ جنت کے ثمر ہو سیدنا

تم نورِ نظر ہو مہدی کے۔ تم لختِ جگر ہو مہدی کے
تم شمس و قمر ہو مہدی کے۔ ہاں اُسکے پسر ہو سیدنا

اللہ نے خلافت بخشی ہے۔ پھر اتنی لیاقت بخشی ہے
ہر طرح حکومت بخشی ہے۔ باشوکت و فر ہو سیدنا

پیغام کے فتنے کا بانی ہے منکر فضلِ یزدانی
کچھ قدر نہ اس نے پہچانی۔ اک کانِ گہر ہو سیدنا

میں خستہ جگر ہوں سیدنا۔ بے علم و ہنر ہوں سیدنا
باحالِ بتر ہوں سیدنا۔ بس ایک نظر ہو سیدنا

اللہ عنایت کیجئے گا۔ کچھ اس پہ توجہ دیجئے گا
اکمل کی دعائیں لیجئے گا۔ جو خادمِ در ہے سیدنا

پرسشِ حالات

اے تازہ واردانِ گلستانِ کوئے یار
خوشبو سناؤ کیسی ہے میرے "گلاب" کی

مرغانِ نغمہ سنج ہیں کیا کیا ترانہ ریز
کیونکر گذر رہی ہے ہزار و غراب کی

ملتی ہیں جھوم جھوم کے آپس میں ڈالیاں
قمری نے ان سے کون سی بات انتخاب کی

کیا گُل کھلا ہے گلشنِ حُسن و جمال میں — رنگت نکھر رہی تھی کسی کے شباب کی
مضرابِ ناز چھیڑتی ہے ساز کونسا — کیا لَے ہے آجکل مرے چنگ و رباب کی
ہاں یہ بھی کہیئے ساقیٔ مہوش کے ہاتھ سے — لذّت اُٹھائی ہے؟ کبھی جامِ شراب کی
مسجد کے زیرِ سایہ خرابات میں رقیب — بُو اب بھی سونگھتا ہے؟ ہمارے کباب کی
آشفتہ کامیاں مری لائی ہوں کوئی پھل — کچھ یاد اُن کو آئی ہو حالِ خراب کی
ہے کون رازدار سراپردۂ حبیب — پروانگی نصیب ہے کس کو جناب کی
کیا وجہ ہے؟ شکن سے ہیں وجہِ جبیب پر — کچھ کچھ سُنی ہے میں نے حکایت عتاب کی
سر چڑھ رہے تھے کاکلِ مشکین رُوئے یار — شانہ نے کچھ تو لی ہے خبر پیچ و تاب کی
اُن کو غضب جو آیا تو حُسن اور بڑھ گیا — بڑھ بڑھ کے لیں بلائیں کسی کے شباب کی
مطبوعِ طبعِ دوست ہے مضمون کونسا — کیا ذکرِ وصل رکھتی ہے وہ فصل باب کی
رندانِ بادہ نوش کو ناگاہ بیک خروش — کچھ راہ بھی ملی ہے سرائے حجاب کی
زندہ دلانِ شہر نے باصد ہزار شوق — پھر جمع ہو کے ٹھانی ہو؟ کارِ ثواب کی
کیا وَرک کر رہی ہے وہاں احمری مشین — روزانہ گنتی کیا ہی پریسوں کے داب کی
اِک ایک پُرزے کا مجھے بھیجو لکھا کے حال — چلتی ہے گاڑی کیسی ہمارے نواب کی
اور میری پوچھتے ہو تو سُن لو عزیزِ من — ہمّت ہی اب نہیں ہے سوال و جواب کی
کر کر کے یاد صُحبتِ دیرینہ کے مزے — کہتا ہوں ایک بات تھی گویا یہ خواب کی
اکملؔ فراقِ یار میں سوزاں ہو روز و شب — کب ختم ہوگی دیکھئے ساعت عذاب کی

چاند بدلی میں

چاند بدلی میں چھپا رہتا ہے غمناک ہوں میں — پھر وہی جلوہ نہ جب تک ہو تہ خاک ہوں میں
شہ سوارِ قدنی سے یہ گذارش کر دو۔ — ساتھ چھوٹے نہ مرا۔ بستۂ فتراک ہوں میں

سُرخرو پیشِ خدا جاؤں گا انشاءَ اللہ
کہ دل و جان سے غلامِ شہِ لولاک ہُوں مَیں

فخر حاصل ہے تلمّذ کا۔ مسیحا سے مجھے
مجلسِ بحث میں اِسواسطے مبارک ہُوں مَیں

دیکھیے کب نظرِ لطف و عنایت ہو گی
کئی سالوں سے ستم دیدۂ افلاک ہوں مَیں

ہائے تم چیز ہی ایسی ہو کہ دیکھیں دن رات
یہ نہ سمجھے کوئی بدظن کہ ہوسناک ہُوں مَیں

آج احمد کی غلامی میں بچاؤ ہے فقط
قہرِ حق کہتا ہے آمادۂ اہلاک ہُوں مَیں

حالتِ الکمل مشتاق نہ پُوچھ اے ہمدم
چاند بدلی میں چُھپا رہتا ہی غمناک ہُوں مَیں

منقلِ عشق سے نکلیں گے شرارے کچھ اور
میری بے صبری کے دیکھو گے نظارے کچھ اور

(فاروق ۱۷ ر فروری ۱۹۱۶ء)

غسلِ صحت

چاند بدلی سے نکل آیا مبارک ہووے
چاندنی صحن میں دیکھے جسے کچھ شک ہووے

شکرِ صد شکر کہ عرضی مری منظور ہُوئی
انتظار آپکے انفاس کا کب تک ہووے

جُوں جُوں سُنتا تھا مَیں احوالِ مزاجِ اقدس
کیا کہوں میرے کلیجے میں جو دھک دھک ہووے

جسم سے رُوح جُدا ہو۔ تو کچھ افسوس نہیں
ہاں تعلّق نہ تری ذات سے منفک ہووے

جو مٹاتا ہے زمانہ تو مٹا دے مجھ کو
لوحِ دل سے نہ ترا نام مگر حک ہووے

کفش بردار کی شوکت کا ترے کیا کہنا
جیسے سعد ابنِ ابی بکرا تابک ہووے

ہر جگہ فیض ترا۔ نام ترا۔ کام ترا
انگلستان ہو پنجاب ہو ناسک ہووے

مَیں تو سینے سے لگالوں اسے آنکھوں پہ رکھوں
جو ترے ہاتھ کی لکھی ہُوئی توزک ہووے

یاالٰہی کوئی اچھا سا عمل ہو مجھ سے
میری جاں رہن ہی جلدی سی کہیں فک ہووے

وُہ مرے دل میں مری آنکھوں میں رہتے ہیں سدا
دُور ہو کوئی تو جانا بھی وہیں تک ہووے

دِل ہی دِل میں وہ حضوری کے مزے لیتا ہو
جسکے نزدیک دُوئی اثم بلاشک ہووے

میری دُنیا تری دُنیا سے جُدا ہے واعظ
کاش معلوم تجھے۔ نکتۂ مدرک ہووے
آج احباب کو اکملؔ یہ بشارت دے دو
چاند بدلی سے نکل آیا "مبارک ہووے"

منقل عشق میں آگ تھی گلزار ہُوئی
میری بے صبری ہی چارہ گر بیمار ہوئی

(الفضل ۲۸ مارچ ۱۹۱۶ء)

الحق یعلُو وَلَا یُعلٰی

کہتے ہیں کہ اکملؔ جو ہے گردن زدنی ہے
یہ بات کسی دوست نے کانوں سے سُنی ہے
جو جان ہتھیلی پر لیئے بیٹھا ہو ہر وقت
تم اُس کو ڈراتے ہو یہ کیا فیشل تنی ہے
ہر سطر ہے ساطور۔ تو ہر لفظ ہے گولہ
ہر حرف کی جو نوک ہے نیزے کی انی ہے
یہ تم ہی کہہ ہیں تو ہُوں اِک بندۂ عاجز
مقصُود مرا خدمتِ شاہِ قدنی ہے
گُنبد کی صدا ہے جو کہوگے وُہ سُنوگے
قُدرت کا یہ قانون ہی کیوں رائے زنی ہے
مُحسن کے گھرانے پہ شب و روز ہیں حملے
یارانِ طریقت سے لڑائی کی ٹھنی ہے
پھر اس پہ یہ دعویٰ ہے کہ ہم صلح کے جویاں
بکواس کریں اور کہیں کم سُخنی ہے
سوچو تو گریبان میں مُنہ ڈال کے للہ
کیا رنگِ طبیعت ہے کیا طرز دنی ہے
جس سینے میں یہ کینہ ہو جس سر میں یہ کبر
کیا اس میں بھی ایماں کے ہیرے کی کنی ہے
دُنیا کا نہ کچھ پاس ہے نے دین کا کچھ خوف
محمُودِ خداوند پہ ناوک فگنی ہے
یہ حالتِ بد دیکھ کے ہیں اَور کہوں کیا
بد بخت ہے وُہ ماں جو یہ فرزند جنی ہے
کل جسکو یہ دعویٰ تھا فدائی ہُوں تمہارا
وُہ دشمن جانی ہُوا اللہُ غنی ہے
مل جُل گئے غیروں سے رہا فرق نہ کچھ بھی
ہاں پردہ رہے اسلئے چادر سی تنی ہے
پاکوں کی عداوت کا یہی ہوتا ہے انجام
ہشیار رہیں جن میں ذرا ماؤ منی ہے
ہم کہتے ہیں اللہ غریبوں کا ہے ساتھی
وُہ کہتے ہیں پاکٹ میں ہمارے بھی منی ہے

اب دیکھئے کیا ہوتا ہے زر جیتے گا یا حق　　تاریخ میں پہلے تو صداقت کی بنی ہے
اکملؔ کو کسی سے نہ شکایت نہ عداوت
فرہاد کی قسمت میں تو بس کوہ کنی ہے

احمدؐ پیا کی نگری میں اپنا ایک جھونپڑا

اِک جھونپڑا بناؤں بستانِ احمدیؑ میں　　کچھ نیکیاں کماؤں دُنیا کی زندگی میں
یہ عمر یاں گذاروں۔ دُنیا و دیں سنواروں　　ہمّت کبھی نہ ہاروں تکلیف کی گھڑی میں
ہر وقت یاد تیری۔ یاربّ غذا ہو میری　　بھولوں نہ میں خوشی میں چھوڑوں نہ میں غمی میں
چھوٹے نہ شہر تیرا۔ ٹوٹے نہ عہد میرا　　یاربّ یہیں ہو ڈیرا۔ تنگی تونگری میں
لب پر ہو نامِ احمدؑ۔ دِل میں مقامِ احمدؑ　　پھیلے کلامِ احمدؑ۔ دورِ محمدیؐ میں
اِس جھونپڑے میں آؤں مہدی کے گیت گاؤں
اکملؔ کبھی نہ جاؤں لاہوری پارٹی میں

(تشحیذ جولائی ۱۹۱۶ء)

دامِ تزویر سے بچو

لگے کہنے مجھے اِک خضر صورت　　کسی کو پھانس لینے میں یگانہ
اِدھر آؤ عزیزِ قومِ احمدؑ　　تمہیں کیا یاد ہے؟ پچھلا زمانہ
کہ جب اِک دوسرے پر ہم فدا تھے　　سلوک آپس میں رکھتے دوستانہ
بہم پیوست از روئے محبّت　　کہ جوں تسبیح کا دانہ بہ دانہ
بڑی شائستگی سے بات کرتے　　برنگِ فقر و اندازِ شہبانہ
اسے مرکز میں لاکر جمع کرتے　　جو رِل جاتا کہیں سے اِک بھی آنہ
مگر اب حال یہ ہے تم سے پیارے　　گذرتے پاس سے ہیں خود سرانہ

سلامِ شوق کہنے سے بھی پرہیز
اخوّت کا کیا سب خالی خانہ

ہوئے گفتار سے بھی ہم تو بدتر
زباں حق میں ہمارے ہے زبانہ

پڑھے جلتے ہیں ہم پر رجز دن رات
بُھلا بیٹھے محبّت کا ترانہ

مُسلمان احمدی آخر ہیں ہم بھی
مَسیحا سے تعلّق ہے پرانہ

چلو تم ۔ ایبٹ آباد اب کے
وَہاں لُٹتا ہے قرآنی خزانہ

مکلّف کھانا کھاؤ جیسے مرضی
اُڑاؤ عیش ۔ عَیشِ خواجگانہ

عزیزِ من جو میری بات مانو
تو ہو جاؤ ابھی سے تم رَوانہ

کہا میں نے یہ سُنکر حرفِ مطلب
سمجھتا ہُوں یہ باتیں ساحرانہ

برو ایں دام بر جائے دِگر نہ
کہ عنقا را بلند است آشیانہ

تم مُبلّغ بنو خُدا کے لئے

ایک مِس کا کارنامہ پڑھ کے حیراں رہ گیا
کیا ہی سچّا جوش تھا اس قلب میں ارشاد کا

حبشیوں کے ایک گاؤں میں تن تنہا گئی
کچھ بھی خوف آیا نہ اُن کے ظلم و بیداد کا

وُہ تو آدم خور تھے بس دیکھتے ہی پل پڑے
اس طرف مِس نے دِکھایا شُعبدہ بہزاد کا

رُعب کچھ ایسا جمایا مارنے سی ہٹ گئے
یہ کرشمہ تھا۔ فقط اسبابِ نو ایجاد کا

دین کی باتیں سُنائیں اور وُہ سُننے لگے
حَوصلہ بڑھنے لگا۔ کچھ کچھ دلِ ناشاد کا

ایک دِن خونخوار وحشی جوش میں بھر آگئے
آگ کی بھٹی میں ڈالا جسم موئل ماد کا

بچ گئی لیکن وہاں سے پھر بھی وُہ بھاگی نہیں
جاری رکھّا کام اپنے مذہبی ارشاد کا

کاٹ ڈالا ہاتھ اِک ظالم نے آکر طیش میں
تاکہ دیکھے راہ جلدی سے عدم آباد کا

مُسکرا کر تھینک یُو بولی مِسِ سیمیں بدن
سر میں اِک سودا تو دِل میں تھا فرہاد کا

دو۲ دو۲ بلکہ چار چار ایام تک بھوکی رہی
حَوصلہ دیکھیں مِرے بھائی اِک آدم زاد کا

اور پھر اپنی طرف دیکھیں صحابہ کے مثیل
کسقدر رہی فکر اُن کو دین کی بُنیاد کا

بابی مُبلّغ

باب کے پیرو بہت گمراہ ہیں لیکن سُنو ۔۔۔ ہوتے ہوتے ہوگئے مقتول ان میں سے ہزار

جس کو حق سمجھا اُسے پہنچا کے چھوڑا غیر کو ۔۔۔ یہ تھے اُن کے حوصلے یُوں ہمتیں تھیں استوار

اِک مُبلّغ کے لئے یہ حُکم تھا مارو اسے ۔۔۔ سر کی چوٹی سے نکالا دانت اُس کے آبدار

جب ہتھوڑے کی پڑیں ضربیں تو وُہ کہنے لگا ۔۔۔ دوستو حق حق ہی ہے گو ہو نہ تم کو اعتبار

دُوسرے کا حال یُوں لکھا ہے اِک مضمون میں ۔۔۔ جب کیا جلّاد نے تلوار کا گردن پہ وار

گر گئی پگڑی زمیں پر تو مبلغ نے کہا ۔۔۔ میری پگڑی نے کیا ہے کیا؟ قصور اے شہریار

مذہبی سودا تو میرے سر میں ہے اِس پر چلا ۔۔۔ تا کہ جلدی جا ملے آقا سے روحِ کامگار

بُدھ کا مذہب

ایک دن آنند نے اپنے گورو بُدھ سے کہا ۔۔۔ بھیجئے تبلیغ کی خاطر مجھے جلدی کہیں

بُدھ نے فرمایا کہ یہ رستہ بہت دُشوار ہے ۔۔۔ تم سُناؤ گے مگر لوگوں نے کچھ سُننا نہیں

ٹوٹ جائے گا تمہارا دِل تو واپس آؤ گے ۔۔۔ اَور یُوں پھیلا نہیں کرتا عزیزِ من یہ دیں

عرض کی آنند نے تبلیغ میرا کام ہے ۔۔۔ آخر کار اُن کو اِک دن آہی جائے گا یقیں

بُدھ نے فرمایا۔ کہ دینگے گالیاں تجھ کو ضرور ۔۔۔ عرض کی آنند نے پروا مجھے بالکل نہیں

بُدھ نے فرمایا کہ ہاتھوں سے جو مارینگے تجھے ۔۔۔ پھر بتاؤ چھوڑ کر جاؤ گے کیا وُہ سرزمیں

عرض کی آنند نے پھر بھی مقامِ شکر ہے ۔۔۔ جان سے مارا نہیں ہو کر نہایت خشمگیں

چھوڑ کر تبلیغ لوٹ آنا سمجھ لُونگا حرام ۔۔۔ اَور مَیں دُھونی رما کر بیٹھ جاؤنگا وہیں

بُدھ نے فرمایا۔ اگر وُہ جان ہی سے ماردیں ۔۔۔ عرض کی آنند نے مِل جائے گا دُرِّ ثمیں

یعنی یہ نِروان ہے میرا یہی مقصود ہے ۔۔۔ اِسکے پانے کے لئے تڑپے دلِ زار و حزیں

احمدی مبلّغ توجّہ کریں

اَب بنا احمدؐ رسول اللہ کے پیرو مجھے
کیا ارادہ ہے ترا دیں کی اشاعت کیلئے

تم میں ہے کوئی؟ جو للّٰہ چھوڑ دے اپنا وطن
باندھ لے کفنی گلے میں حق کی نصرت کیلئے

تم میں ہے کوئی جو اُس خاتون سا رکھتا ہو دل
وحشیوں میں جائے جو اسلامی خدمت کیلئے

تم میں ہے کوئی؟ جو کھائے گالیوں پر گالیاں
پھر بھی وہ ہمت نہ ہارے اک صداقت کیلئے

تم میں ہے کوئی؟ جو ماریں کھائے پھر بھوکا رہے
ایک اللہ کے لئے۔ قوموں کی دعوت کیلئے

تم میں ہے کوئی؟ جو غربت میں گذارے زندگی
محض اس دینِ خداوندی کی غربت کیلئے

تم میں ہے کوئی؟ مثیلِ حضرتِ عبد اللطیف
جو بنے مظلوم۔ پھر حق کی شہادت کیلئے

احمدِ مرسل کے ایسے نام لیوا ہیں بہت
ننگ ہے، الکمل ہی لیکن اس جماعت کیلئے

حقیقتِ اسلام

النبوہ جسے کہتے ہیں وہ اسلام میں ہے
علم سب عَلَّمَ الْاَسْمَاء کا اِس لام میں ہے

جسکے مشتاق ہیں عشّاق خداوندِ زمن
وہ مئے کہنہ اگر ہے تو اسی جام میں ہے

وہ نبوّت سے تو منکر ہیں۔ مگر کہتے ہیں
زندگی بندۂ مسلم کی بس الہام میں ہے

شان نبیوں کی مسیحا ہے ہی افضل درجہ
حسن و احسانِ محمدؐ مرے گلفام میں ہے

سمِّ قاتل جو سمجھتے ہیں۔ انہیں کیا معلوم
برکتِ دین کی دنیا کی اسی نام میں ہے

اُن سے ہو پیار نہیں۔ بجز سے جو رکھتے ہیں نقار
یہ نہیں ہوگا کہ غیرت ترے خدّام میں ہے

احمدی ہو تو مری بات نہ بھولو کہ نجات
قادیاں والے کی اس آل کے اکرام میں ہے

یہ معمّا نہیں کھلتا کوئی سمجھائے مجھے
اس قدر کبر و ریا کیوں بتِ خودکام میں ہے

پاک بنتا ہے مگر غور کبھی تو کرتا!
گنڈ کیوں سارے جہاں کا ترے پیغام میں ہے

جس کو محمود۔ خداوندِ جہاں کہتا ہو
بندگی تری اسی پاک کے دُشنام میں ہے

تم خُدا کے لئے تکلیف اُٹھاؤ پیارو
صبحِ اُمّید کا نظّارہ اسی شام میں ہے

برہمن کو یہ سُنادو کہ وہ نُورِ توحید
مَدَنی چاند میں بھی ہی جو ترے رام میں ہے

خُونِ دل پینے جگر کھانے سے ہی کام مجھے
کہ ہمیشہ کی خوشی دین کے آلام میں ہے

یہ رہِ عشق ہے چلئے تو سنبھل کر چلئے
خطرہ ٹھوکر کا مُسافر کو ہر اک گام میں ہے

نام بھی بھول گئے ہوں گے مرا وہ لیکن
اب تلک ویسی ہی اُلفت دلِ ناکام میں ہے

پہلے انعام پر انعام ہُوا کرتے تھے
اب یہ تعزیر جو ہی کہئے کس الزام میں ہے

مَیں وُہی ہوں وُہی دعویٰ ہی محبّت کا مجھے
تُو ہی کچھ اَور بنا بیٹھا اُن اصنام میں ہے

تُم تو کہتے تھے مُجھے مَیں نہ کبھی چھوڑوں گا
بے رُخی کیسی مری جان ان ایّام میں ہے

یاد آتی ہے تو گھنٹوں مُجھے رُلواتی ہے
ہائے وُہ بزم نشاں جس کا اِسی بام میں ہے

حجِ کعبہ اُسے کب دیکھئے ہوتا ہی نصیب
سالہا سال سے بیچارہ جو احرام میں ہے

وُہ دلِ مُضطرِ اکمل کہ تڑپتا تھا مدام
شکر الحمد کئی دن سے اب آرام میں ہے

۱۳۳۵ سنہ ھ کا خیر مقدم

مبارک ۱۳۳۵ کا آنا مبارک ہو
جنابِ دانیئلِ مُرسل کا فرمانا مبارک ہو

بہ اندازِ تبسّم چشمک برقِ تجلّی ہے
مرے محبُوب کی زُلفوں کو یہ شانہ مبارک ہو

مبارک جلوہ گاہِ ناز میں پھر بزم آرائی
کسی کے غمزۂ دلکش کا تڑپانا مبارک ہو

مرے ساقیِ مہوشِ دِلرُبا کا اپنے میکش کو
شرابِ کُہنہ جامِ نَو میں پلوانا مبارک ہو

مبارک عاشقوں کو کُشتۂ تیغِ اَدا ہونا
حیاتِ تازہ مرگِ نَو سے پھر پانا مبارک ہو

نوا ریزی دبستاں میں مبارک عندلیبوں کو — گلوں کو پیرہن پھاڑے ہوئے لانا مبارک ہو
مبارک ہو وفا کیشوں کو وصلِ دلبرِ یکتا — جفا کیشوں کو مرکز چھوڑ دینا مبارک ہو
مبارک صد حسین اندر گریباں رکھنے والوں کو — محرم میں یہ ماہِ عید دِکھلانا مبارک ہو
ہماری عید کیا ہے - یار پر قربان ہو جانا — مٹا کر اپنی ہستی صاحبِ عرفان ہو جانا

چلیں گے دور پھر خمخانہ کثرت میں وحدت کے — خدا کے فضل سے دن آ گئے اقبال و عزت کے
مسیحا کے حواری انجمِ اوجِ سعادت ہیں — کسی دن چاند بھی بنجائیں گے مغرب کی ظلمت کے
ابھی سے دیکھتا ہوں بادل پھٹتے جاتے ہیں — نظر آتے ہیں جلوے کچھ تو مہتابِ صداقت کے
بحمد اللہ دِکھائی دیتا ہے اب ساحلِ مقصد — جہازِ صدق نے کھائے تھپیڑے سخت شدت کے
لواءِ احمد جس کے ہاتھ میں ہو اُس سے کہدینا — کہ ہم صدمے اُٹھا سکتے نہیں اب دشتِ غربت کے
کرے جلدی سے سامان سکونِ خاطرِ مضطر — ترانے گائیں قومیں جمع ہو کر پھر محبت کے
خدا بھی ایک ہم بھی ایک ہو جائینگے جب اکمل — وہی ایام ہونگے بالیقیں اپنی سعادت کے

ترقی سلسلہ کی جس کے منے[1] پر مقدر ہے
بحمد اللہ کہ میرے سامنے اس کا بھی منظر ہے

[1] منارۃ المسیح ۱۲

۵ - دسمبر ۱۹۱۶ء

کیوں مخالف ہو گئی میرے فضائے کوئے دوست — دیکھنے دیگی نہ وہ شاید مجھے اب سوئے دوست
تم مجھے کافر کہو - مسلم نہ سمجھو - ڈر نہیں — میرا قبلہ - میرا کعبہ ہے فقط اک روئے دوست
بس یہی سجدہ مرا جانو - یہی سمجھو نماز — میرا سر اوندھا پڑا ہو اور ہو زانوئے دوست
اُن کی شرمیلی نگاہ میں ہیں غضب کی شوخیاں — جانتا ہوں بہت اچھی طرح سے خوئے دوست
داغہائے کہنہ تازہ کر کے لے آیا ہوں میں — یہ شگفتہ پھول بنجائینگے دستنبوئے دوست
مشک و عنبر - سنبل و ریحاں کی کچھ پرواہ نہیں — سونگھ لیتا ہوں ذرا بڑھ کر کبھی گیسوئے دوست

اس کا سوتا حوضِ کوثر سے یقیناً ملتا ہے
بند کیوں ہونے لگی اپنے وستو پہ جوئے دوست

میں تو سمجھونگا کہ ہاتھ آیا میرے حبل المتیں
گر کسی سے پا لیا میں نے کبھی اک موئے دوست

میری کمزوری میں دیکھو دیکھ سکتے ہو اگر
قلّت نیروئے دشمن۔ قوّت بازوئے دوست

اِس قدر بیگانہ وش ہو کر بھی اپنا رکھتا ہے
جادُوؤں میں کوئی جادو ہے تو ہے جادوئے دوست

پاؤں میں چھالے پڑے اور ان میں کانٹے بھی چُبھے
پھر بھی ہاتھ آیا نہ میرے آہ وہ آہوئے دوست

بھولی دُنیا دیکھتی پھرتی ہے یوں ہی ماہِ عید
دیکھ لیتی دیدۂ مُشتاق سان ابروئے دوست

اور کون اِس مُلک پر فرمانروا ہو سکتا ہے
کشورِ دل پر ہے میرے قبضہ و قابوئے دوست

آرزوئیں اور سب پوری ہوئیں اِک رہ گئی
مِٹ کے ہو جائیں یہیں اکملؔ غبارِ کوئے دوست

وہ

بٹالے والے خوش ہو جاؤ پھر ابرِ بہار آیا
مرے محبوب کے چہرہ کی رنگت کا نکھار آیا

وہ جس کی ایک ٹھوکر مایۂ عیشِ دو عالم ہے
وہی۔ ہاں ہاں وہی۔ محوِ خرامِ ناز۔ بار۔ آیا

غلام احمدؐ جو قابض ہے قلوبِ اہلِ تقویٰ پر
اُسی کی شان لیکر وہ بصد عزّ و وقار۔ آیا

غلام احمدؐ کہ ہے کوہِ گرانِ سطوتِ مذہب
اُسی کانِ ہدیٰ کا ایک لعلِ آبدار۔ آیا

غلام احمدؐ کہ یکسر چھا گیا میری طبیعت پر
اُسی کی آن جب دیکھی تو دل بے اختیار آیا

غلام احمدؐ کہ از سر تا پا آنکھوں میں بستا ہے
اُسی کے حُسن کا جلوہ نظر آیا تو پیار آیا

وہ میرا گیسوؤں والا۔ وہ جس کا چاند سا مکھڑا
تبسّم کرتے کرتے آج بعد از انتظار آیا

لگا دو مرہم اِن زخموں پہ پیارے ماہ پارے تم
اُٹھا تا صدمے فُرقت کے تمہارا دلفگار آیا

محبّانِ صبوحی کش میں کیسا جوش پھیلا ہے
یہ میخانہ میں دیکھو کون ساقی اب کی بار آیا

نہ میرا شوق وہ مانیں نہ اُن کا ذوق ہم جانیں
نہ اُن کو اعتبار آیا نہ ہم کو اعتبار آیا

وہ زندہ روز کرتے ہیں تو ہم بھی روز مرتے ہیں — یہ مرنے جینے کا کیا خوب عہد خوشگوار آیا
قیامت خیز چال انکی کئی مردے جلائے گی — ہزاروں تربتیں ٹھکرانے میرا شاہسوار آیا
کہاں تک بھاگ کر جاؤ گے آخر قابو آؤ گے — کہ وہ مغل سمرقندی پئے شکار آیا
غلام احمد غلام احمد زبان پر میری رہتا ہے — جو ہو کر مظہر احسان و حسن کردگار آیا
یہی دلدار ہی میرا۔ اسی سے پیار ہی میرا — کہ جس کا نام لینے سے مجھے صبر و قرار آیا

انہی آنکھوں سے کیا پھر جلوۂ محبوب دیکھوں گا
کہ جن سے اکمل خستہ جگر یوں اشکبار آیا

اکمل بہشتی مقبرے میں

کس بہشتی کیلئے آغوش پھیلائے ہی تو — دیکھیئے اب کس کو اپنی گود میں لائے ہی تو
دیکھئے دامن ترا بنتا ہے کس کا خواب گاہ — لیٹتا ہے کون یاں آرام سے شام و پگاہ
تو مرے محبوب کے رستے میں ہے پہلی سرا — تجھ سے آتی ہی کسی کے باغ کی ٹھنڈی ہوا
تیری خاموشی میں مضمر ہے کسی کا بولنا — تیری بندش میں نہاں ہی عقدۂ جاں کھولنا
روئے دلبر تیری تاریکی میں آتا ہے نظر — وسعت صحرائے عشق اس گوشے میں ہے مستتر
جو یہاں آیا یہیں کا ہو رہا کیا بات ہے — بھول جاتا ہی وہ خویش و اقربا کیا بات ہے
جیتے جی ملتی نہیں تو ایک ایسی چیز ہے — کیوں نہ ہو آخر مرے محبوب کی دہلیز ہے
تجھ سے خوف آتا ہی لیکن پھر بھی ہم کرتے ہیں پیار — جاں نکلتی ہے مگر تجھ پر ہی مرتے ہیں ہزار
تو اگر اک بار ملجائے تو اللہ کی قسم — حشر تک تجھ سے لپٹ کر سوئیں اک پہلو پہ ہم
پھر مرے داغ جنوں تازہ ہوئے ہیں دوستو — پھر ہوا سودا کسی کا جلد کچھ درماں کرو
پھر کسی کے ابروئے خمدار کا گھائل ہوا — پھر کسی کے حسن دل افروز کا قائل ہوا
پھر نگاہ شوق نے رخنہ کیا دیوار میں — پھر لگا دن رات رہنے ہیں خیال یار میں

پھر کسی کے غمزۂ دلکش نے بُلوایا مجھے
پھر کسی کے عشوۂ نازش نے تڑپایا مجھے

پھر کسی کوچے میں اُن کی جُستجو ہونے لگی
پھر رقیبوں سے مری تُم۔ تُم سے تُو ہونے لگی

پھر ہُوا ہنگامہ برپا اُن کی بزمِ ناز میں
پھر لکھے جانے لگے مکتوب حرفِ راز میں

پھر کسی صیّاد نے تاکا ہے میرا آشیاں
پھر چلائے جا رہے ہیں مجھ پہ تیر بے کماں

پھر سراپا چھا گیا کوئی دلِ مایوس پر
پھر لگے پروانے گرنے حُسن کے فانوس پر

پھر کسی کا رات بھر رہتا ہے مجھ کو انتظار
پھر کوئی دن بھر مجھے رکھنے لگا یُوں بیقرار

پھر مرے ویرانۂ دِل میں مقام احمد کا ہے
پھر مرا سب مال و جاں ایماں غلام احمدؐ کا ہے

پھر مری جاں پر بنی ہے اے مسیحِ وقت آ
دم ترے بیمار کا سینہ میں ہے اٹکا ہُوا

قبر تو تیار ہے۔ لیکن نہیں تیار میں
آہ اب تک کر رہا ہُوں اُن بُتوں سے پیار میں

چھوڑ دو اکملؔ خیالِ ماسوا مؤمن بنو
اب خدا کے واسطے مردِ خدا مؤمن بنو

بہ یادِ حقّانی

خدا بخشے بہت سی خُوبیاں تھیں تُم میں حقّانی
سخن فہمی سخن سنجی سخن گوئی سخن دانی

کہاں سے لائیں گے ہم شاعرِ رنگیں نوا ایسا
تمہاری یاد تڑپایا کریگی روز و شب جانی

تمہارے ایک اِک مصرع پہ جھُوما کرتے مستانہ
شرابِ عشق سے لبریز تھا جامِ غزلخوانی

محبّت نام ہے جس کا ہویدا تھی وُہ شیون سے
متاعِ دردِ دل کی تم نے کردی تھی فراوانی

سراپا بارہا کھینچا مرے محبُوب کا تم نے
کہ جس کو دیکھ کر تصویرِ حیرت بن گیا مانی

تمہارے تحت میں تھا تختِ بلقیس معانی کا
کہ حاصل تھی زمینِ شعر پر تم کو سلیمانی

بڑا ہی زور غولانِ رہِ احمدؐ نے مارا تھا
مگر تُم نے نہ چھوڑا جادۂ محمودِ سُبحانی

بجز اک اللہ وفاداری اِسی کا نام ہوتا ہے
کہ جسکو دُوسرے لفظوں میں کہتے ہیں مُسلمانی

کوئی کہدے میاں قاسم علیخاں رامپوری سے
کہ بھائی اب تمہیں ہو جانشینِ مردِ حقانی
ترنم ریز ہو جاؤ دبستانِ تعشق میں
کہ سننا چاہتے ہیں ہم نوائے میرزا خانی
کہاں سے لاؤں میں اکملؔ زباں مختار احمد کی
جو ظاہر کر سکے رنجِ فراق و سوزِ پنہانی
(الفضل مطبوعہ ۲۷ فروری ۱۹۱۷ء)

غیر مبائع

سنتا ہوں میں مریض ہے لیلیٰ عراق میں
حالت خراب کیوں نہ ہو میری فراق میں
اللہ کوئی بھی نہ مرض میں ہو مبتلا
اور خاص کر جو رہتا ہو میرے عراق میں
چکر لگا چکا ہوں کئی صبح و شام میں
لیکن نہیں پہنچ سکا اُن کے رواق میں
کہنے لگے کہ آپ سے ملتا رہوں گا میں
یہ بات تو کہی گئی یونہی مذاق میں
پیغام صلح دے کے وہ کرتے ہیں روز جنگ
حد سے بڑھے ہوئے ہیں نفاق و شقاق میں
غیروں سے میل جول ہے ہم سے بگاڑ ہے
جانے ملا کیا ہے اُنہیں اس افتراق میں
جب اُن سے کچھ جواب نہ آیا تو میں نے خود
اپنی طرف خطوط لکھے اشتیاق میں
سمجھے گا کون لکھ دیا اکملؔ نے آج کیا
جوشِ تپِ فراق و فورِ مراق میں

داستانِ عہدِ گل

اک پیامی وعظ کرتا تھا ہمارا میرزا
اُمتی تھا یا مجدد اس سے بڑھ کر کچھ نہ تھا
وہ غلام احمد تھا مختار تھا۔ احمد نہ تھا
ایسے اس اُمت میں گذرے ہیں ہزاروں اولیا
مانا اس کا نہیں ہے جزو ایماں زینہار
ہم بھی مسلم تم بھی مسلم فرق ہو سکتا ہے کیا
قادیانی احمدی سب مشرک و ضالین ہیں
اور کلمہ گو سبھی مسلم ہیں سچے پارسا
میں نے لوگوں سے کہا تم ہی کہو انصاف سے
کوئی بھی ایسا مجدد ہے کہ جس نے یہ کہا

ساری دنیا کیلئے میں ہو کے آیا ہوں رسول
اور نبی اُمّت میں کوئی بھی نہیں میرے سوا

وہ مسیح و مہدیٔ موعود ہوں جس کے لئے
"ہے نبی اللہ فرمائیں محمّد مصطفےٰ"

صدق دل سے جو مجھے مانے وہی ہے احمدی
غیر کے پیچھے نمازیں ہیں تمہاری ناروا

نام پر احمدؐ کے بیعت لے مگر احمدؐ نہیں
یہ مریدوں کیلئے ہے ایک طرفہ ماجرا

سب مہاجر اہلِ بیت اصحاب تو گمراہ ہیں
دور والوں نے مگر ایمان سے حصّہ لیا

آیتِ قرآن غلط ٹھہری عجب ثم العجب
صادقوں سے دور رہنا اب تو اچھا ہو گیا

اپنے مرشد سے وفاداری اِسی کا نام ہے
اُسکے گھر والوں کی عزّت ہے یہی صد مرحبا

جس جگہ سے فیض پایا اُس جگہ آنا حرام!
واہ! کیا اچھّا نباہا عہد جو باہم ہوا

اب کوئی مانے نہ مانے خود مگر مانا اُسے!
کفر و اسلام ایک ان لوگوں نے گویا کر دیا

اسکو یوں جتا کے میں نے سننے والوں سے کہا
ہم سے پوچھو بھائیو جو کچھ ہو تم نے پوچھنا

قادیاں والوں سے پوچھو قادیاں والے کی شان
ہم سے بڑھکر کون ہے ہادی کو اپنے جانتا

بے وفا محسن کشوں کی بات کا کیا اعتبار
جو زمانے میں ہوا کے رُخ پہ چلتے ہیں سدا

المکمل مشتاق کی آنکھوں سے دیکھو دوستو!
جلوہ حُسنِ غلام احمد جمیل و مہ لقا

داستانِ عہد گل را بشنوید از عندلیب
زاغ و بوم آشفتہ تر گویند ایں افسانہ را

(فاروق ۸ مارچ ۱۹۱۷ء)

ماں بیٹا

یہ محمود و احمد کا جھگڑا ہے کیسا
محمّد کی اُمّت میں غوغا ہے کیسا

کسی نے کیا فتنہ برپا ہے کیسا
کہ ابّا میاں پھرتے ہیں یوں پریشاں

مری پیاری امّاں مری جان امّاں

محمد علی کون؟ کیا چاہتا ہے ہمیں گالیاں کیوں وہ دلوا رہا ہے
اِس امروہی بابا کو کیا ہو گیا ہے بڑھاپے میں بدلا لیا جس نے ایماں
مِری پیاری امّاں مِری جان امّاں

نہ جی اپنا مَیلا کرو میرے پیارے پریشان و حیراں ہوں دُشمن تمہارے
یہ جھُوٹے ہیں بکواس کرتے ہیں سارے خدا کی گواہی سے ہم ہی ہیں سچّے
مِرے پیارے بچّے مِری جان بچّے
محمدؐ نے احمد میں جلوہ دِکھایا تو اپنی نبوّت بھی وُہ ساتھ لایا
پھر اُس کا پلوٹھا خلیفہ بنایا مگر پھر گئے ہیں عقیدے کے کچّے
مِرے پیارے بچّے مِری جان بچّے

سیّدنا غلام احمدؑ

جمالِ یُوسفِ رعنا غلام احمدؑ کا کمالِ رشکِ مسیحا غلام احمدؑ کا
جِدھر بھی جائیے چرچا غلام احمدؑ کا جسے بھی پُوچھئے شَیدا غلام احمدؑ کا
عجب نہیں کہ مُسلماں سب ہی ایسے ہوں کہ جو بھی ہو کوئی ہو گا غلام احمدؑ کا
وُہ میرے مردمِ دِیدہ میں بن گیا ہی نُور نظر میں کھُب کے سراپا غلام احمدؑ کا
قلوبِ خلق پر سکّہ اسی کا جاری ہے ہے ایشیاؤ اروپا غلام احمدؑ کا
جو چاہے تو ابھی مغرب سے ہو طلوع الشمس بڑا قدیر ہے مَولےٰ غلام احمدؑ کا
مِری نگاہ میں جچتا نہیں کسی کا حُسن کہ یاد ہے رُخِ زیبا غلام احمدؑ کا
جو زارِ رُوس تھا یُوں زار ہو گیا یکدم نشان آپ نے دیکھا؟ غلام احمدؑ کا
فلک تو قرصِ مہ و خور کے روز دِکھلائے مگر جو شخص ہو بھُوکا غلام احمدؑ کا

وُہ دِن قریب ہے ڈنکا بجے گا عالم میں ۔۔۔ ثریٰ سے تا بہ ثریا غلام احمدؑ کا

قتیلِ تیغِ جفا نے بوقتِ ذبح کہا ۔۔۔ کہ باثبوت ہے دعویٰ غلام احمدؑ کا

شہیدِ ناز کی تُربت سے یہ صدا آئی ۔۔۔ کہ آہ لطف شناسا غلام احمدؑ کا

اُنہوں نے اپنی ہی خانہ خرابیاں کرلیں ۔۔۔ ہُوا نہ بال بھی بِینکا۔ غلام احمدؑ کا

یہ جی میں آتا ہے ہر وقت ہو زباں پہ مری ۔۔۔ کچھ ایسا نام ہے پیارا غلام احمدؑ کا

عزیز شہر سے کہدو کہ پاگیا عزت ۔۔۔ وُہی جو تھا کبھی رُسوا غلام احمدؑ کا

سُنیں یہ غور سے باشندگانِ پاکپٹن ۔۔۔ کہ ایک روز یہ ہوگا غلام احمدؑ کا

یہ چار دانگ سے خلقت پکار اُٹھی ہے ۔۔۔ ہُوا سپوت ہے بیٹا غلام احمدؑ کا

بڑی بڑی ہیں اُمیدیں بشیر احمدؑ سے ۔۔۔ ہے باغ پھول کے پھلنا غلام احمدؑ کا

پیام کیا مجھے دارالسلام سے پہنچا ۔۔۔ بہشت ہے یہی جینا غلام احمدؑ کا

مٹائے سے نہیں مٹتا کہ جو ہو چکا ہی نقش ۔۔۔ نگینِ دل پہ یہ طغرا غلام احمدؑ کا

مری نظر میں وُہی ہی مری زباں پہ وُہی ۔۔۔ مرے دماغ میں سودا غلام احمدؑ کا

جو دِل دیا ہی تو اب جان بھی فدا کردوں ۔۔۔ ہے غالباً ایماء غلام احمدؑ کا

کرے ہے کشتِ قلوب جہانیاں سیراب ۔۔۔ جدھر جدھر گیا دریا غلام احمدؑ کا

یہ کون جاکے محمد حسین شاہ سے کہے ۔۔۔ کہ عہد کس لئے توڑا غلام احمدؑ کا

اپنا امام بنایا ظفر علیخاں کو ۔۔۔ جو ہے مخالفِ یکتا غلام احمدؑ کا

کرائے یاد کوئی شیخ رحمت اللہ کو ۔۔۔ وُہ دُودھ لاکے پلانا غلام احمدؑ کا

نہ بھولے ہونگے کبھی مولوی غلام حسن ۔۔۔ کہ ظاہری بھی ہی رشتہ غلام احمدؑ کا

کراؤں یاد محمد علی کو میں کیا کیا ۔۔۔ کہ وُہ بھی تھا کبھی ہوتا غلام احمدؑ کا

کہوں میں کیا یہ مبارک سیالکوٹی کو ۔۔۔ مُرید ہوتا ہے ایسا؟ غلام احمدؑ کا

ابھی سے چھوڑ دیا ہے بشارت احمد نے ۔۔۔ وُہ عشقِ حُسنِ خود آرا غلام احمدؑ کا

بخیر آنکھ جھپکنے کے دیکھنا امجد
تمہیں تو یاد ہی ہوگا غلام احمدؑ کا

عجب ہے تم بھی رقیبوں سے مل گئے آخر
یہ عہد خوب نباہا غلام احمدؑ کا

وُہ ذوق و شوق کی باتیں وُہ بدر کا دفتر
وُہ عہد میں نہیں بھولا غلام احمدؑ کا

وُہ گرمیوں میں کسی سرد مہر کا آنا
وُہ دیکھنا وُہ دکھانا غلام احمدؑ کا

وُہ سردیوں میں بہت گرم محفلِ احباب
وُہ دور ساغر مینا غلام احمدؑ کا

کسی عزیز کی دلچسپیوں کے ساماں ہیں
وُہ اِک خفیف سا پردہ غلام احمدؑ کا

خیال و خواب ہُوئی ہیں حکایتیں کیا کیا
زمانہ جلدی سے گذرا غلام احمدؑ کا

عجب سوال ہے اکملؔ ہو قادیان میں کون؟
اجی وُہی جو ہے شیدا غلام احمدؑ کا

یومُ الفِراق کے چند لمحے

مصیبت کی زندگی اکملؔ ترے کس کام کی
یہ نہ دُنیا کی نہ اُخریٰ کی نہ دِل آرام کی

دھار پر تلوار کی چلنا پڑے گا عمر بھر
کچھ خبر بھی ہے تجھے اے مدعیٔ اسلام کی

حُسن و احسانِ خدا پر ہے تجھے ایمان۔ مگر
خو نہیں چھوٹی ابھی تک اُلفتِ اصنام کی

ذکرِ غیر آتا نہیں میرے لبِ مشتاق پر
ہے قسم مجھ کو غلام احمدؑ کے پیارے نام کی

قول راوی ہے مقدّم قولِ ربّ الخلق سے
مولوی احسن نے اچھی قدر کی الہام کی

میری اُلفت کا جو دم بھرتے تھے دشمن ہو گئے
بات معمولی سی ہے یہ گردشِ ایّام کی

اب کہاں اہلِ نظر دُور رہ ہوسِ کارواں کا ہے
آبرو جاتی رہی عشقِ رُخِ گل فام کی

جذبۂ دِل کھینچکر اِک دن اُنہیں لے آئے گا
پختگی دیکھو ذرا میرے خیالِ خام کی

ابتدا میں آرزو و شوقِ بے حد کا ہجوم
انتہا حسرت ہی حسرت عشقِ نافرجام کی

چھیڑ خانی ہی میں لُطف آیا کیا ہمدم مجھے
بس کہ خُوگر تھی طبیعت لذّتِ دُشنام کی

کیا ہوا آنکھوں سے اوجھل کر دیا دل میں تو ہو
حاسدِ بدکیش نے اک کوششِ ناکام کی

پھیل جائے گی جہاں میں نسل اک دن دیکھنا
قادیاں دار الاماں کے حضرتِ ابراہام کی

ملک ہے ملکِ خدا چاہے جسے کر دے عطا
فکر ہے تجھ کو عبث ناداں روم و شام کی

بے نظیر اپنے زمانے میں ہو حق سے کلام
یہ نبوّت کی مسیحا نے ہے حدِّ تام کی

دیکھ لے حسنِ غلام احمدؐ کی ادنیٰ سی جھلک
دیکھنی ہو جس نے چھب۔ گوکل کے سندر شیام کی

یاد روئے انور و زلفِ معنبر میں رہا
کیا بتاؤں صبح سے اکمل نے کیونکر شام کی

لیل و نہارِ قادیان

دیدنی ہے آجکل لیل و نہارِ قادیان
لے رہا ہے لطف کیا کیا روزہ دارِ قادیان

اک بجے فیروز کی آواز سے اُٹھ بیٹھنا
اور مسجد میں نظر آنا بہارِ قادیان

قاری صاحب چھیڑتے ہیں نغمۂ دلکش وہاں
مست ہو ہو جاتا ہے ہر مے گسارِ قادیان

کوئی دو گھنٹے تناجی اپنے مولےٰ سے ہوئی
اور واپس آئے اصحاب کبارِ قادیان

گھر میں جو سامانِ سحری تھا اُسے کھایا پیا
اور اذان دینے لگا عبد الغفارِ قادیان

بس وضو سارے ہوئے دوڑے نمازِ فجر کو
سُنّتیں پڑھتے ہی آیا شہریارِ قادیان

حسنِ یوسف لحنِ داؤدی نے بیخود کر دیا
اے سر و جان و دلم باشد نثارِ قادیان

جس کی گلیوں میں پھرا آقا مرا مولیٰ مرا
سُرمہ آنکھوں کا بناؤں میں غبارِ قادیان

رکعتیں دو ہو چکیں روشن علی حق کے ولی
درسِ قرآں سے بنے رنگِ بہارِ قادیان

تین گھنٹے سے زیادہ لطف کی صحبت رہی
اور ادھر جاری ہوا پھر کاروبارِ قادیان

پڑھنے والے اپنے اپنے مکتبوں میں ہیں جمع
کرتے ہیں کسبِ علوم پُر ثمارِ قادیان

ایڈیٹرز اخبار کی ترتیب میں ہیں منہمک
دفتروں والے بھی ہیں خدمت گذارِ قادیان

الغرض پیشہ کسی کا جو بھی تھا کرنے لگا　　دست در کار است لیکن دل بہ یارِ قادیان

دوپہر ہونے کو آئی پیاس کی شدّت ہوئی　　اور سُستانے لگے کچھ دوستدارِ قادیان

دی مؤذّن نے ندا مسجد میں آؤ دوستو　　یاں بُلاتا ہے تمہیں پروردگارِ قادیان

حاضرِ دربار ہوکر عرض جو کرنی تھی کی　　اور قرآں کھول کر بیٹھے خیارِ قادیان

طالبانِ دید کو مژدہ بصد غنج و دلال　　جلوہ افروز دبستان ہے نگارِ قادیان

تشنگانِ آبِ عرفاں کو یہ خوشخبری کہ ہے　　چشمۂ کوثر سے جاری آبشارِ قادیان

جام بھر بھر کر پلائے گا تمہیں ساقی مرا　　اور بھی بڑھ جائیگا جس سے وقارِ قادیان

مسجدِ اقصیٰ میں آئے صائمین و صائمات　　تا سُنیں درسِ کلامِ کردگارِ قادیان

سخت گرمی ہے تپش ہے حبس ہے گھمسان ہے　　دیدنی ہے ذوق و شوقِ دیندارِ قادیان

پھول سے چہرے ہیں کملائے ہوئے لیکن تمام　　ہیں خوش و خورم فدائے افتخارِ قادیان

کیا بتاؤں چار گھنٹے تک سُنا کانوں نے کیا　　مست و بیخود ہوگیا ہر ہوشیارِ قادیان

نشۂ جامِ مئے عرفاں یونہی بڑھتا رہے　　حشر تک یاربّ نہ کم ہو یہ خمارِ قادیان

روحِ عیسیٰ چرخِ چہارم سے پکاری وجد میں　　مرحبا ابنِ مسیح نامدارِ قادیان

وقتِ افطار آگیا مقصود اپنا پاگیا　　ہر دل پاکیزہ و تقویٰ شعارِ قادیان

برف کی خاطر ہجومِ دوستاں۔ اسکے سوا　　گرم بازاری ہر دوکان دارِ قادیان

بعد مغرب کے عشاء کا وقت جب آیا تو پھر　　ہے وہی قرآن کی قراتِ مدارِ قادیان

یعنی مسجد نور میں سلطان حامد پڑھتے ہیں　　اور اقصیٰ میں وہی روشن ہزارِ قادیان

ختم ہوتا ہے قیام اُن کا جو آدھی رات کو　　تو "مبارک" میں کھڑے ہونگے خیارِ قادیان

یوں بسر ہوتی ہیں راتیں یوں گذرتے ہیں یہ دن　　دیکھ لو۔ دکھلا دو لیل و نہارِ قادیان

یہ جماعت کی ہے حالت اب ذرا اپنی سُنا　　او خطا کارِ زماں او شرمسارِ قادیان

داغِ حسرت کے سوا سینے میں ہے کچھ اور بھی؟　　تجھ سے بڑھ کر بھی ہے؟ کوئی شخص عارِ قادیان

کل حریفِ میکدہ نے تجھ پہ کیا فتویٰ دیا؟
اے کہ بنتا ہے زباں سے جاں نثارِ قادیان
خیر جو کچھ بھی ہُوں مَیں۔ ہُوں تو اُسی کا جو کہ ہے
جانِ عالم۔ سیّدِ والا تبارِ قادیان
واعظِ بدخُو نے ناحق وقت کو ضائع کیا
اُس کو کیا معلوم قدر و اِقتدارِ قادیان
زاہدِ حُجرہ نشیں کو ہی عبث عُجب و غُرور
کون؟ اکملؔ سے ہے بڑھ کر دلفگارِ قادیان

قیامِ رمضان کا ایک سجدہ

مُجھ سا گناہ گار بھی ارضِ حرم میں ہے
اللہ! یہ عطا ترے فیضِ کرم میں ہے
کیا کیا قصور مجھ سے شب و روز ہوتے ہیں
کہتے ہیں احمدی کہ بھلا یہ بھی ہم میں ہے
آئے نہ اعتبار تو پروا نہیں مجھے
خوش ہوں کہ تیرا نام تو میری قسم میں ہے
دل دیکے مَیں نے جان بھی دے دی کہ زندگی
ایمان کی قسم اسی بیع السّلم میں ہے
فردوس جس کو ڈھونڈتے آئے ہیں مومنیں
مَہدی کے اتّباع کے ہر ہر قدم میں ہے
مولےٰ تُو پاک۔ تیرا مسیحا بھی پاک ہے
اکملؔ کو پاک کر جو اُسی کے خدم میں ہے

(الفضل ۱۴ر جون ۱۹۲۰ء)

یاد آتے ہیں

تمہارے ہاتھ کے ساقی وُہ ساغر یاد آتے ہیں
شرابِ معرفت کے گھونٹ اکثر یاد آتے ہیں
کچوکے دے رہا ہے کوئی لیکر ہاتھ میں خنجر
مجھے رہ رہ کے تیرے تیرِ نشتر یاد آتے ہیں
مزا جو چٹکیوں میں ہی کچوکوں میں نہیں ہوتا
تمہارے عشوہ ہائے شرم پرور یاد آتے ہیں
امین آباد کے پارک میں جاکر کیا بناؤں گا
مجھے دشتِ جنوں افزا کے چکّر یاد آتے ہیں
سُنا اوروں کو لہنے دے یہ قصّے آبشاروں کے
مجھے تو نالہ ہائے قلبِ مُضطر یاد آتے ہیں

فسانے سبزہ زاروں کے اُسے بھاتے نہیں ہرگز
جسے ہر روز گیسوئے معنبر یاد آتے ہیں

دلِ ناداں کو بہلایا اُسے ہر چند پُھسلایا
مگر کیا کیجئے وہ تو برابر یاد آتے ہیں

گُلوں میں رنگ و بُو ہو کر دِلوں میں ماہرُو ہو کر
بتاؤں کیا تمہیں ہمدم وہ کیونکر یاد آتے ہیں

مُیسّر ہیں اسی گوشے میں سب سامان راحت کے
خدا جانے ہمیں کیوں غیر کے در یاد آتے ہیں

وہ پہروں دم بخود رہتی ہے کچھ ہُوں ہاں نہیں کرتی
کبھی قمری کو جب سرو و صنوبر یاد آتے ہیں

وہ کانٹے تیرے اے فیروزپور اب تک نہیں بھولے
مرے پاؤں کے چھالوں کو مکرّر یاد آتے ہیں

تعجب ہے کہ اب تک رشتہ جاں اس سے قائم ہے
دلِ پُرخون کو گلگیانے کے نشتر یاد آتے ہیں

وفا دشمن۔ کہ ہیں جان تمنّاء وفا کیشاں
بھائیں جسقدر بھی اس سے بڑھ کر یاد آتے ہیں

مَیں شیعہ تو نہیں۔ لیکن عزائم فسخ ہونے پر
علیؓ شیرِ خدا حیدرِ کرّار یاد آتے ہیں

خُدا رکھے محمّد احمدؐ و مسعود احمدؐ کو
کہ اِن کو دیکھکر شبّیر و شبّر یاد آتے ہیں

قفس میں بُلبلِ شوریدہ آہ و زاریاں کر لے
تجھے کیوں بال و پرِ گلہائے ازہر یاد آتے ہیں

مری ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے رکھ لئے جائیں
کہ اِن سے بزمِ ساقی کے وہ ساغر یاد آتے ہیں

نہ شملے جانے سے کم ہو نہ منصوری نہ ڈلہوزی
تڑپ اِس دل کی جس کو ماہ پیکر یاد آتے ہیں

کسی کا رنجِ فُرقت جب ستاتا ہے ہمیں اکمل
تو موج و قاسم و مختار گوہر یاد آتے ہیں

شکوۂ جور

دو ہی دن میں رنجِ فُرقت کا گلہ ہونے لگا
خُوب ظاہر شیوۂ صبر و رضا ہونے لگا

"ما بتو مشغول تو با دیگراں" کہنا عبث
مَیں تو اُس کا ہو چکا وہ کیوں مرا ہونے لگا

پہلے پہلے جھینپتے تھے بات کرتے رُکتے تھے
اب تو میرا اور اُن کا سامنا ہونے لگا

تیرا زُہدِ خُشک جائے بھاڑ میں اے شیخِ نجد
مَیں غریقِ لجۂ آبِ بقا ہونے لگا

خم کے خم لنڈھتے چلے جائیں کہ تیرے عہد میں
ناروا جس کو سمجھتے تھے روا ہونے لگا

گھر کی چلمن سے جنہیں تھا جھانکنا تک ناگوار
بے حجاب اُنکا گذر اب جا بجا ہونے لگا

ہر نمازِ شوق میری ہوتی جاتی ہے قضا
جب سے اُنکا حُسن سرگرم ادا ہونے لگا

نالۂ جاں سوز کیوں نکلے نہ میرے قلب سے
جو اذاں کا وقت تھا صرفِ درا ہونے لگا

یاد آ آکر مجھے وُہ درس نورُالدینؓ کا
اِس دلِ ناشاد میں ناسُور سا ہونے لگا

اِس مئے کُہنہ کے دو ہی گھونٹ پلوا دو مجھے
حال بد سے بدترین ساقی مِرا ہونے لگا

خُوب کُھل کھیلو ملو غیروں سے جو چاہو کرو
کیا بگڑتا ہے مِرا مَیں کیوں خفا ہونے لگا

ضبطِ رازِ عشق کا اکمل یہی تھا حوصلہ
شکوۂ جورِ بُتاں یُوں برملا ہونے لگا

(۲۴ نومبر ۱۹۱۷ء)

فراقِ یار

کبھی پھر قادیان دارالامان میں تم کو آنا تھا
مِری جاں اِس دلِ اندوہگیں کا غم گھٹانا تھا

اگر سردی میں آکر گرم محفل کر نہیں سکتے
تو گرمی کے دِنوں میں چاند سا مُکھڑا دِکھانا تھا

مریضِ غم کی حالت دیکھ جاتے اپنی آنکھوں سے
کبھی تو زخمِ دل پہ ہاتھ سے مَرہم لگانا تھا

کبھی فُرصت میں آ ملتے محبّت سے عنایت سے
شبِ فُرقت کا افسانہ تمہیں اِکدن سُنانا تھا

تمہیں بھی یاد ہوگا وُہ زمانہ عیشِ ماضی کا
اُسی کا حال کہکر جانِ من رونا رُلانا تھا

عمارت جسکی بنیاد اپنے ہاتھوں تم نے ڈالی تھی
مکمل ہو چکی ہے۔ آکے اب اِس کو بسانا تھا

جو تخمِ شوق میری کشتِ دل میں تم نے بویا تھا
وُہ بُوٹا بن چکا سایہ میں اُسکے بیٹھ جانا تھا

وُہ میرا ہو کے پھر میرا نہیں بنتا نہیں بنتا
مِری بگڑی بنانا تھا نہ یُوں مجھ کو ستانا تھا

کِیا آباد جس نے اب وُہی برباد کرتا ہے
مِرے مولا تیری رحمت کو یہ دن بھی دِکھانا تھا

نگاہِ دوستاں میں آجکل مقہور رہتا ہوں
کبھی باہم محبّت کا عجیب اک کارخانہ تھا

"غلام احمد" وہ پیارا نام ہے جس نام کی خاطر
وطن کو چھوڑ کر دارالامان میں ہم کو آنا تھا
سُنا ہے شیوۂ اسلام رکھتا ہے بُتِ کافر
سراپا اشتیاقِ اکملؔ سے بھی اسکو ملانا تھا

سونگھڑے کے احمدی احباب

سونگھڑے کے احمدی احباب پر جور و ستم
ظالمو! کردیگا اُن کو اَور بھی ثابت قدم

تم گھٹانا چاہتے ہو جنکو وہ بڑھ جائینگے
آج ہیں اُترے ہوئے ناخُن تو کل بدرِ اتم

تم مٹانا چاہتے ہو وہ نمایاں ہو چکے
پیش چلنے کی نہیں کچھ بھی لَقَدْ جفّ القلم

دشمنانِ حق سُنو! طوفاں میں ہم ہیں چٹاں
حافظ و ناصر ہمارا ہے خدائے کیف و کم

یہ وہ پتھر ہے کہ جس پر جو گرا فوراً مرا
اور جسپر یہ گرا ٹکڑے اُسکے ہوئے یکدم

اِس تجارت میں کبھی نقصاں ہونے کا نہیں
نقد جاں دیکر خدا سے ہم نے کی بیع السلم

سینکڑوں بسمل ہوئے جاتے ہیں اِک بسم اللہ سے
کیا سمجھتے ہو اُسے تم آریوں کی اوم شم

قرض ہے واپس ملیگا ایک دن سارا اُدھار
نوٹ کرلیں یہ ہماری بات اربابِ ستم

باز آجاؤ اذیّت سے کہ وہ مولیٰ قدیم
مومنوں کے واسطے رکھتا ہے غیرت لاجرم

میرے پیارے بھائیو! اکملؔ کی جاں تم پر فدا
کونسے لفظوں میں ظاہر ہو مرا رنج و الم

حیف ہے دُنیا کی ہو گرداوری جنکے سُپرد
رو کے جائیں یوں گھروں میں از رہِ ظلم و ستم

جانور پانی پئیں لیکن نہ پی لیں احمدی
کیا یہی اِسلام ہے اُن کا یہی عدل و کرم

مسجدوں میں اُن کی چمگادڑ رہیں کُتّے پھریں
احمدی لیکن نہ ڈالے سبت کے دِن بھی قدم

ہائے دِل میں درد ہے اور لب پہ آہ سرد ہے
لکھ رہا ہوں نامۂ محزون یہ میں با چشمِ نم

اے مرے پیارو مسیحا کی یہی تعلیم ہے
تم دُعائیں دو اگر کرتے ہیں وہ سبّ شتم

وہ بھی دِن آتا ہے گھبراؤ نہیں نزدیک ہے
جب نہ قصرِ عافیت میں پھینکے جائینگے یہ بم

احمدیت ہوگی مرغوبِ دلِ اسلامیاں
کامیابی سے بدل جائینگی سب ناکامیاں

جذباتِ شوق

اے مسیحا کے صحابی - مرحبا - خوش آمدی
جاں نوازِ اکملِ رنگین نوا خوش آمدی

واہ میرے واسطے لایا ہی کیا مضرابِ درد
سازِ دِل یکسر ہوا نغمہ سرا خوش آمدی

آکہ در یادِ شہِ خُوباں دمے ساغر زنیم
قصۂ ہجراں بگو ایں جا بیا خوش آمدی

کس کنے جوگی بھئے - کس کس دوارے پر گئے
کیا کہیں دیکھا "مِرا احمد" پیا خوش آمدی

آبلہ پائی نے چلنے میں کہاں تک کی مدد
اور کانٹوں نے دِیا کیسا مزا خوش آمدی

اس مِرے کمسن پہ دیکھ آیا ہی کیا حُسنِ شباب
لُوٹ لے ساری بہاریں مرحبا خوش آمدی

دیکھ تو کیسی کھچی ہے اِس کے ابرو کی کمان
تیرِ مُژگاں کا نشانہ دِل بنا خوش آمدی

ہے جوانی جوش پر - زُلفِ دوتا ہی دوش پر
تا کمر پہنچی تو کیا ہوگا؟ بتا خوش آمدی

مدھ بھرِی نیناں میں سُرخی کی جھلک کہتی ہے کیا
آنکھوں ہی آنکھوں میں مجھ سے بول جا خوش آمدی

آ رہی تھی سب کو جس یُوسف کی خوشبو دیر سے
آج ہے ہر سُو وُہی جلوہ نما خوش آمدی

بھائیوں کو کیوں نہ بھائی چھوٹے بھائی کی ادا
مختصر یہ آگئی اُن کی قضا، خوش آمدی

ہم نے کی اُن کی دوا - لیکن مرض بڑھتا گیا
دِی نہ کچھ عسلِ مُصفّیٰ نے شفا خوش آمدی

ہم نے سمجھایا بڑا - لیکن نہ وُہ سمجھے ذرا
اب اُنہیں سمجھے خُدا - اپنی سُنا خوش آمدی

تُو نے جن آنکھوں سے دیکھا شاہدِ مقصود کو
مَیں اُن آنکھوں پہ فدا - صَلِّ علیٰ خوش آمدی

تُو نے جن ہاتھوں سے مسّ جسمِ مطہرؑ کو کیا
وُہ مسِّ دِل کے لئے کیمیا خوش آمدی

آکہ پھر افسانۂ عہدِ کُہن تازہ کریں
پھر ہمیں اِک دُوسرا موقع ملا خوش آمدی

جاں کریں جاناں پہ قرباں - قُربِ حق حاصل کریں
اور اِک دُنیا کو اپنے عشق کا قائل کریں

(الفضل ۶ - مارچ ۱۹۲۰ء)

پٹیالہ میں ورودِ محمود

مبارک ہو کہ محمودِ زمن آیا ہے پٹیالے
خلافت کی ردا دوشِ حیا پر ناز سے ڈالے

محمدؐ دیکھنے کا شوق تھا احمد ہیں دیکھا ہے
اب احمد دیکھنے والا اُسے محمود ہیں پالے

مبارک ہو کہ موعودِ خدا خود چل کے گھر آیا
نگاہِ شوق گرما لے دلِ شیدا قدم جا لے

عیاں ہے سُورہ وَالشّمس کی تفسیر چہرے سے
سوادِ زُلف میں واللیل کے معنی ہیں پُر ہوالے

بجز کُچھ شپرہ چشموں کے سب نے نُور یہ دیکھا
کہ اصحابِ بصیرت ہو رہے ہیں اسکے متوالے

کسی چابی سے کھُلنے میں نہیں آتے نہیں آتے
الٰہی اِن دِلوں کو کھول کیسے لگ گئے تالے

وُہ شرحِ صدر سے ایمان لائیں پاک احمدؐ پر
بشیر احمدؐ شریف احمدؐ ہیں جسکے گیسُوں والے

مسیحِ وقت نے اِسلام کو پھر زندہ فرمایا
نہیں تو پڑ رہے تھے ہم کو اپنی جان کے لالے

ترقّی ہر طرح کی ہے اِسی دامن سے وابستہ
یہیں سے دین سنبھالے یہیں سے آ کے دُنیا لے

صحابہؓ نے جو پایا ہم نے بھی وَاللہ پایا ہے
جسے شک ہو وُہ بھی مان کر انعام سب پالے

دُعا کر بارگاہِ کبریا میں اَے مِرے آقا
کہ پھیلے احمدی مذہب ہمارا خُوب پٹیالے

تصدّق تجھ پہ جائیں احمدی خُدّام کی ہوویں
مِرے مُرشد مِرے ہادی او قادیاں والے

۲۶ مئی سنہ ۱۹۱۸ء کی صبح

صبح ننگل کی طرف جاتے ہُوئے مَیں نے سُنا
ایک دیہاتن نے اپنی ساتھ والی سے کہا

جس طرف دیکھو بُڈا ہیں احمدی ہی احمدی
قادیاں اب تو اِنہیں کی ہو چکی ہے برملا

ساتھ والی نے کہا یہ احمدی کیا چیز ہے
مَیں نہ جانوں نام ہے یہ مُلک کا یا ذات کا

وُہ لگی کہنے بُڈا یہ ٹوپیوں والے جو ہیں
مولوی جن کو اکٹھا کر گیا ہے میرزا

بُٹراں سے لیکے ننگل تک یہ ہیں چھائے ہُوئے
بڑھتے جاتے ہیں اب آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

"ساتھ والی" نے کہا کس واسطے یہ آئے ہیں — دُوسری بولی کشش ہے آب و دانہ کی بُوا
بھوکے مرتے آئے تھے اب تو مکانوں والے ہیں — عیش کرتے ہیں خُدا کا فضل ہے اِن پر بڑا
آہ! مُجھ سے پُوچھتیں تو مَیں بتا دیتا اُنہیں — احمدیّت اِس فضا میں نام ہے کِس چیز کا
احمدی کہتے ہیں کِس کو کِس لئے آیا یہاں — سَرزمینِ قدس میں ہجرت سے کیا مقصود تھا
اپنی اپنی بستیوں میں ہم مزے سے رہتے تھے — آسماں پر ناگہاں پھُونکا گیا اِک کرّنا
جمع ہو جائیں سعادتمند رُوحیں آن کر — قادیاں دارالاماں میں احمد مُرسل ہُوا
ہم سبھی گھر بار والے کھاتے پیتے خوش بہ خوش — بستے رَشتے اَور رکھتے تھے بہت سے اقربا
ہم زمینوں والے تھے ہاں مکانوں والے تھے — بھوکے ننگے تو نہیں تھے تم ہمیں سمجھے ہو کیا؟
تم سے بہتوں کی خدا کے فضل سے کی پَرورش — راہِ مَولا میں کئی لوگوں کو گھر والا کیا
ایک اللہ کے منادی کی ندا پہنچی تو ہم — سر کے بل پہنچے اور آمَنّا و صَدّقنا کہا
چھوڑ کر گھر بار خویش و اقربا، مال و منال — ہم ہُوئے حاضر یہ دربارِ مسیح مجتبےٰ
اُسکے قدموں میں گرتے گرتے ہی مٹّی میں رُلے — تا فنا کے بعد پا جائیں کسی دن ہم بقا
تم یہ سمجھے مِٹ گئے لیکن خدائے پاک نے — زِندگی بخشی جو کھویا تھا وہ سب واپس ملا
کُشتگانِ خنجرِ تسلیم نے پائی حیات — عشق ہم آغوش آخر حسن سے ہو ہی گیا
اب یہ طبقۂ جنّت الفردوس ہی اپنے لئے — گلشنِ احمد میں ہر سُو ہی بہارِ جانفزا
ہے اسی میں رہنا سہنا مُدّعائے مومناں — رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا۔ اکمل دُعائے مومناں

۲۳ جون ۱۹۱۸ء

اُن کی چوکھٹ پر

اب تو تنہا تم کبھی ملتے نہیں مَیں کیا کروں — غیر سے سرگوشیاں ہوں اَور مَیں دیکھا کروں
شوق کی باتیں کہوں کیونکر کسی کے سامنے — چاہتا ہے جی کہ جو کچھ مَیں کروں تنہا کروں
صُبح لے آتا ہے مجھ کو تیری پابوسی کا شوق — شام ہی سے پھر تہیّا از پئے فردا کروں

آسماں کے سایہ کے نیچے بہت کی دوڑ دھوپ
شرم آتی ہی مجھے اِس واسطے رُکنا پڑے
یہ تو مَیں سمجھا۔ بہت اچھا سرِ تسلیم خم
قادیاں دارالاماں۔ دارالشفا ہی بے گماں
کُوئے جاناں میں رقیب رُوسیاہ کا کام کیا

اب کہاں مَیں تم سا کوئی ماہرو پیدا کروں
تم سراپا ناز ہَیں۔ اغیار میں شکوا کروں
"تم مجھے چاہو نہ چاہو میں تمہیں چاہا کروں"
اے خدا جبتک جیُوں مَیں تو یہی سمجھا کروں
یہ تو سمجتا ہے مجھی کو اِس جگہ گھوما کروں

مال تو کیا چیز ہے یہ جان بھی کر دوں نثار
تب مجھے زیبا ہے **اکمل** عشق کا دعویٰ کروں

(الفضل ۲۲ رجولائی ۱۹۱۸ء)

مشکوٰۃ کی پہلی حدیث

بیٹھے ہوئے حضور علیہ السّلام تھے
اور اِرد گرد چند صحابہ کرام تھے
ناگاہ ایک اجنبی بالکل سفید پوش
کالے سیاہ بال ردائے سفر بدوش
آیا اور آکے بیٹھ گیا یُوں ادب کے ساتھ
قعدے میں جیسے رکھتے ہیں زانو پہ اپنے ہاتھ
اور عرض کی حضور! ہے اسلام چیز کیا
ازادیانِ باطلہ سے ہے اِس کی تمیز کیا
فرمایا یہ کہ تیری شہادت ہو برملا
معبود کوئی بھی نہیں اللہ کے سوا
اور یہ گواہی دو کہ محمدؐ رسول ہے
جو کچھ خدا سے لایا وہ دِل سی قبول ہے
پھر تُو نماز پڑھتا رہے اور زکوٰۃ دے
اور حج خانہ کعبہ بھی کرلے جو ہو سکے
کہنے لگا سچ ہی۔ جو فرمایا آپ نے
ایمان کیا ہے۔ یہ بھی مجھے اب بتائیے

فرمایا یہ کہ اپنے خُدا کو تُو مان لے
ذات و صفات و فعل میں یکتا ہی جان لے
اس کے ملائکہ کی جو تحریک ہو کبھی
تعمیل اس کی چاہیئے۔ کرنی اُسی گھڑی
اسکی کتابوں اُسکے رسولوں کو مان لے
اور یوم آخرت کو بھی سچا ہی جان لے
کہنے لگا۔ کہ آپ نے واللہ سچ کہا۔
اِحساں کے معنی بھی مجھے سمجھائیے ذرا

فرمایا۔ یہ کہ بندگی اللہ کی تُو کرے / گویا کہ دیکھتا ہے۔ اُسے اپنے سامنے
گر یہ نہیں تو اتنا تو لازم ہے بالضرور / سمجھے کہ دیکھتا ہے مُجھے خالقِ غیوّر
پھر پوچھنے لگا۔ کہ کب آئیگی وُہ گھڑی / جس کا خُدا نے وعدہ کیا تُجھ سے اے نبی
فرمایا۔ کیا خبر مجھے۔ اللہ ہے جانتا۔ / سائل سے بڑھ کر اِس کا نہیں ہے مُجھے پتا
یہ سُن کے عرض کی کہ نشاں ہی بتائیے / کُچھ کُچھ تو حال اِس کا ہمیں بھی جتائیے
فرمایا۔ دیکھ لوگے مری قوم سربلند / اُور لونڈیوں کے بطن سے سردار ہوشمند
یہ خستہ حال لوگ جو ریوڑ چَراتے ہیں / دیکھو گے تم عمارتیں کیسی بناتے ہیں
سر پہ پیر انکے ننگے ہیں لیکن وُہ عنقریب / اب تاجدار ہونگے نہایت ہی خوش نصیب
سُن کر چلا گیا تو نبی پاکؐ نے کہا۔ / معلوم کیا عمرؓ کو ہے۔ سائل یہ کون تھا
حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ کیا خبر مجھے / اللہ اُور رسُولؐ کے رازوں کی ہو سکے
جبریلؑ تھا حضورؐ نے فرمایا سب سنو! / آیا تھا۔ تا سکھائے تمہیں دین دوستو!

مسیحی معجزہ

یہ معجزہ جو شائع امصار ہو گیا / جس نے سُنا خُدا کا پرستار ہو گیا
عبدالرحیم ابن محمد علی رئیس / اِک دفعہ کا ہے ذِکر کہ بیمار ہو گیا
بیمار ایسا سخت کہ قائم نہ تھے حواس / بچنا مریض بچّے کا دُشوار ہو گیا
سرسام سے زبان تو پہلے ہی بند تھی / اب آنکھ کھولنے سے بھی بیزار ہو گیا
تھا مُحرقہ شدید کہ آخر طبیب بھی / کُچھ چارہ اُور کرنے سے ناچار ہو گیا
آخر وُہ نُورِ دیدۂ اِسلام یعنی نُور / حاضر حضور سیّدِ ابرار ہو گیا
کی عرض وُہ علاج کی حد سے گذر چکا / بس قابلِ توجہ سرکار ہو گیا
بس اُسکی زندگی بظاہر نہیں اُمّید / اِلّا جو فضلِ حضرتِ غفّار ہو گیا

سُنکر یہ بات آپ تو اندر چلے گئے
دروازہ پر کھڑا وہ خدا یار ہوگیا

اللہ کو اپنے بندے سے راز و نیاز تھا
خواہانِ تندرستیٔ بیمار ہوگیا

لیکن ز بارگاہِ خداوندِ کائنات
صحت بحال کرنے سے انکار ہوگیا

تقدیرِ مبرمہ ہے۔ تو پھر کیا مسیحِ وقت
اس کا شفیع بننے کو تیار ہوگیا

لیکن سُنی ندا کہ اجازت بھی ہے تمہیں؟
خود ہی سوارِ کشتیٔ دِلدار ہوگیا

فرماتے ہیں۔ حضور کہ نادم ہُوا بہت
یہ کیا کیا۔ خلافِ ادب کار ہوگیا

آخر بڑے ہی لُطف و محبت سے پیار سے
نازل کلامِ داور دادار ہوگیا

ارشاد پاک اِنَّکَ اَنْتَ الْمُجَاز سے
محبُوب ذوالجلال کا مختار ہوگیا

باہر خوشی خوشی نکل آئے کہ لیجئے
اب تندرست آپ کا بیمار ہوگیا

دو گھنٹہ سے کھڑا تھا وہیں نورِ دین پاک
جو اِس ادب کی وجہ سے سردار ہوگیا

سُن کر یہ مُژدہ لوٹے تو حالت بدل گئی
اور مطمئن ہر اِک دلِ غمخوار ہوگیا

جب ایسٹن سرپ کے دو قطرے دیئے گئے
بے ہوش تھا جو پہلے وہ ہشیار ہوگیا

پھر رفتہ رفتہ جسم میں طاقت بھی آگئی
اَور نوجواں وجیہ خوش اطوار ہوگیا

یُوں مُردے زندہ ہوتے ہیں سُن لو مخالفو!
یُوں میرزا مسیح ہر آزار ہوگیا

الغرض نشان میرے مسیحا کے ہیں کئی
جن میں سے ایک نظم میں تیار ہوگیا

۱۹/ جنوری ۱۹۱۳ء

پیارا دوست

کل ایک پیارے دوست نے مجھ سے کہا کہ ہاں
آخر ہیں وہ بھی معتقدِ مہدئ زماں

اُن کو بھی ہے خلوص و محبت مسیح سے
وُہ بھی ہیں خادمانِ شہنشاہِ انس و جاں

بیعت اگر خلیفۂ ثانی کی۔ کی نہیں
تو کیا ہُوا۔ صحابہ میں ایسے تھے بے گماں

کیوں کُفر اَور فسق کا فتویٰ لگاتے ہو
کیوں آپ کھینچے رکھتے ہیں ہر وقت کماں

میں چاہتا ہوں صلح ہو آپس میں آپ کی — مل کر ہو کام۔ یعنی اخوت ہو درمیاں
میں نے کہا کہ دودھ جو پھٹ جائے ایک بار — اصلاح کا وہ پا نہیں سکتا کبھی نشاں
پھر یہ کہا۔ کہ جانِ برادر تو غور کر — مرزا[1] کو مانتے ہیں وہ کب مہدئ زماں
وہ مہدی و مسیح جو موعودِ خلق تھا — اُس کا نشان یہ ہے نبی ہوگا بے گماں
اور جو نبی رسول نہیں مانتا اُسے — ایسا نبی کہ جیسے محمدؐ خدا یگاں
ایمان اُس کا حضرتِ مرزا پہ کچھ نہیں — مُنہ سے اگر کہے۔ تو ہے دِل منکرِ جان
ارشاد ہے کہ قدرتِ ثانی بھی آئے گی — یعنی ہے میرے بعد خلافت مرا نشاں
فرزند اِک گرامی و دِلبند فضل ہے — محمود نام مصلح موعود اُس کی شان
صدر انجمن کی کثرتِ رائے قطعی جانیو — اور سلسلہ کا دائمی مرکز ہے قادیاں
انکار ساری باتوں سے کرتے ہیں اور ابھی — وہ مخلص و محبِّ مسیحا ہیں الاماں
احمد کا ہے جو حُسن میں احسان میں نظیر — کہتے ہیں۔ اسکو غاصب و مُشرک یہ بدزباں
پھر اسپہ بس نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ سب — دیتے ہیں اہل بیتِ مسیحا کو گالیاں
بے غیرتوں کو اُن سے اگر پیار ہو تو ہو — غیرت نہیں ہی جسمیں وہ اِنسان ہے کہاں
اصحاب میں تو ایسا کوئی آدمی نہ تھا — اپنے نبی پہ اُن سے نہ تھا کوئی بدگماں
بیعت نہ کرنے والے کو فاسق خدا کہے — ہم کیا۔ ہمارا فتوئ بھی کیا سوچ میری جاں
جو تیرے پیارے باپ کو کہدے کہ ہے بُرا — یا اُسکو اور طرح سے دیتا ہو گالیاں
ہرگز تو اُس کے ساتھ کبھی بولتا نہیں — بلکہ سمجھتا ہے اُسے اپنا عدوئے جاں
لیکن یہ پیر جان سے پیارا عزیز قوم — اِسکے لئے دِکھائے نہ غیرت تو اے جواں
احمد کے دِل کو چیر کے پھینکیں زمین پر — اور تو جو کہے کہ اُن سے محبت ہو درمیاں
لاحول پڑھتا ہوں۔ میں خیالِ خبیث پر — دُنیا و دِین کا جس میں نظر آتا ہے زیاں
محسن کشوں سے کچھ بھی تعلق نہیں مجھے — اِنّی ترکتُ مِلّۃَ قومٍ ہے برزباں

---

[1] باعتبار نفس نبوت لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ (اکمل)

ہر چند تجھ سے میرا نہایت پیار ہے
بیشک تو میرے مزرعۂ دل کی بہار ہے

جو بات میں نے تجھ سے کہی تو نے مان لی
اور میں نے بھی کبھی نہیں رکھی چھپی ڈھکی

تیرے بغیر کل نہیں پڑتی یہ ٹھیک ہے
میرا تو رنج و راحت و غم میں شریک ہے

لیکن معاملہ ہے - یہ دینِ رسول کا --
اس کے علاوہ گلشنِ احمد کے پھول کا -

اس واسطے یہ مشورہ مجھ کو ہے ناپسند
حتّٰی تفیٓء شرط پہ ہوتی ہے جنگ بند

لے ہم سے سُن لے بات جو پہلے سُنی نہیں
غیرت نہیں ہے - تجھ میں تو ایمان بھی نہیں

(ستمبر ۱۹۱۴ء)

مسیحِ موعودؑ

کہتے ہیں کہ بیمار کو عیسیٰ نہیں ملتا
ڈھونڈے اگر انسان تو کیا نہیں ملتا

عیسیٰ تو بہت دیر ہوئی آ بھی چکا ہے
ناداں ہیں جو کہتے ہیں - کہ عیسیٰ نہیں ملتا

یہ کیا ؟ کہ برات آپ کی موجود ہے لیکن
احبابِ صفا کیش میں دولہا نہیں ملتا

پہلے کسی موسےٰ پہ وہ ایمان تو لائیں
پھر ہم سے تقاضا ہو - کہ سلویٰ نہیں ملتا

وہ مالِ دل و جاں سے خریدار ہوں جس کا
ہر چند کہ میں نے اُسے ڈھونڈا نہیں ملتا

اس گلشنِ ہستی میں بہت پھول کھلے ہیں
لیکن مجھے وہ نرگسِ شہلا نہیں ملتا

محنت ہی سے ملتا ہے جو ملتا ہے جہاں میں
سونے سے تو اے جاں کبھی سونا نہیں ملتا

مذہب وہی سچا ہے کہ جو آج دلائے
ہے کون جسے وعدۂ فردا نہیں ملتا

وہ چشمۂ ہدایت کا جو پھوٹا ہے یہاں سے
کیا کوثر و تسنیم سے سوتا نہیں ملتا

وہ آئیں نور مرے چاند کا دیکھیں
تاریکی میں جن کو کوئی رستہ نہیں ملتا

اسوقت بشر اور بھی گذرے ہیں نظر سے
لیکن کوئی محمود سا پیارا نہیں ملتا

ہیں علم و فضیلت میں نظیر آپ ہی اپنی
واللہ اولوالعزم بھی ان سا نہیں ملتا

اس خاک کے ہر ذرّہ میں ہے طُور کا جلوہ
غیروں کو مگر دیدۂ بینا نہیں ملتا

صادق سے یہ کہدو کہ ترا صدق ہے روشن
کاذب کو نتیجہ کبھی اچھا نہیں ملتا

تھے مُوجبِ تسکینِ دلِ مضطر اکملؔ
اب کچھ بھی پتہ اُن رُفقا کا نہیں ملتا

پیارے عبدالحیؔ

پیارے عبدالحیؔ تجھے رُخصت تو کر سکتے نہ تھے
ہم مگر تیری جگہ افسوس مر سکتے نہ تھے

تو جُدا ہم سے ہُوا دل ہو رہا ہے بے قرار
اپنے کاموں کے مصالح جانے خود پروردگار

آہ! پیارے۔ ماہ پارے۔ تو سپردِ خاک ہو
اور اس کا دیکھنے والا یہ سینہ چاک ہو

کچھ کہا جاتا نہیں۔ چُپ بھی رہا جاتا نہیں
گر نہ ہوں مومن تو یہ صدمہ سہا جاتا نہیں

یاد آتی ہے۔ مجھے رہ رہ کے تیری پیاری شکل
آہ وہ آنکھیں بڑی۔ خوشرنگ سب سے نیاری شکل

تیرا وہ فہم و ذکا۔ وہ شوقِ تحصیل علوم
مدرسے کے ماسوا دینی کتابوں کا لزوم

عمر چھوٹی مگر باتوں میں تھی سنجیدگی
"اے رُخِ زیبائے تو رشکِ بُتانِ آذری"

یادگارِ نورؓ تجھ کو جانتے تھے ہم سبھی
اور یہ جو کچھ ہُوا آیا نہ تھا دل میں کبھی

آہ! کیا کیا یاد کر کے روؤں۔ رونا منع ہے
درد کہتا ہے۔ نہیں۔ خاموش ہونا منع ہے

تیری امّاں۔ اشکبار امّاں کی حالت ہے بتر
جس کا تو لختِ جگر تھا۔ جس کا تو نورِ نظر

جس کے گھر کا چاندنا تھا۔ جس کا تو خورشید تھا
جس کی تو اُمّید تھا۔ ہاں جسکی تو اک عید تھا

تیرے ننھے ننھے بھائی اور سب احباب و خویش
اک سے اک بڑھ کر ہراساں و پریشان سینہ ریش

بس یہی دو فقرے ہو سکتے ہیں اب وجہِ سکوں
انّا للّٰہ اور پھر انّا الیہ راجعون

اچھا اللہ کے حوالے ملئے ابّا جان سے
یعنی الحقنا بھم کی آیتِ قرآن سے

قادیاں کے رہنے والوں کا اُنہیں دیجئے پیام
بھیجتے ہیں صبح و شام۔ اُنپر ہزاروں ہی سلام

فتنہ پردازی سے باز آئے نہیں نااہل لوگ
یہ جماعت کی ترقی میں بنے ہیں سخت روگ

اک دُعا کیجئے کہ ان کو بھی ہدایت ہو نصیب ‏ تا کہ پھر بنجائیں ویسے ہی ہمارے حبیب

تفرقہ بھاتا نہیں ہے۔ اکملِ غمناک کو

خادمِ احمدؑ غلامِ سیدِ لولاکؐ کو ‏ دسمبر ۱۹۱۵ء

اعدائے خلافتِ ثانی

سرگرم تخلیہ اُنہیں محفل میں جا لیا ‏ ایسا لیا مروڑ کے گردن ۔ دبا لیا

پُوچھا اُنہیں یہ مشورے کیسے ہیں ہو رہے ‏ کیوں جمع انجمن میں یہ پیسے ہیں ہو رہے

کس پر تبرّہ بازی ہے یُوں بے دریغ آج ‏ کس کے لئے نیام سے باہر ہے تیغ آج

سانپوں کے بچّے کہتے ہو کن کن کو بار بار ‏ کس کے نبی نہ ہونے پہ باتیں ہیں زور دار

کس کی خلافت آپکی آنکھوں میں خار ہے ‏ جو ہاتھ سے نکل گیا کس کا شکار ہے

کس نے تمہاری خواہشوں کا خون کر دیا ‏ کس بات نے تمام کو مجنون کر دیا

کھسیانے ہو کے کہنے لگے کچھ نہیں یُونہی ‏ احباب جمع ہو کے تھے بیٹھے ہُوئے سبھی

سینے ہمارے نارِ حسد سے ہیں جل رہے ‏ کچھ گرم گرم فقرے ہیں مُنہ سے نکل رہے

مرتے ہیں بُغضِ اہلِ رسالت مآب میں ‏ جیتے ہیں سخت ذلت و حالِ خراب میں

اب آ رہا ہے جلسۂ سالانہ اس لئے ‏ بیٹھے ہیں۔ ہم تہیۂ طوفاں کئے ہُوئے

کچھ خواجہ فیکٹری میں بنائے گئے ہیں بم ‏ اُن کے چلانے کے لئے کرتے ہیں مشق ہم

کچھ تیر ہیں بجھے ہُوئے زہر شدید میں ‏ کچھ گولے ہیں ڈھلے ہُوئے نارِ یزید میں

اُن پر امیرِ قوم کی ہے مُہر کا نشاں ‏ محنت نہ جائے مرہمِ عیسےٰ کی رائیگاں

یہ سب چلائے جائیں گے آلِ مسیح پر ‏ حملے ضرور ہوں گے کمالِ مسیح پر

میں نے کہا۔ کہ جاؤ ڈراتے ہو کس کو تم ‏ اور تیز تیز دانت دکھاتے ہو کس کو تم

حصنِ حصینِ دادرِ دادار میں ہیں ہم ‏ خدّامِ خاصِ احمدِ مختار میں ہیں ہم

اللہ ہمارا حافظ و ناصر ہے ہر گھڑی ہم عاجزوں پر اُس کی عنایات ہیں بڑی

کافی ہے خود قتالِ عدو کیلئے وُہ ذات

تبلیغ سِلسلہ میں ہمیں بخشیگا ثبات (دسمبر ۱۹۱۵ء)

پیامِ سلام بر روضۂ حضرت امامؑ

مقبرہ میں جب کبھی جاؤ تو از راہِ نیاز
اِک طوافِ شوق کرنا گردِ اس دربار کے

عرض کرنا اکملؔ خستہ جگر قربان ہے
اِس حریمِ قدس اِس دربارِ پُر انوار کے

صد ہزاروں رحمتیں نازل ہوں ہر دم آپ پر
آپ ہیں آقا۔ غلامِ احمدِ مختارؐ کے

اِس سِیہ کارِ زمن پر اِک نگاہِ لطف ہو

تا کسی دن ہو سکے قابل وُہ بزمِ یار کے

دُرِّ ثمینِ اُردو

دُرِّ ثمین ہماری۔ ہے جان سے بھی پیاری
قوموں کی رُستگاری۔ مرکوز اس میں ساری

کہتا ہے کون خبطی۔ ہو جائے اُس کی ضبطی
یہ نہر تو رہے گی۔ تا حشر یُونہی جاری

انگریزی سلطنت میں۔ ظلم وستم کی باتیں
اے آریو تمہاری۔ کیوں مت گئی ہے ماری

دیکھو زباں سنبھالو۔ ناحق نہ فتنہ ڈالو
مضمون وُہ نکالو۔ جس سے ہو صلحکاری

کیا کانٹے بو رہے ہو۔ ایمان کھو رہے ہو
یُوں ہم سے ہو رہے ہو تم کیوں چھری کٹاری

مذہب نہیں سکھاتا۔ آپس میں بیر رکھنا
دیکھو! یہ پھل نہ چکھنا گر زندگی ہے پیاری

آؤ تمہیں بتائیں۔ اِسلام کی ادائیں!
پھولی پھلی دکھائیں۔ ایمان کی کیاری

دُرِّ ثمیں کیا ہے۔ گنجینۂ ھُدیٰ ہے
مذہب بِن رہنما ہے۔ سِکھائے دینداری

اِس میں خبر ہے کُل کی۔ پرماتما کے بَل کی
گو دیکھنے میں ہلکی۔ باطن میں سخت بھاری

نظمیں لکھی ہیں جس نے - واقف ہو خوب اُس سے
جس کی دُعا سے آخر - ماتم پڑا تھا گھر گھر
اچھا نہیں ستانا - پاکوں کا دِل دُکھانا
مرزا غلام احمدؑ - محبوب ربِّ باری
باطِل کے سَر پہ چل کر قہرِ خدا کی آری
تخمِ فنا کا کھانا - سمجھو نہ ہوشیاری

کہتے ہیں جھوٹ اکمل دُرِ یتیم مٹے گی
باطل کی جڑ ھ اِسی سے اے آریو! کٹے گی

(۲۳ جولائی سنہ ۱۹۱۸ء)

روضۂ امام پر حاضری

مسیحِ پاک کے روضے پہ حاضری دینا
خلافِ طبع نہ گزرے تو پُوچھ لُوں اِتنا
دُعا بھی اُس سے جو ہے خالق و مَلیکِ قدیر
اُسی نے آپ کو یہ درجۂ بلند دیا
یہانتک آپ کو حاصل ہُوا تقربِ خاص
اُجیبُ کُلّ دُعائِکَ سے سَر بلند ہُوئے
سپرد کی گئی تکوین بھی - مگر سچ ہے
ہمارے نفع و ضرر پہ نہیں ذرا قادر
دُعا میں کیا ہے! مراتب بلند ہوں اُنکے
جماعت اُن کی صحابہ کے کام دِکھلائے
زبان پہ ہو کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ
اگر یہ شرک ہے تو رہنے دیں مجھے مُشرِک
یہی ہے مذہبِ عُشّاق اور رہیگا یہی

جنابِ واعظِ مِلّت نے شرک فرمایا
کہ شرک ہو گیا کیونکر دُعا وہاں کرنا
غریب پرور و بندہ نواز - ہر داتا
اُسی نے وحیٔ اَنَا مَعَکَ سے خطاب کیا
نئی زمین - نیا آسماں - کیا پیدا
خطاب یَا وَلَدِیْ بھی زبانِ حق سے سُنا
یہ سب عطیۂ باری مجاز پر در تھا
نہ ہیں کبھی ہُوا قائل سماعِ مَوتیٰ کا
وُہ سب ملے اُنہیں جو اور انبیاء کو ملا
بڑھی چڑھی رہے باصد کمالِ صدق و صفا
دِلوں میں شورِ صَلوٰۃ و سلام صَلِّ عَلٰی
کہ ہے اسی میں نجاتِ فقیرِ مولانا
اسے تو کوئی بھی اکمل بدل نہیں سکتا

عَلَی الصَّباح کہ مردم بکار و بار روند
بلاکشانِ محبّت بکوئے یار روند

نصیحت گوش کُن

مظہر الحق نام ہے۔ باطل پرستی کام ہے
مولوی صاحب یہی کیا؟ آپ کا اسلام ہے

یوں تو آقا پر فدا ہوتے ہیں دن میں بیس بار
کام پڑ جائے تو اُجرت پیشگی سو دام ہے

دن نکلتے ہی ہُوا کرتے ہو بستر پہ دراز
لوگ جسکو صُبح کہتے ہیں تمہاری شام ہے

جب ہُوا غلبہ کبھی خنّاس کے وسواس کا
کہہ دیا اُٹھ کر کہ بند صاحبِ الہام ہے

پہلے اپنی قدر تو اَے مدّعی پہچان تُو
پھر یہ دعویٰ کر رسُولِ وقت میرا نام ہے

ایک سچّا نبی تھا۔ ایک ہی سچّا مسیح
ایک دو خوابوں پہ نازاں مُرغِ بے ہنگام ہے

نیچی ڈاڑھی حسبِ سنّت خُوب ہے صد مرحبا
میرے مولیٰ کے حضور اِس کا بڑا انعام ہے

لیکن اس کے ساتھ اعمالِ نکو بھی چاہئیں
ورنہ سمجھا جائے گا یہ پھانسنے کا دام ہے

حُسن بے پروانے میرے عشق نامنظور سے
صاف کہہ ڈالا۔ مِرا مِلنا خیالِ خام ہے

وعظ میں آئیں کہاں فرصت مگر دنگل میں دیکھ
دس ہزار انسان زیرِ چرخِ نیلی فام ہے

بُلبُلوں کی کشمکش میں پھول بکھرے جاتے ہیں
باغباں ہشیار گلشن میں یہ کیا کہرام ہے

دیدۂ عبرت! ذرا راہوں کی گلیاں دیکھ آہ
جسکے ذرّے ذرّے میں سَو سَو بُت خود کام ہے

حُسن و دولت پر کبھی نازاں نہ ہونا چاہیئے
اِس کا عبرت ناک منظر دے رہا پیغام ہے

چھوڑ دو اکمل خیالِ شکوۂ جورِ بُتاں
او غلط کارِ زماں! تُو پیرو اسلام ہے

ستمبر ۱۹۱۸ء

موسمِ بہار کے چند شگوفے

کہو جی! ہم نہ کہتے تھے ستم خالی نہ جائیگا
کہ آخر ایک دن خُونِ شہیداں رنگ لائیگا

رقیبِ رُوسیہ پر حال جو گزرا گذرنا تھا
ہمیں معلوم ہی پہلے ہی سے تُو کیا بتائیگا

شہادت ہو چکی تھی کیفرِ کردار باقی تھا
ہُوئی ہے ابتدا۔ اب انتہا بھی حق دِکھائیگا

گدائے کُوچۂ مہدی نے سچی بات کہدی ہے
ہمیں کلپائے گا جو وُہ بھی ہرگز کل نہ پائیگا

ابھی نامِ خدا کمسن ہیں۔ پھر بھی حشر برپا ہے
شباب اُٹھ اُٹھ کے طُوفاں دیکھئے کیا کیا اُٹھائیگا

بسر ہوتی ہیں راتیں کروٹیں لے لے کے مُدّت سے
وُہ کب آرام کی نیند آ کے پہلو میں سُلائیگا

فقیرِ عشق کی فریاد۔ امیرِ حُسن کیا سُنتا
نشے میں چُور ہے۔ سُن لے گا جب کچھ ہوش آئیگا

ہمیں اُن سے محبت ہے۔ سخن بافی سے نفرت ہے
خلوصِ دِل ملمّع سازیوں پر غلبہ پائیگا

ازل ہی سے تُمہارے نام میں مخفی بشارت ہے
کہ یہ نفسِ مسیحائی۔ کئی مُردے جلائیگا

مُنوّر ساری دُنیا کو کرے گا چاند نبیوں کا
بساطِ وَصل میرا ساقیٔ وحدت بچھائیگا

تُمہاری کامیابی درسِ قُرآں ہی میں مضمر ہے
سیاسیات میں لوگو! نہ کچھ بھی ہاتھ آئیگا

حریفانِ جفا پیشہ نے بے پر کی اُڑا دی ہے
قفس میں طُوطیٔ شکّر شکن کیوں زہر کھائیگا

خلافت ناز کرتی ہے شہ محمود احمدؑ پر
وُہی بگڑی ہُوئی تقدیر اکمل کی بنائے گا

(۶ مارچ ۱۹۱۹ء)

غطریف کے ابّا سے

مکالمہ نمبر ۱

مَیں نے اِک روز یہ غطریف کے ابّا سے کہا
مہدیٔ وقت کی بیعت میں تُمہیں عذر ہے کیا

ہنس کے کہنے لگا۔ کیا فائدہ؟ فرمائیے گا۔
آتشِ شوق سے دِل کو مرے گرمائیے گا۔

کلمہ پڑھتا ہُوں۔ بس مجھ کو یہی کافی ہے
اور امراضِ دِلی کا تو خدا شافی ہے

مَیں نے سمجھایا کہ غطریف کے ابّا! سوچو
اپنی ڈاڑھی کو نہ تم اپنے ہی ہاتھوں نوچو

کلمہ پڑھتے ہو جس کا یہ وُہی آیا ہے
یعنی احمد میں محمدِ مدنی آیا ہے

وُہ جو بعثت تھی مُقدّر جمعہ سُورت میں
ان کمالات کا جامع کسی خوش صُورت میں

دیکھ لو وعدہ وُہ پُورا بہ شبِ قدر ہُوا
آخرِ کار ہلالِ سلکی بدر ہُوا

فیج اعوج ہے شبِ تار اندھیرے سے بچو
کیوں مُصیبت میں پڑو یار اندھیرے سے بچو

چاند کی چاندنی ٹھنڈی ہے اِدھر آ بیٹھو
پھاڑ کھائیگا درندہ کوئی گھر آ بیٹھو

صحنِ گلشن بھی ہو وُہ چیز بھی ہے ساقی بھی
یعنی خُم خانۂ یثرب کی مئے باقی بھی

اَب قسمت ہے تمہاری کہ ملے یا نہ ملے
ہم نے بتلا دِیا اکمل کوئی لے یا نہ لے

مکالمہ نمبر ۲

وُہ جو غطریف کا ابّا ہے مجھے کہنے لگا
مَیں اواگون کا قائل تو نہیں ہو سکتا

آپ "مرزا" کو محمدؐ مدنی کہتے ہیں
یہ زبردستی ہے غیروں کو وُہی کہتے ہیں

مَیں نے ڈانٹا کہ مسلمان ہو یا ہندو ہو
بد گمانی کا مرض ہے تمہیں کیا دارُو ہو

یہ اواگون نہیں ہے نہ ہم اِس کے قائل
کیا مسلمان بھی ہوتے ہیں بُتوں پر مائل

اِس کا مطلب ہے مثیل اور بُروزِ کامل
یعنی اُس رنگ میں رنگین اُسی میں شامل

جیسے اِک آئینہ میں چہرہ نظر آتا ہے
عکسی قُرآن بھی قُرآن ہی کہلاتا ہے

ہنس کے کہنے لگے ایسے تو کئی گزرے ہیں
مَیں نے پُوچھا کہ بتاؤ جو کئی گزرے ہیں

نام جب چند سُنائے تو کہا مَیں نے میاں
اُن میں سے کون ہُوا مہدئ موعودِ زماں

اُس نے چیلنج کیا سارے جہاں کا منظور
کِس نے دعوٰی کیا مَیں سب کیلئے ہُوں مامُور

کِس نے اِسلام کا اظہار کیا دُنیا میں
شانِ احمد کو نمودار کیا دُنیا میں

صفِ دشمن کو کیا کِس نے بہ حُجت پامال
کِس نے دُنیا کو دِکھایا وُہ محمدؐ کا جلال

ہر مخالف کو مقابل پہ بُلایا کِس نے
اور مسیحائی سے مُردوں کو جِلایا کِس نے

چاند پہلی کا بھی ہے چاند چھٹی کا بھی چاند
چودھویں رات کا کرتا ہے مگر سب کو ماند

نُور تو سب میں اُسی شمس کا آتا ہے نظر
ایک ہی مظہرِ کامل ہُوا کرتا ہے مگر

بس اسی طرح مجدد تو کئی ہو گذرے
اولیا اُمّتِ احمدؐ میں کئی سو گذرے

پر فنا ہو کے محمدؐ میں محمدؐ ثانی
جس نے ظلّی و بروزی بھی نبوت پائی

ایک ہی روزِ ازل سے تھا مُقدّر بیشک
جیسے ہوتا ہے بس اک بدرِ مُنوّر بیشک

مان لو جلد کہ ہے مُصلحِ الفِ آخر
اس کا منکر ہے خدا اور نبی کا منکر

خیر خواہی سے یہ تحریک ہے بیعت کے لئے
تاکہ اکمل سے چلو دین کی خدمت کے لئے

(۱۳ر فروری ۱۹۱۹ء)

میرا ماہِ کامل

برلبِ دریا وہ میرا ماہِ کامل دیکھئے
روشنی بخش جہان دیدہ و دل دیکھئے

بات قسمت کی ہے دریا کی روانی ہے وہی
خشک لب لیکن نظر آتا ہے ساحل دیکھئے

گردشِ گردوں گرداں نے دکھایا انقلاب
کون خارج ہوتا ہے اور کون داخل دیکھئے

گولڑے میں یا علی پور سیداں میں کچھ نہیں
قادیاں دار الامان میں پیر کامل دیکھئے

ہے جواب جاہلاں باشد خموشی پر عمل
وہ سمجھتے ہیں کہ اکمل بھی ہے قائل دیکھئے

وفات ماسٹر محمد زمان صاحبؓ

صد رحمتِ خدا ہو محمدؐ زمان پر
اس نیک دل مہاجر دار الامان پر

ہر وقت یہ خیال کہ تبلیغ دیں کریں
ہر وقت ذکر سلسلہ ان کی زبان پر

اک روح تھی چھپی ہوئی جسم جسیم میں
اک رنگ تھا چڑھا ہوا جان و جنان پر

اک جوش تھا بھرا ہوا قلب سلیم میں
پہنچائے مشتِ خاک کو جو آسمان پر

آتی ہے یاد حسنِ جہاں تاب کی جھلک
گرتی ہیں بجلیاں سی دلِ ناتوان پر

پُرسوز داستانِ فراقِ حبیب ہے — چھالے سے پڑ گئے ہیں ہماری زبان پر
مدّت سے مَیں خموش ہُوں پابندِ رسمِ ضبط — تا حاشیے چڑھیں نہ میری داستان پر
فریاد لب پر آ گئی بے اختیار تھا
ناراض ہوں نہ اکملؔ شیوا بیان پر

کل چھ ۶ بجے صُبح کے

دارُالضُّعفاء کے پاس

دو گنوّاری عورتیں کل راہ میں تھیں جا رہیں — لَمْ یَبْقَ سا ایک بڈّھا تھا اُسے کہنے لگیں
یہ منارا اتنا اُونچا یہ مکاں ایسا عجیب — کس نے بنوائے ہیں بابا! کچھ پتا ہم کو نہیں
اپنی لاٹھی ٹیک کر اکڑوں کھڑا بڈّھا ہُوا — دیر تک پہلے تو وُہ (معذور تھا) کھانسا کیا
پھر لگا کہنے کہ یہ سب کچھ غلام احمدؐ کا ہے — آجکل مشہور چاروں کوٹ نام احمدؐ کا ہے
ماننے والے ہیں اس کے ہر علاقے میں کئی — بستی جاتی ہے پُرانی بستی میں دُنیا نئی
پاس ہے پیسہ بہت بنوا رہے ہیں یہ مکان — تاکہ اِن کے "پیر" کا دائم رہے نام و نشان
وُہ گنوّاری عورتیں کہنے لگیں بڈّھے میاں — کیا زیارت اُن کی ہو سکتی ہے ہم کو بھی یہاں
چل کے دیکھیں تو "منارے والا بھاگی بھریا پیر" — میرزا صاحب ستارے والا بھاگی بھریا پیر
سُن کے بڈّھے نے کہا۔ کاکو! کہاں جاؤ گی تم — حُقّہ پانی بند ہو گا گر وہاں جاؤ گی تم
آجکل وُہ یاں نہیں باہر سفر پہ ہیں کہیں — اور یُوں بھی ہم غریبوں سے کبھی ملتے نہیں
ساتھ ساتھ اُنکے خموشی سے چلا جاتا تھا مَیں — اور اپنے قلب پر اک بارِ غم پاتا تھا مَیں
میرا چُپ رہنا گُنہ تھا اِس لئے مَیں نے کہا — تم سے کہتا ہوں مَیں اپنے میرزا کا ماجرا
یہ منارے والا پیغمبر خُدائے پاک کا — بی بیو! "مظہرِ اتم" تھا سیّدِ لولاک کا

---

۵ جب سے ایک مخالف نے لَمْ یَبْقَ کو لَمْ یَبْقَ پڑھا۔ یہ ایک خاص ٹرم ہوگئی ۱۲

اِس کے آنے سے بڑھی شانِ محمد مصطفےٰ
یہ منارا رفعتِ اسلام کا ہے اِک نشان
ماننے والے محمدؐ کے ہوئے ثابت قدم
آجکل کے پیر ہیں خواب خورش کے شائقین
مال و دَولت دِین پر قربان ہمارا ہو چکا
سیکھنے کے واسطے اسلام ہم آئے یہاں
ہم تو اِتنی دُور سے آئے کہ تا ہوں مستفید
تم بڑے غافل ہو جو نزدیک ہو کر دُور ہو
بدنصیبی ہے شقاوت ہے بہت توبہ کرو
اِس علاقے میں اِتنی خبر لیکن نہیں
حُسن و اِحساں میں نظیر مہدیٔ اسلام ہے
اُسکی چوکھٹ پر جبیں رکھنے سے رفعت ملتی ہی
ہم بھی کیسے سُست ہیں پیغامِ حق پہنچانے میں
جانتے یہ بھی نہیں اغیار ہم کیوں آئے ہیں
دوستو ہمت کرو۔ اُٹھو ابھی تو وقت ہے
مُشتہر کردو کہ آنے والا عیسےٰ آچکا!
کیوں "خلافت مِٹ گئی" کہتے ہو۔ قائم ہوگئی
کیسی ہجرت۔ وقت ہے دِلدار کے دِیدار کا
شادیانے بج رہے ہیں کشورِ اسلام میں
آؤ دِکھلاؤں تمہیں لوگو! ہلالِ عید کو
چودھویں کا چاند بھی تم کو نظر آتا نہیں
اکملِ مشتاق نے دیکھا ہی گُل نبیوں کا نور

جسم ہے مُسلم تو یہ جانِ محمد مصطفےٰ
اب ترقّی کی خبر دیتی ہے تصویری زباں
غلغلہ توحید کا اِنگلینڈ میں سُنتے ہیں ہم
ان کو کچھ نسبت ہمارے پیشواؤں سے نہیں
جو ہمارا ہے وُہی دِلبر کا سارا ہو چکا
اَور رہنے کے لئے بنوائے ہیں اپنے مکاں
سچّے دِل سے بن گئے آکر حضوری میں مُرید
چارہ گر آیا مگر ویسے ہی سب رنجور ہو
مان کر مہدی و عیسٰی جب مَرد مومن مرد
آپ کا موعود بیٹا آجکل ہے جانشیں
مُصلحِ کُل۔ میرزا محمود احمدؐ نام ہے
دینِ و دُنیا میں خدا شاہد ہی عزّت ملتی ہے
احمدّیت اِردگِرد اِس گاؤں کے پھیلانے میں
کیا غرض کیا ہے کِس لئے گھربار اپنا لائے ہیں
غلبۂ اسلام کا ہاں ہاں یہی تو وقت ہے
جاہلیّت ہے فلک سے رہ کِسی کی دیکھنا
نِعمتِ باری تعالےٰ اَب تو دائم ہوگئی
موقعہ ہے خُوب لگ لگ کر گلے سے پیار کا
اَور تُم مصروفِ ماتم حلقۂ آلام میں
تیرہ صَدیوں سے ترستے آئے جس کی دِید کو
آہ! اِس ضُعفِ بصر پہ کون شرماتا نہیں
مشرق و مغرب میں ہوگا ایک دن اِس کا ظہور

نفسِ سرکش کے منہ پر دو چار تھپڑ

کانپ جاتی ہے زمیں جب مَیں قدم رکھتا ہوں
اِس قدر بوجھ گُنا ہوں کا بہم رکھتا ہوں

سر پہ گٹھڑی مرے بھاری ہے مدد کون کرے
اپنے مولیٰ ہی پہ اُمیدِ کرم رکھتا ہوں

لوگ کہتے موحّد مجھے وُہ کیا جانیں
کعبہ میں زیرِ بغل ایک صنم رکھتا ہوں

ناتوانی کا یہ عالم ہے کہ اُٹھ بھی نہ سکوں
اور عزمِ سفرِ ارضِ حرم رکھتا ہوں

تیری اُلفت کے سوائے مرے ہادی مرزاؑ
اور کچھ بھی نہ مَیں اللہ کی قسم رکھتا ہوں

دل غنی ہے مرا اس واسطے گھبراؤ نہیں
کون کہتا ہے کہ مَیں دام و درم رکھتا ہوں

اللہ اللہ ہے کیسا مرا مولیٰ ستّار
اِس گنہ گاری پہ یہ جاہ و حشم رکھتا ہوں

جی میں آتا ہے کہ اب اُن سے کہہ ہی ڈالوں
ایک عرصے سے شکایتِ ستم رکھتا ہوں

دشمنِ حق سے یہ کہہ دو نہ بنائے باتیں
سیف ہے میری زباں تیغِ دودم رکھتا ہوں

کیا مخالف کو مسیحا کے نہیں یہ معلوم
ہاتھ میں اپنے مَیں لوہے کا قلم رکھتا ہوں

کھلبلی بزمِ تعیّش میں معاند کی پڑے
بیسیوں قبضے میں اِس کام کے بم رکھتا ہوں

عیب پوشی مری کرتا ہے خداوندِ حمید
جھوٹ موٹ اپنا لقب نیک شیَم رکھتا ہوں

رُخِ زیبائے مسیحا کے مقابل آ کر
چاند کس مُنہ سے کہے حُسنِ اتم رکھتا ہوں

رحمت اللہ کی مردِ خُدا پہ ہو گی
کہہ دیا جس نے کہ اسلام کا غم رکھتا ہوں

ہے یہی مقصدِ اعظم کہ مظفّر ہو کر
ہم سے ہر ایک کہے طبل و علم رکھتا ہوں

میرے سردار محمدؐ نے یہ فرمایا ہے
شمس ہوں روشنئ بدرِ اتم رکھتا ہوں

جانِ من تیرے سُنانے کیلئے مُدّت سے
داستانِ دلِ پُر درد و الم رکھتا ہوں

مست کر دیتے ہیں اشعار مرے غیروں کو
اِنڈی پنڈنٹ میں اکمل مَیں تو رَم رکھتا ہوں

نفسِ امّارہ سے

پھر وُہی بات؟ او ناداں! یہ سیہ کاری کیوں؟ — صُحبتِ قُدس میں رہ کر یہ گُنہ گاری کیوں؟

مَیں تو حیران ہُوں تجھے روز یہ ہوتا کیا ہے — جانتے بُوجھتے۔ افسوس ہے، مُنہ ماری کیوں؟

دیکھ تُو اپنی طرف! اور یہ کرتُوت بھی دیکھ!! — عزّت و جاہ پہ منظور ہُوئی خواری کیوں؟

ہے کہاں عزم ترا او درِ مہدی کے فقیر! — چھوڑ بھی دے کہ بُری چیز سے ہو یاری کیوں؟

اپنا سر آپ ہی اُکھلی میں دیا جب تُو نے — بُتِ کافر سے شکایاتِ ستمگاری کیوں؟

چھوڑ کر لعل و گہر پوت کے پیچھے پڑنا — اِس حماقت پہ تجھے دعویٰ ہُشیاری کیوں

چھوڑنا ہو جسے بس چھوڑ ہی دینا اُس کو — بات ایمان کی ہے پھر یہ رواداری کیوں

کام کرنے کے بہت ہیں جو نہ کرنا ہو تو خیر — ہاتھ چلتے ہوں تو پھر شکوۂ بیکاری کیوں

جو جفا پیشہ ہوں اُلفت کے لئے تیشہ ہوں — ایسے لوگوں سے ہو اُمّیدِ وفاداری کیوں

اپنا گھر بار لُٹا کر ہُوئے دِلدار کے ساتھ — ہو رہِ عشق میں حائل ہمیں دُشواری کیوں

عہدِ آغازِ محبّت میں بہت سادہ تھا — آگئی تجھ میں اب اے شوخ! یہ عیّاری کیوں

بات کہنی ہی مگر کہنے سے ڈرتا بھی ہُوں — تُو تو دِلدار ہے! پھر میری دل آزاری کیوں

حملہ کرتا ہے عدو تو اُسے کرنے دیجے — رُعب میں آئے گا یہ بندۂ سرکاری کیوں

خُونِ دل خُونِ جگر سے مَیں اسے سینچتا ہوں — سُوکھ جائے مرے ایمان کی پھلواری کیوں

ہم اگر بندۂ حق ہیں تو ہمارا حق ہے — اِس گھرانے سے چلی جائیگی سرداری کیوں

سر جُھکے غیر کے آگے یہ تو ناممکن ہے — ایسی ذِلّت میں پڑیگا ترا درباری کیوں

جو گذرتی ہے مرے سر پہ بَلا سے اُن کی — وُہ بھلا آکے کریں گے مری غم خواری کیوں

ہوش باقی ہے رقیبوں کا گِلہ ہوتا ہے — مستیٔ شوق میں یہ حُسن خبرداری کیوں

پارسائی کا جوانی میں تجھے دعویٰ تھا — اب بڑھاپے میں یہ شب و روز میخواری کیوں؟

آجکل شہر میں چرچا ہے کہ اکمل سا لبیب — بن رہا آپ ہی ہے مجرم اقراری کیوں

شبِ قدر کی شام مقبرہ بہشتی میں

ہوگیا ہے جب سے تیرا روزنِ دیوار بند
آہ! مَیں کس سے کہوں ہے جلوۂ دیدار بند

دیدۂ دل سے تجھے دیکھا کرینگے رات دن
کیا ہوا اگر کر دیا ہے روزنِ دیوار بند

سات پردوں سے نکل آئیگی رنگت پھوٹ کر
اِن حجابوں سے کہیں ہوتا ہے حُسنِ یار بند

چاند بدلی میں بھی چھُپ جائے تو آخر چاند ہے
نُور والوں کے بھی ہوتے ہیں کبھی انوار بند

ہو چلی ہم مے پرستوں کے لئے وجہِ سکون
بُوئے مے جب سے ہوا ہے خانۂ خمّار بند

یہ مری آنکھیں ہیں جن میں حسرتِ دیدار ہے
یہ مرا سر ہے کہ جس میں ہیں ترے افکار بند

یہ مرا دل ہی جو ترے شوق سے معمور ہے
یہ مرے لب ہیں جن میں کئی اشعار بند

واہ کیا کہنے ترے اے میرے مولیٰ کے جریؑ
کر دیا تنہا ہی تُو نے حملۂ کفّار بند

جسقدر روکو گے یہ پھیلے گا اُتنا ہی ضرور
کون کر سکتا ہے فیضِ چشمۂ ابرار بند

اے جوانمردو! اُٹھو!! پہنچاؤ!!! واں پیغامِ حق
ہے جہاں پر ریل گاڑی اور موٹر کار بند

دیکھئے کب کوچ ہوتا ہے مرے احباب کا
کر چکے ہیں ایک عرصے سے سفر کا بار بند

دیکھئے اب کون لیتا ہے بخارا کی کمان
ناطقہ کرتے ہیں کیونکر کفّار کا۔ انصار بند

مَیں حجر قندی نہیں ہُوں قادیانی ببر ہوں
کیا ضرورت ہے کمر میں ہو مری تلوار بند

جوہرِ تیغِ قلم۔ سیفِ زباں دکھلاؤں گا
اور دم بھر میں کرونگا میں دمِ اشرار بند

ہر طرف ہے آفتابِ صدق کی ضَو افگنی
ہوتے جاتے ہیں مگر کیوں دیدۂ اغیار بند

آج اِس مہندی کے بُوٹے سے لپٹ کر روئیے
جس میں ہے رنگینیٔ پائے حناءِ یار بند

اِس سرے سے اُس سرے تک آگ ہی لگ جائے گی
کر کے دیکھو نالۂ پُرسوزِ موسیقار بند

صُبح و شام آتے ہیں اُن کو دیکھنے ہم شوق سے
آہ! پاتے ہیں مگر آکر درِ دلدار بند

میرا فونٹن پن چلے کیونکر نہ یُوں قرطاس پر
اِس میں ہے الحکم کسی کی شوخیٔ رفتار بند

(۲؍ مئی ۱۹۲۱ء)

اشکِ ندامت کے چند قطرے نفسِ لوّامہ کی آنکھوں سے

مرے ستّار! تُونے پردہ پوشی بارہا کی ہے
مگر مَیں نے گُناہوں میں بہت ہی کم حیا کی ہے

تری بندہ نوازی نے ہمیشہ ہی وفا کی ہے
مگر مَیں نے جفا کی ہے۔ جفا کی ہے۔ جفا کی ہے

نہ باز آیا۔ نہ باز آیا۔ یہ نفسِ ظالم و سرکش
اگرچہ مَیں نے بھی اِس کو ملامت بارہا کی ہے

یہ اکثر کہہ چُکا ہوں اَب نہیں ایسا مَیں کرونگا
مگر جب وقت آیا پھر وہی مَیں نے خطا کی ہے

مجھے اقرار ہے اپنی خطاؤں کا مگر مَولے
مرا کچھ بس نہیں چلتا کہ مجبوری بلا کی ہے

تجھی سے چارہ کارِ غریب بے نوا ہوگا
یہ مَیں تسلیم کرتا ہُوں کہ مَیں نے ابتدا کی ہے

ترے حکموں کو توڑا جس سے مِلنا تھا اُسے چھوڑا
تعلّق غیر سے جوڑا حماقت انتہا کی ہے

مگر اب کیا کروں۔ آہیں بھروں۔ عادت نہیں جاتی
شکایت مُجھ کو نفسِ دُونِ کافر ماجرا کی ہے

تری رحمت سے زندہ ہُوں کہ آخر تیرا بندہ ہُوں
مجھے معلوم ہے جو کچھ سزا اِس ناسزا کی ہے

مری بگڑی بنانے والی تیری ذات عالی ہے
تو بالآخر تجھی سے رحم کی یہ التجا کی ہے

بچالے کیدِ شیطاں سے۔ چھُڑالے قیدِ عصیاں سے
تری درگاہ میں آج رو رو کر دُعا کی ہے

بُتانِ بے وفا کے سنگِ در پر سر نہ توڑونگا
جبیں سائی کے شایاں چوکھٹ احمدؐ میرزا کی ہے

جو اپنی شان میں یکتا۔ جو اپنی آن میں ایسا
کہ صُورت اور سیرت سب محمدؐ مصطفٰے کی ہے

خیالِ عارضِ پُر نور و گیسوئے معنبر ہیں
مرے دل نے نمازِ صُبح و شام اِک جا ادا کی ہے

زمانے بھر کے صحت گاہ ناکارہ ہُوئے ثابت
جہاں میں دُھوم اَب دارالاماں دارالشفا کی ہے

تُمھیں انصاف سے کہنا کہ مُجھ سی یُوں کھچے رہنا
یہ کیا قدرِ محبت میری جانِ مُبتلا کی ہے

رہا کرتا ہی عارض عارضہ بس اِک نہ اِک مجھ کو
کسی دن یہ بھی سُن لوگے کہ اکمل نے قضا کی ہے

(۲۹ ستمبر ۱۹۲۱ء)

رام کرلیں گے

بتانِ ہند کو اک روز رام کرلیں گے
خدا کے فضل سے ہم اپنا کام کرلیں گے

نگاہِ لطف جو ساقی کی اٹھ گئی ناگاہ
تو بیٹھے بیٹھے یہیں سے سلام کرلیں گے

ڈرا رہے ہیں کہ یوں ہوگا ہائے یوں ہوگا
وہ آئیں شوق سے ہم انتظام کرلیں گے

کرے گا کون جہاں میں اشاعتِ اسلام
مرے نبی کے صحابہ کرام کرلیں گے

یہ جی میں ٹھانی ہے اے حسنِ پاکباز کہ ہم
تمہارے عشق میں کچھ اپنا نام کرلیں گے

تری تلاش میں جو پھر رہے ہیں خانہ بدوش
وہیں تو جنتِ ماوی مقام کرلیں گے

نصیب ہو نہیں سکتی ہے منزلِ مقصود
ہمارے دوست اگر سست گام کرلیں گے

سفر ہے دور کا آرام کیا کریں پیارو
بڑھے چلو ابھی۔ آگے قیام کرلیں گے

رہیں گے ہم درِ جاناں پہ ناصیہ فرسا
اسی عبادتِ حق کا دوام کرلیں گے

نہ بھولتی ہیں نہ بھولیں گی نرگسی آنکھیں
ہم ان کی یاد میں سونا حرام کرلیں گے

مری محبتِ صادق کا کیا صلہ تھا یہی
کہ میل جول رقیبوں سے عام کرلیں گے

نہ بولیں گے نہ کبھی حالِ دل ہی کھولیں گے
بس آج رات سے یہ التزام کرلیں گے

منا کے چھوڑیں گے تجھ کو او روٹھنے والے
نہیں تو کام ہی اپنا تمام کرلیں گے

صنم کدے میں یہ کل گا رہا تھا اک گمراہ
"خدا خدا نہ سہی رام رام کرلیں گے"

ابھی تو اس بتِ نوخیز کی خوشامد ہی
جنابِ شیخ کا بھی احترام کرلیں گے

وہ اپنے چاند سے مکھڑے پہ ڈال کر گیسو
ابھی جو چاہیں تو یہ صبح، شام کرلیں گے

کسی کی یاد میں اکمل نے جان دیدی ہے
یہ ایک کتبۂ سنگِ رخام کرلیں گے

(۲۰ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۱ء)

پیغام بحضور امام

شام کو پابوسئ جاناں کی خاطر جائیے
اور میرا شوقِ دل اُن سے ذرا کہہ آئیے

اے کہ پروانے کئی ہیں تیری شمعِ حُسن کے
تجھ پہ سو سو جان سے قربان ہو ہو جائیے

تجھ میں ہے ساری خوشی میرے دلِ ناشاد کی
کھائیے گر غم کسی کا تو بھی تیرا کھائیے

میری اُمیدوں کا جلوہ گاہ ہے تیرا مزار
اک حیاتِ تازہ صُبح و شام واں سے پائیے

اسکے ذرّے ذرّے میں ہے طُورِ انوارِ خُدا
ہاں مگر یہ شرط ہے مُوسیٰ کی آنکھیں لائیے

بیسیوں سجدے تڑپتے ہیں جبینِ صدق میں
مَیں نمازِ شوق ادا کر لوں مجھے فرمائیے

اے سر و جان دلم اُمّی اَبی بر تو فِدا
روضۂ اقدس میں تھوڑی سی جگہ دِلوائیے

رفعتِ چرخِ چہارم اِس کے گہراؤ میں ہے
ہائے اندھوں کو یہ منظر کس طرح دِکھلائیے

المّلِ مہجُور کی ہے عرض شبلیؒ و جُنیدؒ
میرے بچّے ہیں دُعا اِن کے لئے فرمائیے

خادمِ دربار ہوں حاضر پئے ایثار ہوں
اپنے مال و جان سے اِسلام کے انصار ہوں

(۱۲ر دسمبر ۱۹۲۱ء)

مقبرے میں مجھے مِل جائے زمین تھوڑی سی

نگہِ لُطف و کرم سرورِ دیں تھوڑی سی
یعنی دِلدارئ مسکینِ حزیں تھوڑی سی

دیر سے در پئے دِیدار کھڑے ہیں در پر
اِک جھلک اور بھی او! پردہ نشیں تھوڑی سی

سُرمۂ چشم بنالُوں مرے پیارے مہدی
خاکِ پا تیری جو مِل جائے کہیں تھوڑی سی

کثرتِ دولت و حشمت پہ تفاخر بے سُود
کام آئے گی فقط خدمتِ دیں تھوڑی سی

دِل اُڑے جاتے ہیں لوگوں کے چکوروں کیطرح
اِس طرف بھی ہو جبیں ماہ جبیں تھوڑی سی

کون مے خانہ میں جائے کہ ہُوں کمزور بہت
میرے ساقی مُجھے پلوادے یہیں تھوڑی سی

اِس نہیں پہ تری قربان سبھی خم خانہ ۔۔۔ ہاں تو پھر کہیو مری جان نہیں تھوڑی سی

اے مسیحائے زماں صدقۂ آلِ اطہر ۔۔۔ مقبرے میں مجھے مِل جائے زمیں تھوڑی سی

کوئی پیغام میں جاتا ہی تو جائے اُٹھکل

ہم تو عمر اپنی گذاریں گے یہیں تھوڑی سی

گلدستۂ جذبات

ہم تری یاد میں سب کچھ ہی بھلا بیٹھے ہیں ۔۔۔ چھوڑ کر دیس بھی پردیس آ بیٹھے ہیں

کچھ نہ کچھ مِل ہی رہیگا نہ پھریں گے خالی ۔۔۔ کوچۂ یار میں دُھونی جو رما بیٹھے ہیں

دوڑ دُھوپ اُنکی یہیں تک تھی جواب ختم ہوئی ۔۔۔ تیری دیوار کے سائے میں جو آ بیٹھے ہیں

رحم تم کو نہ کبھی آیا ۔ نہ آتا ہے نہ آسکتا ہے ۔۔۔ بارہا حال دلِ زار سُنا بیٹھے ہیں

رات آدھی گئی ۔ پوری نہ ہوئی خواہش دل کی ۔۔۔ تیری تصویر کو سینے سے لگا بیٹھے ہیں

بزمِ اغیار میں ہے کون ؟ یہ مجھ سے پوچھو! ۔۔۔ چند برباد کُنِ دینِ ھُدیٰ بیٹھے ہیں

اُن کا دعویٰ ہے کہ عیسیٰ ہی فلک پہ جیتا ۔۔۔ وُہ سرینگر میں ہم جسکو دبا بیٹھے ہیں

جُبّہ پوش آئے ہیں چڑھ کر تو ہمیں کیا ڈر ہے ۔۔۔ قلعۂ امن میں ہم صبح و مسا بیٹھے ہیں

احمدِ پاک کی آغوش میں لیتے ہیں مزے ۔۔۔ فارغ از فکر بصد صدق و صفا بیٹھے ہیں

دشمنو! یاد کرو قصّۂ اصحاب الفیل ۔۔۔ کعبۂ حق میں پہ ستارِ خُدا بیٹھے ہیں

میرا مولیٰ تمہیں کر دے گا کعصفٍ مّاکُول ۔۔۔ بات معقول ہے کیوں لوگ بھلا بیٹھے ہیں

اپنے بندوں کیلئے ہے وُہ نہایت ہی غیّور ۔۔۔ جس کی درگاہ میں ہم بے نوا بیٹھے ہیں

طاقتِ ضبط نہ تھی اِس لئے ہو کر مجبور ۔۔۔ شورِ محشر ترے کوچے میں مچا بیٹھے ہیں

مِل ہی جائے گا کہیں ساحلِ مقصود ہمیں ۔۔۔ قطرۂ اشک سے طُوفان اُٹھا بیٹھے ہیں

شوق کی آنکھوں سے دیکھے کوئی آکر اُن کو ۔۔۔ حُسن والے جو یہاں ۔ نامِ خُدا ۔ بیٹھے ہیں

کربلائیں ہیں کئی کرب و بلا کی موجود
سو حسین اپنے گریباں میں چھپا بیٹھے ہیں

جُنبشِ ابروئے دلدار نے یہ کام کیا
قطعِ اغیار سے کرتے ہوئے آپ بیٹھے ہیں

نہ ہُوا پر نہ ہُوا کچھ بھی اثر اِس دل پر
رُوٹھنے والے کو ہر چند منا بیٹھے ہیں

تُو ستم توڑ ہمیں چھوڑ کسی اور سے جوڑ
کر کے اندازۂ ہر جور و جفا بیٹھے ہیں

اب سمجھ آئی کہ اسلام ہے کس چیز کا نام
جب سے دِل اُس بُتِ کافر سے لگا بیٹھے ہیں

ایک دِن اپنے جھروکے سے ذرا جھانک کے تم
چاہنے والوں کو دیکھو تو بھلا۔ بیٹھے ہیں؟

نرگدا ہیں۔ نہیں ٹلنے کے۔ نہیں ٹلنے کے
آستانے پہ ترے ڈیرے کے صدا بیٹھے ہیں

کب تلک صبر کریں۔ جان پہ ہم جبر کریں
ساقیا جام دِلا۔ جلدی سے لا۔ بیٹھے ہیں

اَے مرے بھُولنے والے یہ نہیں یاد رہے
ہم تری یاد میں گھر بار بھُلا بیٹھے ہیں

ایک اکملؔ ہی نہیں عاشقِ جانبازِ مسیحؑ
سینکڑوں شوق سے ہونے کو فدا بیٹھے ہیں

۲۳ مارچ ۱۹۲۲ء

باغ میں اُن کا سُراغ

اَے موتیا کی کلیو! خوشبو یہ کیسی آئی
شائد وُہ میرا دِلبر اِس راہ سے گیا ہے

ہاں ہاں ذرا چٹک کر اُس کا پتا بتانا
دِل جس کے دیکھنے کو میرا ترس رہا ہے

یہ میری بے قراری۔ یہ میری آہ و زاری
اَب حد سے بڑھ چلی ہے۔ اِس کا علاج کیا ہے

ناداں طبیب مجھ کو دِیوانہ کہہ کے خوش ہے
اُس "باولے" سے کہدو! یہ دَرد لادوا ہے

اَے سرو! یادِ قامت تُونے مجھے دِلائی
تجھ سے لپٹ کے روؤں جی ایسا چاہتا ہے

پھُولوں سے لدرہی ہے ڈالی گلاب والی
اُس دستِ نازنیں کا کچھ تو پتہ ملا ہے

مہندی کا چھوٹا بوٹا آنکھوں سے میں لگاؤں
زینت کسی کے پا کی رنگینیٔ حنا ہے

اے نخلِ یوکلپٹس ہے پہرہ دار کس کا؟
یہ کون ہے جو نوری گنبد میں سو رہا ہے

اے چاند چودھویں کے آجا نثار ہو لے
خورشید خاوری نے سجدہ یہیں کیا ہے

یہ بارگاہِ اقدس - پُشت و پناہِ ہر کس
چودھویں صدی میں دربارِ مُصطفٰے ہے

دن رات بٹ رہا ہے گنجینۂ معارف
فیضانِ عام پاتا ہر شاہ ہر گدا ہے

پھولوں کی بھینی بھینی خوشبو! طواف کر لے
دامانِ شوق اپنا اکملؔ بھی خوب بھر لے

(۲۴ر اپریل ۱۹۲۲ء)

یَأْتُوْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ

ڈیری والے کی طرف جاتے ہُوئے شام کے وقت
دفتری کام سے کچھ فُرصت و آرام کے وقت

جبکہ تھا ساتھ مِرے ایک مُحبِّ یک رنگ
جسکی صُحبت سے ہو دُور آئینۂ دِل کا زنگ

جس کی اُلفت سے مِرا کاسۂ دِل ہے لبریز
جس کی فُرقت ہی مِرے واسطے کچھ واردِ مریز

یعنی تصویرِ خیالی مَسِیحائے زماں
آہ! بائیس ۲۲ سنہ میں سَن آٹھ ۸ کا نظّارہ کہاں*

ایک ہندو نے کہا مجھ سے سری رام کی جے
قادیاں گاؤں ہی تھا اَب تو مگر شہر ہی ہے

ریتی چھلّا جو ہے خالی تھا یہاں کچھ بھی نہ تھا
کوٹھیاں بننے کا اِس جگہ گماں کچھ بھی نہ تھا

اب تو دُو ۲ منزلہ سہ ۳ منزلہ بنتے ہیں مکاں
چند ہی روز میں آتا ہے نظر اور سماں

ہر علاقے سے یہاں لوگ چلے آتے ہیں
مَسْتِ بُوئے خوشِ دِلدار بڑھے آتے ہیں

چھاپے خانے بھی ہیں اسکول بھی بازار بھی ہیں
اَور ہر قِسم کے سَاماں کے طلبگار بھی ہَیں

مَیں نے سُنکر یہ کہا غور کرو لالہ جی
شہر تو اَور بھی ہیں مُلک میں مَوجُود کئی

پھر یہ کیا بات ہے۔ اِسپر ہے تعجّب کیسا؟
صِرف اِس وجہ سے۔ مرزا ۴ نے کہا تھا ایسا

یعنی اُس خالقِ اَرواح نے الہام کیا
مَیں نے احمد کو مصدّق پئے اسلام کیا

یہی احمد وُہ کرشنا ہے رودّر گوپال
جھُوٹ کا ناش کرے سچ کا دِکھائے اکمال

---

* سال وفاتِ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام۔

قادیاں گاؤں ہے اسکو میں بنادوں گا شہر
نہرِ توحید کے اجرا سے دِکھادوں گا لہر

ہر علاقے سے جوانانِ سعادت اندوز
لے کے آئیں گے ہدایا و تحائف ہر روز

سب جزائر میں تری حمد و ستائش ہوگی
ہند و یورپ میں برابر ہی نیائش ہوگی

عرشِ اعظم پہ تری حمد خدا کرتا ہے
ہر فرشتہ تری تقدیس کا دَم بھرتا ہے

آسماں والوں سے ملجائیں زمیں والے بھی
گیت گایا کریں گورے بھی ترا کالے بھی

وحیِ حق نے جو خبر دی تھی وہ نکلی سب حق
آپ بھی مانتے ہیں یہ کہ بہت ہے رونق

یہ عمارات نِشاں ہیں کہ منارے والا
ساری مخلوقِ خدا میں ہو ستارے والا

تم سے منوا کے رہیگا وہ یہ دینِ قیّم
اور لہرائے گا عالم میں اسی کا پرچم

مان جاؤ کہ ابھی وقت ہے ورنہ اک روز
چھوڑ جاؤ گے یہ دنیا بصد اندوہ و سوز

لالہ جی کانپ گئے سن کے یہ تقریر مری
آپ کہنے لگے ست بچن "میاں مولئی جی"

جن کو تبلیغ کا ہو شوق وہ کب ڈرتے ہیں
راہ چلتوں کو بھی تبلیغ کیا کرتے ہیں!

جی میں آتا ہے کہ اکمل ہو گلے میں کفنی
اور اسلام کا پرچار ہو نگری نگری

(۸ر جون ۱۹۲۲ء)

مومن کی غیرتِ مذہبی

مجھے خدا کی قسم ہے سن لے اے مرے دلدار
کہ تم سے بڑھ[۱] کے نہیں ہے کسی سے میرا پیار

تمہیں تو ہو مرے غمخوار دل نواز حبیب
تمہیں تو ہو مرے دردِ جگر کے ایک طبیب

تمہیں تو ہو مرے ہمدرد۔ ہمدم و ہمراز
تمہیں تو ہو کہ ہے جسپر مجھے بڑا ہی ناز

تمہیں تو ہو مرے دل کا سُرور اے پیارے
تمہیں تو ہو۔ مری آنکھوں کا نور اے پیارے

تمہیں وہ ہو کہ جدا جس سے ہو نہیں سکتا
تمہیں وہ لعل ہو۔ جس کو میں کھو نہیں سکتا

---

[۱] خاص حلقۂ احباب مراد ہے۔ اکمل

دلِ حزیں کے لئے موجبِ تسلّی ہو — شبِ ہموم میں اِک نُور کی تجلّی ہو

تمہارے گیسوئے خمدار میں اُلجھ جانا — رہائیٔ فکرِ مصائب سے ایک دم پانا

تمہارے حُسن کے گلشن کی سیر کر لینا — ذرا سی دیر میں دامانِ شوق بھر لینا

تمہاری بات ہے قند و نبات میرے لئے — تُمہاری صحبتِ خوش ہے برات میرے لئے

غرض اَدائیں تمہاری پسند ہیں ساری — کہ خُوب جانتے ہو تُم طریق دِل داری

مگر یہ بات بھی سُن لو جو صاف کہتا ہُوں — کہ مَیں دیارِ مسیح الزماں میں رہتا ہُوں

اسی دیار کو جنّت نشان کہتے ہیں — اسی نواح کو "دار الامان" کہتے ہیں!

یہیں ہمارے امام اور پیر رہتے ہیں — غریب بیکسوں کے دستگیر رہتے ہیں

یہیں خُدا اُتر آیا زمیں پر گویا — اور اپنا عرش بچھایا زمیں پر گویا

یہیں تو جمع ہُوئی ہیں نبوّتیں ساری — یہیں بٹی ہیں خلافت کی خلعتیں ساری

یہیں سے اِتنے نشانات کا ظہور ہُوا — کہ ذرّے ذرّے میں پیدا ہزار طُور ہُوا

یہیں سے چشمۂ توحید پھُوٹ کر نکلا — یہیں سے دین کا خورشیدِ مُستتر نکلا

یہیں سے ملتا ہے آبِ حیات لوگوں کو — یہیں سے کرتے ہیں دُور اپنے اپنے روگوں کو

یہی مقام ہے جس کے لئے ہُوا ارشاد — کہ ہو ترقّیٔ عالم کے واسطے بُنیاد

یہی ہو قبلۂ مقصود کعبہ والوں کا — یہی ہو مرکزِ ہنود گورے کالوں کا

یہیں سے مَیں نے ہدایت عزیزِ من پائی — مری سعادتِ عظمیٰ جو کھینچ کر لائی

گناہ گار۔ خطا کار کو پناہ ملی — خُدا کا شُکر ہے بھولے ہُوئے کو راہ ملی

جھلک دِکھا کے ذرا سی جو شاد کام کیا — اداءِ خاص سے اِس بے نوا کو رام کیا

اگرچہ تُم سے مجھے اُنس ہے۔ محبّت ہے — مگر یہ دیں کے مقابل ہیں بے حقیقت ہے

کوئی بھی وقت اگر آگیا کبھی یا اَب — کہ جس میں ایک طرف تم ہو۔ اِک طرف مذہب

تو دین کو مَیں مقدّم۔ کرونگا۔ یاد رہے — اسی پہ زندہ رہونگا۔ مروں گا۔ یاد رہے

تمہاری کچھ بھی حقیقت نہیں سمجھنے کا　　تعلقات کو میں منقطع ہی کر لوں گا

تمہاری قدر مرے دل میں کچھ نہیں ہوگی　　نہ آستاں ہی ہوگا۔ نہ آستیں ہوگی

ہر ایک بد سے تمہیں بدتریں میں جانونگا　　خوشامدیں کرو صدہا۔ کبھی نہ مانوں گا

کہ احمدی ہوں مسیحِ محمدی کا غلام　　ظہورِ دینِ محمدؐ کا خواستگار مدام

قصور وار ہوں اپنے عیوب سے محجوب

مگر یہ ناز کہ اکمل ہے وہ مرا محبوب

۲۱ ستمبر ۱۹۲۲ء

رسولِ قدنی

اے مرے پیارے مری جان رسولِ قدنی　　تیرے صدقے۔ ترے قربان رسولِ قدنی

صفِ اعدا کو کیا تُو نے بحجت پامال　　حق نے بخشا تجھے فرقان رسولِ قدنی

تُو نے ایمان ثریا سے ہمیں لاکے دیا　　نازشِ دودۂ سلمانؓ رسولِ قدنی

غربا قومیں تری ناصیہ فرسا ہوں گی　　اے مرے شرق کے سلطان رسولِ قدنی

اَنْتَ مِنِّيْ وَ اَنَا مِنْكَ خدا فرمائے　　میں بتاؤں تری کیا شان رسولِ قدنی

عرشِ اعظم پہ تری حمد خدا کرتا ہے　　ہم ہیں ناچیز سے انسان رسولِ قدنی

دستخط قادرِ مطلق تری مِسلوں پہ کرے　　اللہ اللہ! یہ تری شان رسولِ قدنی

آسماں اور زمیں تُو نے بنائے ہیں نئے　　تیرے کشفوں پہ ہے ایمان رسولِ قدنی

پہلی بعثت میں محمدؐ ہے تو اَب احمدؐ ہے　　تجھ پہ پھر اُترا ہے قرآن رسولِ قدنی

لوحِ محفوظ پہ لکھا ہے بخطِ تنویر　　قدرتِ خالقِ اکوان رسولِ قدنی

تُو وہ ہے جس پہ نبیؐ پاک نے بھیجا ہو سلام　　تیرے منکر تو ہیں نادان رسولِ قدنی

حکمِ مولیٰ ہے کہ سب شام عرب کے ابدال　　تجھ سے حاصل کریں عرفان رسولِ قدنی

سُرمۂ چشم تری خاکِ قدم بنواتے　　غوثِ اعظم شہِ جیلان رسولِ قدنی

دینِ اسلام کو دُنیا پہ مقدّم کرنا
تری صحبت کا ہے فیضان رسُولِ قدنی
عمر بھر یاد رہے گا نہ کبھی بھُولے گا
یہ ترا لُطف یہ احسان رسُولِ قدنی
عرشِ بلقیس معانی ہے ترے قبضے میں
اِس زمانہ کے سلیمانؑ رسُولِ قدنی
اپنے اکملؔ کو بچا لیجے کہ ہے زوروں پہ
اس کے عصیان کا طغیان رسُولِ قدنی

میرا چاند

اے چاند! چاند میرا بھی اِک قادیاں میں ہے
دارالامان خِطّۂ جنّت نشاں میں ہے
اِس چودھویں صدی میں ہُوا ہے ضیا فگن
پَرتو۔ اِسی کے نُور کا سارے جہاں میں ہے
لگتے ہی پار ہوتا ہے سینے سے کُفر کے
وُہ ایسا تیر میرے خُدا کی کماں میں ہے
کلمہ پڑھا دیا ہے۔ بُتانِ فرنگ کو
تاثیر اِس قدر دَمِ معجز بیاں میں ہے
سَو سَو پہ بھاری ہے وُہ ولایاتِ غیر میں
اِک اِک مُرید اس کا جو ہندوستاں میں ہے
اِس چاند پہ نثار ہوں تجھ سے ہزار چاند
اور تا اَبد یہ ہم پر رہے نُور بار چاند

(۱۸ر دسمبر ۱۹۲۲ء)

محبّت کا ریکارڈ

جب سے اُس ظالم سے نفرت ہوگئی
اپنے مولےٰ سے محبّت ہوگئی
کاش میری قوم اِتنا سوچتی
کیوں ہماری ایسی حالت ہوگئی
کیوں ہوئے جاتے ہیں ہم برباد یُوں
ختم کیوں ٹرکی خلافت ہوگئی
حق نے ایک مامُور بھیجا شکر ہے
اپنی بہبودی کی صُورت ہوگئی
چھوڑ دو آپس کا یہ جنگ و جدال
کیا تمہیں غیروں سے فرصت ہوگئی

(۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء)

خونِ حسرت کے چند چھینٹے!

آج سُن لیجئے کچھ مجھ سے بیانِ لاہور
محفلِ ناز میں تھے جمع بُتانِ لاہور

شکوۂ بُت شکنی کر رہے تھے آپس میں
تنگ محمود کے حملوں سے ہے جانِ لاہور

شاہ صاحب نے تو سر پیٹ لیا اور کہا
اچھا ہونے کا نہیں یہ خفقانِ لاہور

شیخ جی بولے کہ قسمت ہی بری تھی افسوس
سرد پڑنے لگی جلدی ہی دوکانِ لاہور

صُوفی صاحب نے کہا بینیاں پڑھ پڑھ کے تھکے
گڑ گئی اپنے ہی سینہ میں سنانِ لاہور

خان صاحب نے کہا خوہ! یہ تنادیں والا
بڑھ گیا۔ قُرق ہی کرلے گا مکانِ لاہور

مولوی نے کہا پڑھتے ہُوئے اِنّا لِلّٰہ
بے نمک ہوگئی ہے آہ یہ نانِ لاہور

پیرِ فرتُوت نے فرمایا کہ احبابِ کرام
کوئی لیتا نہیں یہ میری کمانِ لاہور

خواجۂ وقت پُکارا کہ مَیں پہلے ہی سے
دوستو! چھوڑ چکا ہُوں یہ جہانِ لاہور

ایک صاحب نے کہا۔ ڈیم یہ شوری والا
یُوں ہی دِکھلاتا رہا سبز جنانِ لاہور

ایک دریچے سے یہ حسرت بھری آواز آئی
ہائے کیوں لُٹتی چلی جاتی ہے شانِ لاہور

ڈال کر ماتھے پہ بَل کہنے لگا اُن کا کبیر
سخت ناکام رہا میرا زمانِ لاہور

شانِ مُرشد کی گھٹائی کہ بڑھے عالم میں
شان میری کہ مَیں ہُوں رُوحِ رَوانِ لاہور

پیش کچھ بھی نہ گئی۔ ایسا خفیہ اُلٹا
مُجھ پہ غالب رہے وُہ چند یلانِ لاہور

"میرزا" کو جو نبی کہتے ہیں غالی بن کر
قادیاں کو جو سمجھتے ہیں "امانِ لاہور"

اِتنے میں آگیا محمودِ زمن کا سرہنگ
دم بخود رہ گئے دہشت سے بُتانِ لاہور

جلسہ سالانہ تھا؟ یا جمع ہُوئے تھے اکمل
قبرِ حرماں زدہ پر فاتحہ خوانِ لاہور

(۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء)

عید سے دُوسرے دِن

بہت بے لُطفیوں میں آپ کے گُذری عید اضحٰی کی — کہ یاد آ آ کے تڑپاتی رہی زُلفِ چلیپا کی

مَیں اُن کے پاؤں پر اپنی جبینِ صدق رکھتا تھا — خُدا جانے ہے کیا تعبیر میرے کل کے رؤیا کی

تعالیٰ اللہ کیسی شان و شوکت آن حشمت ہے — ذرا "چرٹ تک" تو دیکھے آ کے کوئی میرے دُولہا کی

بہارِ حُسن سے تازہ دماغِ عشق رہتا ہے — میری آنکھوں میں رہنے دیجئے تصویر "مرزا" کی

بنا مسجد ہُوئی لنڈن میں، اَب سُنتے ہیں برلن میں — صدائیں گنبدوں سے آتی ہیں اَللہُ اَعلیٰ کی

قدم لینے کو فتح و نصرتِ ایزد چلی آئی — جدھر باگیں اُٹھیں محمود احمد میرے آقا کی

کچھ اُن کی چشمِ نرگس گوں کی کیفیت سُنا مجھ کو — تیری تقریر اے واعظ نہیں ہے میرے منشا کی

محمد مُصطفٰے مدفون زیرِ خاک ہوں مُلّاں — یہ کیا بے غیرتی ہے آسماں پر جا ہو عیسیٰ کی

چلو دِکھلائیں تُم کو کارنامے عشقِ صادق کے — ہزاروں آبلہ پا چھانتے ہیں ریگ صحرا کی

نہیں سمجھے تو کہدوں صاف ما کانے میں جا دیکھو — خرامِ زمانہ نے کِس کے۔ قیامت ایسی برپا کی

کہاں ہیں آئیں! سب لافِ تعشّق مارنے والے — کہ اَب پڑ تال ہونے والی ہی ہر اک کے دعویٰ کی

ستائش کر رہی ہے ساری دُنیا خدمتِ دیں پر — امیر المومنین فضلِ عمر محمود مرزا کی

چُھٹی جاتی ہیں نبضیں اب تو بیمارِ محبّت کی — نگاہ منتظر خواہاں ہے اعجازِ مسیحا کی

دِیا تھا مال اب جاں بھی فدا کر دوں یہ خواہش ہے — تمہارے حُسنِ عشوہ ساز کے پیہم تقاضا کی

سُنا دو قیس کو غیروں کے ہاتھوں لُٹنے والا ہے — وُہ محمل تھی توقّع جس میں تم کو اپنی لیلیٰ کی

زباں پر حرفِ مطلب آ نہیں سکتا نہ آئے گا — پرستش کر رہا ہوں دیر سے اِک رُوئے زیبا کی

فدا کارِ محبّت ہوں۔ قتیلِ تیغِ حسرت ہوں — تبھی تو لطف کاری ہوگی اس حسنِ دلآرا کی

بتا دُو! اکمل شیوا بیاں اب کیا ارادہ ہے
تمہیں کیا کہہ گئی مردِ خدا تقریب اضحیٰ کی

(۱۳؍ اگست سنہ ۱۹۲۳ء)

مجاہدینِ اسلام کی شان میں

قادیان اک باغ ہے اس میں انگور بھی
شیشہ بھی ساغر بھی مے بھی ساقی مخمور بھی

بر سرِ بام آ کہ ہے جلوہ فگن حسنِ ازل
دیکھنے والوں میں ہے یہ عاشقِ مہجور بھی

اُمتِ احمد ہوں میں موسیٰ و عیسیٰ ہو چکے
طور بھی موجود ہے یاں اور شمعِ طور بھی

ہم پرانے عشق باز دل سے کیوں وہ چھپنے لگے
آخر اک دن دیکھ لیں گے جلوہٴ مستور بھی

سچ تو یہ ہے یار پہلو میں نہ ہو تو مطلقاً
کچھ مزا دیتا نہیں افسردہٴ انگور بھی

محتسب جانے بھی دے گر ہو گئی مجھ سے خطا
ہوتے ہیں دنیا ہی میں معذور بھی مجبور بھی

عید کے دن منہ چھپائے جا رہے ہو جانِ من
آؤ لگ جاؤ گلے موقعہ بھی ہے دستور بھی

اتحادِ ہندو و مسلم کی اس بنیاد پر
ایک مذبح چاہیئے اور اک بتِ مغرور بھی

آگرے میں لشکرِ محمود نے بت توڑ کر
اب سنا ہے چھاؤنی ڈالی ہے گورکھپور بھی

خوب چمکے حضرتِ نیّرؔ بلالی شان میں
مرحبا کہتی ہے روحِ حضرتِ مغفور بھی

کلبہٴ تاریک میں ہے روشنی ہی روشنی
کوئی دن میں آ رہے ہیں صادقِ پُر نور بھی

اے ترے صدقے بخارا کے سفیرِ دلنواز
حلقہٴ زنجیر میں دیکھی تھی چشمِ حور بھی

سات زندانوں میں دیکھیں تو نے جو آزادیاں
کیا بھلا دیکھیں گے ان کو قیصر و فغفور بھی

تم ہمارے ساتھ تھے اور ہم تمہارے ساتھ تھے
اپنے اپنے ہوتے ہیں نزدیک بھی اور دور بھی

باغ میں کس رشکِ گل کی آمد آمد ہے کہ آج
آنکھیں کھولے تک رہی ہے نرگسِ مخمور بھی

تو ہے کشتی بان میرا پھر مجھے اندیشہ کیا
ہے اگر طوفان زوروں پر شبِ دیجور بھی

اے محرم کے فدائی اب بہت تو رو چکا!
چاہیئے کچھ زمانِ عیش کا مذکور بھی

اے مسیحائے زماں کیا عرض کر سکتا ہوں میں؟
تیری چوکھٹ پر پڑا ہے اکملِ رنجور بھی

(۲ نومبر ۱۹۲۸ء)

تأثراتِ حاضرہ

(۱)

اِس قدر سخت گُناہوں میں گرفتار ہُوں مَیں — جو سزا بھی ہو مجھے اُس کا سزاوار ہُوں مَیں

دِن بدن زار ہُوئی جاتی ہے حالت میری — اے طبیبو! میرا درمان۔ کہ بیمار ہُوں مَیں

سُوجھتا کچھ نہیں آخر مجھے کیا کرنا ہے — سخت حیران ہُوں سرگشتۂ افکار ہُوں مَیں

قافلے والوں سے پیچھے مَیں رہا جاتا ہُوں — المدد! آبلہ پائی کہ بہت زار ہُوں مَیں

سجدہ کرنے کی بھی توفیق نہیں مِلتی ہے — اور یُوں کہنے کو مُسلِم فدا کار ہُوں مَیں

نفسِ اَمّارہ مجھے روز دبا لیتا ہے — شرم آتی ہے کہ مشہور توہوشیار ہُوں مَیں

حسن ہو حسن! مری جان یہ کیسی خفگی — آپ کو دیکھنے کا صِرف گُنہ گار ہُوں مَیں

(۲)

بُوئے مئے مَست کئے دیتی ہے سرشار ہُوں مَیں — کہ سر افگندۂ دروازۂ خمّار ہُوں مَیں

جیتے جی جنّتِ ماویٰ میں مقام اپنا ہے — یعنی باشندۂ معمُورۂ دِلدار ہُوں مَیں

ٹُکڑے ٹکڑے ہے جگر لب پہ ہیں آہیں یکسر — سینٹ پیری کی شہادت کا عزادار ہُوں مَیں

خُون رُلواتی ہے یاد آہ! عَبَیدُ اللّٰہ کی — اِس جواں مرگ کا ذاکرِ پُر ایثار ہُوں مَیں

نُورِ چشمانِ جماعت ہیں ترے پسماندے — ماریشیس میں نہ کہے کوئی کہ بیدار ہُوں مَیں

کُھل گیا ہے درِ میخانہ بڑھو میخوارو — اب نہ نکلے یہ کسی مُنہ سے کہ ہشیار ہُوں مَیں

شکلِ اوّل کی نہ صُغریٰ کی نہ کُبریٰ کی خبر — بندۂ عشقِ حسینانِ طرحدار ہُوں مَیں

آ گئے صادقِ پُر نُور مُبارک اکملؔ — عاشقِ حُسنِ غُلامِ شہِ ابرار ہُوں مَیں

(۳)

آہ! حیرت زدۂ وادیٔ پُر خار ہُوں مَیں — شائقِ دیدِ گُل و گلبن و گلزار ہُوں مَیں

اپنی خدمت کوئی لے لیجئے مجھ سے مولےٰ — کہہ سکُوں مَیں بھی کہ ہاں بندۂ سرکار ہُوں مَیں

نہ تو زاہد میں ہے وہ بات نہ شاہد میں وہ رنگ
اور ہی جنس کا عالم میں خریدار ہوں میں

سن بے مُلّا - مَیں مُوحّد ہوں خدا شاہد ہے
دیر سے اِک بُتِ کافر کا پرستار ہوں مَیں

کہتا رہتا ہوں کہ آج اُن سے یہ شکوے ہوں گے
بول سکتا نہیں جب سامنے دوچار ہوں میں

یُوسفِ شملہ نے اِکرام میں وہ منزل طے کی
راہ میں جس کی ابھی تک کہ گرفتار ہوں مَیں

پالیا ایک ہی غوطے میں وہ دُرِّ مقصود
اور ثابت کیا منجملۂ اخیار ہوں مَیں

رہ گئے دیکھتے ہی ہم تو لبِ ساحل پر
حَوضِ کوثر سے ندا آئی کہ لو پار ہوں میں

اِن یتیموں کا وُہی حافظ و ناصر ہو گا!
جس نے فرمایا کہ رحمان ہوں غفّار ہوں مَیں

تیرے صدقے تیرے قُربان مدینے والے
تیرے دامن کی ہوا چاہیئے بیمار ہوں مَیں

دین کے واسطے ہر کام مجھے کرنا ہے
حاشا لِلّٰہ! اگر طالبِ دینار ہوں مَیں

شانِ محمود کہ جلسے میں ہو دیکھی اکمل
اُسی نظّارہ کا دوبارہ طلبگار ہوں مَیں

(۸ رجنوری ۱۹۲۴ء)

میری نمازِ شوق کا ایک تشہد

گھر میں بیٹھے ہی ادا حجّ تولّا کر لوں
جو طوافِ رُخِ پُرنور مسیحا کر لوں

تم سما جاؤ میری رُوح میں اے جانِ جہاں
کہ مَیں تکمیلِ مقاماتِ تولّا کر لوں

تم چلے آؤ میرے دِل میں تمہارا گھر ہے
پردۂ چشم سے "کہتے ہو تو" پردا کر لوں

نام بھی اُن کا بتاتا ہوں ٹھہر جا ہمدم
آبِ کوثر سے دہن اپنا مُصفّا کر لوں

دیکھتے ہی رُخِ روشن میرے جی میں آیا
اپنے قبضے میں یہ قرآن مُعرّا کر لوں

ایک دن بات بھی ہو جائیگی جلدی کیا ہے
پہلے کچھ اُن سے نگاہیں تو شناسا کر لوں

مُسکراہٹ نے کسی کی جو دِکھائی بجلی
دِل کی تنویر کا سامان مہیّا کر لوں

مار ڈالا نگہِ ہوش رُبا نے اُس کی
جُنبشِ لب نے کہا مَیں تمہیں زندہ کر لوں

حال بے تابیٔ دل کھل کے نہیں کہہ سکتا
گر کبھی جرأتِ اظہارِ تمنا کر لوں

مغربی قوم جو کہتی ہے یہ اُس کا حق ہے
کہ تماشائے جمالِ مہ یکتا کر لوں

میری ادنیٰ سی یہ خدمت ہے کہ تیری خاطر
جو گوارا نہ ہُوا اُس کو بھی گوارا کر لوں

آہ! اک پیرِ خرابات کی ہو چشمِ کرم
کہ مَیں پھر حوصلۂ ساغر و مینا کر لوں

مَیں بتاتا ہُوں جو بدنام ہُوئے نام بنام
پہلے اعدائے صداقت پہ تبرّا کر لوں

پھر تو جو چیز بھی ہے میری ہی ملکیّت ہے
جو مرا ہے وہ اگر دل سے تمہارا کر لوں

اِن دِنوں میں جو ہُوا ایک قِران السعدین
ایسی تقریب پہ تیّار مَیں سہرا کر لوں

چمنِ شوق سے گلہائے عقیدت لے کر
رشتۂ الفتِ احمدؐ کو مُطلّا کر لوں

ہوگیا شکرِ خدا تحفۂ کامل تیّار
مَیں بھی نظّارۂ انوارِ ثریّا کر لوں

میوۂ نورسِ بُستانِ مسیحا ہے یہی
یہ غذا رُوح کی مَیں دیر کا بھوکا کر لوں

جذبۂ شوق کی کیا ولولہ انگیزی ہے
جی میں آتا ہے کہ پھر عزمِ بخارا کر لوں

آہ! چھبّیس مئی یاد مجھے آتی ہے
نوحۂ ہجرِ غلامِ شہِ بطحا کر لوں

والدہ صاحبہ جنّت میں سدھاریں اکملؔ
قبر پر جا کے دُعائیں شبِ یلدا کر لوں

(۲۳ رمئی سنہ ۱۹۲۴ء)

قلم کاریٔ خامۂ شوق

تھی ازل سے میری قسمت میں گنہ گاریٔ عشق
ہاں یہی خاکی ہیں کہتے ہیں جنھیں ناریٔ عشق

دِل دِیا۔ مال دِیا۔ جان بھی حاضر ہے مگر؟
حُسن والو! کبھی کی تُم نے بھی دِلداریٔ عشق

کوئے و برزن میں شب و روز پھرا کرتے ہیں
ہم ہیں گرداورِ ہر حلقۂ سرکاریٔ عشق

دلِ بیتاب یہ کہتا ہُوا پہلو سے چلا
میرے نام آیا ہے پروانۂ راہداریٔ عشق

دوستو! مژدہ کہ شاہنشۂ خُوباں نے مجھے
ہے خطاب آج دیا "اور مرے درباریٔ عشق"

ہم نہ کہتے تھے تجھے او دلِ بربادِ جمال — رنگ لائے گی کسی روز یہ خونباریِ عشق

بھوکے پیاسے درِ جاناں پہ پڑے رہتے ہیں — اِک نظر دیکھنا اُن کو ہی بس افطاریِ عشق

رام کرلیں گے کسی روز بُتانِ اجمیر — چشتیو! ہم کو ملی قافلہ سالاریِ عشق

دشمن اسلام کے۔ غدّار۔ بہائی سارے — کہ ہیں بیگانۂ ہر رسمِ وفاداریِ عشق

ہے مسیحائے زماں ہی رَجُلٌ مِّنْ فَارِسْ — بابِ گدؔ اب تو مشہور ہے انکاریِ عشق

اور سب دیکھتے ہی رہ گئے ناکام مرے — اِسی مَوعُود کے حصّے میں ہے سرداریِ عشق

جمع سب قومیں اِسی جھنڈے کے نیچے ہونگی — ہے یہی مرکزِ ہر سلسلۂ جاریِ عشق

نہ تو زاہد کو خبر ہے نہ کسی مُلّاں کو — ہم سے اِس دہر میں جو چاہتا ہے یاریِ عشق

بعد مَرنے کے یہ کتبہ مرے مدفن پہ لگا

اکملِ خستہ جگر مجرمِ اقراریِ عشق — (۸ر جولائی ۱۹۲۴ء)

شاتانِ تذبحانِ

نعمتُ اللہ خان! شہیدِ اُمّتِ احمدؐ نبی — مرحبا صد مرحبا! کارِ نمایاں کردۂ

اے "سرت گردم" چہ خوش اعلانِ حق فرمودۂ — ایں چنیں کردند مردانِ خدا در ہر صدی

آں چہ خوش رسمے است غلطیدن بخاک و خونِ خود — صد ہزاراں رحمتے بر جانِ عُشّاقِ نبی

وَحیِ حق در بارۂ شاتان گفتہ تذبحان — ثانیِٔ عبداللطیف و گوسفندے دیگری

خوب قربانی است "قربانت شوم" در راہِ حق — نوجوانِ خوب رُو و خوب خُو و مولوی

ایں چنیں باشند آیا؟ پیروانِ کافرے — اے مکذّب! مولوی گشتی و آگہ نیستی

قدرتے بنما فرودآ اے قدیر و مقتدر — خونِ ناحق ریخت یک ظالم بصد کبر و منی

اے "فدایت باد" جانِ اکملِ رنگین بیان

شاد رُو و شادمان و شاد باش و شاد زی — (۶ر ستمبر ۱۹۲۴ء)

ارادت کے چند جواہر ریزے اپنے امام کیلئے

خدا کا شکر ہے رُوحِ مسیح کردگار آئی نئے سر سے دلوں میں زندگی با صد وقار آئی
ہماری دلنوازی کو وُہ چشمِ سحر کار آئی زمانِ فصلِ گُل آیا۔ نسیمِ مُشکبار آئی
دلوں کو مُژدہ ہو پھر جوشِ مستی کی بہار آئی

قدومِ پاک کا مُژدہ لئے برقی سروش آیا فراقِ یار میں بیہوش تھے بس آج ہوش آیا
قدم لینے خرامِ ناز کے مَیں پاء بدوش آیا تیرے فیضِ کرم سے دین کے دریا میں جوش آیا
ترے یُمنِ قدم سے باغِ ایماں میں بہار آئی

کہیں کیا ہجر کی گھڑیاں گُذاریں کیسی زاری میں جو دِن گذرے تڑپتے۔ راتیں کاٹیں اشکباری میں
پڑھا کرتے تھے ہم یہ شعر سوزِ دلفگاری میں جو اُنکے حُسن سے بھی بڑھ گئی ہے بیقراری میں
تڑپ ایسی کہاں سے عشق میں پروردگار آئی

خُدا رکھے تمہیں ہو یُوسفِ موعُودِ دوراں میں تمہیں سے رونقیں ہیں احمدِ مُرسل کے بُستاں میں
پُکار اُٹھتے تھے یُوں گھبرا کے ہم حالِ پریشاں میں الٰہی رنگ یہ کب تک رہیگا ہجرِ جاناں میں
کہ روزِ بے دِلی گُذرا تو شامِ انتظار آئی

بحمدِ اللہ کہ جیتے جی مرا وُہ مہ جمال آیا پھٹے بادل مُصیبت کے اندھیرے کو زوال آیا
جو گُستاخی نہ ہو کہدُوں کہ دل میں اِک سوال آیا تیری بے اعتنائی کو یہ آخر کیا خیال آیا
جو میری پرسشِ غم کو بہ چشمِ اشکبار آئی

بچھا دوں راہ میں آنکھیں قدم تیرے پڑیں اُنپر خُدا میری جو سُن لے تو چمک اُٹھے میرا اختر
عطا کا وقت ہے لیجائے ہیں جھولیاں بھر بھر تیری محفل سے اے پیرِ مُغانِ عاشقی اکثر
مشیخت نے نواز آئی۔ فضیلت مے گسار آئی

اگرچہ رُوئے انور دیکھتے ہم بار بار آئے — مگر دل کو نہ صبر اور جان کو کچھ بھی قرار آئے
وفورِ شوق سے کہتے ہوئے سب اے نگار آئے — تیری محفل سے ہم آئے مگر با حالِ زار آئے
تماشا کامیاب آیا۔ تمنّا بے قرار آئی

نمونہ ہو مسیحائے زماں کے حسن و احساں کا — بڑھے سرمایہ روز و شب تیرے اقبال و عرفاں کا
نصیبِ اکملؔ مشتاق۔ رہنا۔ کوئے جاناں کا — پھلا پھولا رہے گلزار یارب حسنِ خوباں کا
مجھے اس باغ کے ہر پھول سے خوشبوئے یار آئی

(۲۵ نومبر ۱۹۲۳ء)

تازۂ شوق

یہ تقاضا ہے دیارِ شوق کے دستور کا — میں رہوں پابند اُن کے شیوۂ مغرور کا
حسنِ بے پروا کو آخر مسکراہٹ آ گئی — کام کچھ تو بن گیا ہے عشقِ نامنظور کا
دیر سے ہے منتظر میری نگاہِ شوق بیز — دیکھئے جلوہ ہو کب اس طلعتِ مستور کا
جس جگہ ہر وقت ہو نورِ محمدؐ جلوہ ریز — کوئی پروانہ بنے گا کیا چراغِ طور کا
فاش گفتاری زبانِ احمدی سے سیکھ لو — اب پرانا ہو چکا قصہ میاں منصور کا
وُہ گُلِ نوخاستہ بھی جلد ہی مُرجھا گیا — حق محافظ ہو گلستانِ شہِ مغفورؒ کا
آہ! وُہ طوفانِ باراں اور وُہ شمعِ خموش — بھول سکتا ہی نہیں نقشہ شبِ دیجور کا
شعر گوئی کیا کریں اکملؔ کہ ہم معذور ہیں
سخت صدمہ ہو رہا ہے فوتِ بنت النورؔ کا

(۲۳ دسمبر ۱۹۲۳ء)

توبہ! الٰہی توبہ!!

میں گنہگار سیہ کار الٰہی توبہ — قیدِ عصیاں میں گرفتار الٰہی توبہ

سخت نادم بہ خشوع و بخضوعِ قلبی ۔ ہو گیا حاضر دربارِ الٰہی توبہ

ہو کے اِک بندۂ ناچیز دلیر اتنا ہو   حق سے ہو برسرِ پیکار الٰہی توبہ

چھوٹے سے چھوٹا گنہ بھی مرے نزدیک ہے شرک   شرک سے مَیں ہُوا بیزار الٰہی توبہ

دیکھ کر تیرا عذاب اب تو ہزاروں بندے   بول اُٹھتے ہیں کئی بار الٰہی توبہ

سخت سردی میں بھی طاعون بڑھا جاتا ہے   کون جانے ترے اسرار الٰہی توبہ

مومنوں کے لئے یہ عاقبت اندیشی ہے   پڑھیں راحت میں بھی صد بار الٰہی توبہ

اپنے مرسل کے ذریعہ جو ترے وعدے ہیں   ہیں گنہ گار طلب گار الٰہی توبہ

آگ جیسی بھی ہو۔ ہے تیرے غلاموں کی غلام   کر دے اس نار کو گلزار الٰہی توبہ

ہم غلاموں کو بچانا۔ کہ تجھے پہچانا   صدقۂ احمدِ مختار الٰہی توبہ

سچ ہے سایہ بھی جُدا ہوتا ہے تاریکی میں   کون ہے بے ترے غمخوار الٰہی توبہ

سخت بادل ہیں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا   ہے کہاں مہرِ پُر انوار الٰہی توبہ

دین و دُنیا میں ہے ناکارہ بہت بیچارہ
یہ تیرا اکملِ بیمار الٰہی توبہ

سنہ ۱۹۲۵ء
(۲۴ر جنوری)

خونابہ باری مژگانِ وفا بر شہیدانِ سنگِ جفا

مرحبا صد مرحبا اے ہر دو مردانِ وفا   یک چمن خندید ز انفاسِ شما جانِ وفا

وہ چہ خوش آوردہ اید ایں ارمغانِ دل فروز   تا قیامت مفتخر باشند اخوانِ وفا

لالہ بیزی خوب شد در سر زمینِ سنگلاخ   منظرِ دلکش پدید آمد بہ بُستانِ وفا

صد حسینے از گریبانِ مسیحائے زمان   رجز خواں و نعرہ زن آمد بہ میدانِ وفا

اے پرستارِ بُتِ بہجہ بیا اینجا ببیں   ما بنا کردیم در پنجاب ایرانِ وفا

چند تا خواہی شکست اے شاہ از سنگِ جفا   صد ہزاراں لعلِ ما پنہاں است در کانِ وفا

مذہبِ اسلام را بدنام کردن خوب نیست   حکم لا اکراہ ثابت شد زِ قرآنِ وفا

زندہ باشید اے جوانانِ سعادت مندِ ما　　مشرق و مغرب نظر آید ثنا خوانِ وفا
اے خوشا وقتیکہ اکمل ہم نمازِ شوق را
از پئے جاناں ادا سازد بارکانِ وفا　　(۱۹ فروری ۱۹۲۵ء)

نغمۂ شوق

بڑھتی جاتی ہے کئی دن سے پریشانیٔ شوق　　جانے کیا کر کے رہے گی یہ فراوانیٔ شوق
حُسن والو! جو کبھی پاس میرے آ بیٹھو　　تو سکھاؤں مَیں تمہیں خوب زباندانیٔ شوق
مجھ سے مُنہ پھیر لیا پاسِ محبت نہ کیا　　یاد ہے مجھ کو وُہ ابتک شبِ حرمانیٔ شوق
مَیں تو ہر وقت ہوں تیار مگر تم یہ کہو　　سُن بھی سکتے ہو؟ مرا قصۂ طولانیٔ شوق
یہ بتائیں تجھے راہِ بخارا کے نقوش　　کہ ابھی گذرا ہے یاں سے کوئی زندانیٔ شوق
اے مسیحائے زماں مَیں تھا ظلوم اور جہول　　فیض نے تیرے بنایا مجھے عرفانیٔ شوق
آستانے پہ کمر بستہ کھڑا رہتا تھا　　یاد ایام کہ اس درجہ تھی جولانیٔ شوق
رہنما ایک ہے جسکی رائے ہے صائب　　یعنی محمُودِ زمن قبلۂ صمدانیٔ شوق
دیکھ لینا کسی دن سینکڑوں نجدی عربی　　اہلِ فارس کے لئے بن گئے طہرانیٔ شوق
مُصحفِ حُسن کی جب سطر کوئی بھی دیکھی　　کھچ گیا میری طرف سے خطِ وحدانیٔ شوق
رنگ لانے کو ہے شاید میرا خونِ ناحق　　پُورا ہو گا کبھی تو وعدۂ حقانیٔ شوق
یا الٰہی نہ اماں پائے وُہ سفاکِ جہاں　　اب تو حد سے بڑھی جاتی ہے ہراسانیٔ شوق
سخت برہم ہے مزاجِ بُتِ کافر لیکن!　　دیکھئے کرتی ہے کیا سلسلہ جُنبانیٔ شوق
اپنے ہاتھوں سے ہی خاک اپنی اُڑائی آکر　　علمانے۔ کہ وُہ تھے مظہرِ شیطانیٔ شوق
ایک ہی ضرب میں توڑا بُتِ ہبجی کا طلسم　　تُو سلامت رہے محمودِ جہاں۔ بانیٔ شوق
طُور اُگتے ہیں زمینوں سے بجائے سبزہ　　کہ ہے قبضے میں ترے آج جہانبانیٔ شوق

خودکشی کو جو شہادت کہے وُہ کیا جانے
فدویت زیرِ شوکتِ سُلطانیٔ شوق

حُسن ہے کیف سے یا لم کے مقولے سے عیاں
یہ بتائے گی تجھے ہر وجہِ جنبانیٔ شوق

حُسن بے پردہ نکل آیا کہ دیکھی نہ گئی !
زار نالی و زبوں حالی و حیرانیٔ شوق

قافلہ شام کو جاتا ہے خُدا حافظ ہو
مذبحِ حُسن پہ جا پہنچے یہ قربانیٔ شوق

شمسِ اسلام ہو رخشاں فلکِ رفعت پر
نُورِ نیّر ارضِ مبارک میں ہو تابانیٔ شوق

اب بڑھاپے میں کہاں زورِ سخن ہو اکمل
جا چکا ہے وُہ مرا موسمِ طوفانیٔ شوق

(۲۷ رجون ۱۹۲۵ء)

(ہمارا مذہب) از حضرت مسیح موعودؑ

ہم تو رکھتے ہیں مسلمانوں کا دیں
دل سے ہیں خدامِ ختم المرسلین

شرک اور بدعت سے ہم بیزار ہیں
خاکِ راہِ احمدِ مختار ہیں

سارے حکموں پہ ہمیں ایمان ہے
جان و دل اس راہ پہ قربان ہے

دے چکے دل اب تنِ خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وُہ بھی فدا

تم ہمیں دیتے ہو کافر کا خطاب
کیوں نہیں لوگو تمہیں خوفِ عقاب

کیا یہی تعلیمِ فُرقاں ہے بھلا
کُچھ تو آخر چاہیئے خوفِ خُدا

مومنوں پر کفر کا کرنا گماں
ہے یہ کیا ایمانداروں کا نشاں

ہو گئے ہم درد سے زیر و زبر
مَر گئے ہم پر نہیں تم کو خبر

آسماں پہ غافلو اِک جوش ہے
کچھ تو دیکھو گر تمہیں کچھ ہوش ہے

ہو گیا دیں کفر کے حملوں سے چُور
چُپ رہے کب تک خدا وندِ غیور

بدگماں کیوں ہو خدا کچھ یاد ہے
افترا کی کب تلک بنیاد ہے

وُہ خدا میرا جو ہے جوہر شناس
اِک جہاں کو لا رہا ہے میرے پاس

لعنتی ہوتا ہے مردِ مفتری !
لعنتی کو کب ملے یہ سروری !

ہادیٔ کامل پئے راہِ صواب آہی گیا

دوستو! وُہ مصلحِ اہلِ کتاب آہی گیا
ہادیٔ کاملؐ پئے راہِ صواب آہی گیا

کس خرامِ ناز سے کیسے عجب انداز سے
آج میرے پاس وُہ مستِ شباب آہی گیا

چونکہ گستاخی جنابِ مہدیٔ دوراں میں کی
اُمّتِ مرحومہ تھی لیکن عذاب آہی گیا

پیش گوئی تھی رسولِ پاکؐ کی۔ پُوری ہُوئی
اصفہاں سے دشمنِ اسلام باب آہی گیا

وُہ جہاں قرآن خوانی تھی۔ نظامی کی طفیل
رنڈیوں کا طائفہ۔ چنگ و رباب آہی گیا

بدعتوں کا زور تھا مکّہ میں آخر نجد سے
یادگارِ دودہ عبدالوہاب آہی گیا

مہربانی ساقیٔ مہ رُو کی۔ تلچھٹ کے بغیر
تشنہ کاموں کے لئے جامِ شراب آہی گیا

جب کبھی مَیں نے دُعا کی اضطرار و عجز سے
تیری جانب سے مِرے مولا جواب آہی گیا

شوخ تھا بے باک تھا لیکن ہُوا جب سامنا
اس بُتِ طنّاز کو یکدم حجاب آہی گیا

آج سے کل۔ کل سے پرسوں کرتے کرتے حسرتا
کوئی بھی نیکی نہ کی۔ یومُ الحساب آہی گیا

تیری بزمِ خاص میں اب باریابی ہو نہ ہو
آستانے تک تو یہ خانہ خراب آہی گیا

(۲۵ اگست ۱۹۲۵ء)

آغازِ بہارِ گلہائے گوناگوں

مُسکراہٹ سی لبوں پر جو نمودار ہُوئی
شُکر ہے کچھ تو توجّہ مری سرکار ہُوئی

اِس قدر صدمے رہِ عشقِ بُتاں میں پہنچے
کہ طبیعت مری جینے سے بھی بیزار ہُوئی

بے عمل ہو کے بھی خواہش ہو کہ پا جاؤں نجات
جیسے بُڑھیا کہ وُہ یُوسف کی خریدار ہُوئی

ٹُوٹ جائے گا طلسمِ بُتِ بہجی یک دم
جب کوئی طلعتِ محمُود نمودار ہُوئی

مَیں بھلے کی بھی جو کہتا ہُوں بُرا مانتے ہیں،
ایسی نادانوں کو کچھ عادتِ انکار ہُوئی

خیرِ اُمّت ہیں مگر ہم ہیں نبوّت سے بند — بات یہ کیا ؟ ذرا سوچو تو مرے یار ہُوئی
صدرِ انگورہ نے ناچ اپنا دکھایا سب کو — اچھی تجدیدِ خلافت سرِ دربار ہُوئی
احمدی مولوی بُلواؤ یہ کہنا ہی پڑا — اعتراضوں کی جو اغیار کے بھرمار ہُوئی
حبّذا اشرقتِ الارض بنورِ ربّی — نگہِ شوق زیارت سے پُر انوار ہُوئی
امرِ ایزد کہ ہے قرآں میں ما طاب لکم — اس کی تکمیل بذاتِ شہِ ابرار ہُوئی
مِصر و امریکہ سے ہو آئے مُبشّر اپنے — ننقص الارض من اطراف کی چمکار ہُوئی

لہریں اُٹھتی ہیں مرے قلب میں کیا کیا اکملؔ
جب سے یاں برق کی تار ازپئے گفتار ہُوئی

(۱۲ فروری ۱۹۲۶ء)

بہ یادِ سفیرِ بخارا

تڑپ رہا ہُوں محمدؐ امین خاں کے لئے — کہ جیسے بُلبلِ مہجور بوستاں کے لئے
خلوص و صدق و صفا کا نمونۂ بے مثل — دِکھا دیا میرے بھائی نے ہر جواں کے لئے
عجب دلیر وُہ سرہنگِ لشکرِ محمود — ہزاروں کوس کی یلغار ایک جاں کے لئے
خیال دِل میں فقط مشہدِ بُخارا کا — کہ وقف ہو چکا توران اصفہاں کے لئے
الٰہی خیر مری آنکھ کیوں پھڑکتی ہے، — یہ اضطرار ہے کس کیلئے ؟ کہاں کے لئے
نہ دِن کو چین نہ شب کو سکون حاصل ہے — قرار چاہیئے کچھ تو دلِ تپاں کے لئے
نثار ہوں میرے جیسے ہزاروں ناکارے — جو صرف بار ہیں اپنے شہِ زماں کے لئے
جو دین کیلئے جیتے ہیں بس وُہی جیتے، — جہان اُن کیلئے ہے تو وُہ جہاں کے لئے
شگفتہ پھول ہیں وُہ گلشنِ نبوّت کے — وُہی ستارے ہیں وحدت کے آسماں کے لئے
خدا کرے کہ سلامت ہوں باکرامت ہوں — پیام خیر کا بھجوائیں قادیاں کے لئے
ہزاروں دِل ہیں کہ اُن میں بھرا ہی شوقِ وصال — ہزاروں کان ہیں مُشتاق اِس بیاں کے لئے

دُعائیں اکمل محزوں کی سُن مرے مولیٰ ترڑپ رہا ہُوں محمدؐ امین خاں کے لئے
ہمارے ناظرِ اعلیٰ جناب نصر اللہ رضؓ بُلا لئے گئے ہیں مُلکِ جاوداں کے لئے
سیالکوٹ کے رخشندہ گوہروں سے آپ دلیلِ صدق تھے افرادِ خانداں کے لئے
ہزاروں رحمتیں تُربت پہ اُن کی نازل ہوں
عجب نمونہ تھے ہر خورد و ہر کلاں کے لئے (۷، ستمبر ۱۹۲۶ء)

مناجات

دُنیائے عاشقی میں ناکامیاب ہستی ناکامیاب ہستی خانہ خراب ہستی
پابندِ نفسِ شیطاں عصیاں مآب ہستی اکمل ہے صرف اکمل وُہ محوِ خواب ہستی
یاربّ اسے جگادے سب غفلتیں مٹادے
کُل کلفتیں ہٹادے۔ جھگڑے سبھی چکادے
ان بے وفائیوں سے بے اعتنائیوں سے تنگ آگیا ہُوں مَیں تو ہنگامہ زائیوں سے
آلودہ ہو رہی ہے دُنیا بُرائیوں سے یاربّ مجھے ملانا اُن پاک بھائیوں سے
جو تیرے ہو چکے ہیں گھر بار چھوڑ آئے
جوڑا تجھی سے رشتہ سب رشتے توڑ آئے
حاضر ہے تیرے در پر عبدِ اثیم تیرا اب دستگیر ہوگا فضلِ عظیم تیرا
بندہ ہے سرفگندہ مولا کریم تیرا اسلام احمدؐ یت دینِ قویم تیرا
قائم اسی پہ رکھیو جبتک کہ دم میں دم ہے
وردِ زبان اکمل بس نُون وَالقلم ہے
علّے کے بُتکدے میں زنجیرِ در ہلا کے روتے ہیں سُر ملا کے۔ بپتا سُنا سُنا کے
محمودِ مُصطفٰے نے غزنیٔ حق سے آ کے باقی نہ کچھ بھی چھوڑا سب رکھ دیا مٹا کے

ملحد ہیں دہریئے ہیں اصنام کے پجاری
انساں کو پوجتے ہیں مت اُن کی ایسی ماری

طاغی علی محمد ایماں گنوا رہا تھا
دجّال اصفہانی اُلٹی سُنا رہا تھا

قرآن نسخ کر کے اقدس بتا رہا تھا
میدان خالی پاکر باتیں بنا رہا تھا

ناگاہ قادیاں سے بجلی ہدیٰ کی چمکی
بہجی طلسم ٹوٹا اس زور سے وُہ گرجی

آیا مسیح صادق، دجّال مار ڈالا
تختِ الوہیت سے اُس کو اُتار ڈالا

بگڑا ہُوا اتھا جو جو یکدم سنوار ڈالا
ہر ایک کے گلے میں وحدت کا ہار ڈالا

اسلام دینِ حق ہے دائم یہی رہے گا
اکمل ہے تا قیامت قائم یہی رہے گا

(۲۵ر فروری ۱۹۲۷ء)

ہدیۂ شوق

افسوس ہے قضا ہوئی میری نمازِ شوق
یعنی ادا نہ ہوسکا مجھ سے نیازِ شوق

ہمدم نہیں ہے کوئی نہ ہے کوئی غمگسار
خاموش رہتے ہیں کہ کہیں کس سے رازِ شوق

گذری ہے عمر بھول بھلیوں میں حسرتا
طے ہوسکے گی ہم سے نہ راہِ حجازِ شوق

محمود تیرے حُسن کی ہیں جلوہ ریزیاں
ہر ایک احمدی نظر آئے ایازِ شوق

یاربّ بہت ہی دُور ہی وُہ ساحلِ مُراد
پہنچے گا تیرے فضل ہی سے یہ جہازِ شوق

پہنچا ہے سخت صدمۂ مرگِ میاں نذیر[1]
برسوں رہیگا خامہ بھی شکوہ طرازِ شوق

کیوں پیچ و تاب کھائے نہ حُسنِ کرشمہ ساز
کوتاہ جلد ہوگئی زُلفِ درازِ شوق

ہر بے وفا سے مَیں نے نباہی اخیر تک
قائم ہے میری ذات سے سب امتیازِ شوق

---

[1] ابن میاں معراج الدین عمرؔ۔

اے بوالہوس تمہارا گذر ہے وہاں محال
اُڑتا ہے جس فضا میں فقیروں کا بازِ شوق

قبلہ بنا کے اِک بُتِ کافر کو آج کل
سب سے جُدا بنا لیا اکملؔ نے حجازِ شوق

اکملؔ کسی کی یاد میں جاں سے گذر گیا
وُہ قدر دانِ حُسن وُہ اِک پاکبازِ شوق

(الفضل ۱۹ر اگست ۱۹۲۷ء)

میرے مسیح نے مجھے مستانہ کر دیا

مُلّاں تو کہہ رہے ہیں کہ دیوانہ کر دیا
میرے مسیح نے مجھے مستانہ کر دیا

گذری ہے فقر و فاقہ میں اپنی تمام عُمر
لیکن مرا مزاج تو شاہانہ کر دیا

وُہ دن بھی تھے کہ آپ سے دم بھر نہ تھے جُدا
کیا بات ہے کہ لطف سے بیگانہ کر دیا

تیری نگاہِ ناز نے اے فتنۂ زمن
دیوانہ کر دیا مجھے دیوانہ کر دیا

جو فیلسوف بنتے تھے نکلے وُہ بیوقوف
جو بیوقوف تھے اُنہیں فرزانہ کر دیا

تجھکو بنایا شمعِ سرا پردۂ جمال
تو مجھکو اپنی مہر سے پروانہ کر دیا

گیسو تھے پیچ و تاب میں برہم تھی زُلفِ یار
بڑھ کے ادب سے ہم نے مگر شانہ کر دیا

اللہ رے جذبِ ساقیٔ مہوش کہ شیخ کو
پابندِ حلقۂ درِ میخانہ کر دیا

صد مرحبا سفیرِ بخارا - حریف کو
یُوں مدح خوانِ ہمّتِ مردانہ کر دیا

مکّہ میں حکمراں ہُوئی آلِ سعودِ نجد
حق نے دخیلِ محفلِ جانانہ کر دیا

افسوس ہے تمدّنِ یورپ کے دجل نے
انگورہ ننگِ حشمتِ فرغانہ کر دیا

اِسلام اپنی جمع ہے سارا جہان وطن
تفریقِ مُلک و قوم نے کیا کیا نہ کر دیا

باطل فروشِ مکّہ پہ نفرین صد ہزار
توحید کی زمیں کو صنم خانہ کر دیا

شملہ میں اتحاد کی بنیاد رکھ تو دی
گو ہندوؤں نے بزم کو ویرانہ کر دیا

سیم و ذہب دکھا کے ہیں مذہب کو چھینتے
ان ظالموں نے دامِ تہِ دانہ کر دیا

سالوسی ہائے جُبّہ و دستار نے مجھے
مجبورِ وضع و شیوۂ رندانہ کر دیا

گنجینۂ معارفِ قرآں لٹائیں گے
اعلانِ عام جلسۂ سالانہ کر دیا

سنّور کے ولی کا ہُوا انتقال آہ
تقدیر نے جُدا مہِ سامانہ کر دیا

مخلص ترین صحابیٔ احمد رسولِ حق
جس کو نگاہِ یار نے مستانہ کر دیا

وُہ عالمِ نبیل رہِ رسم و عاشقی
پھر تازہ جس نے عہدِ محبّانہ کر دیا

مکتوب اپنے ہاتھ سے لکھتے جسے مسیح
جس پر کہ ختم خُلقِ کریمانہ کر دیا

جو اِک نشاں کا شاہدِ یکتا تھا دہر میں
جس کو عطا قمیص بزرگانہ کر دیا

جس پر نشانِ قدرتِ حق تھے وُہی قمیص
مدفونِ خاک آہ وُہ ریحانہ کر دیا

دیکھا جہاں بھی نقشِ کفِ پاء میرزا
اکمل نے جھٹ ادا وہیں دوگانہ کر دیا

شگوفۂ بہار

میری بالیدگیٔ رُوح کا موجب تیری یاد
اے خوشا یاد کہ جس سے دلِ ناشاد ہے شاد

تم جو کرتے ہو بجا کرتے ہو جو کہتے ہو حق
قول و فعل و حرکت پر ہے تہِ دل سے صاد

ذرّے ذرّے سے ہُوا نعرۂ توحید بلند
تیرے جوگی نے بجایا جو بیابان میں ناد

گالیاں دیتے ہیں دیں میرا بگڑتا کیا ہے
یہ تو ایمان کی کھیتی کیلئے ہے اِک کھاد

حُسنِ یکتا کو مرے عشق کی پرواہ ہی نہیں
لبِ شیریں نے نہ دی کوہ کنی کی کچھ داد

نہ اِدھر سے کوئی شکوہ نہ اُدھر سے پیغام
بزم کی بزم ہے خاموش پڑی کیا افتاد

دل کی اِس جنسِ گرامی کے خریدار کہاں
اب تو بازارِ محبت میں ہی کچھ رنگ کساد

دشنۂ جور سے رنگیں ہے قبائے مظلوم
لالہ زارے ست پدیدار بہ بُستانِ مُراد

اِس شفق نے یہ خبر دی کہ سحر ہو بھی چکی
طلعتِ شمس ہے نزدیک برنگِ معتاد

نجد میں محملِ لیلےٰ سے صدا آتی ہے
کچھ حریفوں نے اُڑائی ہے خبر بے بنیاد

حُسنِ غازی بھی وُہی عشقِ ایازی بھی وُہی
وُہی مے ہے وُہی ساقی ہے وُہی اُستاد

کس نے کھڑکائی ہے زنجیر وُہ کیوں پُوچھتے ہیں
کون ہو سکتا ہے جُز بندۂ خانہ برباد

درِ جاناں پہ صدائیں دیئے جاؤ اکملؔ
اِس طرف بھی نگہِ لُطف ہو خانہ آباد

(۲۴ فروری سنہ ۱۹۲۸ء)

سازِ زندگی

کب تک رہے گی آہ یہ غفلت کی زندگی
محرومیٔ ثواب و ضلالت کی زندگی

رندانِ بادہ نوش نے اکثر بیک خروش
پائی ہے تیرے فیض سے جنّت کی زندگی

ہر دم یہی دُعا ہے بدرگاہِ کبریا
یارب مجھے نصیب ہدایت کی زندگی

ذِلت ہر اک طرح کی اُٹھائے گا جو بشر
حاصل وُہی کرے گا کرامت کی زندگی

ساقی نے آج صُبح پلا دی مجھے وُہ مے
جس سے ملی ہے تازہ مُسرّت کی زندگی

دامن پہ پڑھ رہے ہیں فرشتے نمازِ شوق
محمودِ حق نے پائی طہارت کی زندگی

مُنہ نُور مے فشاند و سگ بانگ می زند
خود دیکھ لیجئے نُور کی ظلمت کی زندگی

سچ ہے کہ لَا یَمَسُّہٗ اِلّا المُطَہَّرُوْن
دِکھلائی دے رہی ہے صداقت کی زندگی

ایمان چاہتے ہو خلافت کا ساتھ دو
جانو اِسی میں ساری جماعت کی زندگی

اے زاہدِ مکر کوش یہ سُن لے بگوشِ ہوش
دوزخ کی زندگی ہے خیانت کی زندگی

دِلکش بہت ہے صبحِ وطن لیکن اے عزیز
تبلیغ میں عجیب ہے غربت کی زندگی

جنگ و جدال چھوڑ کے ہر اک سے رشتہ جوڑ
پُر لطف ہوتی ہے یہ محبّت کی زندگی

آلِ سعود نجد نے مکّے مدینے میں
پھر تازہ کی رسُول کی سُنّت کی زندگی

الفاظ سے ہو جانبِ معنی اگر رجُوع
مل جائے اُن کو مُلکِ حقیقت کی زندگی

بُزدِل ہے کاٹ لے جو گلا اپنا آپ ہی
یہ خودکشی نہیں ہے شہادت کی زندگی

الحاد پیشہ اہلِ بہاء سے کہو کہ تم
حیفا میں دیکھو شمس ولایت کی زندگی

عبدالبہاء رواج نہ اقدس کو دے سکا
قرآں میں ہے دائمی راحت کی زندگی

کوئی اُٹھے جو کابل و انگورہ سے کہے
یورپ کی زندگی ہے شقاوت کی زندگی

اسلام کے تمدن و آئیں میں جذب ہو
دونوں جہاں میں پالے سعادت کی زندگی

میں کیا بتاؤں شانِ مسیحِ محمدیؐ
وہ زندگی تھی غلبہ و قدرت کی زندگی

ہر لحظہ آسماں سے پیغام آتے تھے
رکھتے تھے ہم زمین پہ نصرت کی زندگی

کفار پہ شدید تھے آپس میں تھے رحیم
مشہور تھی خلوص و اطاعت کی زندگی

اکمل تجھے ہے دولتِ جاوید کی طلب
کر اختیار دین کی خدمت کی زندگی

۴ ستمبر ۱۹۲۸ء

درد

اے کہ تیری ذات سے قائم ہے شانِ درد
اے جہانِ درد میں کہتے ہیں جس کو جانِ درد

آ مریضِ فرقتِ احباب کے پہلو میں آ
مرحبا! خوش آمدی!! آوردۂ درمانِ درد

یک بیک گلزار شد آں آتشِ سوزِ فراق
بر منِ شوریدہ سر بارید چوں بارانِ درد

طالبانِ حریت ہیں۔ جس جگہ جائیں وہیں
چپے چپے پر بنا لیتے ہیں ہم زندانِ درد

داستانِ ہفتخواں سننی ہو۔ تو آؤ یہاں
آگیا وہ اپنی ہمارا رستمِ دستانِ درد

بتکدے سے تا حرم اِک تار ہی باندھا ہوا
اللہ اللہ کس قدر ہے وسعتِ دامانِ درد

مونسِ من ہمدمِ من در شبستانِ فراق
اے دل و جان و سرم بادا ہمہ قربانِ درد

ان بتِ بہجی کے پانڈوں میں کہاں مردانِ عشق
پائے محمودِ زمن میں پاؤ گے مستانِ درد

کوئی بیدردانِ عالم کو مرا پیغام دے
قادیاں دار الاماں میں نکلی ہے اِک کانِ درد

آگ لگ جاتی ہے بن میں بارہا دیکھا گیا
نغمہ سنجِ شوق ہو۔ جب بلبلِ بستانِ درد

آہ! بے دردوں نے پہلے کی نہ قدرِ اہلِ درد — اب بڑھے آتے ہیں جب بڑھنے لگی دُکّانِ درد

دل میں کچھ ٹکڑے مری ٹوٹی ہُوئی توبہ کے ہیں — رہ گیا لے دے کے میرے پاس یہ سامانِ درد

اے ہوس پیشہ جفا کارو تمہیں معلوم کیا؟ — میرے ہی دم سے تو ہے آباد یہ کاغانِ درد

حُسنِ بے پروا نے جھڑکا عشقِ نامنظور کو — خالی کا خالی رہا پھیلا ہُوا دامانِ درد

مرقدِ بیضاءِ احمدؐ پر چلا جاتا ہُوں مَیں
جب کبھی اُٹھتا ہے اکملؔ دل میں اِک خلجانِ درد (۶ نومبر ۱۹۲۸ء)

تراوشِ بادۂ شوق

کیا کہوں جب سے وُہ میرا مہِ کامل نہ رہا — "ولولے وُہ نہ رہے مَیں نہ رہا دل نہ رہا"

جن خیالات کی دُنیا میں ہے اپنا مسکن — اِک سمندر ہے کہ جس کا کوئی ساحل نہ رہا

باہمہ شوق یہ حرمان نصیبی میری — دیکھتے دیکھتے اس بزم کے قابل نہ رہا

جب ہُوئی جلوہ فگن طلعتِ زیبائے قدنؔ — بُتِ ہیچی کی طرف کوئی بھی مائل نہ رہا

تہمتیں دیتے ہیں ملکوت کو بے جُرم و ثبوت — ایک بھی ان میں سے قرآن کا عامل نہ رہا

حُسنِ محمُود کے جلوے ہیں ضیا پاشِ جہاں — بے بصیرت ہے جو دیدار کے قابل نہ رہا

نُور ہی نُور نظر آئے گا اِس عالم میں — جب بشر ایک بھی گم کردۂ منزل نہ رہا

لوگ کرتے ہیں عبث دشت میں مجنوں کی تلاش — نگہِ شوق ہے حیراں کوئی محمل نہ رہا

اور کیا شغل بجز دشت نوردی رکھتا — تیرا دیوانہ - کہ پابندِ سلاسل نہ رہا

جام پر جام لنڈھاتے ہیں بڑھے جاتے ہیں — میکشوں سے کوئی اِس دَور میں کاہل نہ رہا

اب تو جذبات کی دُنیا میں سکوں ہے اکملؔ
جب کہ اگلا سا وُہ حالِ دلِ بسمل نہ رہا - (۱۷ر اگست ۱۹۲۹ء)

برخے از داستانِ شوق

آستانِ درِ محمود سے جائیں گے کہاں
یہ وہ جنت ہے کہ فردوس میں پائیں گے کہاں

علمِ قرآں ہو عمل درجۂ احسان میں ہو
جامعِ ہر دو کمالات وہ لائیں گے کہاں

ناصحا مان لیا لب پہ رکھیں مُہرِ سکوت
پارہ ہائے جگرِ شوق چھپائیں گے کہاں

وہ مُروّت نہ رہی آہ! وہ اُلفت نہ رہی
نگہِ شوق سے آنکھ اپنی ملائیں گے کہاں

رسمِ مولود بنامِ بشرِ مسعود کریں
ہم سا اخلاص و عقیدت وہ دکھلائیں گے کہاں

سُننے والے ہی نہیں قصۂ طُولانیٔ ہجر
داستانِ شبِ فرقت کو سُنائیں گے کہاں

معنئ لفظِ توَفّی ہیں فلک پہ زندہ
عربی ڈکشنری میں یہ بتائیں گے کہاں

حُسن پہ غازۂ تقویٰ نہ ہو کس کام کا حُسن!
ہم سے جانباز اسے دھیان میں لائیں گے کہاں

قادیاں رہتے ہیں اکمل کہ یہ ہم جانتے ہیں
دینِ اسلام کہیں اور سکھائیں گے کہاں!

(۲۰ اگست ۱۹۲۹ء)

راز و نیاز

تم سے باتیں ہوئیں کل تار کے کھمبے کے پاس
کیا بتاؤں سامنے آ آگئی تصویرِ یاس

عشقِ نامنظور نے اے حسنِ بے پروا تری
مِنّتیں کیں سینکڑوں لیکن نہ دِلوائی کچھ آس

آہ! یہ رنگیں قبا پیشِ نظر مَیں نے جو کی
تیری قامت پہ نہیں آئی کسی صورت سے راس

جو کہا تُو نے سُنا۔ جو کُچھ کیا۔ وہ سہہ لیا
پھر بھی کچھ جذباتِ اُلفت کا نہیں آتا ہے پاس

جانِ من سوچو ذرا۔ اِس حال میں کیونکر رہے
سرزمینِ شوق میں محکم محبت کی اساس

آؤ ہم تم ایک ہو جائیں۔ دُوئی اچھی نہیں
باہمی اُلفت بڑھے جاتا رہے خوف و ہراس

اِتّحادِ ہندو و مُسلم میں ہے قومی حیات
شرط ہے اِس میں فقط باہم رواداری کا پاس

غیر کیوں پابند ہو جبراً تمہارے دین کا ہے خلاف آزادئ مذہب کے شعورِ لامساس
آؤ لگ جاؤ گلے سب بھول کر شکوے گلے غل مچے باہم ملے بچھڑی ہوئی قوموں کے واس
رستگاری ہے اسیروں کی مقدر ہو چکی دستِ محمودِ زمن پر بے شبہ بے التباس
اور کل دنیا کی قومیں جمع ہونگی ایک دن بھائی بھائی بننگے اِس توحید کے جھنڈے کے پاس
جو خبر دی وحیِ حق نے ہو کے رہنی ہے ضرور یہ نہ سمجھا جائے کوئی بندۂ اکمل کا قیاس

اے خوشا وقتیکہ ما بینیم ایں خوش منظرے
خلق مشتاقِ تماشائے بُتِ جادو گرے (۲۳ اگست ۱۹۲۹ء)

مسلکِ احمدیّت

ہم پیرویِ مسلکِ محمود کریں گے راہیں جو فسادوں کی ہیں مسدود کریں گے
جو دوست بتائیں گے بہر حال ہے مقبول دشمن جو کہے گا اُسے مطرود کریں گے
جائیں بھی چلی جائیں تو اسلام نہ چھوٹے یہ عہد۔ بعہدِ شہِ موعود کریں گے
سوئیں گے تو اِس فکر میں "اِسلام ہو بالا" جاگیں گے تہیّا پئے مقصود کریں گے
ہم جا کے بخارا میں عصا رُوس کا لینگے ایجاد وُہ کالشکرِ بے دُود کریں گے
جس بات پہ اَڑ جائینگے کر والکے رہیں گے قائم علمِ سطوتِ محمود کریں گے
ممکن ہی نہیں اُن کے ہٹانے سے ہٹیں ہم نادان عدو کوششِ بے سُود کریں گے
بہبودئ اقوامِ جہاں مدِّ نظر ہے جھگڑوں کی جو جڑ ہے اُسے نابُود کریں گے
تبلیغ کے جتنے بھی ذرائع ہیں بڑھا کر دشمن کے وسائل جو ہیں محدود کریں گے
الدّال علی الخیر کے پابند رہیں گے اِصلاح بہ ہر مجلسِ مشہود کریں گے
اللہ کے رستے میں بہ اخلاص و مسرّت جو کچھ بھی ہوا حاضر و موجود کریں گے
ہم مقتدیٔ صدق ہیں میدانِ وغا میں مانندِ علیؓ طاعتِ معبود کریں گے
ہر قول میں ہر فعل میں ہر حال میں اکمل ہم پیرویِ مسلکِ محمود کریں گے

(۱۸/اکتو ۱۹۲۹ء)

افطاری

کیا مبارک ہیں۔ یہ ماہِ رمضاں کی راتیں — فضل و احسانِ خداوندِ زماں کی راتیں

علم و عرفاں کی راتیں ہیں۔ مگر تھوڑی ہیں — چند گنتی کے ہیں ایام۔ کہاں کی راتیں

"وہ" ہے میخانہ بردوش اور گلستاں بکنار — وصلِ جاناں کی۔ عجب شوکت و شاں کی راتیں

عشق دل کھول کے ارمان نکالے اپنے — حسنِ تاباں و زمستانِ خزاں کی راتیں

اپنے مولا سے تمنا جی یہی موقعہ ہے — مومنو! آجاتی ہیں ماہِ رمضاں کی راتیں

لطف دیتی ہے عجب قرأتِ قرآنِ مجید — قابلِ دید ہیں یہ دارِ اماں کی راتیں

عیش خود کام میں سرمست بھلا کیا جانیں — کس طرح گذریں شہِ فیض رساں کی راتیں

غمِ ملت میں گھلی جاتی تھی جانِ انور — یوں گذرتی تھیں مسیحائے زماں کی راتیں

جب سے ہے جلوہ فگن۔ طلعتِ محمودِ زمن — ہو چکیں ختم۔ حکایاتِ بتاں کی راتیں

عید کا دن ہے۔ سعید۔ اور پُر انوار مگر — اس سے روشن ہیں حبیبِ دل و جاں کی راتیں

میگسارِ ازلی ہوں۔ مری توبہ ابدی — نہ چھُٹا جام۔ نہ چھوٹیں رمضاں کی راتیں

کاہشِ ہجر بھی ہے وصل کی خواہش بھی نہیں — دن مرے عید کے دن۔ راتیں فغاں کی راتیں

اہلِ ظاہر نے مرے درد کا درماں نہ کیا — اہلِ باطن میں کٹیں سوزِ نہاں کی راتیں

داستانِ دلِ پُر درد بہت دلکش تھی — آہ! تھوڑی ہیں مگر میرے بیاں کی راتیں

لوگ نادانی سے کہتے ہیں کہ رنگیں ہونگی — جان ہار اکملِ خونابہ فشاں کی راتیں

(۲۵/ فروری ۱۹۳۰ء)

رَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيۡكُمۡ اَهۡلَ الۡبَيۡت

اے خاندانِ حضرتِ مہدئ امامِ حق! — تم سے ہُوا بلند زمانے میں نامِ حق

تم ہی تو ہو کہ جن کے مبارک وجود سے — پہنچاتے ہیں ملائکۃ اللہ سلامِ حق

پھیلی تمہارے دم سے زمانے میں روشنی — پھوٹا ہے ایک چشمۂ نور کلامِ حق
تم ہو خدا کے ساتھ خدا ہی تمہارے ساتھ — ہم نے ہزار بار سُنا یہ پیامِ حق
تم پر خدا کی رحمتِ خاصہ کا ہے نزول — قائم ہوا تمہیں سے یہ سارا نظامِ حق
لاریب تم ہو فارسی الاصل وہ رجال — وابستہ جن کی ذات سے ہوگا قیامِ حق
ایمان لانے والے ثریّا سے تم ہی ہو — ہاں ہاں تمہیں نے آکے دکھایا مقامِ حق
تم ہو امانِ اہلِ زمیں جانِ علم و دیں — تم سے ملے گا جس کو ملے گا مرامِ حق
تم ہو نجوم جن سے ہدایت کی راہ ملی — محمود کا وجود ہے ماہِ تمامِ حق
تطہیر پر تمہاری ہی شاہد خدائے پاک — تقویٰ سے بن گئے ہو ائمہ کرامِ حق
ہر رجس سے ہو پاک سراپا ہی نور ہو — روشن تمہارے نام سے ہوتا ہی نامِ حق
بدگو وہی ہے جس کو بُرائی سے پیار ہے — جو نیک ہے کریگا ضرور احترامِ حق
ازواج و اُمّہات و بنات و بنینِ بیت — واللہ سب کے سب ہیں مجسّم نظامِ حق
اندھے نہیں ہیں، دیکھتے ہیں عقل رکھتے ہیں — یہ گھر زمانے بھر میں ہی بیتُ الحرامِ حق
دامن تمہارا پاک ہے ہر نقص و عیب سے — وہ مُشک ہو کہ جس سے مُعطّر مشامِ حق

مدّاحِ اہلِ بیتِ مسیحِ محمدی
اکمل تمہارا خادم و سرمستِ جامِ حق (۲۷ر اپریل ۱۹۳۰ء)

دس بیس سال اور جیئے بھی تو کیا جیئے

سجدے نہ اُن کے نقشِ کفِ پا پہ گر گئے — دس بیس سال اور جیئے بھی تو کیا جیئے
اللہ رے شانِ مصطبۂ مہدیٔ زماںؑ — بھر بھر کے پیالے شوق کے مَیں نے کئی پیئے
اِن دشمنوں سے درپئے آزار جو رہے — گن گن کے بدلے۔ خالقِ کونین نے لئے
تقدیر نے جو چرکے لگائے ہیں سینے میں — اب ان کو میری سوزنِ تدبیر کیا سیئے
اکمل خدا کے دین کی خاطر بصد خلوص — کچھ کام کر گئے۔ تو صحابہؓ ہی نے کئے

(۲۵ مئی ۱۹۳۰ء)

نذرِ عقیدت

زندہ باش و شاد زی فضلِ عمر پیارے امام
مر گئے دشمن بُرے اُنکا تباہی ہے مقام

فتح و نصرت چومنے آئی قدم بالالتزام
تُو نے جس میدان میں ڈالا سمندِ تیز گام

تُو نے پھونکی جسمِ عالم میں عجب رُوحِ حیات
تجھ سے زندہ ہو گیا پھر حضرتِ عیسیٰ کا نام

حاسدِ بدبیں نے بے پَر کی اُڑائی تھی مگر
رُوسیاہی ہو گئی۔ ثابت اُسی کی لا کلام

ہر عقیدت کیش نے اُٹھکر دیا زندہ جواب

اے فدایت جانِ اکمل۔ والیٔ دار السلام

(۲۵ جون ۱۹۳۰ء)

عرضِ تمنّا

کُوچۂ یار میں دھونی جو رما بیٹھے ہیں
جیتے جی گھر وہی جنّت میں بنا بیٹھے ہیں

چھوڑ کر مال و منال و وطن و یارِ عزیز
ہم تو جتنے بھی قضیئے تھے مٹا بیٹھے ہیں

دیر سے منتظر دستِ کرم ہیں ساقی
اپنے خمخانے سے دو گھونٹ پلا بیٹھے ہیں

شوقِ کہنہ کے لئے میوۂ نورس ہے کہاں
گلشنِ حُسن کے سب لُطف اُٹھا بیٹھے ہیں

یہ گھٹائیں مری جذبات کی دُنیا میں روز
بجلیاں نت نئی چمکاتی ہیں۔ آ۔ بیٹھے ہیں

اور کیا عرض کریں اکملِ محزوں اُن سے

دردِ دل اپنا کئی بار سُنا بیٹھے ہیں

(۲۰ مارچ ۱۹۳۱ء)

یومُ النحر

خدا کے فضل سے پھر آگئی ہے عید قربانی
وہ قربانی کہ جس کی قدر ابراہیمؑ نے جانی

نہ ماتھے پہ ہی بل آیا نہ دل میں کچھ خلل آیا
چھری رکھدی گلے پر اپنے بیٹے کے بہ آسانی

ہُوا خنجر بکف ابّا۔ بسرِ تسلیم خم بیٹا | خدا کی بات دونوں نے بشرحِ صدر جھٹ مانی
اطاعت اسکو کہتے ہیں وفاداری یہ ہوتی ہے | کیا کرتے ہیں یُوں تعمیل ارشاداتِ ربّانی
خُدا کا حُکم جو بھی ہو دل و جاں سے بجا لاؤ
اِسی کا نام ہے اکمل حقیقت میں مسلمانی | (۲۸ اپریل ۱۹۳۰ء)

رباعی

خُدا نے بخشی ہے خلعت تجھے خلافت کی | قبا ازل سے عنایت ہُوئی سیادت کی
دُعا ہے شاہِ حُسنِ نظامِ مِلّت کی | "ترا اُٹھان ترقّی کرے قیامت کی"

سیّدنا محمودؓ

کھُلی زمانے میں جس دم فضیلتِ محمودؓ | بفضلِ حق سے ہُوئی قائم خلافتِ محمودؓ
نگاہِ شوق سے پُوچھو صباحتِ محمودؓ | تو شمعِ ذوق سے سُن لو فصاحتِ محمودؓ
خدا نے رکھ دیا جب نام آپکا "محمود" | تو خود بُرا ہے۔ کرے جو مذمتِ محمودؓ
جو مجرمین نے دیکھی سیاستِ محمودؓ | تو مخلصین ہیں آگاہ رافتِ محمودؓ
جو دوستوں سے سُنو گے عدالتِ محمودؓ | تو دشمنوں سے سلوکِ مروّتِ محمودؓ
بتا دیا تھا خُدا نے کہ وُہ تو یُوسف ہے | کہ تا نہ ہو سکے اِنکار عصمتِ محمودؓ
مخالفت کو جو اُٹھّا۔ دِکھا دیا نیچا | کہ چاہتا ہے خُداوند رفعتِ محمودؓ
یہ وعدہ مالکِ قدر و قضا کا ہی سچّا | رہے گی کُفر پہ غالب جماعتِ محمودؓ
خطاب مِل گیا "وِلیم دی کانکرر" اس کو | کہ اہلِ غرب پہ کھُل جائے عظمتِ محمودؓ
طلسم اہلِ بہا ٹُوٹنا یقینی تھا | کہ بُت شکن ہی ہمیشہ سے سطوتِ محمودؓ
بگاڑ سکتے نہیں آپ کا عدو کچھ بھی | فرشتے کرتے ہیں ہر دم حفاظتِ محمودؓ

ہر ایک بات میں مذہب کی پیش پیش رہے — یہی ہے پختہ دلیلِ امامتِ محمودؓ
معارف اور حقائق کا اک خزینہ ہے — جو ہے نشانِ منیرِ صداقتِ محمودؓ

بصد خلوص دُعا ہے یہ عاجز اکملؔ کی
کرے ترقی جاوید دولتِ محمودؓ

۲۶ مئی کا دن

بزمِ جاناں میں ابھی بیٹھنے پائے نہ تھے ہم — آہ! جی بھر کے اُنہیں دیکھنے پائے نہ تھے ہم

حیف در چشم زدن صحبتِ یار آخر شد

بلبلِ خستہ جگر بن کے زبانِ اکملؔ — یہی دُہراتی ہے ہر وقت فغانِ اکملؔ

رُوئے گُل سیر ندیدیم بہار آخر شد

نعتِ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم

م۔ محمد مصطفٰے ہو مظہرِ نُورِ خُدا تم ہو — ا امامِ مرسلین خلقِ خدا کے رہنما تم ہو
ح۔ حدیثِ عشقِ سوزاں کس سے کہئے اور کیا کہئے — ک کہ مطلوبِ خلائق ہو تو محبوبِ خدا تم ہو
م۔ مری بیتابیاں از حد فزوں ہیں ہجرِ جاناں میں — م مریضِ لادوا مَیں ہُوں مسیحِ مجتبیٰ تم ہو
د۔ دلِ پُر شوق اکملؔ کی حکایت گر سُنی جائے
ل لبِ اعجاز بول اُٹھیں کہ ہاں میرے فدا تم ہو (۲ر اپریل ۱۹۳۱ء)

ہدیۂ محبت

شمس کیا آیا تمنّا دل میں طوفاں آیا — دجلۂ شوق میں سیلاب فراواں آیا
یُوسفِ مصر محبت پئے درماں آیا — آنکھیں روشن ہُوئیں میرا مہ کنعاں آیا

حُسن کس شان سے آیا ہے کہ عُریاں آیا
عشق فرقت زدہ کے وصل کا ساماں آیا

متبسّم برخ و چشم درخشاں آیا
نُور کے سانچے میں ڈھل کر مہِ تاباں آیا

"بے حجابانہ درا بر درِ کاشانۂ ما
کہ کسے نیست بجز شوقِ تو در خانۂ ما"
(۲۰ر دسمبر ۱۹۳۱ء)

شانِ محمودؓ

انجام ناکام مفتریانِ نافرجام

کہاں ہے حاسدِ بدگو کہاں ہے
وُہ دیکھے صدق صادق عیاں ہے

وُہی ہم ہیں وُہی دارالاماں ہے
خدا نے شانِ محمودی دِکھا دی

فسُبحان الذی اخزی الاعادی

ہمارے کام خود حق نے سنوارے
بُجھائے آتشِ شر کے شرارے

فرشتے اپنی نصرت کے اُتارے
جو کرتے پھرتے ہیں ہر سُو منادی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

ہُوئے ناکام آخر فتنہ ساماں
بنے پھرتے تھے جو فرعون و ہاماں

بڑھی ہے شانِ یُوسفِ پاک داماں
وذٰلك فضل مولی الکل ھادی

فسُبحان الذی اخزی الاعادی
(۲۹ر مارچ ۱۹۳۲ء)

ہجرت فی سبیل اللہ

اے مہاجر دیکھ گھبرانا نہیں افلاس سے
مومنوں کے کام چلتے ہیں ہمیشہ آس سے

"روضۂ بیضا" بُھلا دیتا ہے سب رنج و ہموم
مَیں ابھی آیا ہُوں اُٹھکر آپ ہی کے پاس سے

جب ہجومِ یاس ہو - یا غلبۂ افکار ہو
اپنے مولا کی مدد لے سُورۂ والنّاس سے

فی سبیل اللہ ہجرت کا نتیجہ تنگیاں!
دیکھنا بچنا ہرے بھائی بُرے وسواس سے

مُشکلیں سب دُور ہونگی استقامت شرط ہے
رَبّنا اللہ کہنے والے بچتے ہیں ہر یاس سے

اسکے اندر گند ہیں جنّت کی راہیں بند ہیں
دیکھ دھوکے میں نہ آ: کُفر کے آماس سے

تاجداروں سے ہیں بڑھ کر باپ مہدی کے فقیر
کانچ کو نسبت ہی کیا ہے۔ پارۂ الماس سے

مسلکِ نانکؒ پہ چل کر آگ سی ہر سُو لگا
آجکل کی گرمیوں میں صُبح کی اُڑداس سے

دوجہاں میں زندگی آرام سے ہو گی بسر
ناجیٔ مخلوقِ حق احمدؐ نبی کے پاس سے

عِشق کامل چاہیئے پھر حُسن مائل دیکھئے
الحذر اس شکوۂ ہمدردیٔ احساس سے

فضلِ ہادی فیضِ مہدی ہے کہ اکملؔ کا دماغ
ہے معنبر گیسوئے محمود کی بُو باس سے

قادیان دارُالامان

اے قادیاں ۔ اے قادیاں
تیری فضائے نُور کو

دیتی ہے ہر دَم رَوشنی
جو دیدہ ہائے کور کو

پہنچا ہے جس کا فیضِ کُل
دُنیائے نزد و دُور کو

جس کی بڑائی کی خبر
ہے قیصر و فغفور کو

مَیں قبلہ و کعبہ کہوں
یا سجدہ گاہِ قُدسیاں!

اَے تخت گاہِ مُرسلاں
اَے قادیاں اَے قادیاں

تُم منبعِ عرفان ہو
تُم مَرجعِ ادیان ہو

علم و ھُدیٰ کی کان ہو
سرچشمۂ ایمان ہو

قُربان میری جان ہو
قُربان میری آن ہو

میرے خدا کی شان ہو پہنچا رہے فیضان ہو
ہر ظاہر و مستور کو اے مرکزِ اسلامیاں
اے تختگاہِ مرسلاں
اے قادیاں اے قادیاں

(۸ر اگست ۱۹۳۲ء)

آنیوالا دوشنبہ

چند شرارے خاکسترِ شوق سے

خدا کے فضل سے پھر آگیا جلسہ دسمبر کا
جو ہے اِک جلوۂ پُرنور شانِ حیِّ اکبر کا

خدا خود اِن دِنوں میں آسماں سی گویا اُتریگا
بنے گا طورِ سینا ذرہ ذرہ خاکِ اطہر کا

تمنائیں برآئیں گی کئی ارمان نکلیں گے
نگاہِ شوق کو دیدار ہوگا رُوئے انور کا

مُبارک عشقِ صادق کو کہ فیضِ باریابی سے
رہیگا حُسن سے شکوہ نہ کچھ اپنے مُقدّر کا

لبِ مُعجز بیاں سی زندہ ہونگے مُردے عالم کے
بڑا دِن آنے والا ہے مسیحِ ربِّ اکبر کا

ضیاء بخشِ قلوبِ خلق ہوگا چاند نبیوں کا
تو فردوسِ نظر ہوگا چمن گلہائے ازہر کا

پرستارانِ کعبہ دیر سے پیاسے تڑپتے تھے
ملے گا اُن کو لبریزِ معارف جام کوثر کا

غلامانِ نبیؐ خوش خوش پھرینگے کُوئے جاناں میں
طواف اُنکو میسر آئیگا محمودؔ کے در کا

دلِ بیتاب کو تسکین دینگی وصل کی راتیں
مرے ہاتھوں میں ہوگا سلسلہ زُلفِ معنبر کا

جدھر دیکھو گے الملک احمدی ہی احمدی ہونگے
ہر اک لبیک گویاں منتظر فرمانِ داور کا

خوشا وقتے و خرم روزگارے برزباں ہوگا
کہ یارے برخورداز وصلِ یارے کا سماں ہوگا

(۲۰ر دسمبر ۱۹۳۲ء)

نذرِ عقیدت بدربارِ خلافت

بین الاقوام مُسلّم ہے سیاست تیری — شان و شوکت سے مزیّن ہے خلافت تیری
نورِ اسلام سے پُر نور ہے عادت تیری — عفو و احسان سے معمور طبیعت تیری
حق نے اِس درجہ بڑھائی ہی وجاہت تیری — غیر مُسلم کئی رکھتے ہیں ارادت تیری
بڑھ گئی حاتمِ دَوراں سے سخاوت تیری — سبق آموزِ حریفاں ہے کفایت تیری
جاگزیں بسکہ دِلوں میں ہے مَحَبّت تیری — شوق سے کرتے ہیں سب لوگ اطاعت تیری
استجابت کو شرف تیری دُعا سے حاصل — تیر برجستہ کو لے آتی ہے ہمّت تیری
پھول جھڑتے ہیں ترے مُنہ سے بوقتِ تقریر — یار و اغیار میں مشہور فصاحت تیری
تین کو چار کیا تُو نے ہی ابنِ موعود — جب بڑے بھائی نے کی ذوق سے بیعت تیری
نگہ لطف بھی ہے دُرّۂ فاروقی بھی — "نرمی و گرمی بہم بہ" ہے سیاست تیری
خدمتِ دین کو تیّار ہیں پیر و برنا — احمدی کور سے ظاہر ہے نظامت تیری
تُو نے کشمیر کو دِلوائے حقوقِ قومی — اپنے بیگانے پہ حاوی ہے مُروّت تیری
جو مقابل پہ اُٹھا۔ بیٹھ گیا۔ زیر ہُوا — یُوں خُداوندِ زماں کرتا ہے نصرت تیری
بجلی آتی ہے کوئی دِن میں مسخّر ہو کر — تاکہ خدمات بجالائے بسُرعت تیری
شانِ والا سے جو آگاہ نہیں ہیں ابتک — دیکھ لیں جلسہ میں آکر وُہ قیادت تیری
یہ تری بندہ نوازی ہے کہ اکمل ساضعیف — تیز گامی میں کیۓ جائے رفاقت تیری

۵ دسمبر ۱۹۳۴ء

(صاحبزادہ حافظ) مرزا ناصر احمد صاحب (بی۔ اے۔ مولوی فاضل) کا سہرا

مُبارک ہو تجھے ابنِ امامِ قادیاں سہرا — کہ حُوریں گوندھ کر لائیں ترا اے جانِ جاں سہرا
خُدا نے عرش پر تحمید کی جس پاک ہستی کی — اُسی کے نُور سے پُر نور تیرا جاوداں سہرا
مُبارک مُصلحِ موعود کے فرزند اکبر ہو — ترے سر پر رہے تاباں درخشاں دُرفشاں سہرا

زمیں پر شادیانے ہیں زبانوں پر ترانے ہیں
فرشتوں کی زبانی گا رہا ہے آسماں سہرا

الٰہی ناصرِ احمدؐ کو منصورِ جہاں رکھیو
اور اسکے روئے انور پر سعادت توأماں سہرا

نجاتِ خَلق وابستہ ہو اب ابنائے فارس سے
انہی کے سر رہیگا نازشِ صاحبقراں سہرا

مُبارک آلِ احمدؐ کو مُبارک کُل جماعت کو
مُبارک ناصرؔ و منصورؔ و محمودِ زماں ہمہ را

(۷ اگست ۱۹۳۴ء)

صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کا سہرا

ضیا بخش عیونِ انس و جاں منصور کا سہرا
کہ ہے یہ نورِ چشمِ حضرتِ مامُور کا سہرا

مسیح و مہدیٔ مولیٰ کا پوتا جب بنا دُولہا
فرشتے لائے گُل ہائے ریاضِ نُور کا سہرا

تری نسلاً بعیداً انے نویدِ جانفزا بخشی
مزیّن گوہرِ محمُود سے منصور کا سہرا

یہہ دَورِ خُسروی ابناءِ فارس کو مُبارک ہو
رہیگا۔ اب انہی کے سر نئے دستور کا سہرا

خوشی کے شادیانے بج رہے ہیں ایک عالم میں
پڑھا جائے گا گھر گھر اکملِ مسرور کا سہرا

اگست ۱۹۳۴ء

ہم کیا کر دکھائیں گے

نئی زمین نیا آسماں بنائیں گے
خُدا کے فضل سے سب کچھ یہ کر دکھائیں گے

ہے کون؟ کام خُدا کے جو روک سکتا ہو
جو روڑے راہ میں اٹکیں گے پِیسے جائیں گے

جو خاکسار نظر آتے ہیں حقیر تجھے
یہ شہ سوار ہی آخر کو فتح پائیں گے

"لوائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد"
شکست دشمنِ حق ہی ضرور کھائیں گے

یہ مُشکلات ہی کیا ہیں جو حل نہیں ہونگی
پہاڑ کتنے ہی رستے سے ہم ہٹائیں گے

بڑھے چلو کہ خُدا کو تمہیں بڑھانا ہے
وُہ کہہ چکا ہے کہ اعدا کو ہم گھٹائیں گے

ظفر علی ہو کہ اہلِ حدیث یا احرار
یہ کھاد گلشنِ احمدؐ کی بن کے آئیں گے

ہمیں تو بخشا ہے حق نے سکون و اطمینان
بھروسہ فضلِ خدا پر کئے ہیں ہم بیدار
جھلک جو حُسنِ دل افروز کی نظر آئی
دُعا ہے قادرِ مطلق سے زیر ہوں دشمن
خدا نے چاہا تو سرہنگ لشکرِ محمود
ہیں محوِ دیدِ رُخِ یار حضرتِ اکمل

نہ اضطراب کبھی احمدی دکھائیں گے
نہ مارتے ہیں کسی کو نہ مار کھائیں گے
کسی کی راہ میں آنکھیں وُہ خود بچھائیں گے
کہ ہم سے وعدہ ہے تم کو ضرور اُٹھائیں گے
بتوں کو بھی کلمہ ہاں کبھی پڑھائیں گے
نہ سنتے ہیں نہ کسی کو وُہ کچھ سُنائیں گے

(۱۴ ستمبر ۱۹۳۴ء)

شورشِ باطل میں نغمۂ اکمل

جو مرا تھا وُہ اگر سارا ہی اُن کا نہ ہُوا
"کلمہ پڑھنے میں واللہ میں سچا نہ ہُوا"
کیوں نہ غوغائے حسود اں سے رہے حشر بپا
"درخور قہر و غضب جب کوئی ہمسا نہ ہُوا"
ابتدا ہی سے ہُوں محسودِ حریفانِ جہاں
"کام میں میرے ہے جو فتنہ کہ برپا نہ ہُوا"
دیکھ کر جلوۂ حق لب پہ لگی مُہرِ سکوت
"رُوبرو کوئی بُت آئینہ سیما نہ ہُوا"
ہم اگر چاہیں تو دَم بھر میں کریں ملیامیٹ
"لفظ یہ وُہ ہے جو شرمندۂ معنیٰ نہ ہُوا"
نہ صداقت کے نشاں دیکھیں نہ حق بات سُنیں
"گوش شنوا نہ ہُوا دیدۂ بینا نہ ہُوا"
حُسنِ احمدؐ ہو بیاں اور نہ تڑپ اُٹھیں لوگ
"قصۂ حمزہ ہُوا عشق کا چرچا نہ ہُوا"
جب سے دیکھا رُخِ پُر نور مسیحائے زماں
"اُلٹے پھر آئے درِ کعبہ اگر وا نہ ہُوا"
کس نے دیں وادیٔ مغرب میں اذانیں جاکر
"پھر غلط کیا ہے کہ ہم سا کوئی پیدا نہ ہُوا"
احمدی قوم بڑھی چل کہ ہی بڑھنے میں حیات
"خاک کا رزق ہے وُہ قطرہ کہ دریا نہ ہُوا"
آستانے پہ تو ہر وقت پڑا ہے اکمل
"تیرا بیمار بُرا کیا ہے جو اچھا نہ ہُوا"

"تھی خبر گرم کہ غالب کے اُڑینگے پُرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہُوا"

(۲۶ اکتوبر ۱۹۳۴ء)

خلافت

خلافت سے وابستگی رُوحِ مِلّت — اِسی سے ہے بڑھتا وقارِ جماعت
یَدُ اللہ جسپر ہے ارشادِ نبویؐ — کرو جان و دِل سے سب اسکی اطاعت

خلیفہ ہمارا جو فضلِ عمرؓ ہے — اِلٰہی کتابوں میں اس کی خبر ہے
مسیحِ محمدؐ نے فرما دیا تھا — ہمیں اس کا رُتبہ بھی بتلا دیا تھا
بڑا صاحبِ شانؔ شوکت وُہ ہوگا — اُولُوالعزم ذِی جاہ و دَولت وُہ ہوگا
زمیں کے کناروں تلک اُسکی شُہرت — پہنچ جائے گی یعنی تبلیغ و دعوت
عبائے خلافت سے ملبوس ہوگا — جو مُنکر ہے وُہ سخت منحوس ہوگا
وُہ مَوعُود بیٹا نشاں ہے خُدا کا — وُہ ہادی ہے اُمّت کی راہِ ہُدیٰ کا
مُبارک زمانہ ہے اس باخُدا کا — یہ ہے فضلِ مولائے ارض و سما کا
مُبارک جو بیعت میں اُسکی ہیں داخل — کہ ہونگے وُہی حضرتِ حق سے واصل
مُبارک کہ پچیس ۲۵ سالوں سے قائم — خلافت ہے فضلِ الٰہی سے دائم
منائیں گے ہم جوبلی سب خوشی سے — شریک اُسمیں ہونگے جو صدقِ دلی سے
جو مَوجُود ہے مال قُرباں کریں گے — کہ قدموں میں اسکے یہ سب کُچھ دھریں گے
فِدا جان بھی اپنی کردیں تو کیا ہے — یہی اپنا مقصد یہی مُدّعا ہے
کہ اِسلام کا بول بالا ہو دَائم — وُہی سب سے مقبول و اعلیٰ ہو دَائم

ترانۂ تمجید

خُدا کے فضل کا مورد کسی دن شہر بھیرہ تھا — کہ نورالدینؓ سے فاضل کا آخر اس میں ڈیرا تھا
ضیا بخشی کو نِکلا قادیاں سے چاند نبیوں کا — وگرنہ ہر طرف چھایا ہوا اندھیر ہی اندھیرا تھا

الٰہی نصرت و تائید استقبال کو آئی
جدھر اس فاتحِ عالم نے اپنے رُخ کو پھیرا تھا

یکایک دیکھتے کیا ہیں کہ اِک چھوٹے سے گاؤں میں
ہزاروں پاکبازوں نیک بندوں کا بسیرا تھا

دُھندلکے میں نظر گر کچھ نہ آیا ہو تو اب دیکھو
کہ سر پر آگیا سُورج - نہ کہنا پھر - اندھیرا تھا

گواہی دے رہا ہے بُوٹا بُوٹا باغِ احمدؑ کا
کہ حق نے قادیاں میں تخمِ نُورانی بکھیرا تھا

بنا کر مہدیٔ مَوعُود جس کو حق نے بھیجا ہے
وُہی ہاں وُہی تو - مُرشدِ اسلام میرا تھا

نویدِ کامیابی لے کے ہر شام اُس کی آتی تھی
اُمیدوں سے بھرا پُر نور اُس کا ہر سویرا تھا

حُضورِ یُوسفِ ثانی میں لایا سُوت کی اَٹیا
جسے کمزور ہاتھوں نے بڑی محنت سے ٹیرا تھا

خُدا سب کا ہے اُس کے فضل پر سب کا بھروسہ ہے
غلط سمجھا اگر تُو نے یہ سمجھا صرف تیرا تھا

سعادت ہو قریب اُن کے ہدایت ہو نصیب اُن کے
کہ نُورالدینؓ کا مولد مرے مولا - یہ بھیرا تھا

گھٹائیں چھا رہی ہیں جنگ کی چاروں طرف ہمدم
کبھی امن و سکوں کا آہ! ان مُلکوں میں ڈیرا تھا

خُدا شر سے نہ انگیزد کہ در وے خیر ما باشد
یہ مصرع برزباں جاری تھا جب دہشت نے گھیرا تھا

ذرا بھی جس نے کی خدمت ہُوا مخدومِ قوم آخر
بنا وُہ کار فرما جو صحابہؓ میں کمیرا تھا

ہُوئی ہے دستگیر بے کسی رحمت خداوندی
غموں نے ورنہ اکملؔ کو نہایت سخت گھیرا تھا

الفضل ۳۰ اگست ۱۹۳۹ء

جلسۂ سالانہ جماعتِ احمدیہ

دسمبر کے جلسے کے سامان ہوں گے
تو فضلِ عمر صدر ذی شان ہوں گے

کئی احمدی آ کے مہمان ہوں گے
خُدا کے خلیفے پہ قربان ہوں گے

بہن سے بہن بھائی سے بھائی مل کر
بہت خرم و شاد و فرحان ہوں گے

سُواری جو بادِ بہاری چلے گی
جلو میں ہمارے دل و جان ہوں گے

سُنائیں گے ہم کو وُہ باتیں خُدا کی
نئے سر سے تازہ بہ ایمان ہوں گے

جو بولیں تو جھڑتے ہیں پھول اُنکے مُنہ سے ... مقابل میں کیا لعل و مرجان ہوں گے
بُجھا لینا پیاس اپنی اے حق کے پیاسو ... عطا جام پر جامِ عرفان ہوں گے
مُبارک کہ ناصر میاں آ گئے ہیں ... کسی روز سر خیلِ اِخوان ہوں گے
خُدا کا نوشتہ ہے ابناءِ فارس ... ولی - غوث - مامُور سُلطان ہوں گے
کرشنا گئو پال کے سنگ ساتھی ... مہاں آتما - وِدّیا وان ہوں گے
مسیحِ محمدؐ کے شیدائیوں میں ... مُطیعانِ اِسلام و قرآن ہوں گے
غُلامانِ درگاہِ مہدیِ دوراں ... بہت جلد یہ چین و جاپان ہوں گے
اُروپا - امیرکا - افریقہ والے ... یہ سب آپ ہی کے تو غلمان ہوں گے
عرب کیا - عجم کیا - اسی کے فدائی ... اسی پر فدا ہند و توران ہوں گے
فقیرانِ بابِ مسیحِ محمدؐ ... وُہ دِن آرہا ہے کہ سُلطان ہوں گے
بہشتِ بریں قادیاں میں ہے لوگو! ... یہیں وارثِ فضلِ رحمان ہوں گے
یہیں پہ خلافت کے جھنڈے گڑے ہیں ... یہیں لوگ آکر مسلمان ہوں گے
مُحبوں کو ہر ایک نعمت ملے گی ... پریشان ہونگے نہ حیران ہوں گے
جو دُشمن ہیں وُہ سوچ لیں کیا کریں گے ... قیامت کے دِن اُنکے چالان ہوں گے

نگاہِ کرم ہو تو اکمل سے عاصی
مُشرّف بہ غفران و رضوان ہوں گے

(الفضل ۳ نومبر ۱۹۳۸ء)

نذرِ عقیدت بہ دربارِ امامِ ملّت

قادیاں کے امام کے صدقے ... اس کے محمود نام کے صدقے
نام کے صدقے کام کے صدقے ... اور اس انتظام کے صدقے
خاتم الانبیاء محمدؐ کے صدقے ... اُس کے احمدؐ غلام کے صدقے

لا کے ایماں دیا ثریّا سے — اس مسیح السّلام کے صدقے
اس سے روشن ہوئے قلوبِ خلق — ضوءِ ماہِ تمام کے صدقے
جس میں قرآن کا درس ہوتا ہے — ایسی پُر نور شام کے صدقے
کر دیئے عقدے وا مسائل کے — اس فصیحُ الکلام کے صدقے
مست و سرشار کر دیا ہم کو — مئے عرفاں کے جام کے صدقے
پُر معارف ہیں خطبے جمعوں کے — کاتبانِ کرام کے صدقے
ہندو و مسلم اور عیسائی — آپ کے فیضِ عام کے صدقے
"اسکی زلفوں کے سب اسیر ہوئے" — ایسے بے دانہ دام کے صدقے
مولوی فاضل اور گریجوایٹ — حسن و احسانِ تام کے صدقے
راہِ مولیٰ میں زندگی دے دی — واقفانِ عظام کے صدقے
روند ڈالا ہے مشرق و مغرب — کوشش و اہتمام کے صدقے
خود بخود بڑھ رہی ہے یہ تحریک — نیکیوں پر دوام کے صدقے
ہنگری سے مجاہد آتا ہے — نوجواں ابراہام کے صدقے
ہیں خدا کے سپاہی پانچ ہزار (۵۰۰۰) — شہرِ والا مقام کے صدقے
نیشنل لیگ۔ مجلسِ خدّام — ان جوانوں کے گام کے صدقے
ہو رہی ہے نمازِ شوق ادا — اس قعود و قیام کے صدقے
اک نگاہِ کرم کی ہے درخواست — جلوہ افروز بام کے صدقے
قربِ محبوب۔ دولتِ مطلوب — عیدِ ماہِ صیام کے صدقے
ہر غلامِ نبی بہ دل شاکر — اپنے طاہر امام کے صدقے
میں بھی ہو جاؤں اکملؔ عاصی — اس امامِ انام کے صدقے

(۲۵ رمضان المبارک) (الفضل ۲۳ نومبر ۱۹۳۸ء)

درد دل کا اظہار

اُٹھو سونے والو! سحر ہو گئی ہے
یہ دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو گئی ہے

ابھی تک نہیں خوابِ غفلت سے جاگے
تو پہلے سے حالت بتر ہو گئی ہے

بڑھے جا رہے ہیں فدایانِ ملت
تری سوتے سوتے بسر ہو گئی ہے

جو کاکُل تھے کل۔ آج کیا دیکھتے ہیں
وُہ زُلفِ رسا تا کمر ہو گئی ہے

اُٹھو نوجوانو! کہ اب فرض و لازم
یہ تبلیغ ہر ایک پر ہو گئی ہے

نمازوں سہی، روزوں سہی، بُوڑھے ہیں ناصر
تو نزدیک فتح و ظفر ہو گئی ہے

دسمبر کے جلسے کی تیاریوں میں
مُنوّر زمیں سر بسر ہو گئی ہے

چلو قادیاں کو۔ چلو قادیاں کو
بہت سو چُکے دوپہر ہو گئی ہے

مسیحِ زماں آ کے جا بھی چُکا ہے
جو تھی آخری توپ سر ہو گئی ہے

مریضِ شبِ ہجر۔ پر۔ حق کی رحمت
بچارے کی حالت دِگر ہو گئی ہے

"رُخ و زُلف" کی یاد۔ "شام و سحر" ہے
یُونہی عمر اپنی بسر ہو گئی ہے

نہ گھبراؤ واعظ اِسے پی بھی جاؤ
پُرانی ہے اَب بے ضرر ہو گئی ہے

پلا دے مجھے اوک ہی سے پلا دے
کہ سُنتا ہُوں مَے تیز تر ہو گئی ہے

نہ ٹھرّے کی خواہش نہ پوّے سے مطلب
کہ مدہوشیوں میں گزر ہو گئی ہے

مجھے تلخ کامی کا شکوہ ہی کیا ہو
یہ جان ان سے شیر و شکر ہو گئی ہے

نگاہِ کرم پر دل و جان صدقے
رقیبوں پہ کیوں منحصر ہو گئی ہے

پڑا رہنے دے اپنے دھاوت کو دَر پر
بحِل خُوں ہُوا جاں ہدر ہو گئی ہے

پہنچنے نہ پائے کہ رَوندے گئے ہیں
خُدا جانے کس کی نظر ہو گئی ہے

زمانہ کی گردش سے کیا پیش آیا
وُہ دُنیا ہی زیر و زبر ہو گئی ہے

نہ اگلی سی باتیں نہ پچھلی سی راتیں
دگر صورتِ بحر و بر ہوگئی ہے

پریشان و حیران و گریاں و بریاں
طبیعت ہی ایسی۔ مگر۔ ہوگئی ہے

بنائے نہیں بنتی بگڑی ہے ایسی
سنورتے سنورتے بتر ہوگئی ہے

بجھائے نہیں بجھتی ایسی لگی ہے
جو شعلہ تھی پہلے شرر ہوگئی ہے

بلالو تو حاضر۔ بھلادو تو غائب
یہ اِس مبتدا کی خبر ہوگئی ہے

وَمَا اَنَا قُلتُ کی بحثوں کو چھوڑو
مطوّل بھی اِک مختصر ہوگئی ہے

گناہوں کی گٹھڑی ہی بوجھل الٰہی
مری زندگی اَب دوبھر ہوگئی ہے

تری رحمتوں کا بھروسہ ہے مولیٰ
سیہ کاریوں میں بسر ہوگئی ہے

نہیں زادِ رہ پاس لمبا سفر ہے
مری روح فکروں کا گھر ہوگئی ہے

یہ ٹوٹی ہوئی توبہ کے ٹکڑے ساقی
چبھن اِن کی داغِ جگر ہوگئی ہے

ملے گی کبھی تو مجھے دادِ چپ کی
مری آہ گو بے اثر ہوگئی ہے

ہوئے بال چٹّے تو اکملؔ سمجھ لے
کہ اَب سونا کیسا؟ سحر ہوگئی ہے

(الفضل ۱۰ / دسمبر ۱۹۳۸ء)

مُبلّغ افریقہ کو خوش آمدید

مُبارک ہو "مبارک احمد" افریقہ سے آتا ہے
مجاہد فِی سَبِیلِ اللہ نصرت ساتھ لاتا ہے

دکھایا ہے بہت اچھا نمونہ نوجوانی میں
جَزَاکَ اللہُ فِی الدَّارَینِ خیر اَلبَ آتا ہے

بڑھے جاؤ عزیزو! نوجوانو!! ہاں بڑھے جاؤ
جو ہٹتا ہی یا ٹھہرتا ہی بہت تکلیف پاتا ہے

جو اپنی زندگانی وقف کردے راہِ مولےٰ میں
جو اپنے آپ کو اسلام کی خاطر مٹاتا ہے

ہمیشہ کی۔ وہی تو۔ زندگی پائیگا عالم میں
نہیں کچھ بھی گھٹاتا ہی وہ شان اپنی بڑھاتا ہے

امیر المومنین۔ محمود احمدؑ کی جو خواہش ہے
اُسے جو پورا کرتا ہے وہی جنت میں جاتا ہے

اٹھو اٹھتی جوانی ہی۔ یہ دنیا دارِ فانی ہے
جو کرنا ہی ابھی کرلو۔ تمہیں اکملؔ سناتا ہے

(الفضل ۲۵ / دسمبر ۱۹۳۸ء)

سہرا

مُبارک احمدؐ کے سر ہے سہرا
یہ دونوں دُولھا ہیں شان والے
فلک پہ حُوریں بھی گا رہی ہیں
پَرو کے پَروَیں بتا رہی ہیں
بنے۔ بنی ہیں بنی رہے گی
کہ خاندانِ مسیح و مہدی میں
دُعا ہے اکمل کی یا الٰہی!
بنائیں اِنعام لاتناہی
یُونہی بہاریں رہیں چمن میں
اِمامِ دُنیا بنیں زمن میں

منظفر احمدؐ کے سر ہے سہرا
کہ اِن کا علم و ہُنر ہے سہرا
ملائکہ کو سُنا رہی ہیں
کہ غیرتِ صد قمر ہے سہرا
تمام خلقت یہی کہے گی
رابطہ سر بسر ہے سہرا
رہیں ہمیشہ جہاں پناہی
نشانِ فتح و ظفر ہے سہرا
کبھی نہ غم آئے اِنکے مَن میں
اسی کا پیغام بر ہے سہرا

(الفضل ۲۸ دسمبر ۱۹۱۳ء)

سلکِ لآلی مشتمل بر افکارِ حالی

مرحبا فارسی الاصل مسیح آفاق
حملے پر حملہ مخالف جو کئے جاتے تھے
کہتے جاتے ہیں کہ مرفوع ہے جسمِ عیسیٰؑ
دیکھ کر منظرِ وَالَّیلِ اِذَا عَسعَسَ کو
اِسمِ اَحمدؐ سے پھر آئے گا محمدؐ کا بروز
ہتک ہم ختمِ نبوّت کی ہیں کرتے یا تم
ذیلِ مہدی میں چلے آؤ تو سب کچھ پاؤ

آپ کے نُور سے معمور ہے دستِ قبچاق
کر دیا اُن کا حساب آپ نے یکسر بیباق
کیوں نہیں دیکھتے آیت کا سیاق و سباق
چشم وَالصُّبحِ تَنَفَّس کی ہی رہتی مشتاق
کر دیا فیصلہ مولیٰ نے بروزِ میثاق
قائلِ بندشِ رحمت کا ہی کس پر اطلاق
شرط یہ ہے کہ نہ ہو شائبۂ کُفر و نفاق

قادیاں آکے صحابہؓ سے مسیحا کے ملو — دیکھنے ہوں جو رسولِ عربی کے اخلاق

صبر کا اجر کوئی دن میں ہے ملنے والا — کہ ہے نزدیک بہت وعدۂ ایامِ تلاق

یُونہی بکتے نہ چلے جاؤ خلافت کے خلاف — پہلے ثابت تو ذرا کیجئے گا اِستحقاق

”دیکھ چھوٹوں کو ہے اللہ بڑائی دیتا“ — یُوں ہُوا کرتا ہے ابرار کے حق کا احقاق

احمدیت! ترے جھنڈے رہیں قائم دائم — تجھ کو بھولیں نہ ارُوبا و فلسطین و عراق

اس زمانے میں جو مانو۔ تو جہادِ مُسلم — ہے فقط۔ جتنا بھی ہو سکتا ہو مالی انفاق

جو معاند ہیں اُنہیں یاد رہے ”والتفّت“ — جب پکاریں گے وُہ گھبرا کے بہر سو ”من راق“

شَفقتِ خَلقِ خُدا پر ہو بغیر از مِنّت — نام رکھ لینے سے کیا بنتا ہے اپنا اشفاق

کلمہ گوؤں کو ہے فکرِ حقوقِ ملّی — کاش کر لیتے مقابل ہیں وُہ دشمن کے ”وفاق“

انجمن سازی سے کہتے ہیں کہ ہو گی اصلاح — صادق آتی ہے وُہ ضرب المثلِ تا تریاق

سُنّتِ اللہ ہے مصلح کو وُہ خود بھیجتا ہے — وُہی مامُور کیا کرتا ہے جمع آفاق

آ گئی کام میں چستی۔ نہ رہی کچھ سُستی — صدر کا جب سے نظارت سے ہُوا ہے الحاق

میری قسمت ہی کچھ ایسی ہے وگرنہ میں تو — فضلِ مولیٰ سے ہُوں ہر علم میں ہر فن میں طاق

پیرِ میخانہ کی اندرز ہے اکمل رہے یاد
مُہلکِ رُوح ہے مذہب کے مسائل میں مذاق

(الفضل ۱۹ جنوری ۱۹۲۹ء)

نغمۂ بہارِ حالِ دلِ زار

یہ تو میں کیونکر کہوں تیرے فداکاروں میں ہُوں — ہاں یہ سچ ہے میں خطاکاروں گنہگاروں میں ہُوں

میں سراپا عجز ہو کر۔ ناز برداروں میں ہُوں — پاس تو کچھ بھی نہیں لیکن خریداروں میں ہُوں

میری کشتی ہے بھنور میں اور میں بے دست و پا — ایک طوفانی سمندر کے گرانباروں میں ہُوں

”میرے زخموں پر لگا مرہم کہ میں رنجور ہُوں“ — با دلِ مجروح و محزوں سینہ افگاروں میں ہُوں

مال و جان دینے سے جنت مل رہی ہے آجکل ہائے میں دنیائے دوں کے لغو بیوپاروں میں ہوں
وہ بھی دن تھے لوگ کہتے ۔ آدمی ہے کام کا اور اب تو بخت برگشتہ زیاں کاروں میں ہوں
سست گامی پہ مری افسوس کرتے ہیں تمام پھر وہ دن آئیں الٰہی تیز رفتاروں میں ہوں
یاد کر کر کے وہ اگلی صحبتیں اے ہمدمو! چشم سے چشمے رواں رہتے ہیں خونباروں میں ہوں
اس صدی کے سر پہ یہ اعلان احمدؑ نے کیا میرے پیچھے پیچھے آؤ ۔ میں ہی سالاروں میں ہوں
منزل مقصود پہ تم سب کو میں پہنچاؤں گا حضرت باری تعالیٰ کے خاص الخاص اخیاروں میں ہوں
میری قسمت اچھی تھی اس بزم میں شامل ہوا یہ سراسر فضل ہے ورنہ میں گنہ گاروں میں ہوں
جب سے ساقی نے پلایا خود مجھے اک جام مے ہے عجب مستی کا عالم اور ہشیاروں میں ہوں
مجھ سے بڑھ کر کون ہو آزاد ۔ پھر دل شاد بھی ان کی زنجیر محبت کے گرفتاروں میں ہوں
جانشینی کے لئے حق نے کیا وہ انتخاب جو بجا کہتا ہے میں احمدؑ کے مہ پاروں میں ہوں
حسن و احسان میں نظیر مہدیٔ موعود ہوں لَا یَمَسُّہٗ سے ظاہر ہے کہ ابراروں میں ہوں
اک نگاہ لطف ہو جائے تو با صد داغ دل میں یہ سمجھونگا کہ صبح و شام گلزاروں میں ہوں
ہو نہیں سکتا کہ ہو تو بستۂ فتراک دوست اور پھر کہنا پڑے اسکو کہ میں خواروں میں ہوں
رحمت حق آسماں پر دے رہی ہے یہ صدا آگے بڑھ آؤ کہ سب سے بڑھ کے غفاروں میں ہوں
پردہ پوشی کرتا ہوں ہر توبہ کرنے والے کی ایک میں ہی ہوں حقیقت میں جو ستاروں میں ہوں
عید اضحیٰ آ کے مجھ کو راز یہ سمجھائے گی زندہ رہنا ہو تو اپنے دار برداروں میں ہوں
عید قرباں آ کے قربانی کی رہ بتلائے گی ذبح ہو جاؤں تو میں انکے فداکاروں میں ہوں
مجلس خدام کے ممبر بنو ۔ خدمت کرو پھر یہ کہنے کا تمہیں حق ہے رضاکاروں میں ہوں

جاں نثاری سے ملا کرتی ہے اک تازہ حیات
بڑھ کے اکمل کہہ بھی دو "تیرے وفاداروں میں ہوں"

(الفضل ۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء)

سرگذشت بازگشت

کہاں گیا وہ زمانہ۔ عجب زمانہ تھا — کہ جب مسیحِ محمدؐ کا کارخانہ تھا

خدا کی وحی کو ہم صبح و شام سنتے تھے — کلام آپ کا ذاتی بھی عارفانہ تھا

یہ قادیان ہی تھا۔ جس نے یہ شرف پایا — نہ سینٹ پال، نہ کلیر، نہ درگیانہ تھا

معاندین کا بغض و عناد کیا کہئے، — زبان آگ اُگلتی تھی اِک زبانہ تھا

مخالفین اُڑاتے شرر شرارت کے — دہن نہیں تھا وُہ آتش فشاں دہانہ تھا

غضب کی آگ اہنسا سے بجھ گئی آخر — مسیحِ احمدِؐ مختار کا زمانہ تھا

دِکھایا خُلقِ محمدؐ تو ہو گئے نادم — رَوِیَّہ جن کا نہایت ہی خودسرانہ تھا

سمجھ رہے تھے جسے پوتھہ بیوقوفی سے — کُھلی جو آنکھ تو دیکھا دُرِ یگانہ تھا

ہزاروں دِل ہُوئے جاتے تھے حُسن پر قُرباں — کہ نقش خُوب تھے انداز دِلبرانہ تھا

ہماری قسمتِ خوش نے ہمیں بھی دِکھلائی — وُہ بزمِ ناز کہ جس میں مئے و مغانہ تھا

نظر پہاڑ مصائب کے آرہے تھے مگر — انہی میں ایک نہاں قیمتی خزانہ تھا

مقابلے پہ جو نِکلا تباہ ہو کے رہا — کہ یہ نشانہ خُداوند کا نشانہ تھا

جنہوں نے ساتھ دِیا۔ شاد کامِ وصل ہوئے — یہی صِلہ تھا۔ کہ رنگ انکا عاشقانہ تھا

بہار آئی گلستانِ احمدِیّت میں — زبانِ شوق پہ عُشّاق کی۔ ترانہ تھا

بدل گئی جو یکایک نگاہ ساقی کی — تو اِس بساط پہ نَے نے چنگ نے چگانہ تھا

نگاہِ لُطف و کرم کی نوازشیں نہ رہیں — کہ گویا زخمِ جگر۔ دردِ دل۔ بہانہ تھا

نگاہِ یار کی وُہ دِلنوازیاں ہیں کہاں — وُہ دُکھ بھری جو کہانی ہے کیا فسانہ تھا

پیالہ ہاتھ سے چھوٹا۔ گمان کیا ٹوٹا — صَدائے غیب تھی یہ ناز دِلبرانہ تھا

مگر نہ جوش ہی کم تھا۔ نہ ہوش ہی گُم تھا — سنبھل کے بیٹھ گئے لب پہ پھر ترانہ تھا

وہی جبیں، وہی آستانۂ دلدار
وہی ترنّمِ بلبل بہ آشیانہ تھا

اندھیری رات گئی آفتاب پھر نکلا
خدا کا شکر کہ روشن غریب خانہ تھا

رہی نہ کوئی بھی اُلجھن۔ سُلجھ گئے گیسو
کہ دستِ قدرتِ ثانی میں ایک شانہ تھا

تمام زنگ ہمارے دلوں کے دُور ہوئے
یہ کام قوّتِ قدسی کا معجزانہ تھا

نوازشات ہیں پیہم ہماری حالت پر
یہ خاص فضلِ خداوند ایں زمانہ تھا

وفاشعار ہیں، برطانیہ حکومت کے
کہ ہم رعایا ہیں حق اُس کا خسروانہ تھا

جہاد و صدقۂ و صوم و صلوٰۃ۔ حجّ و زکوٰۃ
یہی طریق، یہی طرز مومنانہ تھا

ریاضتِ بدنی و خدمتِ عوام النّاس
سلوک بچّوں سے اپنے مربّیانہ تھا

یہ وُہ روش ہے کہ جسپر چلا دیا ہم کو
ملاکِ امر۔ محمدؐ کا آستانہ تھا

کسی کے حسن کے جلووں نے کردیا بیتاب
تو زیرِ سایۂ دیوار ہی ٹھکانہ تھا

وطن کی یاد۔ ہمیں کیا ستائے گی اکمل
دیارِ یار کا قسمت میں آب و دانہ تھا (الفضل ۹ فروری ۱۹۲۹ء)

زمانے کے فتور اور ظہورِ مامور

اجی مولوی جی! یہ کیا ہو رہا ہے
کہ عیسیٰؑ کا رفعِ سما ہو رہا ہے

نہ مریمؑ کے بیٹے کو اتنا بڑھاؤ
مسلمان کہلا کے کیا ہو رہا ہے

فلک پر ہو عیسیٰؑ۔ محمدؐ زمیں میں
جو تھا ناروا وُہ روا ہو رہا ہے

وُہ۔ نبیوں کا سردار۔ مٹی کے نیچے
یہ خوب احترام آپؐ کا ہو رہا ہے

زمانے نے کچھ ایسا پلٹا ہے کھایا
کہ جنگ و جدل جا بہ جا ہو رہا ہے

جرائم کی کثرت ہے تقویٰ کی قلّت
کہ مفقود خوفِ خدا ہو رہا ہے

نہ حُبّ صداقت نہ پاسِ شرافت
ہر اک جا پہ فتنہ بپا ہو رہا ہے

وہ آزاد مُسلم وہ دِل شاد مُسلم
اسیرِ کمندِ ہَوا ہو رہا ہے

کبھی صاحبِ دَولت و شان و شوکت
مگر آجکل بے نوا ہو رہا ہے

حکومت کا جس کی کہ چرچا تھا گھر گھر
وہ رُسوائے عالم گدا ہو رہا ہے

کئی دانے تسبیح کے توڑ ڈالے
ارے میرے دانا یہ کیا ہو رہا ہے

نہیں یاد قول و قرارِ محبّت
زباں پر ہے شکوہ گلا ہو رہا ہے

کِسی کے وہ احسان سب بھول بیٹھے
بھلائی کے بدلے بُرا ہو رہا ہے

اُسی کا صفایا۔ شرف جس سے پایا
ادا خُوب حقِّ قضا ہو رہا ہے

ہماری ہی بلّی ہمیں ہی میاؤں
میاں جی / بتاؤ یہ کیا ماجرا ہو رہا ہے

پَراؤں سے اُلفت ہے اَپنوں سے نفرت
یہ کیا پاسِ عہدِ وفا ہو رہا ہے

اشارے کنائے تھے پہلے تو خفیہ
مگر سب کچھ اب برملا ہو رہا ہے

سمجھ جاؤ طوفان ہے آنے والا
مکدّر جو رنگِ فضا ہو رہا ہے

فرستادۂ حق پئے دستگیری
وہ دیکھو کہ جلوہ نما ہو رہا ہے

ثریّا سے ایمان لایا ہے واپس
مُبارک جو اِسپر فدا ہو رہا ہے

وہ گوشہ نشیں تھا مگر دیکھ لیجے
کہ اَب مِیرزا مِیرزا ہو رہا ہے

جہاں کذب و باطل کا تھا زور پہلے
وہاں شورِ صدق و صفا ہو رہا ہے

بہا تھا جہاں خوں شہیدوں کا اُس کے
وہاں پیشکش خونبہا ہو رہا ہے

جسے زہر سمجھے تھے دُنیا کے بندے
وُہی دیکھو آبِ بقا ہو رہا ہے

علیٰ رَغمِ اَنفِ حریفانِ عالم
ہمیں حاصل اب مُدّعا ہو رہا ہے

مرا ذوق بینا ہے۔ گو۔ شوق رُسوا
جو نالہ تھا۔ بانگِ دَرا ہو رہا ہے

نہ کیوں ظلمتِ کُفر۔ کافور۔ ہوتی
ضیا بخشِ جاں۔ مَہ لقا ہو رہا ہے

یہ فضلِ عُمرؑ کی دُعائیں ہیں جن سے
بہ ہر رنگ فضلِ خُدا ہو رہا ہے

خبر ہے تجھے کیا؟ یہ اے شاہِ خُوباں
زمانہ ترا مُبتلا ہو رہا ہے

پئے دینِ حق قادیاں آ کے دیکھو
کہ کیا کام صُبح و مسا ہو رہا ہے

غلامانِ احمدؑ کمر بستہ حاضر
ہر اک مال و جاں سے فدا ہو رہا ہے

جدھر جاؤ ذکرِ خدا۔ فکرِ عُقبےٰ
جہاں بیٹھو صَلِّ عَلیٰ ہو رہا ہے

نہ دشمن کی باتوں پہ جاؤ۔ خود آؤ
اور آنکھوں سے دیکھو کہ کیا ہو رہا ہے

جوانانِ مِلّت میں وُہ جوشِ خدمت
کہ بس مَرحبا مَرحبا ہو رہا ہے

جو بُوڑھا ہے دَرماندہ کمزور عاجز
وُہ مصروفِ شغلِ دُعا ہو رہا ہے

خواتینِ لجنہ کی سرگرمیوں سے
ہر اِک شُعبے میں اِرتِقا ہو رہا ہے

یتیموں کی، بیواؤں کی، غمگُساری
غریبوں کا ہر دَم بھلا ہو رہا ہے

ہے بچّوں کی تعلیم بھی تربیت بھی
تہیّا۔ ہر اِک کام کا ہو رہا ہے

غرض دین و دُنیا کی بہبُودیاں ہیں
درِ جنّتِ خُلد۔ وا۔ ہو رہا ہے

نگاہِ نوازش۔ ز راہِ تَرحّم
تقاضائے اہلِ وفا ہو رہا ہے

نظامِ جماعت۔ سب اچھا ہے اکمل
جو کچھ ہو رہا ہے۔ بجا ہو رہا ہے

(الفضل ۲۱ر فروری ۱۹۳۹ء)

آستانۂ احمدیّت

سَلامت رہے احمدی آستانہ
کہ جس میں بنا ہے مِرا آشیانہ

اُنہیں یاد ہو یا نہ ہو عہدِ اُلفت
مُجھے بھول سکتا نہیں وُہ زمانہ

وُہ اِک دُوسرے سے جُدا ہو نہ سکنا
مَحبّت کا باہم عجب کارخانہ

وُہ حُسنِ دِل افروز کی جَلوہ ریزی
مِرے شوقِ بےتاب کو تازیانہ

مَعارِف جو مہدی نے ہم کو سِکھائے
یہی تو ہے کعبہ کا مخفی خزانہ

سُنا دو بشارت مسیح آگیا ہے ہر اک کی زباں پر یہی ہو ترانہ
مُبارک سلامت کا ہو شور گھر گھر بجے بستی بستی میں یہ شادیانہ
فلک پر بایں جسم زندہ ہے عیسیٰؑ اجی رہنے بھی دو یہ قِصّہ پُرانہ
غُلامانِ احمدؐ کو مُژدہ کہ ہونگے وُہی وارثِ تاج و تختِ شہانہ
حقارت سے دیکھو نہ تم احمدی کو۔ ہے گُدڑی میں پوشیدہ لعلِ یگانہ
کسی روز مطعامِ اقوام ہوگا۔ نہ ملتی ہو گو آج نانِ شبانہ
جلادیگی دَم بھر میں سب خانماں کو زباں تیری واعظ ہے یا ہے زبانہ
یہ قینچی ہے قطعِ تعلّق کا مُوجب اِسے روک لو تا رہے دوستانہ
دوشالے کی ہر شان کمبل میں پنہاں ہے دلقِ فقیری میں رنگِ شہانہ
ہے کچھ اَور اسلامی طرزِ حکومت نہ یہ فیسٹی اِزم نے آمرانہ
تکلّف نہ کیجے نہ تکلیف دیجے کہ ہے سادگی راحتِ جاودانہ
نیاز و ستائش ہے شیوہ ہمارا اَور اُن کے لئے نازشِ دِلبرانہ
ہے مجموعۂ درد و کلفت سراسر سُناؤں تمہیں کیا مَیں اپنا فسانہ
بہت ہم نے لُوٹیں چمن میں بہاریں قفس کا ہے قسمت میں اَب آب و دانہ
تری کم نِگاہی کے قُربان ساقی اِدھر بھی ہو اِک آدھ جامِ مغانہ
بہانا ہے خُوں اپنا راہِ خُدا میں بنانا نہیں ہوگا کوئی بہانہ
اِدھر نوجوانوں میں خدمت کا جذبہ اُدھر جوشِ صدق و خلوصِ زنانہ
یہ دو پہئے گاڑی کے چلتے رہیں گے تو پالیں گے ہم فتح کا آستانہ
ہے محمُود۔ محبُوب دِلہائے اُمّت لِباسِ فقیری میں ذاتِ شہانہ

ہمیں فکر و اندیشہ کیا ہوگا اکمل!
کہ مسکن ہے دِلدار کا آستانہ (الفضل ۳ مارچ ۱۹۳۹ء)

راز و نیاز

مجھے دُوری سے حضوری میں بُلا لو آقا
اَب کہاں جاؤں گا قدموں میں بٹھا لو آقا

سخت شرمندہ ہُوں عاری زِ لباسِ تقویٰ
کرمِ خاص سے دامن میں چھپا لو آقا

پاک کر لیجیئے گا نفسِ مسیحائی سے
معصیت کوش کو سینے سے لگا لو آقا

خوابِ غفلت میں جو مدہوش مجھے دیکھا ہو
ایک ٹھوکر کے اِشارے سے جگا لو آقا

آستانے پہ پڑا مُنتظرِ فرماں ہُوں
جب بھی جی چاہے مجھے پاس بُلا لو آقا

ناخُدا آپ ہی ہیں کشتیٔ مِلّت کے لئے
غرقِ بحرِ معاصی کو بچا لو آقا

پاؤں کمزور ہیں لغزش کا ہے خطرہ ہر وقت
اپنے گرتے ہُوئے خادِم کو سنبھالو آقا

پا لیا پا لیا ہے آپ نے رازِ قُدرت
اپنا ہمراز مجھے بھی جو بنا لو آقا

قُمْ بِاِذنی کی صدا اُن کے چلے آئے ہیں
اپنے انفاسِ مُقدّس سے جِلا لو آقا

نظرِ لُطف کی ہے نیم نگاہی کافی
اَور بھٹکی ہُوئی رُوحوں کو بچا لو آقا

آپکو دَولتِ عرفاں سے ہے بہرہ وافی
مُجھ سے نادار کو کُچھ دے کے دُعا لو آقا

خلعتِ عدل و حکومت ہے خُدا کی بخشش
اِس کو خُوشبوئے تلطّف میں بسا لو آقا

فرشِ رہ ہونے کو تیّار ہیں صدہا آنکھیں
اپنے پاؤں کے تلے اِن کو بچھا لو آقا

مَیں گر آدابِ رفاقت سے نہیں ہُوں آگاہ
مہربانی سے وقوف اِن کا سِکھا لو آقا

عرض کرنا ہے مجھے رازِ دِلی خلوت میں
بابِ عالی سے یہ دربان ہٹا لو آقا

دَور ہے دَورِ فِتن آپکو قُدرت حاصل
عِلم و حکمت سے اِنہیں خُوب دَبا لو آقا

"لُطف کُن لُطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش"
ناسزاؤں کو سبق اِس کا پڑھا لو آقا

ایک گردابِ تفکّر میں پڑا رہتا ہُوں
عاجزِ اکمل کو کسی طرح نِکالو آقا

(الفضل ۱۷ مارچ ۱۹۳۹ء)

دریا کے کنارے

تبلیغ کا میدان ہے دریا کے کنارے
اِک قوم پریشان ہے دریا کے کنارے

آؤ اسے ہم راہِ ہدایت کی دِکھائیں
جو بے سر و سامان ہے دریا کے کنارے

صیّاد کمیں گاہ میں کیوں چھپ کے ہے بیٹھا
چٹیل سا یہ میدان ہے دریا کے کنارے

پیاسا نہ رہے کوئی پیؤ اور پلاؤ
اِک چشمۂ فیضان ہے دریا کے کنارے

کیا پوچھتا ہے وجہِ طربنائیٔ عالم
یہ دودۂ سلمان ہے دریا کے کنارے

روشن ہے فضا جسکی ضیاؤں سے دل و جاں
اِس ماہ پہ قربان ہے دریا کے کنارے

پروانو! مبارک ہو مبارک کہ فروزاں
وُہ شمعِ شبستان ہے دریا کے کنارے

اظہارِ تمنّا میں کوئی روک نہیں ہے
در ہے نہ ہی دربان ہے دریا کے کنارے

اللہ نے سُن لی ہے دُعائے سحر و شام
مشکل مری آسان ہے دریا کے کنارے

کھیلا تھا جو اِک کھیل محبّت کا کسی دِن
اب چاک گریبان ہے دریا کے کنارے

دِل دے چکے، یہ بات تو معلوم ہی سب کو
حاضر مری اَب جان ہے دریا کے کنارے

آوارہ و سرگشتہ و حیران و پریشاں
اِک بے سر و سامان ہے دریا کے کنارے

وُہ راگ محبّت کا کبھی میں نے جو گایا
ٹوٹی مری اَب تان ہے دریا کے کنارے

خدمت سے پڑا دُور رہی مجبور رہی مدحُور
مضطر پئے فرمان ہے دریا کے کنارے

آیا ہے باُمّیدِ نگاہِ کرمِ یار،
عصیاں سے پشیمان ہے دریا کے کنارے

گوپال کا گوکل ہی کہ جنگل میں ہے منگل
کیا بات ہے کیا شان ہے دریا کے کنارے

رہتی ہے مری رُوح تر و تازہ و شاداب
کھلتی ہوئی ریحان ہے دریا کے کنارے

بڑھتی ہوئی فوجیں ہیں تو اُٹھتی ہوئی موجیں
اللہ نگہبان ہے دریا کے کنارے

ہم جلد سُنیں گے کہ ہوئی فتح محمّدؐ
تبلیغ کا سامان ہے دریا کے کنارے

ان ریت کے ذرّوں میں کئی طور ہیں پنہاں — کیا جلوۂ عرفان ہے دریا کے کنارے
کچھ پھول سے شگفتہ دمِ گفتار جھڑتے تھے، — یہ ان کا گلستان ہے دریا کے کنارے
زنجیر کی جھنکار ہے ہمراہیو! دیکھو!! — یہ کون بہ جولان ہے دریا کے کنارے
کچھ ٹکڑے جگر کے ہیں تو کچھ خون ہے دل کا — دعوت کا عجب خوان ہے دریا کے کنارے
مانو نہ مسیحائے محمدؐ کی ضرورت — نعمت کا یہ کفران ہے دریا کے کنارے
سجدے کئے نقشِ قدمِ یار پہ لاکھوں — ثابت مرا ایمان ہے دریا کے کنارے
کیوں کہتے ہو کچھ بھی نہیں سب کچھ ہے یہاں پر — یاقوت ہے، مرجان ہے دریا کے کنارے
جو پائے سکونِ دلِ ناکامِ تمنّا! — اس درد کا درمان ہے دریا کے کنارے
طے جس نے کیا ہفت منازل کا سفر خوب — وہ رستمِ وشتان ہے دریا کے کنارے
کہنا ہے مجھے حالِ دلِ زار۔ تو میں ہوں، — اور اُنکا وہ دامان ہے دریا کے کنارے
تڑپے نہ کوئی تشنہ لبی سے لبِ ساحل — ساقی تری دکّان ہے دریا کے کنارے

اکملؔ وہ دلآرام کسی طرح سے ہو رام
بس یہ مجھے ارمان ہے دریا کے کنارے

(الفضل ۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء)

نظامِ عمل

حضرتِ امام اَیَّدَہُ اللہُ بِنَصْرِہٖ — وابستہ جن کی ذات سے ہیں مُخلص احمدی
فرما چکے ہیں مجلسِ شوریٰ کا انعقاد — در پیش ہے نظامِ مقاماتِ معبدی
جی میں ہے یہ اُمنگ کہ فیضِ مسیحؑ سے — نیکی کا سر بلند۔ نگونسار ہو بدی
چھا جائیں بن کے ابرِ گہربار خلق پر — گذری ہی دیکھتے ہوئے اب نصف یہ صدی
ایمان ہے ہمارا کہ ہو کر رہیگا یوں — فضلِ عمرؓ امام ہے اور ہم ہیں مقتدی
اسلامیوں کے سر پہ یدُ اللہ ہے ضوفگن — کافور ہوگی ظلمتِ شبگونہ "یدی"
رفعت تمام قوم کی ہے اسکے ہاتھ میں — اکملؔ پکار زور سے "یا ربِّ خذ بیدی"

(الفضل ۱۶ اپریل ۱۹۳۹ء)

مبارکبادی

ظفر احمد کے سر سہرا مبارک صد مبارک ہو
مرادیں دل کی بر آنا مبارک صد مبارک ہو

ہویدا مطلعِ امید سے خورشیدِ نصرت ہے
عزیزِ قوم سے رشتہ مبارک صد مبارک ہو

مسیحؑ و مہدیٔ موعود کے پوتے کی شادی میں
ثمر نسلاً بعیداً کا مبارک صد مبارک ہو

ظفر مندی کو نسبتِ خاص حاصل ہے شرافت سے
دلہن والوں کو یہ دولہا مبارک صد مبارک ہو

دلہن بھی گوہرِ درجِ سعادت با کرامت ہے
بہ سلکِ احمدِ والا مبارک صد مبارک ہو

بہار آئی چمن میں ہر طرف نغمہ سرائی ہے
کھلا ہے اک گلِ رعنا مبارک صد مبارک ہو

دعا ہے میرے مولیٰ تیرے فضل و رحم دائم ہو
ابد تک جوڑ جوڑے کا مبارک صد مبارک ہو

یہ منبع ہوں حقائق کے یہ مرجع ہوں خلائق کے
انہیں اتمامِ نعمتہا۔ مبارک صد مبارک ہو

علومِ حق کے عالم ہوں یہ سب اسلامی خادم ہوں
اور ان کو احمدی جھنڈا مبارک صد مبارک ہو

لواءِ احمد کے حامل رہیں۔ ہر فن میں کامل ہوں
سلوکِ صاحبِ اسریٰ۔ مبارک صد مبارک ہو

نصیب ابنائے فارس کے ہوں اگلی سینکڑوں خوشیاں
خدا کے فضل کا سہرا۔ مبارک صد مبارک ہو (فاروق ۱۲ مئی ۱۹۳۹ء)

دستور العمل

کیا پوچھتے ہو ہم سے مسلمان کیا کریں
مہدی کے در پہ آکے وہ جانیں فدا کریں

دیوانے بن کے یار طرحدار کے رہیں
فرزانے ہیں جہاں میں لاکھوں۔ ہوا کریں

سودا ہے نفع مند کہ لیں جنتِ دوام
اور پیش جو کریں وہ اسی کا دیا کریں

نصرت خدائے پاک کی آئے گی بالضرور
قربان کئے ہیں مال۔ تو جانیں فدا کریں

وہ زندگی بھی کیسی مزے کی ہو زندگی
اس زلف و رخ کا ذکر جو صبح و مسا کریں

بیعت سے ہے مُراد فِدا کرکے جان و مال
مَولیٰ سے ایک طرح کی بَیع و شرا کریں

جو کچھ تھا پاس راہِ خُدا میں لُٹا دِیا
فرمائیے حضور کہ اب اَور کیا کریں

جی چاہتا ہے سامنے رکھ کر تری شبیہ
دِن رات حمدِ باری تعالیٰ کیا کریں

غفلت میں عُمر گزری ہے آؤ نمازِ شوق
جو ہو چُکی قضا ہے اُسے ہم ادا کریں

مشغول دِل سے دعوۃ و تبلیغ میں رہیں
گو ہم کہیں بھی رحلتِ صیف و شتا کریں

ہم اُنکی خیر خواہی میں جاں تک لڑا ئینگے
دیتے ہیں گالیاں وُہ اگر۔ تو دِیا کریں

خُدّام نوجوانوں کا یہ جوش۔ مرحبا
فرزند ایسے نیک الٰہی ہُوا کریں

اُنیس[19] ہیں اِمام کے ہم سے مطالبات
جن میں سے آخری ہی کہ مِلکر دُعا کریں

اغیار فیض یاب کرمہائے یار ہوں
ہم اِنتظارِ گوشۂ چشمے بما کریں

ہے حُسن فرو۔ عشق بھی مردِ نبرد ہے
زِنہار ہم خلافِ شیونِ وفا کریں

دَر پر تمہارے دیر سے ڈیرے لگا چکے
کیا یہ ضرور ہے کہ زباں سے صَدا کریں

فکرِ معاش ذِکرِ بُتاں میں گزاری عُمر
آ۔ اکمل اَبتو شوق سے یادِ خُدا کریں
(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۳۹ء)

ابرِ گوہر بار کا چھینٹا

بڑی بدقسمتی ہی اُس کی جو بیگانہ ہو جائے
خودی اپنی مٹا کر آپ کا اپنا نہ ہو جائے

دِلِ مشتاق کی یہ آرزو مُدّت سے ہی۔ جاناں
تمہاری شمعِ محفل کیلئے پروانہ ہو جائے

تمہی جانِ تمنّا ہو۔ تمہی آنِ مسیحا ہو
تو پھر اکنافِ عالم میں یہ کیوں چرچا نہ ہو جائے

تمہی کو لاج "لڑ لگنے" کی ہر حالت میں رکھنا ہے
کہیں وابستۂ دامن یُونہی رُسوا نہ ہو جائے

وُہ جیتے جی ہی جنّت میں کہ جسکی اچھی قسمت میں
زمینِ قادیاں کا پاک آب و دانہ ہو جائے

دِلِ صد پارہ میں ایسا تغیّر ہو تو اچھا ہے
اُلجھ کر اُسکے گیسُو میں اُسی کا شانہ ہو جائے

خدا کا شکر ہے میری طبیعت ہے فقیرانہ
مزاج اپنا بہ فیضِ رہنما شاہانہ ہو جائے

نگاہِ یار پھر جائے تو ہم نے بارہا دیکھا
یگانہ خواہ کیسا بھی ہو وُہ بیگانہ ہو جائے

قدومِ میمنت سے کیا تعجب ہے کہ دوبارہ
یہ مُلکِ سندھ بھی اِسلام کا۔ کاشانہ ہو جائے

جگر کاوی سے دِل کو کعبۂ وحدت بنایا ہے
مری غفلت کی کثرت سے نہ پھر بتخانہ ہو جائے

لبِ اعجاز کھُل جائیں تو نغمے سرمدی نکلیں
نگاہِ مست جس جانب اُٹھے خمخانہ ہو جائے

جبینِ شوق میں۔ سجدے عقیدت کے تڑپتے ہوں
الٰہی۔ قبلۂ خلقت درِ جانانہ ہو جائے

ہے اَن پڑھ بالغوں میں شوقِ تعلیم و تعلّم کا
بھلا ہندوستاں کا بول کیوں بالا نہ ہو جائے

یکے گیر اَور محکم گیر۔ لیکن دیکھ لو پہلے!
کسی کو گفتگو مُشکل سہی دھوکا نہ ہو جائے

مرے آقا کا منشأ ہے کہ دینِ اسلام کی خاطر
سراپا جوش دُنیا کا ہر اِک فرزانہ ہو جائے

مسیحِ پاک کے روضے پہ حاضر ہو کے کہنا ہر
دُعا کیجے کہ اکمل آپ کا مستانہ ہو جائے

(الفضل ۲۲ جون ۱۹۳۹ء)

بارشِ ابرِ نگارش

محبّت میں جس کی گرفتار ہوں مَیں
عنائت کا اُس کی طلبگار ہوں مَیں

وفاؤں کا اپنی عزادار ہوں مَیں
جفاؤں کے سہنے کو تیار ہوں مَیں

ہُوا جب سے مَیں اُنکے مستوں میں شامل
کئی ہوشیاروں کا ہشیار ہوں مَیں

مجھے اپنی فطرت پہ ہی فخر بے حد
کہ صنّاعِ قدرت کا شہکار ہوں مَیں

محبّت کا وُہ جام مَیں نے پیا ہے
کہ دن رات مخمور و سرشار ہوں مَیں

نہ کوئی تمنّا نہ خواہش نہ مطلب
کسی کی ادا کا پرستار ہوں مَیں

کیا مجھ سے مُردے کو زندہ مسیحا
جو کہیئے وُہ کرنے کو تیّار ہوں مَیں

لہ عادت - اکمل -

مرا جرم کیا ہے محبت ہے مجھ کو
خطا میری کیا ہے وفادار ہوں مَیں

شبستانِ اُلفت میں پروانہ بن کر
جو آتش تقاضائے ایثار ہوں مَیں

فلک بھی جھکاتا ہے سر میرے آگے
کہ خاکِ درِ شاہِ ابرار ہوں مَیں

جو دُنیا کے بندے دِلوں کے ہیں گندے
مجھے اُن سے نفرت ہے بیزار ہوں مَیں

تصوّر میں اُن کے۔ خیالات میرے
علاقے کا گویا تمنّدار ہوں مَیں

شش و پنج میں پڑتی ہے جان میری
کبھی رستے میں اُن سے دوچار ہوں مَیں

ندامت ہے شانِ کریمی کی جانب
خطاکار کہدے خطاکار ہوں مَیں

لگا دیجے مرہم۔ بڑی مہربانی
کہ رنجور و بیکس دل افگار ہوں مَیں

گزرنے دو اکملؔ کو۔ رضواں! نہ روکو
"خبر بھی ہے؟ کس کا گنہگار ہوں مَیں" (الفضل ۴ر جولائی ۱۹۳۹ء)

بادۂ عشق و محبت کا سرجوش

دین کی خدمت کا شَیدا ہے سراپا جوش ہے
جو ترے کوچے میں آیا وُہ کفن بردوش ہے

سب مئے حُبِّ محمدؐ کے ہیں متوالے ہُوئے
دیکھئے جس کو وُہی سرشار ہے مدہوش ہے

رُعبِ حق ہے نصرتِ مولیٰ ہے ہر میدان میں
جس کو دعویٰ سامنے کرنے کا تھا رُوپوش ہے

ایک گہری فکر میں ڈوبا ہُوا رہتا ہوں مَیں
میری نظروں میں مرے ہمدم جمالِ دوش ہے

فیضِ ساقی سے۔ مئے باقی ہے ارزاں۔ اِس قدر
بزمِ رِنداں میں ہر سُو شغلِ نوشانوش ہے

کون کس پر تھا فدا کس کے لئے رُسوا ہُوا
ان پُرانے قصّوں کے سُننے کا کس کو ہوش ہے

محفلِ راز و نیاز و نغمہ ہائے جاں نواز
مست و بیخود ہو رہا ہر ایک بادہ نوش ہے

ہے کمربستہ کھڑا ہر نوجوانِ باوفا
اللہ اللہ کس قدر تبلیغِ حق کا جوش ہے

فکر اپنے بال بچّے کا نہ مال و جان کا
احمدیّت کے لئے ہر ایک رحلت کوش ہے

مرکزی نقطہ خلافت۔ مثلِ قطبُ فرقدین
قوم کا ہر فرد سمجھے مادری آغوش ہے

سامنے ہو رُوئے گلفام اور سُنیں تازہ کلام
بس یہی جنّت یہی فردوسِ چشم و گوش ہے

ہاتھ وُہ کیا ہاتھ ہے، بیعت کو جو بڑھتا نہیں
سَر بھی جو جُھکتا نہیں کیا ہو؟ وبالِ دوش ہے

ہے مساواتِ حقیقی مذہبِ اسلام میں
جب پڑھا کلمہ برابر غوث۔ وکٹر۔ گھوش ہے

اِک حقیقت ہے نہیں خوابِ خیال اگلا جہاں
جس کو بیہوشی سمجھتے ہو یہی تو ہوش ہے

جو بہشتی مقبرہ میں دفن ہوں اُن کے لئے
رحمتِ حق بالیقیں کھولے ہُوئے آغوش ہے

شاعری اَب ہو چکی جو آبرُو تھی کھو چکی
بادۂ عشق و محبّت کا یہ اِک سَر جوش ہے

حضرتِ مہدی کا خادِم ہُوں مگر نادِم ہُوں میں
میرے سر کا تاج اکمل۔ آپ کی پاپوش ہے

دُنیا تری گلی میں عُقبیٰ تری گلی میں

ہم کیا بتائیں کیا کچھ دیکھا تری گلی میں
"دُنیا تری گلی میں عُقبیٰ تری گلی میں"

اپنا وطن بھی چھوڑا خویشوں سے مُنہ بھی موڑا
سب ہی سے رِشتہ توڑا آیا تری گلی میں

اصحابِ جاہ و ثروت کو۔ کوٹھیاں مُبارک
ہم تو لگا چکے ہیں، ڈیرا تری گلی میں

صُوفی نہ جسکو سمجھا۔ زاہد نے بھی نہ جانا
وُہ رازِ حق نے سارا کھولا تری گلی میں

پھرتی ہے ماری ماری جس کے لئے یہ دُنیا
ہم نے تو اُس خدا کو پایا تری گلی میں

جو کچھ بُھلا چکے تھے وُہ یاد آگیا ہے
جو یاد تھا زباں پر بُھولا تری گلی میں

بے خود بنا دِیا ہے سب کچھ بُھلا دِیا ہے
حق نے پلا دِیا وُہ صہبا تری گلی میں

جو بن سکا دِیا ہے، ایمان لے لیا ہے
کیا خُوب یہ کیا ہے سَودا تری گلی میں

دُنیا کے یہ زخارف دِل کو نہیں لُبھاتے
قرآن کے معارِف صدہا تری گلی میں

وُہ سادگی کہ جس پر لاکھوں بناؤ قرباں
آیا نظر ہے جلوہ اس کا تری گلی میں

نانِ شبینہ کے بھی محتاج ہوں تو کیا ہے
منظور فقر و فاقہ شاہا تری گلی میں
خوش قسمتوں نے جو کچھ ملکِ عرب میں پایا
منظر وہ ہو بہو ہے دیکھا تری گلی میں
سیراب ہو گئے ہیں اچھے نصیبوں والے
چشمہ ہدایتوں کا پھوٹا تری گلی میں
از حد سکون و راحت ہوتی ہے دل کو حاصل
جنّاتِ عدن کا ہے ٹکڑا تری گلی میں
مسکن بھی ہو تو میرا۔ مدفن بھی ہو تو میرا
آقا! تری گلی میں مولیٰ تری گلی میں
ہے نام دھر مسالہ لیکن جو دیکھا بھالا
ہم پھر رہے تھے آقا گویا تری گلی میں
چھوڑی ہے بت پرستی بھولی ہے اپنی ہستی
قبلہ / معبد بنا لیا ہے اپنا تری گلی میں
جاں سے گذر گیا ہے سُن لیں گے آپ جلدی
دربان نے کبھی جو ٹوکا تری گلی میں
جو کچھ ہے پاس دیدو دہ چند آکے لے لو
تحریک کا ڈھنڈورا پیٹا تری گلی میں
یہ گنگنا رہا تھا اِک جان دینے والا
شکرِ خدا کہ دم بھی توڑا تری گلی میں

بس آخری یہ خواہش اکمل کی رہ گئی ہے
نکلے جو دم تو نکلے۔ آقا تری گلی میں

کیا رکھتا ہُوں مَیں؟

دِل میں حبِّ قادیاں دار الاماں رکھتا ہُوں مَیں
آرزوئے مسکنِ جنّت نشاں رکھتا ہُوں مَیں
مضمحل رکھتے ہیں افکار و حوادثِ دہر کے
دِل کو ہر حالت میں پھر بھی شادماں رکھتا ہُوں مَیں
کب تک اے دشمن کئے جائیگا تو اپنی زباں
چُپ ہُوں لیکن بولنے والی زباں رکھتا ہُوں مَیں
میری شمشیرِ قلم تیغِ دو دم سے۔ کم نہیں
اور دعاؤں کے کئی تیر و سناں رکھتا ہُوں مَیں
احترام ابنائے فارس کا ہے دِل میں اس لئے
عزمِ تبلیغ کسانِ اصفہاں رکھتا ہُوں مَیں
مردِ حق لے کر عصائے رُوس کہدیگا ضرور
ہاتھ میں اپنے بخارا کی کماں رکھتا ہُوں مَیں
کوہِ کرمل میں بہاءِ حق کو دیکھا جلوہ گر
مسجدِ محمود میں اس کا نشاں رکھتا ہُوں مَیں

میں نے قرآں پیش کر کے زیرِ یکسر کر لیا ۔۔۔ جب کہا بانی نے اقدس یا بیاں رکھتا ہوں میں

پھول جھڑتے ہیں لبِ دلدار سے گفتار میں ۔۔۔ اپنی نظروں میں بہارِ بے خزاں رکھتا ہوں میں

اُنکے در پہ ہو کے حاضر۔ شکوۂ جورِ بتاں؟ ۔۔۔ آہ یہ تاب و تب و ہمت کہاں رکھتا ہوں میں

باوجود اتنی فراخی کے زمیں مجھ پہ ہے تنگ ۔۔۔ کیا ہوا آنکھوں تلے ہیں آسماں رکھتا ہوں میں

زاہد و زہد و ورع ہے۔ احمدی میخانے میں ۔۔۔ اک جوانِ دلربا۔ پیرِ مغاں رکھتا ہوں میں

طالبِ ارشاد آ۔ رشد و ہدایت سیکھ لے ۔۔۔ جو خلوصِ دل سے آئے میہماں رکھتا ہوں میں

ضامنِ خلدِ بریں مامور ہوتے ہیں تمام ۔۔۔ اتقاء کی شرط لیکن ہر زماں رکھتا ہوں میں

رفعِ ایماں بر ثریا ہے حدیثِ مصطفےٰؐ ۔۔۔ اس لئے اس پر یقینِ بے گماں رکھتا ہوں میں

فارسی الاصل مامور اس کو واپس لائے گا ۔۔۔ پیشگوئی کی صداقت حرزِ جاں رکھتا ہوں میں

ہے تجارت کو۔ کوئی صدق و دیانت سے فروغ ۔۔۔ اُسکے حق میں مژدۂ باغِ جناں رکھتا ہوں میں

اختیاری موت میں پنہاں ہے رازِ زندگی ۔۔۔ یاد یہ ارشادِ محمودِ زماں رکھتا ہوں میں

دولتِ جاوید مل جائے گی۔ راہِ مولیٰ میں ۔۔۔ خرچ کر دوں میں اگر جو کچھ یہاں رکھتا ہوں میں

"از عمل ثابت کن آں نورے کہ در ایمانِ تست" ۔۔۔ حفظ فرمانِ مسیحِ مومناں رکھتا ہوں میں

ہے ملالِ طبعِ نازک کا مجھے اکمل خیال
ورنہ کہنے کے لئے اک داستاں رکھتا ہوں میں (الفضل ۱۰ اگست ۱۹۲۹ء)

یادِ ایام

ظہر و عصر آ کر وہ اُن کا بیٹھ جانا یاد ہے ۔۔۔ یاد ہے۔ ہاں خوب مجھ کو وہ زمانہ یاد ہے

لاڈلے ماں باپ کے فرزند جیسے ہوتے ہیں ۔۔۔ رکھ رکھاؤ ایسے ہی اپنا کرانا یاد ہے

حالِ دل کہتے تھے ہم اور آپ سنتے جاتے تھے ۔۔۔ اچھا۔ اچھا۔ ساتھ اسکے کہتے جانا یاد ہے

مہربانی سے تلطف سے۔ نہایت پیار سے ۔۔۔ تربیت کی پیاری باتوں کا سکھانا یاد ہے

عورتوں اور بچوں کو افسانے ہوتے ہیں پسند　　آپؑ کا قصّے کہانی بھی سُنانا یاد ہے
چونکہ تھی اِصلاح منظورِ نظر۔ اِس رنگ میں　　کار آمد۔ مذہبی باتیں سُنانا یاد ہے
جوش تھا تبلیغِ حق کا سخت بیماری میں بھی　　بھول کر تکلیف اپنی۔ لِکھتے جانا یاد ہے
مومنوں کے واسطے جِن میں بشارت ہوتی تھی　　وَحیِ حق سے غیب کی خبریں سُنانا یاد ہے
مُنکروں کے واسطے دینا عذابوں کی خبر　　از رہِ لُطف و کرم اُن سے ڈرانا یاد ہے
مَعرفت کے نکتہ ہائے رُوح افزا دِلفروز　　روز۔ قرآں سے سبق ایسے پڑھانا یاد ہے
"آپ" سے کرنا خِطاب ادنیٰ و اعلیٰ شخص کو　　اور "صاحب" "یا "میاں" کہکر بلانا یاد ہے
وُہ خطا پوشی کہ پھر اُس کا اِشارہ تک نہ ہو　　آہ! یُوں شرمندۂ احساں بنانا یاد ہے
سَیر میں ہمراہیوں کے جمگھٹے میں باوقار　　مُجھ کو وُہ جانا یاد ہے مُجھ کو وُہ آنا یاد ہے
دُھول پہ ہی۔ راہ میں۔ قرآں سُننے کیلئے　　بیٹھ جانا سامنے قاری بٹھانا یاد ہے
بھولتے ہوں لوگ لیکن بھول سکتا میں نہیں　　نظم مسجد میں سُنانا داد پانا یاد ہے
میہماں کے واسطے پگڑی کا پلّہ پھاڑ کر　　بے تکلّف۔ جھٹ سے کھانا باندھ لانا یاد ہے
"آپ کچھ دن اور ٹھہریں" بار بار اِرشاد پھر　　چلتے چلتے نہر تک ساتھ اُن کے جانا یاد ہے
اللہ اللہ یہ تواضع۔ اَور۔ اِتنا اہتمام　　چارپائی اَور بستر خود بچھانا یاد ہے
جب کہا مہماں نے مُجھ کو پیاس ہے بَرفاب کی　　ایک جھجری[1] بھر کے خود اندر سے لانا یاد ہے
دُودھ کا بھر کر کٹورا۔ آپ لے آنا شتاب　　اَور پھر اِصرار سے اُس کا پلانا یاد ہے
اِک مُریدِ بے نوا کے واسطے لے کر دَوا　　آپؑ کا بیمار پُرسی کرنے جانا یاد ہے
مُٹھیاں بھر بھر کے مخلوقِ خدا کو بے دریغ　　مُشک و عنبر کی دَوا دینا دِلانا یاد ہے
باغ میں چادر بچھا کر پھل درختوں سے اُتار　　دوستوں کے ساتھ خوش خوش مِل کے کھانا یاد ہے
کالھواں کی راہ میں الواح الہدیٰ کا ذِکرِ خیر　　ماننے والوں کو اپنے آزمانا یاد ہے

۱؎ برتن ۔ چھاگل ۔ کلھیا ۔ ہکمل ۱۲

رات مسجد کی چٹائی پر بسر کرنا بہ شوق — روکھے سوکھے کچھ چنے دِن کو چبانا یاد ہے

سخت جاڑے میں ٹہلنا اُٹھ کے آدھی رات کو — اپنا بستر بانٹ کر سب کو سُلانا یاد ہے

سینکڑوں چھپنے کی خبریں ایک ہی دستی پریس — رات دِن کی سخت محنت سے چھپانا یاد ہے

طبع کی تنقیح میں اَغلاط کی تصحیح میں — اِنہماکِ موج[1] کا سارا فسانہ یاد ہے

صادق و عرفانی و نیّر کا باصد ذوق و شوق — موتیوں سے بھر کے دامن پھر لُٹانا یاد ہے

سیّد احمد نور۔ بھائی قادیانی۔ شادی خاں — تھوڑی سی خدمت پر ان کا دل بڑھانا یاد ہے

سیکھواں والوں کی حاضر باشیاں بھولی نہیں — آگے بڑھ بڑھ کر فِدا ہونا ہوانا یاد ہے

تار ٹیلیفون بجلی اور موٹر کے بغیر — کام سارے وقت پر انجام پانا یاد ہے

ایک بِلٹی کے لئے یا تار دینے کے لئے — چل کے پیدل وُہ بٹالے آنا جانا یاد ہے

چل نہیں سکتے اگر ہو کے یکّے پر سوار — دام دے کر سینکڑوں ہچکولے کھانا یاد ہے

بارشِ ابر گرمہائے خصوصی کیا کہوں — چھوٹی چھوٹی باتوں پر اِنعام پانا یاد ہے

کتنی بھی تکلیف ہو۔ کیسا بھی ہو رنج والم — دیکھتے ہی رُوئے انور بھول جانا یاد ہے

گرمیوں میں سردیوں میں قادیاں دارالاماں — مرنے جینے کا یہی اپنا ٹھکانا یاد ہے

طالبانِ علم شاگردوں کا فرخندہ ہجوم — نُورِ دیں رضہ کے درس میں پڑھنا پڑھانا یاد ہے

لے کے اپنے ساتھ چلنا زمرۂ احباب کو — اپنے آگے آگے پھر اُن کو چلانا یاد ہے

کھانے پینے پہننے میں سادگی ہی سادگی — خود نمونہ بن کے ہم کو بتانا یاد ہے

خاص رسم الخط میں اپنی بعض تصنیفات کا — پیر منظورِ محمد سے لکھانا یاد ہے

طبع جب ناساز ہو فی الفور یہ پاکر خبر — فضلِ رحماں[2] کا دوائی جا پلانا یاد ہے

سیڑھیوں کے پاس مسجد میں ادا کرنا نماز — گالیاں اِک بے حیا ہندو کی کھانا یاد ہے

صبر کی تلقین کرنا دوستوں کو بار بار — اور دشمن کا ہمیں ہر دم ستانا یاد ہے

---

[1] میر مہدی حسین صاحب رضہ۔

[2] مفتی فضل الرحمن صاحب رضہ۔

آخری تقریر جو لاہور میں فرمائی تھی! — اُس بلاغِ عام کا لکھنا لکھانا یاد ہے
ہُوک اُٹھتی ہی کلیجے میں کروں کیا اس کا ذکر — وُہ جنازہ قادیاں میں لے کے آنا یاد ہے
چند گھنٹے روزِ محشر دیکھنا لاہور میں — دشمنوں کا شور و شر بے حد مچانا یاد ہے
مومنوں پر رُوتے روتے پھر سکینت کا نزول — قدرتِ ثانی خلافت کا مِلانا یاد ہے

اُن کی بزمِ ناز میں الکمل کو بھی کچھ بار تھا
دوستو! کیا آپ کو بھی وُہ زمانہ یاد ہے (الفضل ۱۲ اگست ۱۹۳۹ء)

سیدنا حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام

میرے ہادی! بروزِ ظلِّ ختم المرسلیں تم ہو — مسیحا بھی تمہیں تم ہو۔ وُہ مہدی بھی تمہیں تم ہو
ازل سے یہ مقدّر تھا۔ رجالِ فارسی آئیں، — تو اَب ظلمت مٹانے والے نورِ اوّلیں تم ہو
زمانے پر یہ روشن ہے کہ ظلماتِ ضلالت میں — رہِ حق جس نے دکھلائی ہے وُہ ماہِ مبیں تم ہو
ثریّا سے جو ایماں پھر ہمارے پاس لایا ہے — یقیناً ہاں یقیناً وُہ امامِ آخریں تم ہو
خبر دی انبیاءِ سابقیں نے جس کی بعثت کی — مقرّر کردۂ حق حامیٔ دینِ متیں تم ہو
نیابت میں رسول اللہؐ کی یہ پایہ پایا ہے — کہ دُنیا اور اُخریٰ میں شفیعُ المذنبین تم ہو
گنہگاروں کو مژدہ ہو۔ خطاکاروں کو خوشخبری — کہ تائبِ متّقی کے ضامنِ خُلدِ بریں تم ہو
لُٹائے ہیں حقائق کے خزانے آکے عالم میں — بلاشک گنجِ بخشِ دولتِ رُوحُ الامیں تم ہو
شغالوں کی طرح سارے مخالف بھاگے پھرتے ہیں — مقابل پر نہ آیا کوئی وُہ شیرِ عریں تم ہو
ملے جو مال و جاں دے کر تو پھر بھی مُفت سودا ہے — ہماری خوش نصیبی ہے۔ عجب دُرِّ ثمیں تم ہو
شریعت کا صحیفہ نامِ احمدؐ سے مزیّن ہے — شہادت کے لیے ختمِ نبوّت کے نگیں تم ہو
مکانِ لامکاں میں دخل غیروں کو نہیں حاصل — مگر اسرارِ حق کے حاملوں میں بالیقیں تم ہو
اطاعت میں تمہاری ہے اطاعت اپنے مولیٰ کی، — رسول اللہؐ کے دُنیا میں سچے جانشیں تم ہو

جو اِن آنکھوں کے پیمانے ہیں ہی تھوڑی سی ہم کو بھی

یہ مِنّتِ عِشقِ صابِر نے کہا یہ حُسنِ جابِر سے

خُدا کا فضل ہو فضلِ عُمر پر۔ عُمر میں برکت

بہت اِصلاحیں جاری کیں بہت سی اور بھی ہونگی

مُدبِّر۔ مُنتظِم۔ ضابِط۔۔ امیرِ آمرِ مِلّت

پھلو پھولو یہ اسمِ باُسمّٰی ناصرِ احمدؐ

کہو کیا حال ہے ہمدم۔ ہے کیسی حالتِ عالم

پلٹ کر جو کبھی واپس نہ آئی ہی نہ آئے گی،

پڑھو کہتے ہوئے ہاں "یا مسیح الخلق عدوانا"

دِیا ہے مؤمنِ قانِت کو قلبِ مُطمئن حق نے

سَر مستِ مئے حُبِّ اِلٰہُ العالمیں تم ہو

مِرے سَر گرم اَرمانوں کا۔ محوُر بس تمہیں تم ہو

نظیرِ حُسن و اِحسانِ مسیحِ مؤمنیں تم ہو

کہ حسبِ پیشگوئی مُصلحِ مسعودِ دیں تم ہو

مجسّم قدرتِ ثانیٔ ربّ العالمیں تم ہو

خُدا رکھّے۔ مِری جانِ تمنّا۔ مہ جبیں تم ہو

لبوں پر مُہرِ خاموشی ہے۔ کیوں عزلت گزیں تم ہو

مریضِ لا دوا کی کیا نگاہِ واپسیں تم ہو

حوادث سے ہوئے کیوں دہر کے ایسے حزیں تم ہو

تو پھر کیا بات ہے، الحمد کہ یوں اندوہگیں تم ہو

(الفضل ۲۶ جولائی ۱۹۴۹ء)

آستانۂ امن و امان

یاد ہی کچھ ہے کیا تجھے اے قادیاں سمجھا تھا میں

یُوسفِ مصرِ رسالت کی زیارت کے لئے

آگ کچھ ایسی لگی بجھنے میں آتی ہی نہ تھی

چھوڑ کر اپنا وطن پیارا وطن رشکِ چمن

آ گیا لبّیک گویاں جب سُنی دِلکش صدا

کچھ تمنّائیں تھیں دِل میں اور کچھ ارمان تھے

بن پڑا جو کچھ وہ نذرِ شاہِ خُوباں کر دِیا

اللہ اللہ خُلقِ احسن اور وہ خُلقِ حسن

اِس مسیحائی کے صدقے میں مِلی جو زندگی،

بے شُبہ جنّت نشاں دارُالاماں سمجھا تھا میں

جانے والے کارواں در کارواں سمجھا تھا میں

اور تجھ کو چشمۂ آبِ رواں سمجھا تھا میں

جس کی نیرنگی بہارِ بے خزاں سمجھا تھا میں

حجِّ اکبر کے لئے جس کو اذاں سمجھا تھا میں

جن کے بر آنے کا موقعہ یہ مکاں سمجھا تھا میں

جس کو صدقِ دل سے مہدیٔ زماں سمجھا تھا میں

حُسن و احساں میں فریدِ اِنس و جاں سمجھا تھا میں

جسمِ فانی میں حیاتِ جاوداں سمجھا تھا میں

جب ملا حق کا سبق۔ روشن ہوئے چودہ طبق — طور صد ہا۔ ذرّے ذرّے سے عیاں سمجھا تھا میں

قدر دانِ عشق تھا حُسن جہاں افروز یار — لیلۃ المعراج ہر شب بے گماں سمجھا تھا میں

تازہ تازہ وحی سے بڑھتا تھا ایمان و خلوص — اور اعمالِ نکو ہیں صد جناں سمجھا تھا میں

جنگ تھی ابلیس سے تا اُس کو رکھ دوں پیس کے — آہنی اپنا قلم سیف و سناں سمجھا تھا میں

قصہ ہائے عہدِ پیشیں سے نہ دلچسپی رہی — شاہنامہ داستاں پاسباں سمجھا تھا میں

سُوجھتے تھے روز مضموں بیسیوں مجھ کو نئے — معرفت کے نکتے۔ نقطے میں نہاں سمجھا تھا میں

بادۂ عشق و محبت کی وُہ سرشاری کہ اس میں — سرزمینِ قادیاں کو آسماں سمجھا تھا میں

ضو فگن تھا جس سے وُہ بدرِ نبوت شمسِ حق — اک جھلک کو حاصل کون و مکاں سمجھا تھا میں

جھولیاں بھر لیں سمیٹے خوب ہی لعل و گہر — اُن کا ہر اک قول گنجِ شائیگاں سمجھا تھا میں

جلسہ ہائے سیرتِ نبوی میں یہ اعلان ہو — احمدیت کو محمدؐ کا نشاں سمجھا تھا میں

وُہ بروزِ مصطفےٰ لے آیا پھر دینِ ھُدیٰ — جس کو اک شہزادۂ امن و اماں سمجھا تھا میں

اُمنِ عالم اس سے وابستہ خدا نے کر دیا — اس کو تقدیرِ خدا کے دو جہاں سمجھا تھا میں

دیکھ لینا ایک دن ہو گی یہی جائے پناہ — سجدہ گاہِ راستاں جو آستاں سمجھا تھا میں

مُلک سے خارج کیا تھا مُلک سے خارج ہوئے — یہ سراسر قہرِ ربّ مومناں سمجھا تھا میں

دیکھئے اس جنگ میں آتا ہے کیسا انقلاب — زلزلہ سنِ چودہ کا بھی اک نشاں سمجھا تھا میں

آخرش فتح و ظفر ہے انگلش سرکار کی — یہ سرانجام دعائے دلستاں سمجھا تھا میں

سال ہے چونتیسواں اکمل یہاں آئے ہوئے — جو بھی سمجھا تھا وُہ بالکل ٹھیک ہاں سمجھا تھا میں

(الفضل ۲۹ ستمبر ۱۹۳۹ء)

قادیان سرچشمۂ علم و ہدیٰ

الحق کہ اصلِ دینِ ھُدیٰ قادیاں میں ہے — زندہ رسول زندہ خدا قادیاں میں ہے

منبعِ عباداتِ صُلحا قادیاں میں ہے — نُورِ وفاؤ زورِ دعا قادیاں میں ہے

اے اُستخواں فروش دکھاتا ہے یُونہی جوش
سرہند و دہلی - گُلبرگہ و اجمیر میں کہاں
نشر و دِفاع و دعوۃ و تبلیغ کا نظام
گنجینۂ معارف قرآنِ لازوال
ایمان و اِتقاء و حقائق کی سلسبیل،
ہوگا شمار جس کا صحابہ کرامؓ میں
شیرازۂ اخوّت و اِمداد باہمی!
ہے دِل بہ یار دست بکار ایک ایک شخص
اللہ رے فیضِ قوّتِ قدسیّۂ نبی
کہتے ہیں یک زباں یہ ابدال و قطب و غوث
صدیوں سے صالحین کو جس کا تھا اِنتظار
چودس کے چاند نے کئے روشن دل و دماغ
ہر دِل میں ذوق و شوق فیوضاتِ احمدی
سمجھا تھا پہلے بھی یہی اب بھی یہی حال ہے
ہر قسم کی ہیں نعمتیں موجود شکر ہے
امن و سکون و راحت و آرام ہے نصیب
رُسوائے خلق اکمل رنگیں نوائے حق

اِسلام کا تو مغزِ صفا قادیان میں ہے
کعبہ کا لعلِ بیش بہا قادیان میں ہے
بہتر سے بہتر ایک ہی جا قادیان میں ہے
جو لُٹ رہا ہی صبح و مسا قادیان میں ہے
کوثر ہے جس کا سوتا مِلا قادیان میں ہے
ایسا گروہ اہلِ تُقیٰ قادیان میں ہے
باصد خلوص و حُبّ و ولا قادیان میں ہے
رُوحانیت کی ایسی فضاء قادیان میں ہے
مرکز تمام نیکیوں کا قادیان میں ہے
قبلہ ہے اور قبلہ نما قادیان میں ہے
ظاہر ہُوُ وہ راہنما قادیان میں ہے
پھیلی ہُوئی اسی کی ضیا قادیان میں ہے
ہر اک زباں پہ صَلِّ عَلیٰ قادیان میں ہے
یعنی کہ علم و فضل و ہُدیٰ قادیان میں ہے
حاصل مقامِ صبر و رضا قادیان میں ہے
یارب تری ہر ایک عطا قادیان میں ہے
اُمّید وارِ فضلِ خدا قادیان میں ہے

(الفضل ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

اِسمُہٗ احمدؑ

مژدہ صد مژدہ ہوا ہے مستانۂ احمد نبی
قادیاں میں کُھل گیا ہے میخانۂ احمد نبی
گُنجلک میں پڑ گیا ہے گر تمہارا بال بال،
صاف کر دے گا ہر اُلجھن شانۂ احمد نبی

ذرّے ذرّے میں نظر آئیں گے صد ہا طُور اُسے
دیکھ لے جو جلوۂ جانانۂ احمدؐ نبی

سائے کو چھوڑو تو سایہ پیچھے پیچھے آئے گا
راز یہ سمجھا گیا مستانۂ احمد نبی

ترکِ دُنیا سے ملیگا دِین بھی دُنیا بھی ہاں
یاد رکھّو نکتۂ دُرِّ دانۂ احمد نبی

سَب کی سَب اقوامِ عالم اِسمیں راحت پائینگی
ہے وسیع آرام دِہ کاشانۂ احمد نبی

ہاتھ پاؤں توڑ کر گھر میں بناتا ہے تُو کیا
جا کوئی آباد کر وِیرانۂ احمد نبی

کُل جہاں پر دعوۃ و اِرشاد کے ہتھیار سے
ایک دِن چھا جائیگا فرزانۂ احمد نبی

ہونے والی ہے دسمبر میں خلافت جوبلی
آ رہا ہے جلسۂ سالانۂ احمد نبی

شوق سے آؤ کہ انعامِ الٰہی پاؤ گے
منزلِ ہر نیک دل ہے خانۂ احمد نبی

فکرِ دُنیا سے ہُوا آزاد ذکرِ حق سے شاد
پی لیا جس نے کبھی پیمانۂ احمد نبی

زندگی سے ہاتھ دھو کر موت خود کر لو قبول
اِس طرح ہو گا ادا دوگانۂ احمد نبی

جسم کی طاقت بھی دی دل بھی دیا اَب جان دے
ہے یہ اَدنےٰ سا ترا شکرانۂ احمد نبی

کیوں نہ میں پڑھتا رہوں دن رات ابوابِ حدیث
ان میں آتا ہے نظر افسانۂ احمد نبی

جس گلی سے اکملؔ آشفتہ سر کا ہو گُذر
کہتے دیکھو وُہ ہے دیوانۂ احمدؐ نبی

(الفضل ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء)

ساقیا آمدنِ عید مبارک بادا

لاج رکھیو مرے ٹوٹے ہوئے پیمانے کی
خیر ہو خیر ساقی ترے مے خانے کی

ایک دِن مرجعِ عالم تری چوکھٹ ہوگی
وحیِ حق ہے نہ کہ بڑ ہے کسی دیوانے کی

احمدیت ہی ہے دُنیا میں حقیقی اسلام
بات یہ بھی ہے کوئی آپ کو سمجھانے کی

مال قربان کیا جان بھی حاضر ہوگی
دیر ہے مُرشدِ اسلام کے فرمانے کی

آپ بیتی مری دلچسپ ہے سُن لیجیے گا
دِل میں خواہش ہو کسی رات جو افسانے کی

رات دن تیرے ہی کوچے میں پڑا رہتا ہے ‏ زندگی ہے تو اسی میں ترے مستانے کی
لہلہاتے ہوئے کھیتوں میں ہے لاکھوں کا رزق ‏ خاک میں اُنکے ترقّی ہوئی یہ دانے کی
نہ تو مایوس ہی کرنا نہ ہی دامن بھرنا ‏ اچھی ترکیب ہے عشّاق کے تڑپانے کی
سچ ہے ایمان ہی خوف اور رجا کے مابین ‏ ہے یہی رہ کسی منزل میں پہنچ جانے کی
نیکی دشمن سے بھی کر اور اُسے دریا میں ڈال ‏ عادت اچھی نہیں احسان کے جتلانے کی
باندھ کر زانوئے اُشتر ہو توکّل بہ خدا ‏ یہ ہے تدبیر کسی گتھّی کے سُلجھانے کی
کوئی حاجت بھی ہو مانگ اپنے خدا سے دائم ‏ کبھی خواہش نہ ہو مخلوق سے کچھ پانے کی
دل دکھایا کسی بے کس کا تو یہ یاد رہے ‏ ہیچ ہے ہیچ ستمگر! تری صدہا نیکی
دن کو روزے سے رہے رات دعا میں کاٹی ‏ ہے خوشی سچّی انہی لوگوں کو عید آنے کی

بھول جاؤ نہ سبق جو رمضاں سے سیکھا
بات اکملؔ نے کہی ہے کسی فرزانے کی ‏ (الفضل ۱۰ نومبر ۱۹۲۹ء)

خلافت جوبلی

مبارک اے جماعتِ احمدی ہو ‏ مبارک یہ خلافت جوبلی ہو
بڑھے آتے ہیں زائر ہر طرف سے ‏ کہ جوں ارضِ حرم تیری گلی ہو
مسرّت کی ہوائیں چل رہی ہیں ‏ شگفتہ اس چمن کی ہر کلی ہو
خدا کی نصرتیں ہیں شاملِ حال ‏ بلاشک آپ اللہ کے ولی ہو
فرشتوں سے بھی پوشیدہ ہے جو راز ‏ وہ قلبِ مطمئن پر منجلی ہو
دیا ہے بہرۂ وافی خدا نے ‏ وہ الہام خفی ہو یا جلی ہو
اُتر سکتی نہیں دیتی ہے کیا زیب ‏ قبا جو فضلِ ربّانی سے لی ہو
مقدّر تھا کہ لکھا اسمِ محمود ‏ مساجد پر بہ عنوانِ جلی ہو

ہر اک ہے بستۂ فتراکِ احمدؐ
عرب کے دیس کا یا کابلی ہو

پکار اُٹھے ہیں ہندو بھی کہ لاریب
مجسّم قدرتِ حق مہ بلی ہو

وہ حق ہے احمدیہ سلسلے کا
جو نعمتِ خاص جنّت سے چلی ہو

دعا ہے اے قدیر و حیّ و قیّوم
کہ پھر پچاس سالہ جوبلی ہو

کہیں سب یک زباں ہو کر کہ پوری
ہماری یہ تمنّاء دلی ہو

(ز۔ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۹ء)

اوّلین یومِ پیشوایانِ مذاہب

ارادہ ہے جو اب ہر سال پورا کر دکھائیں گے
کہ یومِ پیشوایانِ مذاہب ہم منائیں گے

یہ سب اللہ کے بندے ہدایت دینے والے تھے
عقائد ان کے سچے سچے دنیا کو بتائیں گے

وہ اس بات پر تھے متفق اللہ واحد ہے
اُسی کی بندگی میں راحتؔ آرام پائیں گے

بجا لائینگے خدمت اُسکی مخلوقات کی ہر دم
جو ہیں انسان بھائی بھائی اُنکو ہم بنائیں گے

محبّت نیکی و پاکیزگی سے بسکہ رکھّیں گے
بدی سے ایسی نفرت ہوگی جڑ اس کی مٹائیں گے

کسی مذہب کے بانی کو بُرا ہرگز نہ بولیں گے
لڑائی جھگڑے سے اپنے تئیں یعنی بچائیں گے

وہ موسیٰؑ ہو کہ عیسیٰؑ ہو وہ بودھا یا کرشنا ہو
سرِ تسلیم سب کے سامنے ہم تو جھکائیں گے

کسی سے بیر رکھنا شیوۂ مذہب نہیں ہوتا
اخوّت کا سبق اہلِ مذاہب کو پڑھائیں گے

امیر المومنین فضلِ عمرؓ محمود احمدؓ کی
ہدایت کے مطابق کام سب اپنے چلائیں گے

رواداری کا مسلک باہمی اُلفت کا ضامن ہے
تشدّد سے بہر حالت بچینگے اور بچائیں گے

دسمبر تین کو جلسے ہوئے اکنافِ عالم میں
ہم آئندہ بھی ایسے جلسوں کی رونق بڑھائیں گے

کرینگے اپنے اپنے مذہبوں کی خوبیاں ظاہر
نمائندے مذاہب کے مجالس میں جو آئیں گے

نتیجہ دیکھ لینگے آپ کچھ مدّت کے بعد اس کا
بصُلح و آشتی قوموں کو آپس میں ملائیں گے

پئیں گے شیر بکری گھاٹ پر پانی رفاقت سے
زمیں والے فلک والوں سے مل کر گیت گائیں گے

مُبارک اور خوش آئند کیسا وہ سماں ہوگا ‏— کہ جب یہ مختلف فرقے بہم یک دل ہو جائینگے
نظر آئیگا اک راعی رعایا کی رعایت سے ‏— جز اک اللہ۔ خوش گفتی کے جھنکارے لگائینگے
بہم ہونگے گُل و بلبل بہ گردش ہونگے جام و مُل ‏— گلے شکوے محبت کی فضا میں بھول جائینگے
وُہ ماہ چاردہ کی چاندنی میں وُہ دلکشا منظر ‏— بدستِ ساقئ مہوش جو خم کے خم لُنڈھائینگے
انہی آنکھوں سے دیکھیں گے کہ ہے کچھ اور ہی عالم ‏— نیا ہی آسماں ہوگا نئی دُنیا بسائیں گے
مرے جیسے گنہگاروں کی بھی پھر تو بن آئے گی ‏— بزیرِ سایۂ دیوار بستر جا جمائیں گے
اگر مُردے ہیں تو بھی جائے مایوسی نہیں مطلق ‏— کوئی عیسیٰ نفس آخر ہمیں بھی آ جلائیں گے
غرض پھر زندگی ہی زندگی مخلوق پائے گی ‏— کہ رُوح روح ہو کر اپنے خالق میں سمائیں گے

غُلامانِ غلامِ احمدِؐ مُختار ہیں اکمل
محمد مصطفےٰؐ کا دین۔ دُنیا کو۔ سکھائینگے (الفضل ۱۸ دسمبر ۱۹۳۹ء)

ہمارا شاندار مستقبل

مُسلّم رہنما سب کا مسیحِ قادیاں ہوگا ‏— اِسی کا متّبع ہوگا کوئی انساں جہاں ہوگا
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم یہ قادیاں ہوگا ‏— کہ بوسہ گاہِ عالم اس کا سنگِ آستاں ہوگا
وُہ دِن نزدیک ہے، اپنی دُعائیں رنگ لائیں گی ‏— ہمارا ذاکرِ قرآن ہی صاحبقراں ہوگا
شبِ فُرقت گذر جائے گی صُبحِ عید آئے گی ‏— ہمارا مقتدا لاریب محمودِ زماں ہوگا
سماءِ رُوح پر ہم ابرِ رحمت بن کے چھائینگے ‏— جدھر برسیں گے کھل کر بوستاں ہی بوستاں ہوگا
طفیلِ احمدِ مختار یہ ایمان ہے اپنا ‏— ہماری ہی زمیں ہوگی ہمارا ہی آسماں ہوگا
نظر آئیں گے ہم نغمہ سرا گلزارِ احمدؐ میں ‏— نہ کچھ اندیشۂ صیاد نے فکرِ زیاں ہوگا
فساد و فتنہ شور و شر سے گھبرائے گی دُنیا ‏— تو یہ مرکز ہمارا قادیاں۔ دارالاماں ہوگا
خلافت جوبلی اے بھائیو بہنو مبارک ہو ‏— یہ دورِ خسروی تا دیر ہم پر حکمراں ہوگا

نظیرِ حُسن و اِحسانِ مسیحا کے قدم ہونگے
جبینوں پر اطاعت ریز سجدوں کا گماں ہوگا

خدا کی بادشاہت میں وُہ امن و چین پائیں گے
زبانوں پر نہ کچھ بھی شکوۂ جورِ بُتاں ہوگا

بہارِ بے خزاں اسلام کے گلشن میں آئے گی
پھلے پھولیں گے ہم محمود احمدؐ باغباں ہوگا

بفیضِ احمدیت نیکی ہی نیکی جو پھیلے گی
ہر آدم زاد خاکی پر فرشتوں کا گماں ہوگا

عجب توحید کی سر سبز کھیتی لہلہائیگی
بُرُوزِ مصطفےٰ کے فیض کا چشمہ رواں ہوگا

خواتینِ جماعت سے مبارک صد مبارک ہو
نظامِ احمدی میں انکا حصّہ بھی عیاں ہوگا

جو بچے پارہے ہیں پرورش آج انکی گودوں میں
علمبردارِ اسلامی انہی سے ہر جواں ہوگا

ہمارے ساقیٔ کوثر لبالب جام بخشیں گے
خراب و خستہ حال اکملؔ بھی خوش خوش نغمہ خواں ہوگا (الفضل خاص نمبر ۱۹۲۹ء)

جلسہ سالانہ کا منظر

قادیان دارالاماں جنّت نشاں کو دیکھئے
اپنے مہدی اپنے اِس عیسیٰ کی شاں کو دیکھئے

بیج جو بویا گیا نشو و نما سے پا رہا
پھولتے پھلتے نہالِ بوستاں کو دیکھئے

چہرے نُورانی نظر آتے ہیں ہر سُو ضَو فشاں
اِس زمیں پر جگمگاتے آسماں کو دیکھئے

حُسن کی تابانیاں۔ عشق کی قربانیاں
دیکھتی ہوں تو یہ کُوئے دلستاں کو دیکھئے

سبزہ زاروں کی لہک۔ رنگیں پھولوں کی مہک
بدرِ کامل کی چمک۔ آبِ رواں کو دیکھئے

ساقیٔ مہ وش کے ہاتھوں سے لبالب جام۔ لو
مست و بے خود ہو کے شانِ بے نشاں کو دیکھئے

پی لو پی لو جی لو جی لو پھر کہاں یہ صحبتیں
یہ جہاں فانی ہے اُس اگلے جہاں کو دیکھئے

دنگ ہیں سب دیکھ کر یہ جلوہ ہائے رنگا رنگ
معجزاتِ احمدِ آخر زماں کو دیکھئے

نوجوانو! میری مانو! تم بڑھو۔ آگے بڑھو
ہمّتِ مردانۂ پیرِ مغاں کو دیکھئے

ابرِ رحمت بن کے چھا جاؤ زمیں والوں پہ تم
کھل کے برسو پھر بہارِ بے خزاں کو دیکھئے

دُور سے پھر دیر سے اُن آنے والوں کو نوید — قادِیاں دیکھی تھی اب پھر قادیاں کو دیکھئے
جوبلی پچیس ۲۵ سالہ پر مُبارک صد ہزار — شاخِ گُل پہ ہر ہزار نغمہ خواں کو دیکھئے
ہر طرف شانِ خدا ہے جلوہ گر باصد جلال — میہماں کو دیکھئے پھر میزباں کو دیکھئے
حضرتِ فضلِ عُمر کی عقدِ ہمّت کا اثر — رونقِ صد رنگ بزمِ آستاں کو دیکھئے

اکملؔ گوشہ نشیں صد شکر ربّ العالمین
روز افزوں حُسنِ یارِ مہرباں کو دیکھئے (۱۵ دسمبر ۱۹۳۹ء)

احمدی جھنڈا

رہے قائم الٰہی تاقیامت احمدی جھنڈا — بصد جاہ و جلال و شان و شوکت احمدی جھنڈا
یہی جھنڈا رہے اُونچا جہاں کے سارے جھنڈوں سے — خدا کے فضل سے پائے وُہ رفعت احمدی جھنڈا
اِسی جھنڈے کے نیچے جمع ہوں اقوام عالم کی — دِکھائے مرکزِ وحدت میں کثرت احمدی جھنڈا
فقیروں کا یہ ماویٰ ہو امیروں کا یہ ملجا ہو — بڑھائے عزّ و صولت امن و راحت احمدی جھنڈا
سلامی کے لئے آئیں جہاندارانِ آفاقی — کچھ ایسی رکھتا ہو رُوحانی سطوت احمدی جھنڈا
لوائے ما پناہِ ہر سعیدِ قوم خواہد بُود — کلامِ پاک احمد کی صداقت احمدی جھنڈا
اِدھر ملنا رہِ بیضا کہ بھولے بھٹکے رہ پائیں — اُدھر حکم علیکم بالجماعۃ احمدی جھنڈا
الٰہی پاؤں محکم تر پڑیں شاہراہِ ملّت پر — بنا دے استقامت کی شہادت احمدی جھنڈا
وَلیُّ اللہ و فرزندِ علی نگرانِ پرچم ہیں — مبارک ہو انہیں زیرِ حفاظت احمدی جھنڈا
ہے اس جھنڈے کے پہلو میں کھڑا خدام کا جھنڈا — کہ ہے ہر طرح سے شایاں خدمت احمدی جھنڈا
خواتینِ جماعت کا علم بھی شان رکھتا ہے — رہے یارب سلامت باکرامت احمدی جھنڈا

یہ لہراتا رہے سر پر ہمارے تا ابد اکملؔ!
نشانِ فضل و رحمت فتح و نُصرت احمدی جھنڈا (یکم جنوری ۱۹۳۹ء)

بعثتِ مامور

ہم کو حق سے ملانے آیا تھا
اُس کا چہرہ دکھانے آیا تھا

اِس امامِ زماں پر قربان
قُرب کی رہ بتانے آیا تھا

قرب قربانیوں پر ہے موقوف
بس یہ نکتہ سمجھانے آیا تھا

ڈوبے جاتے تھے بحرِ عصیاں میں
رحم کھاکر بچانے آیا تھا

سب کا معبود ہے جو دُنیا میں
اُس کی باتیں بتانے آیا تھا

قیدِ رسم و رواجِ قومی سے
قیدیوں کو چھڑانے آیا تھا

ایک اعلان ہی ضروری تھا
وُہ جہاں کو سُنانے آیا تھا

حُرمت یومِ حج کی سی عزت
بھائیوں کی بتانے آیا تھا

عزت و جان و مال ہر مُسلم
وُہ مکرم بنانے آیا تھا

مان لو مان لو کہا اُس کا۔
پھر نہ کہنا۔ نجانے آیا تھا

بیعتِ مامور

اُن کے کُوچے میں ایک دیوانہ
حشر سر پر اُٹھانے آیا تھا

کششِ حُسن نے کیا بے تاب
عشق حسرت مٹانے آیا تھا

یار رُوٹھا ہُوا تھا مُدّت سے
وُہ تو اُس کو منانے آیا تھا

جاں کی پروا نہ کرکے پروانہ
شمعِ جاناں جلانے آیا تھا

پاس نقد عمل نہ تھا اُس کے
مُفت سودا چکانے آیا تھا

اکمل آشفتہ سر سے پُوچھو تو
شور ہی کیا مچانے آیا تھا

مزارِ پُر انوار کے سامنے

محبوبِ قلب ادنیٰ و اعلیٰ تمہیں تو ہو

ہم مُنتظر تھے جس کے وہ آقا تمہیں تو ہو

اہلِ نظر کی آنکھ کا تارا تمہیں تو ہو

اور میرے دِل کی جانِ تمنّا تمہیں تو ہو

آبادِ جس سے ہی میری دُنیا تمہیں تو ہو

جس نے سنْوارا دِینِ خُدا تمہیں تو ہو

جس کے لئے عروسِ شریعت کا ہی نکھار

وُہ پاکباز چاند سا دُولھا تمہیں تو ہو

گھر در کو چھوڑ کر تیرے کُوچے میں آ گئے

ہم بے وطن غریبوں کے ماویٰ تمہیں تو ہو

ہے مشت جسکی نوائے دِلآویز سے مشام

بُستانِ قُدس کے گُلِ رعنا تمہیں تو ہو

قُربان ہو رہے ہیں دِل و جان سے تمام

ہم ڈھونڈتے تھے جسکو وُہ "مرزا" تمہیں تو ہو

اے والی ولایتِ عرفانِ ایزدی

مطلوبِ خلق۔ قادیاں والا۔ تمہیں تو ہو

جو بھی ہُوا قریب اُسے قُربِ حق مِلا

شائستۂ مودّت۔ قربیٰ تمہیں تو ہو

اے وارثِ جلال و جمالِ محمّدی

حقدار ذوالفقار و تولا تمہیں تو ہو

کلجگ میں مثل شام۔ گُوپال نے نواز

فریاد رسِ محبّ "سُداما" تمہیں تو ہو

ہے جسکی پیروی میں فلاح و نجاتِ خلق

وُہ رہنمائے دُنیا و عقبیٰ تمہیں تو ہو

ایماں جو لے کے آیا ثریّا سے ارض پر

نبیوں کا چاند امام ہمارا تمہیں تو ہو

مضمار دِین میں فارسی الاصل فتحیاب

وُہ شہ سوارِ ملّتِ بیضا تمہیں تو ہو

اسلام جس کے ہاتھوں سے پھر زندہ ہو گیا

وُہ عالی شان مہدی و عیسیٰ تمہیں تو ہو

شمشیرِ حق سے قتلِ خنازیر کر دیا

وُہ کاسرِ صلیب و چلیپا تمہیں تو ہو

یعنی دئے دلائلِ حقّہ وُہ لاجواب

سب بول اُٹھے کہ حق کے شناسا تمہیں تو ہو

اے حاصلِ مکارمِ اخلاقِ مصطفیٰؐ

کاملِ بُرُوزِ "احمدِ والا" تمہیں تو ہو

سَردارِ انبیاء نے بھیجا جسے سلام

وُہ پیشوائے اُمّتِ اُخریٰ تمہیں تو ہو

مدت سے اسمِ اعظمِ مخفی کی تھی تلاش — اب کھل گیا کہ اسکے مسمّیٰ تمہیں تو ہو

صدہا درود آپ پہ لاکھوں سلام ہوں — بیمارِ ناتواں کا مداوا تمہیں تو ہو

گھبرا کے جب نکلتا ہوں گھر سے۔ خدا گواہ — ڈھارس بندھانیوالا سہارا تمہیں تو ہو

مشرک نہیں ہوں ایک خدا پہ بھروسہ ہے — پھر بھی یہی زباں سے کہوں گا تمہیں تو ہو

اِک بے نُور مصائبِ شتّیٰ ؎ میں مبتلا

اکملؔ غریبِ شہر کے۔ ملجا تمہیں تو ہو

(۱۳ر فروری ۱۹۴۰ء)

آغازِ بہار

لبِ شوق معجز بیاں ہو رہا ہے — کہ ذکرِ مسیحِ زماں ہو رہا ہے

قلم آج گوہر فشاں ہو رہا ہے — کہ وصفِ شہِ انس و جاں ہو رہا ہے

وہ قرباں جسپر جہاں ہو رہا ہے — اُسی کے لئے دِل تپاں ہو رہا ہے

اُٹھانے کی طاقت نہیں رنج و فرقت — غمِ یار کوہِ گراں ہو رہا ہے

مسیحِ محمدؐ کا شہرہ ہے ہر سُو — جو مثلِ قمر ضو فشاں ہو رہا ہے

کریمُ السّجایا جمیلُ الشّیَم ہو — یہی وصف اُنکا بیاں ہو رہا ہے

تھی گمنام بستی مگر دیکھ لیجے — کہ اب قادیاں قادیاں ہو رہا ہے

طفیلِ امامِ شہیرِ دو عالم — فدا اِس پہ خورد و کلاں ہو رہا ہے

ہے مسجد میں مندر میں گرجا میں چرچا — کہ قادیں ہی دارُالاماں ہو رہا ہے

ترے حُسن و احساں کا تذکار احمدؑ — یہاں ہو رہا ہے وہاں ہو رہا ہے

مخالف بھی کہتے ہیں چھوڑو عداوت — کہ اِس سے سراسر زیاں ہو رہا ہے

مسائل تو سارے ہی حل ہو چکے ہیں — یُونہی اب چنیں و چناں ہو رہا ہے

قلم ہی سے اعداء کا سر قلم ہو — کہ بےکار سیف و سناں ہو رہا ہے

ا؎ - دوران

دبانے سے ہم اور اُبھریں گے اُوپر — لچک دار یہ جسم و جاں ہو رہا ہے
نہیں مٹ سکے گا کہ نقش ان دلوں پر — ہمارا ہی نام و نشاں ہو رہا ہے
حسین و حسن کی شہادۃ یہ شاہد — زمیں ہو رہی آسماں ہو رہا ہے
گلستانِ اسلام سرسبز ہوگا — عبث فکرِ دورِ خزاں ہو رہا ہے
بڑے شوق سے نغمہ پیرا ہو بلبل — کہ شاداب گل بوستاں ہو رہا ہے
ہے مہندی کی بھرمار اردو میں کیسی — یہ کیا میرے اہلِ زباں ہو رہا ہے
زلازل اناطولیہ میں ہیں پیہم — یہ مہدی کا پورا نشاں ہو رہا ہے
ہے مشرق مغرب میں پھر ثلج باری — بہار آگئی یہ سماں ہو رہا ہے
پے جنگ برطانیہ کی مدد کو — ہر اِک احمدی نوجواں ہو رہا ہے
مصائب میں شکوہ زباں پہ نہ لاؤ — سمجھ لو کہ یہ امتحاں ہو رہا ہے
لگانا تھا دل پہلے ہی سے سمجھ کر — یہ کیوں ذکرِ جورِ بتاں ہو رہا ہے

دل و جان احمدؑ پہ قربان اکمل
کہ نورِ محمدؐ عیاں ہو رہا ہے (الفضل نمبر ۴۳ مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۴۰ء)

پھر فصلِ بہار آئی

"پھر آگیا کوئی رخِ زیبا لئے ہوئے" — اپنے جلو میں میری تمنا لئے ہوئے
دیکھے نہ اُٹھا کے بھی خادم ترا کبھی — لاکھوں کھڑے ہوں دولتِ دنیا لئے ہوئے
اب ضعف سے یہ حال ہے اُٹھنا محال ہے — جاتا بھی ہوں کہیں تو سہارا لئے ہوئے
اُن کے بڑھاپے میں بھی جوانی کی شان ہے — میری جوانی بھی ہے بڑھاپا لئے ہوئے
شیطان کو پچھاڑ کے رکھ دوں گا ایک دن — مومن ہی اپنے سر میں یہ سودا لئے ہوئے
مجھ کو ہی اُن کے وعدۂ اکمل پر اعتبار — بیٹھا ہوں جیبِ دل میں رویدا لئے ہوئے

احرامِ عشق باندھ کے سوئے حریمِ ناز — جاتا ہوں ساتھ شوق کی دنیا لئے ہوئے
میری زباں پہ باتیں تو ہوتی ہیں اور بھی — لیکن ہوں دل میں یادِ مسیحا لئے ہوئے
جب چودھویں صدی ہوئی اک اُمتی نبی — آیا کئی مراتبِ علیا لئے ہوئے
فرقت کی ماری بچھڑی ہوئی قوم کے لئے — آیا نویدِ وصلِ دلآرا لئے ہوئے
تبلیغ پہ فروغِ جماعت ہے منحصر — یہ جزو تو ہے کل کو سراپا لئے ہوئے
پھیلائے گا ضیاء سالت یہ دُور دُور — مینار جو ہے مسجدِ اقصیٰ لئے ہوئے
ابنِ علیؓ حسین علیہ السلام کا — اک کارنامہ راز ہے صدہا لئے ہوئے
مشرب پہ اُس بزرگ کے بھی غور کیجئے — پھرتا رہا جہاں میں جو چولا لئے ہوئے
مسجد میں کر نمازِ باجماعت کا اہتمام — پیشِ نظر وعید گسائی لئے ہوئے
ہنگام صبح و شام ہو خدمت کا کوئی کام — یہ امر ہے مقاصدِ عظمیٰ لئے ہوئے
اس حسنِ جاں فروز پہ قربان کرنے کو — دل اپنا نذرِ نرگسِ شہلا لئے ہوئے
گاتا ہوا پریم دوارے میں پیت گیت — ہر دے میں من کے میت کی آشا لئے ہوئے

پروانہ وار اکملِ مشتاق ہو فدا
پھر آگیا کوئی رخِ زیبا لئے ہوئے

(الفضل ۱۶ مارچ ۱۹۴۰ء)

یارب ایں آرزوئے من چہ خوش است

پلا دے مجھے ساقیا پھر پلا دے — وُہی مے جو مستانہ حق بنا دے
الٰہی وُہ وحدت کا منظر دکھا دے — یہ نقشِ دُوئی ہو جہاں بھی مٹا دے
مرے شوق ہیں اور جتنے مٹا دے — مسیحِ محمدؐ کا شیدا بنا دے
حقائق کا مخزن دقائق کا معدن — اسی چہرے کی روشنی ہیں دکھا دے
مرے دل کی دُنیا جو ہے سُونی سُونی — اسے آ کے آباد و رخشاں بنا دے

تو زندہ ترے پاک اصحاب زندہ — غلط ہے جو موتی ہیں اُن کو ہلادے

ابد تک رہے گا ترا فیض جاری — علوم و معارف کی نہریں بہادے

سنے یا نہ کوئی سنے اے مبلغ! — جو پیغام ہے پاس تیرے سنادے

نمودار صبحِ صداقت ہوئی ہے — جو ہیں خوابِ غفلت میں اُنکو جگادے

مسیحا کے انفاسِ قدسی کے صدقے — بہ اذنِ خداوند مُردے جِلادے

ہدایاتِ صدق و خلوص و وفا کر — بشاراتِ اقبال و عزّ و علادے

سعادت یہی ہے یہی ہے عبادت — درِ یار پہ آکے دھونی رمادے

نہ چھوڑے اگر نفسِ سرکش کا گتّا — تو مالک کو تو عاجزانہ ندا دے

فروزاں ہے عالم میں شمعِ رسالت — اسی کی ہر اک دل میں تو لو لگادے

جو انفاقِ مالی کی، توفیق پائے — تو ایفاءِ وعدہ سے اس کو جلادے

بہ ہر سو ترا دین دنیا میں پھیلے — جو روکیں ہیں رستے میں یارب ہٹادے

رہوں یادِ مولا میں سرمست اکمل
بھلادے مجھے ماسوا سب بھلادے

لیجیے یہ نظم بھی پڑھ لیجیے

ساقیٔ مہ وش اِدھر بھی اک نظر فرمائیے — دیر سے پیاسے کھڑے ہیں آج تو بلوائیے

حسنِ بے پروا سے کل یہ عشقِ رسوا نے کہا — دل تو چھلنی ہو چکا ہے اب جگر برمائیے

دل کی بستی جو کبھی آباد تھی ویران ہے — پھر سے یہ سرسبز ہو ابرِ بہاری آئیے

جب ہے پہلی زندگی صدق و دیانت پر گواہ — راستبازوں کو نہ اُنکے دعوی میں جھٹلائیے

آکے دوبارہ بھی لاعلمی ہو حالِ قوم سے — موتِ عیسیٰ کھل چکی اسکو نہ اب الجھائیے

رحمۃ للعالمیں نے بندشِ الہام کی — دیکھیے رحمت کو زحمت کرکے مت دکھلائیے

دعوئ حبِّ محمدؐ اور احمدؑ سے نفار | یہ دو ضدیں جمع کیونکر ہو سکیں سمجھائیے
آپ کو بہبودئ اسلام کی کچھ فکر ہے | بہلانے دیجے مولوی صاحب نہ قسمیں کھائیے
بھولے بھٹکے بے شبہ ہیں مستحق تبلیغ کے | جو پرائے بن گئے ہیں ان کو بھی اپنائیے
قومیں قوموں پر چڑھی آتی ہیں یا ربّ خیر ہو | زلزلہ ہے چار سُو اصلاح سے بچ جائیے
ہر طرف ہی شور برپا انقلاب اے انقلاب | انقلابی گردشوں میں اپنا مقصد پائیے
یعنی امن عام ہو۔ اسلام ہی اسلام ہو | ہر طرح آرام ہو۔ دنیا میں جنّت لائیے
سربلندی چاہتے ہو تو ہی اس کا گُر یہی | آستانے پر مسیحِ پاک کے جھک جائیے
مومنوں کو حکمِ ربّانی ہے صبر و ضبط کا | مشکلیں کتنی بھی ہوں ان سے نہ کچھ گھبرائیے
قول بالافواہ کی۔ کچھ قدر و قیمت ہی نہیں | از عمل ثابت کن آں نورے ہی کے گن گائیے
یاد رکھو! ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد | آپ بھی خدّام میں مل کر نہ پھر سستائیے
ہم رہیں گے قول پر ثابت قدم ہر حال میں | توڑ کر عہدِ وفا بد عہد کیوں ہو جائیے
ذکرِ حق سے ہوتا ہے حاصل جو اطمینانِ قلب | محو اسی میں رہ کے رنج و غم میں دل بہلائیے
شیوۂ مومن نہیں رستے میں ہمّت ہارنا | منزلِ مقصود مل جائے گی چلتے جائیے

مدحتِ احمدؑ میں اکمل پھر ہوا نغمہ سرا
اک نگاہِ لطف ہو جائے صلہ دلوائیے

۱۹ مئی [illegible]

مزارِ پُرانوار

اِبی حضرت امام الدین فاضل | جو خاص اصحابِ مہدی میں تھے شامل
معلّم متّقی عابد مہاجر | شریعت کے طریقت کے بھی عامل
بہ ذکر و فکرِ حق شاغل شب و روز | خبر گیرِ یتامیٰ و ارامل
ادا حقّ خوب فرمایا ہے اس کا | وہ جس بارِ امانت کے تھے حامل

دُعائیں مُستجاب اُن کی تھیں اکثر | کہ تھے خاصانِ حق میں آپ شامل
وُہ گولیکی سے ہجرت کرکے آئے | رہے چودہ برس چھ ماہ کامل
"چراغِ دیں" تاریخِ ولادت | وفات اُن کی "چراغِ دینِ کامل"

۵ محرم ۱۲۶۸ھ
۱۳ اکتوبر ۱۸۵۱ء

(الفضل جلد ۲۸ نمبر ۹۵ مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۴۰ء) ۱۳۵۹ھ ہجری

۲۶ مئی کی صبح مزارِ اقدسؑ پر

آج پھر چھبیس ۲۶ مئے کی یاد نے تڑپا دِیا | داغِ حسرت سینۂ مجروح میں چمکا دِیا
آتشِ ہجرت کو شعلہ زن کیا بھڑکا دیا | جسم کو بے چین کرکے رُوح کو تڑپا دیا
پھر گئی تصویر آنکھوں میں زمانِ پاک کی | اور تصوّر نے مجھے دربار میں پہنچا دِیا
السّلام اے احمدِ مُرسل امامِ کامگار | جس نے جلوہ حقّ و حکمت کا ہمیں دِکھلا دِیا
السّلام اے قُدرتِ ربِّ قدیر و کردگار | تھام کر گرتے ہُوؤں کو تختِ عزّت کا دِیا
السّلام اے مہدیٔ موعود شاہِ نامدار | آپ نے رستہ ہدایت کا ہمیں بتلا دِیا
السّلام اے ساقیٔ خُم خانہ توحیدِ حقّ | خَلق کو مَست مئے حُبِّ نبیؐ فرما دِیا
السّلام اے کاشفِ اسرارِ قرآن و حدیث | کیا بتاؤں اُمّتیوں کو آپ نے کیا کیا دِیا
صُوفیٔ و مُلّاں نے جو جو مسئلہ اُلجھایا تھا | آپ نے سُلجھا دیا اچھی طرح سمجھا دِیا
کھول کر گنجینۂ عرفاں لُٹایا بے حساب | جھولیاں بھر بھر کے آئے سبھی اِتنا دِیا
آپ نے جو کچھ بھی سِکھلایا وُہ ہم بھولے نہیں | مشرق و مغرب میں ہم نے بھی اُسے پھیلا دِیا
یاد آتی ہیں مگر رہ رہ کے باتیں پیار کی | گردشِ گردُونِ گرداں نے یہ کیا پلٹا دِیا
یعنی ہم پیچھے رہے اور آپ آگے چل دیئے | دردِ فُرقت نے وُہ تڑپایا کہ دِل کلپا دِیا
پھر بھی یہ فضلِ خدا ہے اُمّتِ مہجور پر | قُدرتِ ثانی کا منظر جلد ہی دِکھلا دِیا
ظلمتیں کافُور ہوکر رہ گئیں سب کُفر کی | چار سُو ہے ضَو فشاں وُہ چاند سا بیٹا دِیا

اکملِ اندوہگیں کو ہو چکے بتیس سال — حاضری کا صبح و شام اسکو شرف مولیٰ دیا

خاک آنکھوں پر لگا لیتا ہوں فرطِ شوق سے — سُرمۂ نورِ نظر میرے لئے اچھا دیا

جی میں آتا ہے یہیں رہ جاؤں مل کر مٹی میں — کہہ سکوں دیکھو مجھے میرا صلہ کیسا دیا

اے خدا کے پاک مرسل آپ پر لاکھوں سلام

بھیجتے ہیں ساکنانِ بحر و بر لاکھوں سلام

(الفضل نمبر ۱۲۱ جلد ۲۸ — ۲۸ مئی ۱۹۴۰ء)

تلاشِ حق

وہ کہہ رہے ہیں کہ پیرِ مغاں نہیں ملتا — یہ ٹھیک ہے کہ بجز قادیاں نہیں ملتا

نثار مذہب و ملت پہ جان و مال کرے — سوا ہمارے کہیں وہ جواں نہیں ملتا

اداسی چھائی ہے دنیا پرست لوگوں میں — یہ بات کیا ہے کوئی شادماں نہیں ملتا

خدا کے ذکر سے حاصل سکونِ دل ہوگا — بغیر اس کے تو امن و اماں نہیں ملتا

مٹانے کے لئے اُٹھے تھے جو ہمیں دیکھو — کہ اُن کی قبر کا بھی اب نشاں نہیں ملتا

خیالِ غیر سے خالی دماغ جو کر لے — نہ کہہ سکے گا کہ وہ مہرباں نہیں ملتا

نزولِ وحی کی بندش میں مان لوں کیونکر — نبیؐ کے قول سے جب یہ بیاں نہیں ملتا

مزے مزے کی تو باتیں کئی سناتے ہیں — مگر وہ خلقِ مسیحِ زماں نہیں ملتا

سیالکوٹ میں تنویرِ احمدیت ہے — عجب ہے میر کو روشن نشاں نہیں ملتا

اجی یسوع کی گاڑی کا کھینچنا چھوڑو — کہ دینِ حق میں یہ بارِ گراں نہیں ملتا

خدا کرے کہ مبدّل بہ صلح ہو یہ جنگ — بد امنیوں میں تو آرامِ جاں نہیں ملتا

بجز تضرّع و زاری - بدرگہِ باری تعا — کوئی علاج فسادِ جہاں نہیں ملتا

دعاؤں سے آسان مشکلیں ہونگی! — یہ حربہ کاری ہے - ظالم کو - ہاں نہیں ملتا

کبھی جو کھیل محبت کا ہم نے کھیلا تھا - — اب اس میں بعض کا نام و نشاں نہیں ملتا

یہیں پہ شوق کے سجدے نہ کیوں کروں اکملؔ — اس آستاں سا کوئی آستاں نہیں ملتا

بیاسا کے اُس پار!

بیٹھا ہے بے کار مجاہد — اُٹھ اُٹھ ہو ہشیار مجاہد
حق ہو تیرا یار مجاہد — کر کچھ کارِ وبار مجاہد
بیاسا کے اُس پار مجاہد بیاسا کے اُس پار

آنے والا آ بھی گیا ہے — دُنیا کو پلٹا بھی گیا ہے
سب کو وہ بتلا بھی گیا ہے — دین کا حالِ زار مجاہد
بیاسا کے اُس پار مجاہد بیاسا کے اُس پار

مہدی آ کے جا بھی چکا ہے — رشید بھی راہ دکھا بھی چکا ہے
نیکوں کو منوا بھی چکا ہے — غافل ہوں بیدار مجاہد
بیاسا کے اُس پار مجاہد بیاسا کے اُس پار

بالا بول اِسلام کا ہوگا! — شہرہ اِس کے نام کا ہوگا!
چرچا اَب الہام کا ہوگا! — احمدؑ ہے سالار مجاہد
بیاسا کے اُس پار مجاہد بیاسا کے اُس پار

ظلمت میں اِک شمعِ ھُدیٰ ہے — پروانوں کو مژدہ ملا ہے
جلوہ فرما حُسن ہُوا ہے — عاشق ہوں تیّار مجاہد
بیاسا کے اُس پار مجاہد بیاسا کے اُس پار

اکمل نے پیغام سُنایا — سب کے مَن کو خوب یہ بھایا
ساقی کھیوَن ہار ہے آیا — پیاسے ہوں سرشار مجاہد
بیاسا کے اُس پار!!

(الفضل نمبر ۱۴۷ مورخہ ۳۰ جون ۱۹۴۰ء)

ندائے اکمل

فناءِ قادِیاں اچھی بقائے قادِیاں اچھی
بہر حالت بہر صورت فضائے قادِیاں اچھی

کلی دِل کی کِھلا دیتی ہے جب چلتی ہے گلشن میں
نسیم کیف زا و جاں فزائے قادِیاں اچھی

اگر کچھ زخم آتے ہیں تو مرہم بھی لگاتے ہیں
سزائے قادِیاں اچھی جزائے قادِیاں اچھی

سُنا کے ہمدم دیرینہ قِصّے عہدِ ماضی کے
مِرے کانوں کو لگتی ہے صدائے قادِیاں اچھی

یہ کیا اہلِ بہاء کا ذِکر تم مجھ کو سُناتے ہو
کہ ہر سُو چھائی جاتی ہو بہائے قادِیاں اچھی

دسمبر کا مہینہ اور چودس کا شبینہ ہو
تو ان گلیوں میں لگتی ہو ضیائے قادِیاں اچھی

لباسِ خیر تقویٰ کا جو طالب ہو تو بتلاؤں
ردائے قادِیاں اچھی قبائے قادِیاں اچھی

حیا دراصل یہ ہے تو گُنہ کرنے سے رُک جائے
حیا و شرم عالم سے حیائے قادِیاں اچھی

نہ گھبرا اِبتدائی لغزشوں سے نوجواں تائب
بڑھاپے میں یہ تیری اِنتہائے قادِیاں اچھی

بہشتی خوان بٹتے اور دِن راحت سے کٹتے ہیں
قبولِ دعوتِ حق کر صلائے قادِیاں اچھی

مریضِ نیم جاں چھوڑ اِن طبیبوں کو اِدھر آجا!
دوائے قادِیاں اچھی، شفائے قادِیاں اچھی

اجی شام اودھ صُبح بنارس کا ہے منظر کیا؟
ہمارے واسطے فجر و مسائے قادِیاں اچھی

نہ ہم کشمیر میں جائیں نہ دِل شملے میں بہلائیں
موافق آگئی آب و ہوائے قادِیاں اچھی

نہ تنہائی میں گھبرائیں نہ شور و غُل سے اُکتائیں
سکونت در سرائے دِلکشائے قادِیاں اچھی

قضا و قدر سے جو کچھ بھی وارد ہو مُسلّم ہو
ادائے فرض جاں اسکو قضائے قادِیاں اچھی

نہ ہنگاموں سے گھبراؤ پناہِ حق میں آجاؤ
کہ ہے تبدیلیٔ صیف و شتائے قادِیاں اچھی

سرِ تسلیم خم کر دے غمِ دُنیا کم کر دے
تری حالت ہے حسب اقتضائے قادِیاں اچھی

یہ ساون کا مہینہ ہے تو مئے پی لے جو پینا ہو
کہ ساقی کا مدینہ ہے فضائے قادِیاں اچھی

تری دُنیا ہے گر سُونی نہ در در یہ رما دھونی
کہ ہے فرمان اُدعُونی دُعائے قادِیاں اچھی

دُعاؤ صبر سے نبیوں کی قوبیں ہوتی ہیں غالب
اسی سے ہوگی شانِ ارتقائے قادیاں اچھی
نہ کر پروا ہے صدہا اہلِ ثروت اس زمانے میں
صدائے یک گدائے بے نوائے قادیاں اچھی
مُبارک تجھ کو یہ گوشہ گزینی اکملِ محزون
کہ ہے اس عمر میں یادِ خدائے قادیاں اچھی

(الفضل نمبر ۹ ۱۳ مورخہ ۱۳ جولائی ۱۹۴۰ء)

نغمۂ اکمل!

ساقی نگہِ لُطف سے مُردے کو جِلا لے
بچھڑا ہُوں بڑی دیر کا سینے سے لگالے
رہ جاؤں نہ محروم ۔ ہے ساون کا مہینہ
پیاسا ہُوں پلا دیجئے دو چار پیالے
غفلت میں پڑے سوتے ہیں جو نیند کے ماتے
الطاف و عنایات کی دستک سے جگالے
توحید کے اسباق اُنہیں خُوب ملے تھے
لیکن وُہ بُھلا بیٹھے ہیں پھر یاد کرا لے
مُدّت سے جُدائی میں پڑے ہیں جو عُشّاق
اُن پہ نگہِ لُطف ہو اَب پاس بُلا لے
دُنیا ہے کنارے پہ تباہی کے گڑھے کے
اِس آگ سے اے ابرِ کرم آکے بچا لے
افواج پراشوٹ سے اُتریں گی زمیں پر
چونتیس برس پہلے کے ملتے ہیں حوالے
گھس جاتے ہیں بے خوف وُہ میدانِ وغا میں
مولائے دو عالم ترے بندے ہیں جیالے
دیکھا کئی گردی کیشوں کو بزم میں تیری
ہیں طوقِ اطاعت بہ گلُو شوق سے ڈالے
بیدار ہو بیدار نسیمِ سحری میں
رُوٹھے ہُوئے دِلدار کو مِنّت سے مَنالے
وابستہ بہاریں ہیں ترے نقشِ قدم سے
اُجڑی ہُوئی بستی ہے مرے دل کو بسالے
دُنیا ہے اگر دین کی خاطر تو یہ دیں ہے
نیّت تری اچھی ہے تو پھر خُوب کمالے
بیواؤں یتیموں کا خبر گیر ہو مُسلم!
مُحتاج ہیں نادار ہیں بیکس ہیں ۔ دُعا لے
مؤمن کا تو مؤمن کے لئے ہوتا ہی سب کچھ
وُہ کیا ہے جو حق اپنے ہی بھائی کا دبا لے

پیغام یہ دینا ہے غلامانِ نبی کو
جو شاکر و طاہر ہو وُہ اُس یار کو پالے

جو ہونا ہی ہو جائیگا اندیشہ ہے بے سُود
یاروں کو پڑے رہتے ہیں کیوں جاں کے لالے

تقدیر جو اُلٹی ہو خداوندِ جہاں سے
تو سوزنِ تدبیر بھی بن جاتی ہے بھالے

جو کھال میں ہو مست وُہی بندۂ حق ہے
بن جائے گا کیا اوڑھ کے دیبا کے دوشالے

اِس دَور میں دیکھی ہی عجب رسم یہ اُلٹی
جو خُون بہاتا ہے وُہی خون بہا لے

ساکن ہُوئے ہم تیری محبّت کی سرا میں
بد بخت ہیں جن کیلئے لگ جاتے ہیں تالے

شیطان کے پھندے سے نکل آتا ہی مؤمن
وُہ خُوب سمجھ لیتا ہے مکّار کے چالے

وُہ دِن بھی چلا آتا ہی مہدی! ترے دَر پر
جُھک جائینگے سر سب کے وُہ گورے ہوں کہ کالے

گنجینۂ عرفان و ہدایت کا ہے طالب؟
تُو دارِ اماں آ کے یہیں دھونی رما لے

ہلچل ہو فرشتوں میں بپا حشر سا ہو جائے
پہنچے جو فلک پر کسی مظلوم کے نالے

تحریکِ جدیدہ کو چھٹا سال ہے جاتا
ایثار سے فردوس میں گھر اپنا بنا لے

آخر نہ سنبھالا گیا یہ بارِ امانت
بیمار نے تیرے لئے ہر چند سنبھالے

بربادِ تمنّا کی ہے یہ آخری خواہش
دامانِ کرم میں مجھے خوش ہو کے چھپالے

آہنگِ ترنّم پہ ہر نغمۂ اکمل
کچھ قمری و کوئل سے مرے دوست اڑا لے

(الفضل ۱۶۹ جلد ۲۸ مورخہ ۲۰ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء)

نظمِ گوہر بار

تری ہر بات کیف آور ہے وجد انگیز ہے ساقی
شراب ناب ہے گویا اثر میں تیز ہے ساقی

شراب ناب تیری تلخ و تُند و تیز ہے ساقی
گوارا کر مذاقِ خلق سہل انگیز ہے ساقی

وجودِ مُصلحِ آخر زماں کی یہ نشانی ہے
جو بحر و بر میں ہلچل اور رستا خیز ہے ساقی

کریگا قتل و غارت مہدئ اسلام دُنیا میں
پراپیگنڈا دشمن کا یہ شر انگیز ہے ساقی

غُلامانِ مسیحِ احمدی ہیں رفق پر عامل!
انہیں دیں کیلئے پیکار سے پرہیز ہے ساقی

چھپا ہے غار میں صدیوں سے زندہ۔ کچھ نہیں کرتا
غلط فہمی ہے یہ افسانہ رنگ آمیز ہے ساقی

ترا پیغام محفوظ ضائع ہو نہیں سکتا۔
کہ جُوں آویزہ گوہر وہ دِلآویز ہے ساقی

زباں میں کیا فصاحت ہے بیاں میں کیا وضاحت ہے
اور اِس پر ہر ادائے حُسن کیف انگیز ہے ساقی

لنڈھائے جا لنڈھائے جا۔ پلائے جا پلائے جا
یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے مجھے پرہیز ہے ساقی

کوئی کشتی بچا سکتی نہیں جُز فضلِ ربانی
کہ طوفاں موج افزاء و تلاطم خیز ہے ساقی

سبھی ادیانِ عالم رہ گئے رستے ہی میں تھک کر
بڑھا آتا فقط اِک احمدی شبدیز ہے ساقی

گلے میں ڈال کر کفنی پئے تبلیغ نکلیں گے
کہ اسبابِ تعیُّش سے یہ کُرسی میز ہے ساقی

عصاءِ رُوس کیا مطلب بخارا کی کماں یعنی؟
یہ الہامِ خداوندی تو معنےٰ خیز ہے ساقی

رضاءِ یار پالیں گے تو سب کچھ ہی کما لینگے
یہی اپنے لئے بس دولتِ پرویز ہے ساقی

دہیم از چشمِ خود آبے درختانِ محبت را
کہ ہر تخمِ وفا دراصل جنت بیز ہے ساقی

سُنانے دے سُنا دے مجھے رودادِ غم اپنی
کہ میری داستانِ شوق عبرت خیز ہے ساقی

سہام لیل ہی آخر اسے نیچا دِکھائیں گے
جو دُنیا میں عروجِ سطوتِ چنگیز ہے ساقی

ہر اِک ٹھوکر زمانے کی ہُوئی موجب بڑھانے کی
سوارِ اشہبِ توحید کو مہمیز ہے ساقی

تیرا ہی ابرِ نیساں ہے تیرا ہی سب یہ فیضاں ہے
جو نظمِ اکملِ نادار۔ گوہر ریز ہے ساقی (الفضل ۱۴ اگست ۱۹۴۲ء)

جماعتِ احمدیہ کے خدام و انصار

دانا ہیں گو بظاہر دیوانے احمدی ہیں
یعنی جو قادیاں میں مستانے احمدی ہیں

شمعِ ھُدیٰ کہ جس نے بطحاء سے روشنی لی
چھوٹے بڑے اُسی کے پروانے احمدی ہیں

آبِ حیاتِ حق کے پیاسے تھے مدتوں سے
بھر بھر کے اب تو پیتے پیمانے احمدی ہیں

لب پر ہے ذکرِ احمدؑ دل میں ہے جوش بے حد — پی کر شرابِ سرمد - مستانے احمدی ہیں

وَلُّوا وُجُوھَکُم کے ارشاد پر ہیں عامل — قبلے کو خوب اپنے پہچانے احمدی ہیں

تبلیغ کی مساعی پھل لا رہی ہیں بھائی — افریقہ میں ہزاروں کاشانے احمدی ہیں

مٹی میں پہلے مل کر باغ و بہار ہونگے — اِک سے ہزار ہونگے وہ دانے احمدی ہیں

غازہ ہیں رُوئے دینِ اسلامِ مُرتضیٰ کا — گیسوئے دلربائی کے شانے احمدی ہیں

سرشار پھر رہے ہیں سجدوں میں گر رہے ہیں — ساقیٔ مہ لقا کے مستانے احمدی ہیں

احباب و اقربا کو اوطانِ پُر فضا کو — چھوڑ آئے حق کی خاطر فرزانے احمدی ہیں

ہر چند فقر و فاقے میں اُن کی زندگی ہو — اطوار پھر بھی رکھتے شاہانے احمدی ہیں

صفحاتِ ہر زمیں پر اندازِ دلنشیں پر — اپنے قدم سے لکھتے افسانے احمدی ہیں

مشرق کی ساحتوں میں مغرب کی وادیوں میں — دیکھو جہاں بھی حاضر دیوانے احمدی ہیں

ہو زہد خشک جس جا - یا علم بے عمل ہا — کرتے بناء وہیں پر مے خانے احمدی ہیں

پہچانتے ہیں سب کو - ہاں جانتے ہیں سب کو — کہتا ہے کون ہم سے بیگانے احمدی ہیں

اللہ ہی اللہ ہوگا - ہوگی اُسی کی پُوجا — مسمار کرتے جاتے بُت خانے احمدی ہیں

مفقود جبر و اکراہ ہو سب کا دین للہ — شام و پگاہ کوشاں دیوانے احمدی ہیں

گھبرا گئے ابھی سے تم اس روا روی سے — دار الاماں میں صدہا اور آنے احمدی ہیں

اللہ کا نام ہر آں بولیں گے جن و انساں — آباد کرتے آئے ویرانے احمدی ہیں

بار آور انکی کوشش ملکوں میں ہو رہی ہے — اور پُر خلوص سُنتے شکرانے احمدی ہیں

اصحابِ مصطفیٰؐ کی ہر شان کے ہیں حامل
اکملؔ ہمارے جانے پہچانے احمدی ہیں

(الفضل ۲۳ اگست ۱۹۴۰ء نمبر ۱۹۱)

ہدایاتِ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دربارۂ غزوات

جنگ کے بارے میں احکامِ رسولؐ — صدقِ دل سے مومنو! کرلو قبول
گر اُمورِ مذہبی میں جبر ہو — اور ناممکن تمہارا صبر ہو
ہو اشاعت دیں کی دشمن سے بند — اور پہنچتا مال و جاں کو ہو گزند
کردے حملے کی مخالف ابتداء — اور وہ توڑے ستم لا انتہا
تو لڑائی کی اجازت ہے تمہیں — اور حملے کی بھی رخصت ہے تمہیں
ہاں مگر بھولو نہیں غیر از امام — خود بخود کرنا نہ جنگی اہتمام
جب لڑائی ہو تو صرف اُن پر ہو وار — جو کہ تم سے کر رہے ہوں کارزار
بچّوں بوڑھوں عورتوں کو چھوڑ دو — رحم سے ٹوٹے دلوں کو جوڑ دو
باغ یا سرسبز پھل دے جو درخت — ہے اُجاڑنے کی مناہی ان کی سخت
ہر عبادت گاہ کا ہو احترام — شہریوں کا ہو نہ ہرگز قتلِ عام
مثلہ کرنا منع ہے ایسا نہ ہو — اور دشمن سے کبھی دھوکا نہ ہو
حملہ ہو آگاہ کردینے کے بعد — صُلح کی کوشش بھی کرلینے کے بعد
مُدّعا یہ ہے ضمیر آزاد ہو — خانۂ دیں صدق سے آباد ہو
نعش کی بے حُرمتی جائز نہیں — دیکھنا ایسا نہ کر بیٹھیں کہیں
خادمانِ دیں کی تم عزّت کرو — اُن میں سے کوئی بھی بیحرمت نہ ہو
صُلح کا پیغام پہنچے مان لو — خواہ اس میں اپنا ہی نقصان ہو
قیدیوں سے چاہیئے حسنِ سلوک — عفو کرتے رہیئے اُن کی بھول چُوک
کام تھوڑا اور اچھا ہو طعام — فدیہ دے کر چھوڑ سکتے ہیں تمام
فتح کر کے منع ہے غارت گری — لُوٹنا جائز نہیں ہوگا کبھی

مُشرکوں سے جو کوئی مانگے پناہ — اُس کو دِکھلا دو تم اُسکے گھر کی راہ
جو کہے اسلام لایا۔ مان لو۔ — یہ نہیں بے وجہ جھُوٹا جان لو
اعتبار اُسکی زبان پر ہو وہیں — چِیر کر دِل دیکھنا ممکن نہیں
الغرض ہر طرح سے ہو احتیاط — لازمی ہے مؤمنوں کو ارتباط
عہد ناموں کی ہے پابندی ضرور — کیونکہ غادِر۔ رحمتِ حق سے ہے دُور
اُن کے اِک اِک لفظ کو پُورا کرو — خواہ کچھ نقصان ہی دُنیا میں ہو
جزیہ ہے حقِّ حفاظت اس لئے — ذِمّیوں سے اِس کو لینا چاہیئے
اَب تو دینی جنگ کا ہے خاتمہ — یعنی اگلے رنگ کا ہے خاتمہ
امن کا شہزادہ مہدیؑ آچکا — اَور جھنڈا صُلح کا لہرا چکا!
رہ گیا تبلیغ کا اکبر جہاد — اِس میں حصّہ جوش سے سب لیں عباد
دیں دلائل سے مَسائل کا جواب — تا نہ رہنے پائے باقی اِرتیاب
مال و جاں حاضر کریں سب شاد شاد — کام یہ ہے دونہ خرط القتاد
نثر میں فرمائشِ مضمون تھی — طبعِ عاجزِ حاضر و مَوزُون تھی
اِس لئے یہ نظم لکھدی گئی۔ — اَور یُوں تعمیلِ فرماں کی گئی
پیش کرتا ہوں بہ اخلاص و شغف — گر قبول اُفتد زہے عزّ و شرف
ہدیۂ اکمل بہ دربارِ رسُول — اے مِرے اللہ ہو جائے قبول

(اخبار الفضل ۱۸۰۲ ص ۲ / ۱۲ ستمبر ۱۹۱۹ء)

صدائے غریب بر درِ حبیب

تِرا نام صُبح لینا۔ تِرا نام شام لینا — کوئی بات یاد آئی تو جگر کو تھام لینا
یہی شغل روز و شب ہے۔ مجھے بھولتا ہی کب ہے — سَرِ بزم میرے ساقی۔ مئے حق کا جام لینا
مجھے علم کچھ نہیں تھا کہ مَیں بندۂ کہیں تھا — یہ تِرا کرم تھا آقا کوئی مجھ سے کام لینا

رہوں اشکبار دن رات۔ کہوں بار بار یہ بات
مجھے یاد آرہا ہے وُہ ترا سلام لینا

مَیں ہُوں طائرِ مسیحا ہے بلند آشیانہ
مجھے سہل تر نہیں ہے بہ فریب دام لینا

جو نہیں ہے وجہِ آمد تو نہ کرنا خرچ بے حد
کہ نہیں طریقِ احمد یُونہی قرض۔ دام لینا

یہ دیانت و امانت ہے نشانِ احمدیت
نہ کبھی حرام دینا نہ کبھی حرام لینا

نہ سُنی سُنائی باتوں پہ کبھی دھیان دینا
نہیں شیوہ مومنوں کا اثرِ عوام لینا

جو اُفق پہ چاند دیکھا تو مجھے وُہ یاد آیا
ترا جائزہ سَپَہ کا بہ فرازِ بام لینا

بہ کمال شوق آقا۔ یہی شغل ہے کہ تنہا
ترا صُبح نام لینا۔ ترا نام شام لینا

یہ عجیب دوستی ہے۔ مرے بھول جانے والے
نہ کوئی پیام دینا نہ کوئی پیام لینا

یہ درِ حبیبؐ یا ربّ ہو مرے نصیب یا رب
اِسی آستاں کے بوسے بہ ادب مدام لینا

یہی میری التجا ہے یہی روز و شب دُعا ہے
رہے نقش لوحِ دل پہ قدمِ کرام لینا

جو مدینے جا رہا ہے تو مزارِ مصطفےٰؐ پہ
بہ ہزار عجز میرا ابھی دُعائیں نام لینا

ہے گُناہ گار اکمل ہے سیاہ کار اکمل
ذرہِ کرم خدارا شفقت سے تھام لینا

(۲۴ ستمبر ۱۹۴۰ء)

ماہِ صیام

مُسلمانو! مُبارک ہو کہ پھر ماہِ صیام آیا
خدائے پاک کی جانب سے رحمت کا پیام آیا

یہ وُہ ماہِ مُبارک ہے کہ جس میں پہلے مکّہ میں
محمد مصطفےٰؐ پر اپنے مولےٰ کا کلام آیا

یہ وُہ ماہِ مُبارک ہے کہ جس میں روزہ داروں پر
خداوندِ دو عالم کی محبت کا سلام آیا

تہجّد اسمیں پڑھ پڑھ کر خدا کا قرب پائینگے
جُھکایا جس نے سر اپنا وُہی بالائے بام آیا

کمربستہ رہو ہر وقت خدمت کے لئے دیں کی
یہ حکمت ہے خصوصًا ان دِنوں حکمِ قیام آیا

خُدا کے واسطے کچھ بھوک کی لذت جو چکھتے ہیں
انہی کے حصے میں جنّت کا انعام طعام آیا

جو پیاسے محض اللہ کے لئے دن بھر رہے مؤمن — انہی کو حوضِ کوثر کا لبالب ایک جام آیا
رضاءِ حق کی خاطر چھوڑ دیں جس نے حلال اشیاء — سراسر غیر اغلب ہے کہ پھر نزدِ حرام آیا
اُٹھا ہے قبلہ کی جانب سے ابرِ رحمتِ باریؔ — لئے بارانِ فضلِ حق پئے ہر خاص و عام آیا
مُسلمانو! اُٹھو سب پیشوائی کو بڑھو اسکی — کہ لے کر دولتِ ایماں ثریّا سے اِمام آیا
جو کُچھ سُستی ہُوئی تُم سے تو اَب ہشیار ہو جاؤ — اُسے بھولا نہیں کہتے جو جا کر صبح - شام آیا
الٰہی جنگ کے بادل جو چھائے ہیں یہ چھٹ جائیں — سُنانے امن کا پیغام ہادیٔ انام آیا
جو دِن سختی کے دیکھے ہیں تو یوم العید بھی دیکھیں — بشارت جسکی ہے کے وُہ مِرا مادِ تمام آیا
اگر معذور ہوں تو یہ تسلّی ہے کہ مُضطر ہُوں
اِسی سے اکملِ بیمار کو صبرِ دوام آیا (الفضل نمبر ۲۲۲ یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء)

(نغمۂ نو)

نغمۂ تمجید بآہنگِ جلسۂ ید

جس سے ہُوا مجھے نیاز۔ میرا اُسی پہ ناز ہو — میری جبین سجدہ ساز۔ فخر سے سرفراز ہو
میرے مسیح و پیشوا۔ تم ہی نے زِندہ پھر کیا — تم ہی نے دردِ دل دیا۔ تم ہی تو چارہ ساز ہو
جیت ضرور جائے گا۔ گیت خوشی کے گائیگا — راحت و چین پائیگا۔ ٹھیک جو دِل کا ساز ہو
غیر کہ جو ہیں دُور دُور۔ ہم جو ہیں پیرِوانِ نُور — چاہیئے دونوں میں ضرور۔ مابہ الامتیاز ہو
مُرسل کامگار ہو۔ اُسپہ یہ جانؔ نثار ہو — اَور اُسی سے پیار ہو۔ گویا کہ تُم ایاز ہو
اُسکے لئے ہی کائنات۔ غلغلہ اُسکا شش جہات — ہے وُہی مُصلحِ حیات۔ پیش سرِ نیاز ہو
آفتیں آئیں ناگہاں۔ اَور ہو طُوفاں بے اماں — پھر بھی رَواں دواں۔ دین کا یہ جہاز ہو
سر پہ گذرتی کو سہوں دَمِ شوئِ دَمِ مزن کہوں — تاکہ نہ وا شگاف یُوں۔ عشق کا تیرے راز ہو

جو بھی ہو مردِ نیک خُو۔ اُس کی یہی ہے آرزو | ہند میں پیدا خواہ ہو۔ خاکِ رہِ حجاز ہو
چھوڑ خودی و بیخودی۔ احمدی بن تُو احمدی | آئینہ بننی ہے بدی۔ خود ہی تُو آئینہ ساز ہو
حق و حقیقت اور ہے۔ اِس میں مقامِ غور ہے | وصل کا یہ ہی طور ہے۔ نے کہ رہِ مجاز ہو
شوخیٔ رنگ پہ نہ بھول۔ بات نہ یونہی کر قبول | پردے میں ہو نہ کوئی غول۔ مُل رہا وُہیں کاز ہو
دادِ وفا ہے مِل رہی۔ دِل کی کلی ہے کھِل رہی | دِل سے نکلتی ہے دُعا۔ عُمر تری دراز ہو
پاک رِیا سے ہو تری۔ بندۂ حق یہ بندگی | از پئے کردگار ہی۔ روزہ و حج نماز ہو
ربِّ غفور کا کرم۔ بلدۂ طیّبہ میں ہم | توبہ و ذِکر ہو نہ کم۔ جب درِ توبہ باز ہو
باغ میں آگئی بہار۔ فضلِ خُدا ہے آشکار | جامِ صُراحی پیش آر۔ شوق سے نے نواز ہو
اکمل بینوا کا کون | تیرے سوا ہی ربِّ عون
اِسکو عطا ہو منّ و ہون | آپ ہی کارساز ہو

معلوم نہ تھا

وقت ایسا بھی کبھی آئے گا معلوم نہ تھا | جس سے گل پائی ہے کلپائے گا معلوم نہ تھا
وُہ زمانہ کہ تھا دِن عید کا دِن شب شبرات | اس قدر جلد گذر جائے گا معلوم نہ تھا
جن کی پہلو میں جگہ تھی، وُہ تہی پہلو کریں | یہ مقدّر مجھے دِکھلائے گا معلوم نہ تھا
احمدیت کے معاند یہ پکار اُٹھے ہیں | سِلسلہ اِتنا بھی بڑھ جائے گا معلوم نہ تھا
مَیں وُہی ہُوں پہ مبائع نے کہا بھائی سے | تُو مقابل پہ مرے آئے گا معلوم نہ تھا
مژدۂ وصل سُننے کی تھی اُمّید مجھے | بخت فُرقت کی خبر لائے گا معلوم نہ تھا
اِک زمانے میں ہنسایا تھا فلک نے جتنا | اس سے بڑھ کر مجھے رُلوائے گا معلوم نہ تھا
پھُول پھُولے نہ سمائے تھے چمن میں جس سے | وُہی جھونکا اِسے مُرجھائے گا معلوم نہ تھا
جو کبھی مُوجبِ تسکیں تھا غمِ دوراں میں | جگر و دِل وُہی برمائے گا معلوم نہ تھا

جب نتائج ترے اعمال کے ظاہر ہوں گے　　تو یہ کہتا ہُوا پچھتائے گا معلوم نہ تھا
یادِ اکمل کی وفائیں کبھی آئیں گی ضرور!
دِل ہی دِل میں کوئی فرمائے گا معلوم نہ تھا　　(۱۶ر اکتوبر ۱۹۴۰ء)

خُدّام و انصار

نوجوانوں میں جوش ہوتا ہے　　اور بُوڑھوں میں ہوش ہوتا ہے
نوجواں آگے بڑھ تو سکتے ہیں　　لیک بُوڑھوں کے مُنہ کو تکتے ہیں
اپنی اپنی جگہ ضروری ہیں،　　دِل کے اِن کی مُرادیں پوری ہیں
ایک پہیّے کی گاڑی چل نہ سکے　　کوئی بپتا پڑے تو ٹل نہ سکے
آؤ ہم دونوں ایک ساتھ چلیں　　کفِ افسوس بعد میں نہ ملیں
یک قدم ہو کے راہ طے کر لیں!　　جھولیاں اپنی خُوب سب بھر لیں
نامِ حق ہو زباں پر جاری　　اور دِل پر ہو کیف سا طاری
بڑھتے جائیں ہم آگے ہی آگے　　کیونکہ بُزدِل ہی - رَن سے جو بھاگے
ساری دُنیا میں شہرتِ حق ہو　　بحر و بر میں کرامتِ حق ہو
نامِ مہدی ہو سب زبانوں پر　　اور کھل جائے بدگمانوں پر
وُہ خدا کا مسیحِ صادِق تھا　　اُس کا یاور خُدائے خالِق تھا
ہم سے مُردوں کو زِندہ فرمایا　　بزمِ وحدت کو آ کے گرمایا
عَلَمِ اِسلام کا بلند کیا　　رُتبہ مُسلِم کا ہفت چند کیا
اُس پہ لاکھوں سلام اور درُود　　عاقبت جس نے کر دی یُوں محمُود
ذِکر کرتے ہیں اِس کا سب خُدّام
اور انصار بھیجتے ہیں سلام　　(فاروق ۲۸؍ نومبر ۱۹۴۰ء)

عرضِ نیاز

مرے مسیح تجھے دلنواز کہتے ہیں
کہ ناز والے بھی تجھ سے نیاز کہتے ہیں

درِ حبیبؐ پہ اپنی جبیں رکھ دینا
زبانِ عشق میں اس کو نماز کہتے ہیں

درود مشرق و مغرب کے لوگ پڑھتے ہیں
وہ صبح و شام سلامِ نیاز کہتے ہیں

حریمِ قدس میں جو زاویہ نشیں ہوئے
فرشتے اُن سے صداقت کا راز کہتے ہیں

زباں پہ ہاں مگر اعمال میں "نہیں ہی نہیں"
قبولِ حق سے اسے احتراز کہتے ہیں

جو سر جھکائے تری بارگاہ میں آئیں
اُنہی کو اہلِ جہاں سرفراز کہتے ہیں

دکھادے ساحلِ مقصود اہلِ مغرب کو
تھپیڑے کھا رہا اُن کا جہاز کہتے ہیں

الٰہی خیر ہو دل کی کہ اُس کی زُلفوں کا
یہ سلسلہ جو ہے بے حد دراز کہتے ہیں

جو خود بخود ہی محبت کے راگ گاتا ہے
اسی کو اہلِ وِلا دل کا ساز کہتے ہیں

قلوبِ خلق میں جو انقلاب لے آئے
عجب ہے اس کو بھی جادو طراز کہتے ہیں

وطن بھلا کے جو تبلیغ میں رہے مصروف
مبلّغوں میں اُسے یکّہ تاز کہتے ہیں

خدا کے نام پہ قرباں رسول پہ ہو نثار
میانِ مسلم و کافر یہ امتیاز کہتے ہیں

فدائے مسلکِ محمودؓ ہو دل و جاں سے
تو اس غلامِ وفا کو ایاز کہتے ہیں

جو عزمِ حجِّ مقدس ہی۔ شوق سے جاؤ
کھلی ہے امن سے راہِ حجاز کہتے ہیں

معافی مانگ لے اپنے گناہوں کی اکملؔ!
کہ آجکل درِ توبہ ہے باز۔ کہتے ہیں

(الفضل جلد ۲۸ نمبر ۲۶۲ مورخہ ۱۷ نومبر ۱۹۴۰ء)

احمدی مبلغ کو ہدایات

محبت کے نغمے سناتا چلا جا — ربابِ صداقت بجاتا چلا جا

جو سوئے ہیں اُن کو جگاتا چلا جا — جو مُردے ہیں اُن کو جِلاتا چلا جا

نئی دُنیا ہو یا پُرانی ہو دُنیا — تُو اُن کی فضاؤں پہ چھاتا چلا جا

جو حق ہے اُسے تُو اُجاگر کئے جا — جو باطل ہے اُس کو مٹاتا چلا جا

اگر فتنہ بیدار دیکھے کہیں پر — تو تھپکی سے اُس کو سُلاتا چلا جا

سُلا کر مٹانا ہے آسان اُس کا — یُونہی امنِ عالم بڑھاتا چلا جا

مسیحِ محمدؐ کے جھنڈے کے نیچے — سعادت کی رُوحوں کو لاتا چلا جا

تُو حُسنِ سلوک اور شیریں زباں سے — پرائے کو اپنا بناتا چلا جا

جو دشمن ہیں وہ دوست بن جائیں تیرے — خوش اخلاق اپنے دکھاتا چلا جا

مذاہب میں اسلام ہے سب سے اعلیٰ — دلائل سے ایسا بتاتا چلا جا

وفاتِ مسیحا ہے قرآں سے ثابت — توفّی کے معنے پڑھاتا چلا جا

یقیناً ہے احمدؑ ہی مہدیٔ صادق — ہدایت کی باتیں سکھاتا چلا جا

کوئی مانے بہتر نہ مانے تو مرضی — کلامِ الٰہی سُناتا چلا جا

نمونے سے اپنے دلوں میں سما جا — نقوشِ محبت جماتا چلا جا

ترے پیچھے کچھ اور بھی آرہے ہیں — تُو رستے سے کانٹے ہٹاتا چلا جا

جو ڈرنا ہے مت کہہ جو کہنا ہے مت ڈر — بنامِ خُدا ڈنڈناتا چلا جا

اگر زخم پہنچے کوئی راہِ حق میں — تُو شکوہ نہ کر مسکراتا چلا جا

ترا دینے والا ہے ساقی کوثر — تُو پھر خم کے خم بس لنڈھاتا چلا جا

جو پیاسا نظر آئے سرشار کر دے — جہاں جائے پیتا پلاتا چلا جا

تو ہر ملک میں - اس مہِ چاردہ کی — حسیں یاد دل میں چھپاتا چلا جا
جو ہو مذہبی پیشوا اُس کی عزّت — ہمارا ہے مسلک سُناتا چلا جا
دسمبر کی پہلی کو اِک جلسہ ہو گا — جو مقصد ہے اس کا بتاتا چلا جا
روادار اہلِ مذاہب ہوں باہم — اُنہیں بھائی بھائی بناتا چلا جا
کریں خوبیاں سب بیاں اپنی اپنی — لڑائی کی عادت چھڑاتا چلا جا
تعلّق ہے وحدت کے چشمے سے تیرا — معارف کی نہریں بہاتا چلا جا
نیا آسماں ہو نئی ہو زمیں بھی — یہ رُوحانی دُنیا بساتا چلا جا

گلستانِ احمدؑ کا بلبل ہے اکمل
محبّت کے نغمات گاتا چلا جا

(الفضل ۲۳ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء)

جلسہ سالانہ جماعت احمدیہ سنہ ۱۹۴۰ء

جماعت کا سالانہ جلسہ پھر آیا — خداوندِ عالم نے یہ دن دِکھایا
ترا شکر مولیٰ کہ ہم تیرے بندے — کہ جن کو بہت سے ہیں دُنیا میں دھندے
تری پاک بستی میں پھر جمع ہوں گے — لئے ہاتھوں میں نُور کی شمع ہوں گے
اندھیرا جہاں ہے اُجالا کریں گے — ترے دین کا بول بالا کریں گے
ترا نام پھیلانے کی آرزو ہے — اِسی واسطے گردش کو بکو ہے
پھر اِسلام کی شان ہم کو دِکھا دے — ہدایت اشاعت کی راہیں بتا دے
زمانے میں شورش ہے برپا مٹا دے — مٹا کر وُہی امن و راحت بڑھا دے
ترا ذکر ہو شغل ہر دم ہمارا — کہ تُو نے ہی ہر کارِ مُشکل سنوارا
ترقّی ہمیں دین و دُنیا کی دیجو — کسی جا کسی وقت رُسوا نہ کیجو
مسیحِ محمدؐ کے ہیں ہم سلامی — جسے تُو نے دی نعمتِ ہم کلامی

درود و سلام اُن پہ نازِل دوامی
ہمیں اُن کی سچی ہو حاصل غلامی

خلافت رہے آپ کی یونہی قائم
مِلے حصّہ برکات کا ہم کو دائم

خلیفہ ہمارا جو فضلِ عمرؔ ہیں،
وُہ جنّت کا بے مثل میٹھا ثمر ہیں

پھلے پھولیں دُنیا و اُخریٰ میں مَوْلیٰ
رہے نام و کام اُن کا اَعلیٰ و اَوْلیٰ (۸ر دسمبر ۱۹۴۰ء)

زمزمۂ تمجید

مزے سے اپنے مسیحا کے پاس بیٹھے ہیں
نگاہِ لطف کی ہم لے کے آس بیٹھے ہیں

غنیمت اُن کی ہے صحبت دراز ہوں عمریں
جو بزمِ شوق میں کچھ روشناس بیٹھے ہیں

خدا کا خوف ہے غیروں سے ہم نہیں ڈرتے
یہ وجہ ہے کہ سبھی بے ہراس بیٹھے ہیں

الٰہی نعمتیں تیری ہیں اِس قدر کہ لئے
جبیں میں سجدے زباں میں سپاس بیٹھے ہیں

سمندروں میں ہے طوفاں ہر طرف برپا
نظر جو آیا یہی ایک طاس بیٹھے ہیں

فلک سے اُترا ہے کوئی نہ اُترے گا۔ علماء
عبث جما کے یہ وہم و قیاس بیٹھے ہیں

خدا کے واسطے پھر جلوۂ جمال دِکھا
سبھا میں طالبِ دیدار داس بیٹھے ہیں

لکھی ہے گیتا میں مہما کہ ہو بڑے گوپال
اُٹھائیے انہیں بھارت نواس بیٹھے ہیں

ہوئے ہیں جمع بیاسا کے تٹ پہ ابھلاشی
سُنائیے کوئی نغمہ نراس بیٹھے ہیں

جو مانتے نہیں یہ حال اُنکا ہے کہ تمام
لئے دِلوں میں صدِ اندوہ و یاس بیٹھے ہیں

نہ کیوں مہک اُٹھے نفحاتِ قدس سے عالَم
کہ اُن کے کپڑوں کی ہم لے کے باس بیٹھے ہیں

جو نوجواں ہوئے واقفِ اُنہیں مبارک ہو
اِک (یہ) اِمتحاں تھا جو کر کے پاس بیٹھے ہیں

بہارِ گلشنِ احمدؐ کو دیکھ جلسے میں
جہاں ہزاروں حقیقت شناس بیٹھے ہیں

دعائیں خوب کرو اور یہ ندا سُن لو
نہ کچھ بھی فکر کرو تیرے پاس بیٹھے ہیں

الٰہی بخش دے اکملؔ سے ہیچ کاروں کو
لگائے تیرے کرم ہی کی آس بیٹھے ہیں

(الفضل ۱۲ر دسمبر ۱۹۴۰ء نمبر ۲۸۲)

ایّامِ نَو بہار

پھر یادِ مسیحا کے ستانے کے دِن آئے
پھر قلبِ حزیں اپنا تپانے کے دِن آئے

پھر گیسوئے محبُوب میں شانے کے دِن آئے
اُلجھاؤ میں سُلجھاؤ کے لانے کے دِن آئے

احباب کے اطراف سے آنے کے دِن آئے
پھر جلسۂ سالانہ کے منانے کے دِن آئے

پھر وصل کی راتوں کے منانے کے دِن آئے
پھر ہجر کی کلفت کے مٹانے کے دِن آئے

قرآں کی آیات سُنانے کے دِن آئے
حکمت کے نئے باب پڑھانے کے دِن آئے

پھر ساقیٔ کوثر کے پلانے کے دِن آئے
سرمستِ مئے حق سے بنانے کے دِن آئے

رُوٹھا ہُوا دِلدار منانے کے دِن آئے
رونا ہُوا موقُوف ہنسانے کے دِن آئے

مخلُوق کو خالِق سے مِلانے کے دِن آئے
قوموں کو مساوات سکھانے کے دِن آئے

اِسلام کے افراد بڑھانے کے دِن آئے
پھر کُفر کی تعداد گھٹانے کے دِن آئے

پھر جلوۂ سرِ طُور دِکھانے کے دِن آئے
اُس یار طرحدار کو پانے کے دِن آئے

پھر بابِ زیارت کے کھلانے کے دِن آئے
آنکھیں یہ سرِ راہ بچھانے کے دِن آئے

پھر گلشنِ احمدؐ میں ترانے کے دِن آئے
بُو باس کو سینوں میں بسانے کے دِن آئے

اکملؔ کے یہ نغمات بصد جوشِ ارادت
پھر مجمعِ احباب میں گانے کے دِن آئے (الفضل ۱۹ر دسمبر ۱۹۴۰ء)

دِیدۂ بِینا

بہشتی مقبرے میں نُورِ رحماں دیکھ لیتا ہُوں
یہی شہرِ خموشاں طُور ساماں دیکھ لیتا ہُوں

سبق جو عیدِ اضحیٰ سے مِلا اسکے نتیجے میں
حضورِ حق کئی جانباز قرباں دیکھ لیتا ہُوں

عطائیں مجھ پہ اِتنی ہیں کہ مشکل اُنکی گنتی ہے
کبھی اُن کو کبھی میں اپنا داماں دیکھ لیتا ہُوں

فدا ہوتا ہوں سو سو بار پڑھوانے کے جذبے سے
رخِ انور کی جب شمعِ فروزاں دیکھ لیتا ہوں

دمِ تقریرِ پیہم پھول جھڑتے ہیں ترے لب سے
بہارِ جاوداں بستاں بہ بستاں دیکھ لیتا ہوں

پلائے جا پلائے جا یہی منظر دکھائے جا
تری دریا دلی ساقی ابھی ہاں دیکھ لیتا ہوں

گدا جو تیرے در کے ہیں شہنشہ بحر و بر کے ہیں
فقیری میں امیری کو درخشاں دیکھ لیتا ہوں

بہ یادِ روئے جاناں جب کبھی بے تاب ہوتا ہوں
پئے تسکینِ دل تفسیرِ قرآں دیکھ لیتا ہوں

بتِ ہیجی کو توڑا ضربتِ خدامِ احمدؑ نے
میں اکثر ایسے اعجازِ نمایاں دیکھ لیتا ہوں

مجھے چشمِ حقیقت بیں ملی فیضِ مسیحا سے
صنم خانوں کے اندر نورِ یزداں دیکھ لیتا ہوں

لبھانے لگتی ہے جب زینتِ دنیا ان آنکھوں کو
تو عبرت کے لئے گورِ غریباں دیکھ لیتا ہوں

مزارِ نور بارِ حضرتِ مہدیؑ کے بعد اکثر
قبورِ مؤمنیں انصار و اعواں دیکھ لیتا ہوں

یہ روز افزوں ترقی احمدیت کی مبارک ہو
کہ ہر سالانہ جلسہ پر نئی شاں دیکھ لیتا ہوں

تعالی اللہ یہ جاہ و جلالِ مہدیٔ دوراں
ان آنکھوں سے تماثیلِ سلیماں دیکھ لیتا ہوں

شبیہِ یار لوحِ دل پہ ایسی نقش ہے میرے
کہ جب گھبرا گیا سر در گریباں دیکھ لیتا ہوں

سحر اٹھتے ہی سالِ نو کا دستور العمل اپنا
بلاغ الناس اور تبیانِ فرقاں دیکھ لیتا ہوں

مسلمانوں کے دو فرقوں میں سے ہے کونسا حق پر
نشانِ راستی تائیدِ سبحاں دیکھ لیتا ہوں

میری کوشش ہے پھر وابستۂ مرکز ہوں جلدی سے
وہ بھائی جن کے دل میں نورِ ایماں دیکھ لیتا ہوں

دعا ہے دولتِ اسلامیہ کی فتح ہو اکمل!
کہ اس میں منزلِ تبلیغ آساں دیکھ لیتا ہوں (الفضل ۵ جولائی ۱۹۴۱ء)

ساقیٔ کوثر کے حضور میں صلوٰۃ و سلام

درود و سلام آپ پر بھیجتا ہوں
میں نذرانہ شام و سحر بھیجتا ہوں

مرا دل تو پہلے ہی ہے نذرِ مولیٰ
اور اب اپنا لختِ جگر بھیجتا ہوں

یہ سب مال و دولت ہے، تیری بدولت — فدا ہونے کو گھر کا گھر بھیجتا ہوں
تمنائیں اپنی ہیں قربان تم پر — خلوص و عقیدت کا زر بھیجتا ہوں
مرا ہدیہ دل جو واپس ہوا تھا — وہ میں آج بارِ دگر بھیجتا ہوں
ارادت کی کشتی میں اشکوں کے موتی — حضورِ شہِ بحر و بر بھیجتا ہوں
یہ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃِ خزینہ — میں اپنا ہی زادِ سفر بھیجتا ہوں
بدرگبار و دُربارِ شاہِ رسالت — یہ سوغات با چشمِ تر بھیجتا ہوں
تمہیں ہو مرے شافعِ روزِ محشر — گلستانِ دل کا ثمر بھیجتا ہوں
مطوّل ہے اعمالِ بد کی کہانی — ندامت مگر مختصر بھیجتا ہوں
یہ نکلی ہوئی قلب سے سرد آہیں — نہ پوچھو نہ پوچھو کدھر بھیجتا ہوں
مرے پاس کیا ہے دلی آرزوئیں — بجز منّتِ نامہ بر بھیجتا ہوں
میں معبود کے پاس فریاد اپنی — پئے دفعِ ہر شور و شر بھیجتا ہوں
زمانے کی گردش سے مجبور ہو کر — شکایاتِ حالِ بتر بھیجتا ہوں
کروں کیا نتیجہ ہے ناکامیوں کا — دلی آرزو در نذر بھیجتا ہوں
اِدھر سے جو ناکامِ اُلفت رہا میں — تمنا و ارماں اُدھر بھیجتا ہوں

پہنچ ہی رہے گا نہ سمجھو کہ اکملؔ
یونہی نالۂ بے اثر بھیجتا ہوں!

(الفضل ۱۸ ار دسمبر ۱۹۴۰ء)

نغمۂ ایماں افروز

جو بندگانِ خدا پر زباں دراز کرے — ہلاک جلد اُسے میرا دل نواز کرے
یہ کہہ دو بلعم باعور سے کہ او مدہور — مباہلے میں تو حق عمرِ حق دراز کرے
جو آستانۂ حق پر گرے بہ عجز و نیاز — خدا جہاں میں ضرور اُس کو سرفراز کرے

نہ در بدر پھرو اللہ پر بھروسہ کرو
کہ اپنے بندوں کے کام آپ کارساز کرے

جو معرکہ حق و باطل میں ہو تو دیکھو گے
عجب طرح سے وُہ دونوں میں امتیاز کرے

اگر کبیرہ گناہوں سے چاہے تُو بچنا
تو لازمی ہے صغیروں سے اِحتراز کرے

جو چاہتا ہے محمود خلق سے ہو قریب
مطیع ہونے میں پیدا خُوئے ایاز کرے

کٹا دے سَر رہِ مولیٰ میں عاشقِ جانباز
ہمیشہ یُونہی ادا شوق کی نماز کرے

وُہ اپنے بندوں سے کرتا رہا کلام مُدام
خُدا تو ایسا نہیں ہے کہ اِحتراز کرے

بڑوں کو چھوٹا تو چھوٹوں کو وُہ بڑا کر دے
جو چاہے میرا خداوندِ بے نیاز کرے

وُہ ایک ذرّے میں صد نُورِ آفتاب بھرے
تجلّی اپنی جو حُسنِ کرشمہ ساز کرے

نواحِ قبلہ پہ حملہ تباہ کر دے گا
اطالیہ پہ کوئی آشکار راز کرے

حریمِ قُدس سے محفُوظ تا ابد سُن لو
عدو نہ اِسکے حوالی میں ترکتاز کرے

وُہ قادیاں میں کم از کم ضرور آ کے رہے
جو مستطیع نہ قصدِ رہِ حجاز کرے

بصد خلوص یہ اکملؔ کے دل میں جوش اُٹھے
کہ روز نغمۂ ایماں فروز ساز کرے

(الفضل نمبر ۱۶۲ مورخہ ۱۸ جولائی ۱۹۴۱ء)

محرّم کا چاند

حُسینؓ ابن علیؓ پر رحمتِ اللہُ اکبر ہو
کہ ایسے مُتّقی محسن کی گردن زیرِ خنجر ہو

کٹا دے سَر رہِ مولیٰ میں بڑھ کر شوق سے آگے
یقیناً ہے وُہی مؤمن جو قرباں امرِ حق پر ہو

اگر اے احمدی تُو چاہتا ہے رفعتِ دائم
فدا مثل ابو بکرؓ و عمرؓ۔ عثمانؓ و حیدرؓ ہو

ترا ایمان ہو عبد اللطیفؓ پاک طینت سا
کہ پتھر پڑ رہے ہوں اور ذکرِ حق زباں پر ہو

یقیں محکم عمل پیہم یہ گُر ہیں کامیابی کے
اِنہی پر کاربند انساں منصُور و مظفر ہو

حسینؓ بن علی نے اپنے خُوں سے یہ شہادۃ دی
خلافت میں وراثت محض ناجائز سراسر ہو

خیالِ حُرمتِ بیت العبادت چاہیئے سب کو — وُہ مسجد ہو کہ گرجا صومعہ یا کوئی مندر ہو

الٰہی جنگ کے بادل جو چھائے ہیں وُہ چھٹ جائیں — وُہی امن و امان و راحت و آرام گھر گھر ہو

جگانے کے لئے ان غافلوں کے شور برپا ہے — بڑا افسوس ہو ان کے لئے گر خواب آور ہو

جماعت کی ترقّی ہاں اُنہی اسباب سے ہو گی — کہ جن سے زِندگی پیدا بہ ایمانِ منوّر ہو

عمل ہو بیشتر قُدّا پر تا نہ دُوری و تنافر ہو — ضروری ہے مُبلّغ نرمیٔ و اُلفت کا پیکر ہو

ہمیں یہ قادِیاں دارُالاماں محبوب ہے ایسا — کہ جیسے قُمریٔ و طوطی کو شمشاد و صنوبر ہو

بہت نزدیک جلسہ آگیا خُدّامِ احمدؐ کا — مُبارک اجتماعِ نوجوانانِ ربّ اکبر ہو

پھلے پھولے الٰہی گلشنِ مہدی کی پھُلواری — بہارِ جاوداں پیدا بہر سُو کیف آور ہو

ہے جنّت ساقیٔ خمخانۂ وحدت کے قدموں میں — اِنہی کے زیرِ سایہ حالتِ اقوام بہتر ہو

کئی دِن سے تمہارے در پہ ہم دھونی رُمائے ہیں — ہمارے حال پر بھی کچھ نظر اے بندہ پرور ہو

محرم جب بھی آتا ہے مجھے اکمل رُلاتا ہے
نثارِ اصلِ احکامِ خلافت آلِ اطہر ہو

(الفضل نمبر ۲۵ جلد ۲۹ مورخہ ۳۱ جنوری سنہ ۱۹۴۱ء)

چند حقائق

پلا ساقیا وُہ مئے ارغوانی — کہ جس سے ملے دائمی زِندگانی

مِنَ الْمَاءِ حَيٌّ جو ہے كُلُّ شَيْءٍ — پلادے پلادے وُہ عرفاں کا پانی

جَزَاءً وِفَاقًا وَ كَاسًا دِهَاقًا — یہ ہے وعدۂ حضرتِ لامکانی

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ آيَةٌ — ہر اک چیز میں پائی اس کی نشانی

جو پُوچھا گیا هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ — جھکیں آنکھیں سب کی نہ بولے زبانی

مَعَ الجسم رفع السماء غیر ممکن — ارے چھوڑ۔ واعظ یہ باتیں پُرانی

لقد مات عیسٰے لقد مات عیسٰے — پکار اُٹھے سب خاکی و آسمانی

تقاضا ارنی کا ہوتا رہا ہے — جواب اس کا لیکن مِلا لن ترانی
مگر ایک ہی فردِ اکمل ہے جس نے — یہ فرمایا لوگوں سے ربّی ارانی
مِلا قابَ قوسین و ادنیٰ کا درجہ — وُہ فضلِ عظیم اور سبع مثانی
جو وعدے کئے تھے وُہ پُورے ہُوئے ہیں — مقالی فسُبحَانہٗ من یرانی
عَلیٰ کُلّ شَیٍٔ قَدِیرٌ ہے آیا — کہ قدرت میں کوئی نہیں حق کا ثانی
دُعا اور صدقے سے تقدیر بدلے — عَلیٰ اَمرِہٖ غَالِبٌ کی نشانی
ہو وعدے کی نسبت کہا ھَل وجدتم — وَجَدنَاہُ حَقًّا پکارے یہ فانی
جو اَوفُوا بِعَھدِی پہ ثابت قدم ہو — پُکارے گا اِک روز اَوفی الامانی
اگر نفس ہے مطمئنہ تو بے شک — ہے فی عیشۃٍ راضیہ۔ کامرانی
بدل سکتا ہے کون شرعِ نبی کو — وُہ اجمیر باشی ہو یا قادیانی
فریضے کا مرکز فقط خانہ کعبہ — دِگر ہیچ ہاں خادمانِ زمانی
جو تم صحبتِ قادیاں میں رہو گے — تو پاؤ گے توفیق نیکی عیانی
فسبّح بحمدہٖ یہ دل سے عمل کر — نہ کچھ کام آئے گی یہ سبحہ رانی
پلا ساقیا اور جامِ یمانی — کہ باقی ہے میری ابھی کچھ کہانی
قریبِ ہلاکت ہیں برباد ہوں گے — یہ ظالم یہ غولان مالی و جانی
ستاؤ نہ اہلِ وفا کو ستاؤ — محافظ ہیں وُہ امن کے جاودانی
ڈرو آہِ مظلوم سے جاہ والو — یہ دُنیا کی حشمت تو ہے آنی جانی
جلا کر کہیں راکھ کر دے نہ تم کو — مُبادا کہ رہ جاؤ بن کر کہانی
بنایا احادیث۔ کر کے ممزّق — ہیں آیاتِ فرقانِ حق قہر مانی
گورنمنٹ اسلامیہ کی مدد ہو — یہ زور و زر و خواہشِ کامرانی
رہو الغرض خیر خواہِ حکومت — یہ امداد مالی و قلبی۔ لسانی

بہادر بنو جسم مضبوط کر لو ۔۔۔ تو پھر صبر ہے موجبِ دلستانی

کرو اپنے ہاتھوں ہی سے کام اپنے ۔۔۔ چُراؤ نہ محنت سے جی میرے جانی

نہ دیکھو حقارت سے یہ تو ہے نعمت ۔۔۔ خشن پوشی و سادگی۔ قلبہ رانی

امیروں کو ورزش سے صحت ملیگی ۔۔۔ نہ ہوگی کسی کام سے سرگرانی

شگفتہ مزاجی بھی قائم رہے گی ۔۔۔ جو ہے موجبِ راحتِ خاندانی

دُعا روز و شب ہو نہ رنج و تعب ہو ۔۔۔ بڑھے شوکت و شانِ صاحبقرانی

نظامِ تمدّن بدل کر رہے گا ۔۔۔ ہے فرما چُکا احمدیت کا بانی

حکومت دِلوں پر اِک اللہ کی ہوگی ۔۔۔ جو ہے مؤمنوں کے لئے شادمانی

زمانہ بھی طرحِ دِگر ڈال دے گا ۔۔۔ نیا باغ ہوگا نئی باغبانی

نہ ابلیس کا دجل کچھ کر سکے گا ۔۔۔ نہ اعدائے مِلّت کی ریشہ دوانی

ہزار آفریں مردِ حق بین و کامل ۔۔۔ خُداداد ہے تیری معجز بیانی

بکھیرے چلی جائے انمول موتی ۔۔۔ تری طبعِ موزوں قلم کی رُوانی

جو تصویر کھینچی تصوّر نے تیرے ۔۔۔ بھلا کیا بنائیں گے بہزاد و مانی

بآسانی مُشکل مسائل کئے حل ۔۔۔ جہاں رہ گئے رازیؔ و تفتازانی

ہے کچھ اَور ہی شانِ علمِ لدُنّی ۔۔۔ کہاں عسقلانی ہو یا قسطلانی

پلا ساقیا جام پر جام ہم کو ۔۔۔ کہ سرمست ہو کر کریں نغمہ خوانی۔

یہ مے خانہ بن جائے عالم کا مرجع ۔۔۔ یہاں جمع ہوں سب اقاصی ادانی

کبھی آف گولیکی تھا جزو اعظم ۔۔۔ مگر اب تو ہیں المکمل قادیانی

پلا ساقیا اور جامِ معانی ۔۔۔ کہ جس سے کھُلیں رازہائے نہانی

اِدھر آؤ بن جاؤ سب قادیانی ۔۔۔ ہَوا رُوح افزا فضا ہے سُہانی

وَیَأتُونَ مِن کُلِّ فَجٍّ عَمِیقٍ ۔۔۔ ہے وحیِ خداوندگارِ جہانی

مسیحِ محمدؐ کی قربانیوں کا — ثمر ہیں یہ فرزندِ حق کی نشانی
بہاءُ اللہ السماء سے ہیں روشن — یہ دارالاماں قادیاں۔ قادیانی
عرب کے تمدن پہ غالب نہ آئے — ہُوئے بلکہ مفتوح ماژندرانی
مقابل شریعت کے لیکر شریعت — جو نکلا کوئی مُدّعی اصفہانی
تو ناکام مقصد رہے گا یقیناً — خبر یہ ملی ہے نبی کی زبانی
ہے بنیادِ ایمان کی حُسنِ ظن پر — تو بدظنی چھوڑیں یہ مُلا فغانی
جُھکے ہم تو سمجھے کہ ڈھیلا اُٹھایا — اجی حضرت! اِتنی بھی کیا بدگمانی
معاند تو اِنذار پڑھتے ہی بولا — یہ کیسی سُنائی ہے مجھ کو سُنانی
جہاد اب زبان و قلم ہی سے ہوگا — کہ ہُوئے بند غزواتِ سیفی سنانی

(الفضل جلد ۲۹ نمبر ۳۳ مورخہ ۱۲ فروری ۱۹۴۱ء)

ساقیٔ کوثر کے حضور میں

درود و سلام آپ پر بھیجتا ہُوں — یہ نذرانہ شام و سحر بھیجتا ہُوں
مرا دِل تو ہے پہلے ہی نذرِ مولےٰ — اَور اب اپنا لختِ جگر بھیجتا ہُوں
یہ سب مال و دولت ہے تیری بدولت — فِدا ہونے کو گھر کا گھر بھیجتا ہُوں
تمنّائیں ہیں اپنی قربان تم پر — خلوصِ عقیدت کا زر بھیجتا ہُوں
مرا ہدیۂ دِل جو واپس ہُوا تھا — وُہ مَیں آج بارِ دِگر بھیجتا ہُوں
ارادت کی کشتی میں اشکوں کے موتی — حضورِ شہِ بحر و بر بھیجتا ہُوں
یہ صوم و صلوٰۃ و زکوٰۃِ خزینہ — مَیں اپنا ہی زادِ سفر بھیجتا ہُوں
بہ دربار دُربارِ شاہِ رسالت — یہ سوغات باچشمِ تر بھیجتا ہُوں
تمھیں ہو مرے شافعِ روزِ محشر — گلستانِ دِل کا ثمر بھیجتا ہوں

مُطوّل ہے اعمالِ بد کی کہانی
ندامت مگر مختصر بھیجتا ہوں

یہ نکلی ہوئی قلب سے سرد آہیں
نہ پوچھو نہ پوچھو کدھر بھیجتا ہوں

مرے پاس ہے کیا۔ دلی آرزوئیں
بجز منّتِ نامہ بر بھیجتا ہوں

ہیں معبود کے پاس فریاد اپنی
پئے دفعِ ہر شور و شر بھیجتا ہوں

زمانے کی گردش سے مجبور ہو کر
شکایاتِ حالِ بتر بھیجتا ہوں

کروں کیا نتیجہ ہے ناکامیوں کا
دلی آرزو در بدر بھیجتا ہوں

ادھر سے جو ناکام الفت رہا ہیں
تمنّا و ارماں ادھر بھیجتا ہوں

پہنچ ہی رہے گا نہ سمجھو کہ اکمل
یوں ہی نالۂ بے اثر بھیجتا ہوں!

اشکِ ندامت

عمر بھر مولیٰ تری ہم جستجو کرتے رہے
تجھ سے ملنے کی ہمیشہ آرزو کرتے رہے

خوش نصیبوں کو مسیحا کی زیارت ہو چکی
اور مُلّاں رفع ہی کی گفتگو کرتے رہے

پا لیا صحرا نوردوں نے مگر اربابِ عیش
برلبِ جو انتظارِ ماہ رُو کرتے رہے

خم سرِ تسلیم اہلِ ذوق نے تو کر لیا
بحث کچھ گستاخ لیکن دُو بدو کرتے رہے

تھا قصور اپنا۔ مگر طالبانِ مال و جاہ
گردشِ گردونِ گرداں پر تفو کرتے رہے

مالوی نے حیثیت لی مالی بجدّ و جہدِ خویش
مولوی شغلِ کلُوا و اشربُوا کرتے رہے

جب کبھی موقع ملا جی بھر کے دے لی دادِ عیش
اور یوں لا تسرفُوا لا تسرفُوا کرتے رہے

خود بخود گھر کر گیا دل میں خداوندی پیام
پیر جی لا تسمعُوا لا تسمعُوا کرتے رہے

دیدۂ بینا نے کھل کر لوٹ لی ساری بہار
دل کے اندر امتیازِ رنگ و بو کرتے رہے

پینے والے پی گئے پی پی کے گویا جی گئے
اور یہ جام و سبو۔ جام و سبو کرتے رہے

جان و دل سے قول و فعل اپنا ہو حسبِ حکمِ حق
یہ بھی کوئی بندگی ہے ہاؤ ہو کرتے رہے

اور کھلتے ہی گئے یہ زخمِ دل ہر چند ہم
سوزنِ تدبیر سے ان کو ہم رفو کرتے رہے

گھیر لیتی ہے کبھی جب یاس تو اسکا دفاع
ہم بہ وردِ آیۂ لَا تَقْنَطُوْا کرتے رہے

صاف دل ہیں مثلِ آئینہ جو آیا روبرو
حالِ دل اس سے بیاں ہم مو بمو کرتے رہے

مومنوں کا قلب صافی ہے زباں کا ہم زباں
گر شکایت بھی ہوئی تو روبرو کرتے رہے

بیعت ارشادِ پیرِ رہنما ہونے کے بعد
ہم تلاوت۔ دیر تک فَاسْتَبْشِرُوْا کرتے رہے

فکرِ فردا سے نہیں غافل مآل اندیش لوگ
سب کے سب تعمیل اَمرِ رَابِطُوْا کرتے رہے

کھل گیا ہے جب سے رازِ ہستیٔ ناپائدار
مَیں بھلا دی اور "مولیٰ تو ہی تو" کرتے رہے

وضعداری چھوڑ دی غیروں سے یاری توڑ دی
اک ترے پابند ہونے کی خو کرتے رہے

یاد میں سرشار ہیں تیری تمام آباد کار
شہرہ تیرے نام کا ہم چار سو کرتے رہے

لوگ ادا کر کے نمازِ شوق واصل ہو چکے!
اور تم۔ وا حسرتا۔ اَلْمَلَا۔ وضو کرتے رہے (الفضل، ۲ مارچ ۱۹۳۱ء نمبر ۵۳)

شاہِ لولاک

تیرے صدقے ترے قربان مدینے والے
میری اولاد۔ مری جان مدینے والے

دین و دنیا کے سب انعام ہمیں دلوائے
کس قدر ہیں ترے احسان مدینے والے

تیری تعلیم نے مذہب کی حقیقت کھولی
تو نے بخشا ہمیں عرفان مدینے والے

تو نے روحانی و جسمانی ترقی کے لئے
کر دیئے ہیں سبھی سامان مدینے والے

ملتی ہے تیری غلامی میں نبوتِ ظلی
اللہ اللہ تری شان مدینے والے

قادیان کا ہی شرف تیری ہی نسبت سے تمام
یہ ہے سب تیرا ہی فیضان مدینے والے

تو ہی دنیا میں ہے اک کامل و اکمل انسان
تجھ پہ نازل ہوا قرآن مدینے والے

کُفر و اِسلام میں تھی جنگ نتیجہ یہ ہُوا
حق نے بخشا تجھے فُرقان مدینے والے

دینِ اسلام ہے بے عیب مکمّل جامع
اِسکے قائل ہیں سب ادیان مدینے والے

نفع اپنا کرے قُربان جو تیری خاطر
اُسے ہوتا نہیں نُقصان مدینے والے

ہے مسیحا نفسی تیری کہ فرمایا ہے
تُو نے ہر درد کا درمان مدینے والے

تیرے اُسوہ سے مُشرّف ہو بطرزِ احسن
سچّے مُسلِم کی ہے پہچان مدینے والے

تجھ سا ہو شافعِ مقبول تو پھر کیوں ہو گا
اُمّتی تیرا پریشان مدینے والے

جو بھی آیا ترے در پر کبھی خالی نہ گیا
مُشکلیں میری ہوں آسان مدینے والے

خوش نصیبی ہو یہ اکمل کی کہ روزِ محشر
ہاتھ میں ہو ترا دامان مدینے والے

(مندرجہ "نفسی عالم" [illegible]) (۱۵ مارچ ۱۹۴۱ء)

دُعاءِ امن

یا الٰہی رحم کر۔ کب تک رہے گی رستخیز
جنگ تو پہلے سے بھی بڑھ کر ہوئی جاتی ہے تیز

بحر و بر میں ہو رہی ہیں سخت آتشباریاں
ٹینک فولادی ہیں یا طیارہائے بمب ریز

ہے شواظ النّار سے بھرپور کُل جوّ السماء
اور کہیں زہریلی گیسوں سے نہیں جائے گریز

آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے
بار بار آتا ہے مجھ کو یاد قولِ لرزہ خیز

بستیاں ویراں ہوئیں آبادیاں میدان بنیں
چین ملتا ہی نہیں شام و سحر ہے رستخیز

مشرق و مغرب میں کوئی ملک بھی مامن نہیں
ہر طرف پھیلی ہے بن کر آفتِ جاں یہ ستیز

دعوتوں کے جن پہ آتے تھے نظر سامانِ عیش
نقشہ ہائے جنگ سے سکتے پڑے ہیں اب وہ میز

ہے تنفّر عن غرقِ یم۔ طاری ہے سب پر خوف و غم
چیز ملتی ہی نہیں کیا فرق باریک و دبیز

میکسیکو میں تباہی زلزلے سے آ گئی
یہ قیامت پر قیامت ہے بپا ہنگامہ خیز

جا بجا ہیں حادثات اور ہوشربا ہیں واقعات
ساقیا یک بادۂ راحت بہ کام ما بریز

کوئی کشتی اب بچا سکتی نہیں اِس سیل سے — حشر برپا ہے حوادث سے نہیں ممکن گریز
تلخ کامی حد سے گذری جاں نکل جانے کو ہے — اے پناہِ بے کساں رحمے بحالِ اشک ریز
ہم خطا کاروں گنہ کاروں پر اپنا فضل کر — یہ ہلاکت یہ تباہی ہی نہایت تُند و تیز
بول بالا حق کا ہو باطل گھٹے گھٹ کر مِٹے — کوئی ظالم کہہ سکے ہم سے نہ کچھ دار و مریز
روز و شب مَولیٰ ترے افضال کرتا ہے طلب — خاکسار اکمل غلام مہدئی انوار بیز

(الفضل ۲۲ اپریل ۱۹۴۸ء)

تعمیرِ جدید

خداوندِ جہاں نے جب بناءِ قادیاں رکھ دی — تو ہم نے بھی بصد شوق آ کے طرحِ آشیاں رکھ دی
اگرچہ لاکھوں دھندے ہیں مگر جب تیرے بندے ہیں — جہاں پر تُو نے چاہا یہ جَبیں اپنی وہاں رکھ دی
سحر ہوتے ہی دفتر کُھل گئے عشق و محبّت کے — گلوں کے سامنے بلبل نے اپنی داستاں رکھ دی
ہمارے پاس کیا تھا اِک دلِ ناچیز لے آئے — بڑھایا ہاتھ بیعت کو تو نذرانے میں جاں رکھ دی
جو جھنڈا صُلح کا لہراتے سُلطانُ القلم آیا — تو سچے مُسلموں نے اپنی تیغِ خُونفشاں رکھ دی
غلامی میں فنا ہو کر بقا پائی ہے احمدؑ نے — محمد مصطفےٰؐ کی آپ میں رُوحِ رَواں رکھ دی
گُنہ جب بڑھ گئے حد سے تو باز آ کر رَد و کد سے — یہ پیشانی ندامت سے بہ سنگِ آستاں رکھ دی
مُبارک صد مبارک راہِ حق میں مرنے والوں کو — کہ اُنکے واسطے نعمتِ حیاتِ جاوداں رکھ دی
اِدھر خدّام کی مجلس اُدھر انصار کی محفل — بناءِ ہر ترقّی از پئے خورد و کلاں رکھ دی
عمارت بن کے جب تیار ہو گی نوجوانوں کی — تو ہم یہ کہہ سکیں گے پُختہ بُنیادِ اماں رکھ دی
حیاتِ عیسوی پر جرح سے گھبرا کے مُلّا نے — وُہیں تہ کر کے اپنی داستاں پاستاں رکھ دی
ہمیں تبلیغ کیونکر اور کیسے چاہیئے کرنی — ہدایت کے لئے شارع نے مذہب میں اذاں رکھ دی
عذاب دردناک آیا تو اِس سے بچنے کی صُورت — فداکاری حضورِ مہدئِ آخر زماں رکھ دی
کریما صد کرم کُن ہر بلائے او مگرداں خود — بشارت از برائے ناصرانِ دیں نشاں رکھ دی

محبت میں شکایت کیا اگر ہو بھی گئی گا ہے
بشرحِ صدر ہم نے در حسابِ دوستاں رکھ دی

مزا مُنہ کا بدلنے کے لئے تلچھٹ ہی کافی ہے
مگر ساقی وُہ کیف انگیز گل والی کہاں رکھ دی

دُعاءِ عمر و دولت کے سوا کچھ ہو نہیں سکتا
تو اکمل نے بہ معذوری قلم گوہر فشاں رکھ دی

(الفضل جلد ۲۹ مورخہ ۱۳ ر مئی ۱۹۴۱ء)

تتمۂ نظم تعمیرِ جدید

وطن سے دُور اتنی دُور طرح آشیاں رکھ دی
درِ دلدار پر لا کر بہ جانِ ناتواں رکھ دی

بہ بذلِ مال در راہش کسے مفلس نمے گردد
خوشی سے اپنی ہستی پیشِ میرِ کارواں رکھ دی

ثبوت صدقِ مہدی و وفاتِ ابن مریم میں
دلیل اِک اِک سرِ مُنکر پہ مجنوں کوہِ گراں رکھ دی

مقابل آنے کی ہمت نہیں کیوں مولوی صاحب
وُہ پُر پیچ اپنی دستارِ فضیلت اب کہاں رکھ دی

صراطِ احمدیت چھوڑ کر اقبال شاعر نے
بناءِ مذہبی بر اتباعِ بر گساں رکھ دی

مسیح و مہدیِ دوراں کے اصحاب کبار افسوس
ہُوئے جاتے ہیں رخصت ہاتھ سے گویا عناں رکھ دی

عمارت اب بنا لیں اس پہ آنیوالے ہم نے تو
وفا و عزم کی بُنیاد زیرِ آسماں رکھ دی

سلامت ساقیٔ وحدت کہ اسکے عقدِ ہمت سے
جوانوں نے جبین صدق پیشِ دِلستاں رکھ دی

لڑائی بڑھتی جاتی ہے الٰہی امن میں رکھو
کہ ہم نے پہلے ہی گردن پئے ایثارِ جاں رکھ دی

عطا فرمایا دل معمُورِ اُلفت حق نے اکمل کو
تو مُنہ میں حمد کی خاطر زبانِ دُرفشاں رکھ دی

(فاروق ۲۱ ر مئی ۱۹۴۱ء)

(۲۶ر مئی)

بُلبُلِ زار کو پھر رنگِ چمن یاد آیا
یعنی اکمل کو مسیحائے زمن یاد آیا

آہ! ہلکا سا تبسّم کہ ضیا میں جس کی
مجھے نظارۂ گلزارِ سمن یاد آیا

ہائے اُس یاد سے بے تاب دلِ مُضطر ہے
گویا اِک پارۂ سیماب دلِ مضطر ہے

آپ نے جو ہمیں فرمایا وُہ سب ٹھیک ہُوا
نقشۂ ارض جو بتلایا وُہ سب ٹھیک ہُوا

یاد ہے جنگِ عظیم اِنفلوئنزا کی وبا
پھر زلازل کا نشاں آیا وُہ سب ٹھیک ہُوا

جنگِ موجودہ تو قیامت ہے، الٰہی توبہ
اُف یہ بربادیٔ دُنیا یہ تباہی توبہ

خلق کے آپ مسیحا ہیں یہ سب جانتے ہیں
مُنہ سے اقرار نہ ہو دل تو مگر مانتے ہیں

دین و دُنیا کی نجات آپ سے وابستہ ہے
حق کے بھیجے ہُوئے مامُور کو پہچانتے ہیں

زِندہ اِسلام پر ایمان اگر لائیں گے
مُخلصی ساری بلاؤں سے وُہ پا جائیں گے

انقلاب آئے گا یہ نسلی تفاخر موقوف
خُوب اُبھریں گے مساواتِ مناسب کے حروف

اور مذہب کے لئے ہوگا جو آزاد ضمیر
نازی ہٹلر کے اوامر یہ کہیں گے سب زوف

وحیٔ حق نے جو بتایا ہے وُہی کچھ ہوگا
پیشگوئی میں جو آیا ہے وُہی کچھ ہوگا

بول اسلام ہی کا دیکھنا بالا ہوگا!
مشرقی مغربی دُنیا میں اُجالا ہوگا

بہتر و برتر و اعلیٰ ہیں کُل اسلامی اصول
یہی ہر نیک بشر ماننے والا ہوگا

وُہ زمانہ بھی خوش آئند ہے کیسا اکمل
شہرہ اِسلام ہی اِسلام کا ہر سُو ہوگا! (۲۵ر مئی ۱۹۴۱ء)

ترانۂ ارادت

تجھ پر سلام لاکھوں اے قادیان والے — اے قادیان والے دار الامان والے

تیرا خیال پیہم تیرا ہی ذکر ہر دم — وجہ سکون پُرغم اے آن بان والے

سرتاجِ اولیا ہے قوموں کا رہنما ہے — تیرا وجود یکتا نام و نشان والے

ہم تیرے ہو چکے ہیں وہ بیج بو چکے ہیں — پھل کھا رہے ہیں جس کے سب گلستان والے

جو کام کر دکھایا تیرے قلم نے آقا — کر سکتے ہیں بھلا کب سیف و سنان والے

تُو نے ہمیں نکالا ظلماتِ کافری سے — روشن نشاں دکھا کر روشن نشان والے

تحریر میں بلاغت تقریر میں فصاحت — اعجاز مانتے ہیں جادُو بیان والے

بھیجیں درود تجھ پر سونے سے پہلے اکثر — افریقہ امیریکا ہندوستان والے

جو وحیِ حق ہیں آئی خاتم نے جو بتائی — وُہ شان تُو نے پائی او سچی شان والے

حلقے ہیں تیرے آئے دشمن تو مُنہ کی کھائے — رکھتے نہیں یہ ہمت تاب توان والے

وُہ دِن بھی آ رہا ہے گُن گائینگے ترے ہی — سارے زمین والے سب آسمان والے

مامور اپنا بھیجا۔ رستہ دِکھایا سیدھا — کرتے ہیں شُکرِ مولیٰ دِل سے زبان والے

دُنیا کی عیش چھوڑیں عُقبیٰ سے رشتہ جوڑیں — یہ نفع مند سودا کر لیں زِیان والے

پیتے ہی جسکے روشن چودہ طبق ہوں یکسر — کنٹر کہاں رکھے ہیں مے ارغوان والے

اِک زلزلہ ہے برپا پانی ہُوا زمیں پر
اکملؔ کا ہو محافظ۔ او۔ لا مکان والے (الفضل ۱۵ جون ۱۹۴۱ء)

نغمۂ برشگال

یارب نہ اک منٹ بھی رہوں قادیاں سے دُور — دار الاماں کے چشمۂ فیضِ رَواں سے دُور

مَیں جانتا ہُوں کوندتی رہتی ہیں بجلیاں — لیکن رہیں ہمیشہ مرے آشیاں سے دُور

وہ ذات بحت خالقِ کل منبعِ صفات
شاہ رگ سے نزد تر ہے مگر آسماں سے دور

بھیجا اُسی نے ختمِ رُسُل کو جہاں میں
تا ہو بشر نہ مرحمتِ مہرباں سے دور

مؤمن کی ہے حیات محمدؐ کے نام میں
یہ نامِ پاک ہونے نہ پائے زباں سے دور

رہ آستانِ فقر پہ ہر وقت جبہ سا
اور صحبتِ امارت نخوت نشاں سے دور

اسلام وہ چمن ہے کہ تا حشر بالضرور
رکھا گیا ہے آمدِ دورِ خزاں سے دور

ہر احمدی سے شرک گریزاں ہے ایسے ہی
شیطاں بھاگ جاتا ہے جیسے اذاں سے دور

مرکز ہے میری ساری تمناؤں کا وہی
رہتا ہے لامکاں میں جو کون و مکاں سے دور

ہے آسرا اُسی کا۔ اُسی پر ہے سب مدار
جو دل میں بس رہا ہے مگر ہے گماں سے دور

دیکھیں عصاءِ رُوس کا ہوتا ہے حال کیا
کب تک رہے گا تیر بخارا کماں سے دور

برطانیہ اور اُس کے حلیفوں کی فتح ہو
آفاتِ جنگ خرخشۂ این و آں سے دور

غافل قریب آگیا تو اپنی فکر کر
وہ فتنہ۔ جو کہتے ہیں ابھی اصفہاں سے دور

اب کونسا وہ مُلک ہے جس میں نہیں ہے جنگ
یارب مری دعا ہے کہ ہندوستاں سے دور

مجنوں کا کاسہ دیکھ کے لیلیٰ نے کہہ دیا
دیوانہ آگیا ہے ہٹاؤ یہاں سے دور

وہ پودا آبیاری سے محروم رہ گیا
میری طرح ہو جو نگہِ باغباں سے دور

کیا کاٹ کر سکے گا یہ تم خود ہی سوچ لو!
خنجر رہا جو برسوں ہی سنگِ فساں سے دور

خود ہی بلا کے سینکڑوں پردوں میں چھپ گئے
وہ میزباں بھی کیا جو رہے میہماں سے دور

تقدیر لے ہی آتی ہے پھر ہیر پھیر کے
ہر چند رہنا چاہا ہے کوئے بتاں سے دور

"چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی"
مشکل بہت ہے رہنا مئے ارغواں سے دور

موسم ہے برشگال کا اِک جامِ پُر تگال
ساقی نہیں ترے کرمِ شائیگاں سے دور

اِس حسنِ چند روزہ پر اِتنا غرور کیوں
دنیا کی کوئی چیز نہیں ہے زیاں سے دور

اُلفت ہے قادیاں سے تو پھر قادیاں رہو
بلبل بھی کیا رہا ہے کبھی بوستاں سے دور

یارانِ تیز گام تو آگے نکل گئے
مَیں پیچھے رہ میں رہ گیا ہُوں کارواں سے دُور

لذت ہے ایک دُردِ تہ جام میں بھی خاص
اکمل نہ ہو جیو درِ پیرِ مغاں سے دُور (۱۰ جون ۱۹۳۶ء)

نغمۂ توحید

جب دیارِ نجؔ بتوں نے تو خدا یاد آیا

بالشیکوں کو بھی کہتے ہیں خدا یاد آیا
بعد از جور و جفا رنگِ وفا یاد آیا

داخلِ فطرتِ انساں ہے خدا پر ایماں
آخر کار سبق بھولا ہُوا یاد آیا

دَعَوُا اللّٰہ جو قرآں کی آیات میں ہے
اس کی تصدیق میں لوگوں کو خدا یاد آیا

مَیں نے دیکھا ہی یہ اکثر کہ مصیبت جو پڑی
خود بخود ہی ہُنر کشفِ بلا یاد آیا

وُہ جو کہتا تھا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی ہُوں
بحر کی تہ میں اُسے رَبِّ سما یاد آیا

پہلے منکر تھے بھلائے ہُوئے پیمانِ الست
زور کے حملوں سے اَب قولِ بلٰی یاد آیا

کہتے ہیں خوب دُعائیں ہوئیں گرجاؤں میں
حشر برپا ہُوا ایسا کہ خدا یاد آیا

ایک اللّٰہ کو پکارو کہ ہے ذات یکتا
ساعتِ صاحب میں عیسیٰؑ کو جو تھا یاد آیا

ایلی ایلی جو پکارا تو من الشمس اظہر ہے
ایک بے بس کو خدا وندِ عُلا یاد آیا

چھوڑ دو شرک کہ پھٹنے کو سمٰوات ہوئے
قُلْ هُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَب بھی کیا یاد آیا

مغربی ملکوں میں توحید کا چرچا جو سُنا
تو مسیحا کا مجھے زورِ دُعا یاد آیا

حمد و تسبیح پہ موقوف ہے فتح و نصرت
یہ مجھے قولِ شہِ ہر دوسرا یاد آیا

کیا کہیں کس سے کریں شکوۂ قسمتِ غربا
کہ امیروں کو نہ کچھ ان کا صلہ یاد آیا

جام پہ جام چڑھانے سے نہ ہو لغزشِ پا
شیوۂ اہلِ تقٰی اہلِ نُہٰی یاد آیا

جب خطاؤں پہ ملامت ہوئی تو اکمل نے
جوڑ کر ہاتھ کہا بھول گیا یاد آیا (الفضل ۱۳ جولائی ۱۹۴۱ء نمبر ۱۵۷)

آبِ زلال بہ جامِ سفال

نقص میں بے جو دِکھائے وُہ کمال اچھّا ہے
ہر بلندی جو سکھائے وُہ زوال اچھّا ہے

ماضیٔ افعال بُھلادے جو وُہ حال اچھّا ہے
بہتری لائے جو آئندہ خیال اچھّا ہے

حُسن و اِحسانِ مسیحائے محمّدؐ دیکھیں
وُہ جو کہتے ہیں کہ اَوروں کا جَمال اچھّا ہے

دوستو! اچھّی نہیں غیظ و غضب کی عادت
دین کے واسطے آئے جو جَلال اچھّا ہے

کوئی مُشکل نہیں ایسی جو نہ آساں ہو کبھی
پیش آجائے اگر امرِ محال - اچھّا ہے

بڑھتی ہی جاتی ہے آویزشِ اقوامِ فرنگ
اِک نجومی نے تو لکھّا تھا یہ سال اچھّا ہے

جامِ گلرنگ بھرا جس میں ہو خونِ غرباء
اِس سے سادہ سا مِرا جامِ سَفال اچھّا ہے

پاکبازوں کو ہر اِلزام ہے وَجہِ اِکرام
رُوئے زیبا پہ اگر ہو کوئی خال اچھّا ہے

دوست کہتے ہیں کہ نظّارۂ ڈل دیکھو مگر
قادیاں کا مری نظروں میں بٹال اچھّا ہے

مُوجبِ خیر نہیں کِتنا بھی ہو مالِ حرام
تھوڑا ہرچند بھی ہو کہ مالِ حلال - اچھّا ہے

رنگ گورا ہو مگر خُلق سے کورا ہو بشر،
اِس سے وَاللہ یہ تمثالِ زغال اچھّا ہے

بد زبانی پہ اُتر آئے جو وَاعظ - رہو چُپ
یُوں مزاج اُس کا جو ہو جائے بہ حال اچھّا ہے

دعویٔ ایمان کا اُلفت سے معرّا ، ہے کفر
جو مَحبّت سے ہو معمور وُہ ضالّ اچھّا ہے

رِند کہتا ہے کہ افشردۂ انگور پیئو!
لبِ مُعجز سے مگو آبِ زلال اچھّا ہے

کیا بنالے گا لگا کر تو خضاب اے اکملؔ
خوفِ حق سے ہوں جو چٹّے ترے بال - اچھّا ہے

(الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۳۱ء)

ساقیٔ خمخانۂ وحدت سے!

سلامت رہے تیرا میخانہ ساقی
ہمیں بھی ملے ایک پیمانہ ساقی

سِراجاً مُنیرا تری شاں میں آیا
قلوبِ اہلِ عالَم کے پروانہ ساقی

مَیں اِس عقل و دانش سے دُنیا کی کیا لُوں ۔۔۔ بنا لے مجھے اپنا دیوانہ ساقی

تری چشمِ پُرفن کا جادُو ہے ایسا ۔۔۔ جسے دیکھو ہے تیرا مستانہ ساقی

پلٹ دی تھی دَم بھر میں عالم کی کایا ۔۔۔ نہ بھُولے گی دُنیا یہ افسانہ ساقی

جو مٹّی کے مادھو تھے طائر بنے ہیں ۔۔۔ یہ ہے مانتا اپنا بیگانہ ساقی

پریشاں ہیں گیسُوئے اِسلام کیا غم ۔۔۔ سنوارے گا ان کو ترا شانہ ساقی

وطن چھوڑا گھر بار بھُولا ہے اَب تو ۔۔۔ ترا آستانہ ہے کاشانہ ساقی

ترا نام پہنچا دیا کونے کونے ۔۔۔ یہ ہمّت ہے بے شُبہ مَردانہ ساقی

نِکل آئے آنسُو وفورِ اَلَم سے ۔۔۔ جو یاد آیا خُلقِ کریمانہ ساقی

خُدا دے جو توفیق ۔ ہر ہر قدم پر ۔۔۔ بجا لاؤں شُکرانہ دوگانہ ساقی

ترا چشمۂ فیض جاری ہے ہر سُو ۔۔۔ کیا تُو نے آباد وِیرانہ ساقی

اِسی میں ثقاہت اِسی میں ہے تقویٰ ۔۔۔ نظر آئے مَسلک جو رِندانہ ساقی

یہ مانی ہُوئی بات بے غل و غش ہے ۔۔۔ کہ دِیوانہ تیرا ہے فرزانہ ساقی

فقیرانِ عالم ہیں احمدؑ کے پَیرو ۔۔۔ مزاج اُن کا لیکن ہے شاہانہ ساقی

دُعا ہے یہ دِن رات اکمل کی دِل سے

ابد تک رہے تیرا خمخانہ ساقی (الفضل ۱۲ اگست ۱۹۴۱ء)

نغمۂ جانفروز

دُور ہی دُور سے بس آپ کو دیکھا کرنا ۔۔۔ نارسا شوق کو اب اسکے سوا کیا کرنا

رُوئے تاباں کی جھلک یُونہی نظر آ جائے ۔۔۔ دِل ہی دِل میں کئی سجدات تولّا کرنا

آنے والا جو مسیحا تھا یہاں آ بھی چکا ۔۔۔ تُم فلک پر ابھی تک بیٹھا ہی سمجھا کرنا

حق نے بخشی ہے عنایت سے مسیحا نفسی ۔۔۔ اپنے بیمار کا لِلّٰہ مداوا کرنا

دین ہر بات میں دُنیا پہ مُقدّم رکھنا
احمدی ہے؟ تو یہ عہد اپنا بھی پُورا کرنا
مسلکِ عشق میں ہے شرطِ وفا یہ سالک
جو گوارا نہ ہو اُس کو بھی گوارا کرنا
احمدیّت کا ہے یہ کام کہ اِنسانوں کو
اُنس سے مرکزِ توحید پہ یکجا کرنا
بے پر و بال کی کر دُور پریشاں حالی
روز و شب اپنے ہی گیسو نہ سنْوارا کرنا
بندھنوں میں ہیں بندھے لاکھوں خُدا کے بَندے
بَند یہ ناخنِ تدبیر سے کھولا کرنا
اُٹھ کہ مخلوقِ الٰہی ہے گرفتارِ عذاب
تجھ پہ لازم ہے بچانے کا تقاضا کرنا
ہر مُسلمان کا ہی فرض۔ نہ بھُولے زِنہار
بول اسلام کا ہر حال میں بالا کرنا
اِستقامت ہے، کرامت سے بھی بڑھ کر ہوتی
لاکے ایمان نہ ہٹنے کی تمنّا کرنا
اے خُدا مَیں تیرا اِک عاجز و بیکس بَندہ
خود ہی میرے لِئے اسباب مُہیّا کرنا
سخت کمزور ہُوں مَیں علم و عمل میں مَولا
ہے ترے ہاتھ میں ہر طرح توانا کرنا
ترا اِحسان ہے اِس نفس کو عرفاں دینا
میری کمزوریوں سے مجھ کو شناسا کرنا

اِنقلاباتِ زمانہ میں نہ گھبرا اکمل!
تری قسمت میں ہے دن رات یہ تڑپا کرنا (۲۰ اگست ۱۹۴۱ء)

مُنشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی کیلئے قطعہ تاریخِ وفات

نہ بینم بندۂ عشق و مُحبّت
کہ دارد ترنگ و بُوئے بُو ترابی
بحق واصل شُد و از ما جُدا شُد
عجب دَوریست دَورِ اِنقلابی
مُبارک خاتمہ بالخیر باشد
خوشا مردے کہ یابد باریابی
وفاداری بشرطِ استواری
ہمیں سرمایۂ حسن المآبی
کُوڈ چوں پائے اِستدلال چوبی
بمنزل کے رسد ہر فاریابی
گُذر زیں شیوۂ چون و چرائی
بہ قلب مسلمے آرد خرابی

مسیح و مہدئ دوراں چو احمد | محبّاں ہمچو ایں مرداں نیابی
تجلّی کرد بر طورِ ولایت | ولاءِ او کلیدِ کامیابی
محمد خاں اروڑے خاں ازو یافت | بہ پیری ایں چنیں زور شبابی
مقامِ شاں بزیرِ ظلِّ سبحاں | کہ محرومِ ازل زاں ماند یابی
ظفر احمد زفضلِ حق ہمانجا | کہ ایں نعمت نباشد اکتسابی
الٰہی اتّباعِ شاں نصیبم | ندارم جز دعاءِ ہمرکابی

بہ فکرِ سالِ ہجرت گفت اکمل
فقط ہائے ظفر احمد صحابی

عبد الرحمٰن اسماٹری مرحوم

علم و ایماں کی تڑپ تھی قادیاں داخل ہوا | اس لئے خاصانِ حق میں جلد ہی شامل ہوا
وہ شریف و نیک طینت احمدی سوماٹری | نوجوانی ہی میں ہجرت کر کے جو کامل ہوا
اسکی پیاری پیاری صورت اور اخلاقِ نکو | پھرتے ہیں آنکھوں میں میری گو بحق واصل ہوا
جمعہ کے دن وہ صفِ اوّل میں اس کا بیٹھنا | یاد ہے جس سے تعارف کچھ مجھے حاصل ہوا
دین کے رستے میں موت آنا بھی ہے فوزِ کبیر | وہ مبارک ہے جو اس انعام کے قابل ہوا
وہ عزیزِ احمدِ صادق ہے رحمت کے قریں | فی سبیل اللہ مجاہدیں کے جو راحل ہوا
اے خدا اقربا کو صبر کی توفیق دے | صبر کا اجرِ جزیل ایوب کو حاصل ہوا
تیرھویں ماہ اگست انیس اکتالیس سن | عبد الرحمٰن آہ! تیغِ موت کا گھائل ہوا
اسکی تربت اس بہشتی مقبرے میں بن گئی | رحمتِ حق کا نشاں جس کے لئے نازل ہوا

اس جواں مرگ کے ماتم میں ہوں اکمل شریک
انا للہ پڑھتا ہوں غمناک میرا دل ہوا (الفضل، ۱۷ اگست ۱۹۴۱ء نمبر ۱۸۷)

جلوۂ محبوب

محمدؐ کا احمدؐ کا محمود جلوہ
میری آنکھوں میں ہے یہ مشہود جلوہ

یہ دُنیا ہو نابُود پروا نہیں ہے
مگر ہو نہ مولا! یہ نابُود جلوہ

سُنو! اِستقامت ہے فوق الکرامت
دِکھاتی ہے یہ سُورۂ ہُودؑ جلوہ

مُیسّر اطاعت ہو تنظیم و ساماں
تو دِکھلاتی ہے جلد بہبود جلوہ

یہ نارِ محبّت ہی گلزار ہوگی
اِسی آگ میں ہوگا بے دُود جلوہ

ہے نُورٌ علیٰ نُور رُوئے نبوّت
اِسی میں ہے شاہد کا مشہُود جلوہ

وہ اَلنّار ذات الوقُود ایسی بدلی
کہ بھُولے سب اصحابِ اخدُود جلوہ

خدائی کی خدمت سے تم کو مِلے گا
خُداوند کا جو ہے مقصُود جلوہ

بہل دارِ دُنیا و دیر آشنائی
کہ بینی بدارُ الاماں زُود جلوہ

بچشمِ حقیقت نگر تا بہ بینی
عیاناً بہر نیّت و بُود جلوہ

نثار رہِ دوست چُوں مال و جاں شُد
حیاتِ ابد کار بنمُود جلوہ

غلامِ نبی باش آقا خوانند
چہ اَصحاب دِیدند مشہُود جلوہ

گذر از ہوائے نمُود و نمائش
متاعت دِہد بے زیاں سُود جلوہ

چُو مائل بہ مولیٰ شوی ایں مآل است
بمالت دِہد سُود در سُود جلوہ

جھڑے پھُول شاخِ قلم سے ہیں اکمل!
کہ دِکھلاتے ہیں دُرِّ منضود جلوہ

(فاروق میں چھپی)

آخری عشرۂ ماہِ رمضان آیا!
رمضان المبارک

شُکر صد شُکر کہ ماہِ رمضاں آیا ہے — میرے مولا کی نوازش کا نشاں آیا ہے
خود تو بھوکے رہیں اَوروں کو کھلادیں کھانا — اِس کا اجر آپ خُداوندِ جہاں آیا ہے
قیدِ شیطان ہُوا نفس کے بندے نہ بنو — مؤمنوں کے لئے یہ سَنگِ فساں آیا ہے
دِن کو قرآں کی تلاوت ہے، مناجات ہے رات — رَوح و ریحان کا یہ کیسا سماں آیا ہے
شانِ مہدیؑ و مسیحا کا بھلا کیا کہنا — بدر کامل ہے جو یُوں نُور فشاں آیا ہے
سِرّ وحدت تھا نہاں رَازِ نبوّت مخفی — فضلِ مولا ہے کہ ہو کے پھر عیاں آیا ہے
یہ بھی اِک رحمتِ باری ہے کہ کرم جاری ہے، — رہبرِ گلشنِ فردوس و جناں آیا ہے
اِس کے مرکز میں پہنچ جاؤ بصد عجز و نیاز — کہ وُہ موعود وُہ مہدیٔ زماں آیا ہے
جس کے ہاتھوں میں ہی جنّت کی ضمانت۔ جیسے — عید کی لے کے بشارت رمضاں آیا ہے
رکھ دِیا کاٹ کے اعدا کی صفوں کو یکسر — گو بظاہر تو وُہ بے سَیف و سناں آیا ہے
قومیں آپسمیں جو لڑتی ہیں تو نادانی ہے — مُرسَلِ خیر۔ پئے صُلح و اماں آیا ہے
صِدق و اخلاص سے سب گوش بر آواز رہو — کہ خُداوند کا پیغام رساں آیا ہے
کام پُورا کیا۔ رُخصت ہُوا۔ غافل اب تک — کہتے پھرتے ہیں وُہ۔ موعود کہاں آیا ہے
نغز گو ہونا ضروری ہے مُبلّغ کے لئے — اَور جری ایسا کہ دینے کو اذاں آیا ہے۔

میرا ایمان ہے اکمل کہ وضاحت کے ساتھ
احمدِ پاک کا قرآں میں بیاں آیا ہے!

(الفضل ۱۴؍اکتوبر ۱۹۴۱ء جلد ۲۹ نمبر ۲۳۶)

ظہورِ مامورؒ

نویدِ عید لے کر قاصدِ ربِّ کبیر آیا
پلانے جامِ کوثر ساقیٔ روشن ضمیر آیا

لبِ خیر الرسلؐ سے یہ خبر اللہ نے دی تھی
کہ فیضِ ختم سے اِک اُمتی بن کر بشیر آیا

صداقت اُسکی ظاہر ہو گی زور آور نشانوں سے
معاندِ منکروں کے واسطے عُریاں نذیر آیا

نظر آتا ہے سب کو آسماں بدلے ہوئے تیور
نہیں یونہی جہاں میں یہ عذابِ مستطیر آیا

جگر چھلنی ہوا۔ دِل چھد گیا، سر دھڑ کی بازی ہے
بخارا کی کماں سے یا الٰہی کیسا تیر آیا

پہن کر حلّہ ہائے انبیاءِ حق جریِ اللہ
زمانے میں مجسّم قدرتِ ربِّ قدیر آیا

محمد مصطفٰےؐ کا فیض قدسی ہے کہ اُمّت سے
مثیلِ ابنِ مریم بے مثال و بے نظیر آیا

یہ ہے ذرّہ نوازی چشمۂ نور و ہدایت کی
شبِ تاریک و تار کفر میں بدرِ منیر آیا

یہ اُس شاہنشہِ اقلیمِ وحدت کی نوازش ہے
کہ سلطان القلم باصد علَم دیں کا نصیر آیا

خذوا التوحید یا ابناءِ فارس کی ندا آئی
بُروزِ مصطفٰےؐ ظاہر ہوا مردِ ظہیر آیا

شکستِ امرِ باطل کیوں نہ ہو یہ تو یقینی ہے
کہ اک بطلِ جلیلِ ربِّ اکبر شور بیر آیا

نثارِ ملتِ بیضاء ہو کر زندگی پاؤ
عمل پر زور دینے اک جواں کردار پیر آیا

پکارو عاجزی سے یا مسیح الخلق عدوانا
کہ امن و صلح کا پیغام لیکر میرا مشیر آیا

جو بھولے صبح شام آئے اُسے بھولا نہیں کہتے
جھکو درگاہِ باری میں کہ اب وقتِ اخیر آیا

حضوری میں مسیح و مہدیٔ موعود کی اکمل
جبینِ عجز میں اپنی لئے سجدے کثیر آیا

(الفضل جلد ۲۹ نمبر ۲۶۸ مورخہ ۲۵ ر نومبر سنہ ۱۹۴۱ء)

لیل و نہار

اپنے ماہِ چاردہ[۱۴] کو یاد کر لیتا ہوں میں
یوں دلِ ناشاد کو کچھ شاد کر لیتا ہوں میں

دل جو گھبراتا ہے تو اُن کا تصوّر باندھ کر
چپکے چپکے رات کو فریاد کر لیتا ہوں میں

صحبتِ ایامِ پیشیں میں بضمنِ ذکرِ خیر
دشمنوں کا شکوۂ بیداد کر لیتا ہوں میں

نفس کے کہنے میں آ کر حق کی راہیں چھوڑ کر
اپنی نیکی آپ ہی برباد کر لیتا ہوں میں

اے مسیحِ وقت تیری روشنی میں دیکھ کر
جو غلط ہوتا ہے اُس پر صاد کر لیتا ہوں میں

مطلبِ بیعت یہی ہے سب کچھ اُن کا ہو چکا
ہو کے خوش تعمیل ہر ارشاد کر لیتا ہوں میں

دے کے افسانہ کا رنگ اپنے غمِ دل دوز کی
باتوں باتوں میں بیاں رُوداد کر لیتا ہوں میں

جب سُنیں قصّہ تو زیبِ داستاں کے طور پر
آپ بیتی اس میں کچھ ایزاد کر لیتا ہوں میں

صبحدم اُفتاں و خیزاں جا کے کوئے یار میں
آپ پیدا اک نئی اُفتاد کر لیتا ہوں میں

چشم گریاں دل ہی بریاں لب پر آہِ سرد ہے
یوں مسخّر نار و آب و باد کر لیتا ہوں میں

فخر سے کہتا ہے ہٹلر صبح کو پھر شام کو
اک نیا تازہ ستم ایجاد کر لیتا ہوں میں

دیکھ کر ابناءِ دُنیا کے قصورِ کبر و ناز
یاد حالِ جنّتِ شدّاد کر لیتا ہوں میں

جانِ شیریں دے کے آکمل کوئی دن میں دیکھنا
زندہ پھر سے مسلکِ فرہاد کر لیتا ہوں میں

(نوشتہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۱ء)

صاحبزادگان مرزا حمید احمد[۱] و مرزا منور احمد[۲] صاحبان کا سہرا

حمید و منوّر کا سہرا مبارک
عنایاتِ داور کا سہرا مبارک

بہار آئی گلزارِ احمدؐ نبی میں
یہ گلہائے ازہر کا سہرا مبارک

ستاروں نے یہ نوری پیغام بھیجا
کہ ماہِ منوّر کا سہرا مبارک

زمیں پر بھی خوشیاں فلک پر بھی خوشیاں ‏ سُرورِ مکرّر کا سہرا مبارک

یہ حُوروں نے جنّت کے پھولوں سے گوندھا ‏ خداوند کے گھر کا سہرا مبارک

منوّر بہ اوصافِ محمودہ ہونا ‏ بشاراتِ رہبر کا سہرا مبارک

خدائے عزیز و حمید اِن کا ناصر ‏ کلامِ مُبَشِّر کا سہرا مبارک

رہے نصرتِ حق کا سایہ سروں پر ‏ بہ ہر دو سرا کا سہرا مبارک

پھلیں پھولیں دُنیا میں اِک سے ہزار دل ‏ کمالاتِ سُرور کا سہرا مبارک

چمکتے ہوں انوارِ یزداں پرستی ‏ یہ رُوئے منوّر کا سہرا مبارک

حمید احمد انعام و اکرام افزوں ‏ دُرِ خوش گُلِ تر کا سہرا مبارک

نجابت خلافت نبوّت کا جوہر ‏ درخشندہ گوہر کا سہرا مبارک

رہیں تا ابد سب درخشان و تابان ‏ مہ و مہر و اختر کا سہرا مبارک

بنے ادر بنی میں بنی رکھے مولیٰ ‏ یہ اکمل سُخنور کا سہرا مبارک

مبارک ہو ابناءِ فارس مبارک

فراموش چاکر کا سہرا مبارک (فاروق ۱۴؍ نومبر ۱۹۴۱ء)

نئی زمین نیا آسمان پیدا کر

نئی زمیں نیا آسماں پیدا کر ‏ تو لامکاں میں اپنا مکان پیدا کر

خدا نے تجھ کو حقیقت شناس دل بخشا ‏ تو جان دے کے نئی اپنی جہان پیدا کر

زمینِ تنگ زمانے کی گردشوں سے نہ ہو ‏ تو اپنے واسطے اور آسماں پیدا کر

خطا نہ ہو وہ نشانے پر ٹھیک جا بیٹھے ‏ دُعا کے تیر کی ایسی کمان پیدا کر

نہ دھار کُند ہو بس کاٹتا چلا جائے ‏ وہ خنجر اور وہ سنگ فسان پیدا کر

اطاعتِ رُسلِ حق ہے شیوۂ مؤمن ‏ کبھی نہ دل میں کوئی بدگمان پیدا کر

غلامِ احمدِ ہندی ہے اپنے ماتھے پر — محمدِ عربی کا نشان پیدا کر
جھکے نہ سر ترا کفر و فسوق کے آگے — جو مومنوں کے ہے شایاں وہ شان پیدا کر
جو لفظ منہ سے ترے نکلے دل میں گڑ جائے — خلوص و صدق سے ایسی زبان پیدا کر
خدا کی راہ میں دینے سے نفع ملتا ہے — جتا کے فخر نہ اس میں زیان پیدا کر
بہت بلند ہے قصرِ رفیع دوست اگر — نہ ہار حوصلہ اک نردبان پیدا کر
شہید تیغِ جفا ہو کے نام کر لے تو — حسین بن علیؑ والی آن پیدا کر

شریکِ بادہ و ساغر نہ ہو سکا اکمل
نگاہِ یار میں جچنے کی شان پیدا کر

(الفضل نمبر ۱۰ جلد ۳۰ ۱۳ جنوری ۱۹۴۲ء)

خلافت کی اہمیت

(بفرمائش خدام و انصار)

۱ خلافت موجبِ اجماعِ امت ایک رحمت ہے — خلافت باعثِ اعزازِ ملت ایک نعمت ہے
۲ خلافت ارتقاءِ نسلِ انسانی کی صورت ہے — یہ مومن صالح الاعمال کی جاوید دولت ہے
۳ خلافت میں خداوندِ دو عالم کی نیابت ہے — خلافت میں تمام اقوامِ عالم کی امامت ہے
۴ خلافت لازم و ملزومِ شانِ ہر نبوت ہے — خلافت بعد میں روشن نشانِ ہر رسالت ہے
۵ خلافت ہی سے استحکامِ احکامِ شریعت ہے — خلافت ہی سے قلع و قمعِ کفر و شرک و بدعت ہے
۶ خلافت سے نظامِ ملتِ بیضا کی قوت ہے — خلافت سے نفاذِ امر و نہی ہر حکومت ہے
۷ خلافت سرِ وحدت وجہِ تنظیمِ جماعت ہے — یہی روح و روانِ صدق و اخلاص و محبت ہے
۸ خلافت ہی میں پوشیدہ مسلمانوں کی رفعت ہے — جو روگرداں ہوئے اس سے مجھے ان سے شکایت ہے
۹ خلافت سے جو پھرتے ہیں ضلالت میں وہ گرتے ہیں — خلافت کی اطاعت ربِ اکبر کی اطاعت ہے

خلافت سے بدل جاتی ہے تقدیرِ اُمَم جلدی ۱۰ یہ حسبِ وحیِ ربانی وہی موعود ساعت ہے
خلافت میں بڑے چھوٹے ہوئے چھوٹے بڑے ہونگے ۱۱ اسی دنیا میں قائم ہونے والی اک قیامت ہے
خلافت قدرتِ ثانی نبوّت قدرتِ اوّل ۱۲ اگر یہ ابتداء کہئے تو وہ انجامِ اُمّت ہے
خلافت سے مسلماں پھر مسلماں ہوتے ہیں اکثر ۱۳ یہ دورِ خسروی آغاز ہونے کی علامت ہے
خلافت سے ہوا فرقانِ امرِ حق و باطل میں ۱۴[ل] یہ ہر اسلامی گھر کے واسطے حصن و نظارت ہے
خلافت ہی نے کچلیں۔ کچلیاں اس اژدھے کی ہیں ۱۵ بنی آدم کو ڈس لینا پرانی جس کی عادت ہے
خلافت پر تصدّق مال و جانِ مومناں ہوگا ۱۶ کہ دینی دنیوی آثار کی اس سے حفاظت ہے
جماعتِ احمدیہ کا بھی اجماع ہے پہلا ۱۷ بقول اہلِ حل و عقد مضمونِ وصیت ہے
اسی سے روز افزوں ہے ترقی اس جماعت کی ۱۸ اسی سے ہو رہی تنظیمِ ملک و قوم و ملت ہے
یہ چرچا ہو رہا ہے اور ہونا چاہیئے اکمل ۱۹ خلافت سیدی محمود احمد کی خلافت ہے

(الفضل نمبر ۲۶۲ جلد ۲۹ مورخہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۴۱ء)

پیشوایانِ مذاہب

مبارک یومِ سیرتِ بانیٔ ہر قوم و مذہب کا — کہ اک جھنڈے کے نیچے جمع کرنیوالا ہی سب کا
اگر ہر پیشوائے خلق کی تعظیم کی جاتی — تو ہم میں ہو بھی چکتا اتحادِ باہمی کب کا
پیامِ امن لے کر صلح کا شہزادہ جب آیا — تو دیو مفسدہ پرداز اک کونے میں جا دبکا
شبِ تارِ ضلالت میں خدا کا نور کام آئے — بھلا کیا روشنی دے چاند نم کو چاہِ نخشب کا
فضائے شوق میں اڑتا چلا اڑتا چلا جا تو — چکورے کی طرح مشتاق ہو کر ماہِ یثرب کا
ملا جب سے نہیں وہ جامِ تند و تلخ اے ساقی — مزا بگڑا ہوا سا رہتا ہی اکثر مرے لب کا
پلا دے بادۂ توحید و وحدت اپنے ساغر سے — نگاہِ لطف ہو جائے کھڑا ہوں منتظر کب کا

ل ۱۴ تا ۱۸ پانچ شعر ایزاد کردہ ۲ ر مارچ ۱۹۴۲ء بفرمائش مولوی ابو العطا صاحب جالندھری منہ

خدا کے فضل سے جو عہد کرتا ہوں نبا ہوں گا
سبق ہے یاد مجھ کو ابتدائے نحن اقرب کا

تکبر سے نہ پیش آؤ تواضع کر کے جھک جاؤ
ادب لازم ہے انساں کو خداوندی مقرب کا

شجاعت انفرادی بھی بہت کچھ کام دیتی ہے
مگر اک رعب ہوتا ہے منظم شاہی موکب کا

بھلائی دوسرے کی چاہنا شیوہ مسلم
کبھی اچھا نہیں ہوتا ہے بندہ اپنے مطلب کا

بہم شیر و شکر جوں رام و لچھمن بھائی بھائی ہوں
سلوک باہمی جیسے علی کا اور مرحب کا

غنیمت جان یہ ہل بیٹھنا موقع نہ ضائع کر
کہ دن کو کام کر سکتا نہیں آوارہ رہ شب کا

زمیں والوں سے کیا کہنا خدا پر اُن کو چھوڑا ہے
کہ اب تو آسماں جولانگاہ ہے میرے اشہب کا

خیالِ خاطرِ احباب ہر دم چاہیئے اکمل
یہی ارشادِ پیغمبر یہی فرمان ہے رب کا (الفضل ۷ دسمبر ۱۹۴۱ء)

فرقان کا اجراء

ابو العطاء کو توفیق یہ خدا سے ملی
کہ جس کو دیکھ کے کھلتی ہے میرے دل کی کلی

کھلا ہے گلشنِ احمد میں اک گلِ رعنا
نسیمِ رحمتِ باری جو خوشگوار چلی

کریں گے نغمہ سرائی ہزارہا بلبل
عجب بہار یہ ہوگی بہارِ باغِ علی

یہ نوجوان رفیقانِ احمدِ مرسل
مٹانے اُٹھے ہیں سب وسوسے خفی و جلی

مبایعین کی جانب سے سعی ہو مشکور
کرینگے خدمتِ مذہب بہ شوق و ذوقِ دلی

بتائیں گے کہ ہے کفر اور کیا اسلام
ولی نبی نہیں ہوتا۔ مگر نبی ہے ولی

بتایا جائیگا مفہوم ختم و خاتم کا
ہے کیا نبوت ظلی بروزی اور طفلی

خلیفے ہوں گے مسیح محمدی کے بعد؟
کہ خالی پائینگے جلووں سے دلستاں کی گلی

غرض دکھائینگے فرقاں حق و باطل میں
لکھائی جائے گی تحریر یہ بخطِ جلی

بہ فیضِ حضرتِ محمود مصلحِ مسعود
بلاء فسق و نفاق اس جہاں سے خوب ٹلی

بیاں طویل تھا فرصت قلیل ہے اکمل
لہذا میں نے مطول یہ مختصر کر لی

(رسالہ فرقان جنوری ۱۹۴۲ء)

پی لیتا ہُوں

میکدے سے دُور ہُوں ہر چند - پی لیتا ہُوں مَیں
جس سے مَرتے مَرتے کچھ دِن اور - جی لیتا ہُوں مَیں

گاہے گاہے مَزا مُنہ کا بدلنے کے لئے
مُفت مِل جاتی ہی جب تھوڑی سی - پی لیتا ہُوں مَیں

سوزنِ تدبیر کا رِشتہ ہے کچھ تقدیر سے
زخم کُھل جاتے ہیں سینے کے تو سی لیتا ہُوں مَیں

شُکر نعمتہائے او چندانکہ نعمتہائے او
کیونکہ خالق نے یہ پَیدا کی ہیں مؤمن کے لئے

جن جفا کاروں نے توڑے تھے غریبوں پر ستم
اُن سے بدلے میرے مَولا نے بھی گِن گِن کے لئے

اس گلی سے بھی نہ گُذرے کندھا دینا تو الگ
عُمر بھر جیتے رہے پھر مَر گئے جن کے لئے

جبکہ ہے اللہ بس باقی ہَوَس ہی ٹھیک بات
کیوں بھٹکتے پھرتے ہیں اغیار ضامن کے لئے

قادیاں میں جذبۂ عشقِ نبی لایا مجھے
دیکھئے آتا ہی کب آئے ہیں جس دِن کے لئے

عرض و نیازِ عشق کے قابل نہیں رہا
پھر بھی مَیں اُنکی یاد سے غافل نہیں رہا

فُرقان والے مولوی صاحب ابو العطا
کل اِتّفاق ایسا ہُوا - راہ میں ملے

فرمایا کوئی نظم - کیا عرض ہاں ضرور
لیکن وُہ نثر - نشر ہو فرمائی آپ نے

پیغام والے اُس سے نہیں ہونگے مُتّفق
سُلجھائیے اِسے کہ تعجّب ہُوا مجھے

یعنی عقیدے جن سے کہ ہوتا ہے امتیاز
مابین فرقہ ہائے مُسلمان نام کے

عیسٰی ہُوئے ہیں فوت مگر جب صلیب پر
کھینچے گئے تو زندہ سلامت وُہ بچ گئے

خاکی جسد سے کوئی فلک پر نہیں گیا
وحی خدا ہے جاری، نہیں منقطع ہوئی
اِک فردِ اکمل اُمتِ احمدؐ سے آئے گا
اسمیں حقیقتیں ہیں تمام انبیاء کی جمع
میں حسب پیشگوئی ہوں موعودِ مُرسلیں
ظلّی رسول اور نبی ہوں، خدا کا میں
تحریر دلپذیر ہے حلفی بیاں کے ساتھ
ہے صاف صاف بات عدالت میں ہو چکی
آنکھوں سے سب لگائینگے اور دل سے مانینگے
میں کس طرح سے مولوی صاحب یہ مان لوں
کہنے لگے کہ وہ نہیں کرنے کے دستخط
یہ حُسنِ لحن درست نہیں اکمل آپ کا

عیسےٰ بھی آسمان سے ہرگز نہ آئیں گے
مبعوث ہر صدی میں مجدّد کئی ہوئے
جو فیض یافتہ ہو رسُولِ انام سے
مہدی بھی ہے لڑائی نہ تلوار سے کرے
مُسلم وُہی ہے جو مجھے مامور مان لے
افضل تمام شان میں عیسےٰ مسیح سے
جسپر ہیں دستخط میرے آقا مسیح کے
خواجہ کمال دین نے بھی دستخط کئے
وُہ کون احمدی ہے جو انکار کر سکے
اسپر جبینِ صدق نہ تسلیم کو۔ جھکے
باور نہ ہو تو کہہ کے ذرا دیکھ لیجئے
وُہ لوگ حق سے دُور بہت دُور ہو چکے

اے ساکنان بلدہٗ پیغام! بولئے!!
یہ عُقدہ آپ اپنے ہی ہاتھوں سے کھولئے!!! (۲۵ر جنوری ۱۹۴۲ء)

ہم لوگ

خُدا کے فضل کے اُمّید وار ہیں ہم لوگ
رہینِ رحمتِ پروردگار ہیں ہم لوگ
چمن سے ٹوٹ کے شیریں ثمار ہیں ہم لوگ
وطن چھوٹ کے فخرِ دیار ہیں ہم لوگ
وُہ پھول ہیں کہ مہک جنکی ہے دماغوں میں
عدو کی آنکھ میں گو مثلِ خار ہیں ہم لوگ
پلائی ہے جنہیں ساقی نے اپنے ہاتھوں سے
وُہ پینے والے مئے خوشگوار ہیں ہم لوگ
دماغ عرش پہ ہے۔ سر ہے پائے ساقی پر
گذشتہ صحبتِ شب کا خمار ہیں ہم لوگ

سماءِ فضل پہ رخشندہ کوکبِ دُرّی — ضیاءِ عالمِ شبہائے تار ہیں ہم لوگ
خُدا پرست ہیں پھرتے ہیں مستِ الَسْت — خودی کو چھوڑ دیا خاکسار ہیں ہم لوگ
ضرور ہے کہ سب اقوام ہم سے رہ پائیں — جو رہبری میں بہت ہوشیار ہیں ہم لوگ
ہمارا فرض ہے پروا کریں نہ جانوں کی — کہ جمعِ شمع پہ پروانہ وار ہیں ہم لوگ
یہ شمع ایزدی - ایزد فروز ہے ہردم — جو تُف کرے گا- جلیگا- نثار ہیں ہم لوگ
قدم قدم پہ قدم لینے آتی ہے خلقت — یہ کیوں؟ نقشِ کفِ پائے یار ہیں ہم لوگ
حریمِ قدس میں بے شک جگہ تو پائی ہے — مگر یہ ڈر ہے بڑے ذمّے دار ہیں ہم لوگ
نجومِ اوجِ سعادت - نظر تو آتے ہیں — مگر ہیں خاک کے ذرّے- غبار ہیں ہم لوگ
یہ گرد- کوکبۂ خسروی سے اُٹھی ہے — غلامِ مرکبِ آں شہسوار ہیں ہم لوگ
بہم ہوئے ہیں جو خُوں دل و جگر یکرنگ — بسانِ نافۂ مُشکِ تتار ہیں ہم لوگ
یہ ہے کسی کی نظر- کیمیا اثر- مِس سے — دِکھائی دیتے زر و سیم وار ہیں ہم لوگ
عجیب کیا ہے جو لعل و گہر اُگلتے ہیں — کہ دیں کے لئے خُوننابہ بار ہیں ہم لوگ
خُدا کا شکر ہیں وابستگانِ دامنِ پاک — وگرنہ سخت گنہ گار و زار ہیں ہم لوگ
خدا کرے کہ رہیں یُونہی بستۂ فتراک — کہ ایک فارسِ حق کا شکار ہیں ہم لوگ
جمالِ یار نے گُل سے بنا دِیا ہے گُل — نہیں تو خاکِ سرِ رہگذار ہیں ہم لوگ

یقین جانو کہ تنویر فرد اکمل ہے
جہانِ تیرہ میں جو نُور بار ہیں ہم لوگ (الفضل موخرہ ۱۱ فروری ۱۹۴۲ء)

مرزا مُنیر احمد و مرزا داؤد احمد کا سہرا

مُبارک ہو مُنیر احمد کا سہرا — خُدا کے فضل کی آمد کا سہرا
جو دِل پاکیزہ- فطرت طاہر ہے — تو سَر پر رحمتِ بے حد کا سہرا

مُبارک ہو تمہیں ابنائے فارس!
یہ شادی خانہ آبادی مبارک
حفیظ اللہ ہر حالت میں ہوگا
دُعا ہے حافظ و ناصر خُدا سے
ہزاروں کو ملے ایمان کی دولت
وُہی ہے سَرور و سُلطانِ عالَم
مظفّر ہے وُہ عبد اللہ یقیناً
خُداوندِ حمید اِس کا ھے یاور
وُہ دِن بھی جلد آتا ہے کہ ہوگا
سلامت میرزا داؤد احمدؐ
مُرادیں پائے گا نفسِ زکیہؐ

خُدا کی نُصرتِ سَرمد کا سہرا
مُبشّر ہو مُنیرِ احمد کا سہرا
اُحافِظ ھے انہی کے جد کا سہرا
کہ پائیں عظمتِ امجد کا سہرا
انہی کے سر رہے اِس حَد کا سہرا
جو باندھے بد عقلوں کے رد کا سہرا
جو رکھّے خصلتِ ارشد کا سہرا
جِسے بخشا گیا ایَّد کا سہرا
لِوائے حمد ہر معبد کا سہرا
شرافت ہے شریفِ احمدؐ کا سہرا
سُہائیگا سرِ سیّد کا سہرا

مُبارک عرض کیوں کرتا نہ اکمل
کہ ہے ابنِ بشیر احمدؐ کا سہرا

(۲۸ مارچ ۱۹۴۲ء)

پاک محمد مصطفےٰ نبیوں کے سردار

محمد مُصطفےٰ پر جان و دِل قُربان ہو میرا
محمد مُصطفےٰ کی پیروی میں عمر سب گذرے
محمد مُصطفےٰ کے دوستوں سے دوستی رکھوں
محمد مُصطفےٰ کی خاکپا سُرمہ بناؤں میں
محمد مُصطفےٰ کا گوشۂ چشم اِس طرف ہو جائے

یہی ہو زندگی میری یہی ایمان ہو میرا
غمی شادی میں دستور العمل قرآن ہو میرا
اگر دشمن بنے کوئی تو وُہ شیطان ہو میرا
حضورِ پاکؐ کے اقدام میں عرفان ہو میرا
یہی نروان ہو میرا یہی کلیان ہو میرا

محمد مصطفیٰ کی شان کیا مجھ سے بیاں ہوگی — کہ جس کے خادموں میں مہدیٔ ذی شان ہو میرا

محمد مصطفیٰ کی قوتِ قدسیہ ایسی ہے — کہ اس کا متبع کامل رسول الآن ہو میرا

یہی تو امتیازی بات ہے ختمِ نبوت کی — کہ ذرہ مہر ہو جو مہربان رحمان ہو میرا

غلامی میں نظر آئے گی شان ہادیٔ اکبر — حقیقت ظل کی یہ ہے کمال ایمان ہو میرا

عطا یہ ذوالعطا کی کسب سے حاصل نہیں ہوگی — مگر افضال مولیٰ سے جو پُر داماں ہو میرا

کھلی ہے سیرتِ صدیقی کی کھڑکی فنا والی — اسی سے تختِ دل پر جلوہ گر سلطان ہو میرا

اگر اس نعمتِ عظمیٰ کا میں انکار کرتا ہوں — تو یہ تو اپنے منعم سے بڑا کفران ہو میرا

بڑھائی شان ربوہ کی تعالیٰ اللہ کیا کہنا ۱[له] — یہی بنجر علاقہ ایک دن بستان ہو میرا

کرے احقاقِ حق ابطالِ باطل اس زمانے میں ۲ — عصا بن کر یدِ بیضا میں الفرقان ہو میرا

جو تکمیلِ اشاعت ہو تو یوں اتمامِ نعمت ہو ۳ — یدِ موسیٰ کا عصا فرقان ہو میرا

ہدایت کی منادی ہو، قرآں کی اشاعت ہو ۴ — امام و پیشوا موعود کل ادیان ہو میرا

عطاء ہو بوالعطاء کو ذوالعطا زورِ قلم ایسا ۵ — کہ غالب سب مذاہب پر یہی قرآن ہو میرا

محمد مصطفیٰ محبوب ہے مطلوب ہے اکمل
یہ نعمت گر ملے تو ایزدِ سبحان ہو میرا (۲۶ مارچ ۱۹۴۲ء)

افکارِ پریشاں

بار بار آتی ہے یاد رخِ محبوب مجھے — جس کی ہر ادا دل سے ہے مرغوب مجھے

مال کیا جان بھی حاضر ہے بصدقِ اخلاص — کہ رضا اُن کی بہر حال ہے مطلوب مجھے

عفو و درگذر سے لے کام مرا ہر حاکم — اے خدا ایسا سکھا دے کوئی اسلوب مجھے

امن و راحت میں ہو توفیق عبادت یارب — اور مصائب میں عطا مسلکِ ایوب مجھے

له یہ پانچ شعر اضافہ ۵ اپریل ۱۹۵۲ء۔ اکمل

اپنے دشمن سے کہتا ہوں جو چاہے کرلے
کہ بُرائی کے عوض نیکی ہے مرغوب مجھے

مانگتا ہوں اَنْعَمْتَ عَلَیْہِمْ کی صراط
نہ بَدْ اعمال بنادیں کہیں مَغضُوب مجھے

سجدے کرتا ہُوا ہر نقشِ قدم پر اُن کے
بڑھتا جاؤں یہی ہر طرح ہے مطلوب مجھے

دین و دُنیا میں عطا ہوں حسنات حُسْنیٰ
عفو ۔ نسیان و خطا سے ہو موہُوب مجھے

سب گلستانوں میں پھُولے گی پھَلے گی آخر
احمدیت ۔ جو نظر آتی ہے اِک دُوب مجھے

دِل اسے مُوجبِ صد عزّ و شرف سمجھے گا
آستانے کی مِلے خدمتِ جارُوب مجھے

بچتا رہوں شیطاں سے کہ تا ایسا نہ ہو
نگہِ یار میں کردیں کہیں معتوب مجھے

میرے نزدیک تو رہتے ہوئے پوچھا نہ کبھی
ملنے آئے ہیں بہت دُور سے کیا خوب مجھے

ساقیا جامِ سفالی میں بھی ۔ کچھ کل والی
کہ یہ تُند اور بہت تلخ ہے مرغُوب مجھے

ہر قدم راہِ ہدایت پہ چلے اے اکملؔ
کرتے مہدیٔ اسلام سے منسوب مجھے (مطبوعہ الفضل ۲۸ مئی ۱۹۴۲ء)

وصالِ حضرتِ مسیح موعودؑ

اور

جماعتِ احمدیہ کا عہدِ مسعود

حضرتِ نبی کریمؐ کا جب ہو گیا وصال
اجماع سب صحابہ کا اس بات پر ہُوا

سب انبیاء فوت ہیں یعنی مسیح بھی
باقی نہ اُن سے کوئی بھی زندہ یہاں رہا

ایسا ہی جب بروزِ محمد رسولِ پاکؐ
یعنی مسیح و مہدیٔ اسلام میرزا

اللہ کے حضور بلائے گئے تو ہم
چھبّیس ۲۶ مئی کو رہ گئے محرومِ پیشوا

اصحاب جو مہاجر و انصار تھے یہاں
ان سب کے اجتماع سے ہوتی رہی دُعا

یارب نزولِ قدرتِ ثانی شتاب ہو
جلوہ تُو اپنی رحمتِ خاصہ کا پھر دکھا

آخر باتفاق سُنائی گئی یہ بات — اِک ہاتھ پر ہوں جمع یہ مہدی کے پارسا
قائم نظامِ سِلسِلہ یُوں ہو کہ سب کے سب — بیعتِ حضورِ نورؓ کی ہو جائیں بَرمِلا
جو سب سے اَعلم اور اتقی تمام ہیں — وُہ جانشین خلیفۂ برحق ہو آپ کا
ہر حُکم اُس کا ایسا ہو جیسے مسیحؑ کا — صَدر انجمن کے ممبروں نے صاد کر دیا
اجماع سب سے پہلا اکابر کا ہے یہی! — یہ عہد نعشِ مہدیٔ اقدسؑ پہ ہو گیا
قائم ہیں ہم اِسی پہ نہیں کرتے نقضِ عہد — تا فاسقوں میں نام نہ ہو مُؤمنین کا
قرآن سے حدیث و وصیت سے بھی یہ امر — ثابت ہے اِس لئے بھی ایمان ہے ہرا
بالخیر خاتمہ کی دُعا روز و شب کروں
آمین کہدو میرے مُحبّانِ باصفا

(چند منٹوں میں ۱۲ بجے ۴رمئی ۱۹۴۲ء کو کہی (صفحہ ۴ فرقان مئی ۱۹۴۲ء میں چھپا)

مزارِ مسیحؑ پر

سَال ہے چونتیسواں ہر روز حاضر ہوتا ہُوں — یاد کر کر کے وُہ عہدِ خوشترین۔ مَیں روتا ہُوں
روتا ہُوں اپنی خطاکاری و غفلت پر بسوز — اشکِ پیہم سے گُنہ کے داغ کالے دھوتا ہُوں
سَاتھیوں نے موتیوں سے بھر لیں اپنی جھولیاں — اَور مَیں دامن میں جو اپنے تھا وُہ بھی کھوتا ہُوں
جاگتی ہے کُل خدائی حاضرِ دربار ہے!
اَور مَیں غفلت کی چادر اوڑھے اَلمکل سوتا ہُوں (۲۶ مئی ۱۹۴۵ء)

فرقان

بات یہ سچ ہے کہ انسان ہے بہت سہل پسند — اِسکی کوشش یہی ہوتی ہے کہ پہنچے نہ گزند
مان کر میرزا صاحبؑ کو مسیح و مہدی — کہہ دیا صِرف مجدّد تھے دیئے وعظ و پند
کُفر عائد نہیں ہوتا جو نہ مانیں ان کو — رستہ نبیوں کا کیا ختمِ نبوّت نے بند

ایسے لوگوں کے جنازے بھی پڑھے جائیں گے — اقتدا میں ہی نماز اُن کے - بہر حال - پسند
روٹی بیٹی کا بدستور رہے گا رشتہ — الغرض ٹوٹتا ہرگز نہیں اُن سے پیوند
عملی طور پہ آسانی یہ دی جاتی ہے — پھر بھی حیرت ہے کہ رجحانِ خلائق ہی بند
یعنی اِک ہفتے میں بیعت جو یہاں ہوتی ہے — سال بھر میں بھی نہیں ہوتے ہیں لاہور میں چند
بات یہ کیا ہے کہ محروم ہیں نصر اللہ سے — فوج در فوج نہیں داخلہ فی الدین پسند
برخلاف اِسکے یہاں لوگ ٹوٹے پڑتے ہیں — پیچھے ہٹتے نہیں گو کرتے جائیں پابند
باپ بیٹے سے جدا بھائی سے بھائی مہجور — اور وطن چھوڑ کے پھر نظر آئیں خورسند
سختیاں سہتے ہیں پھر قادیاں میں رہتے ہیں — آپ کیا کہتے ہیں؟ فرمائیے! اے حضرتِ "خند"
فوج در فوج کسی دین میں داخل ہونا — فتح و نصرت اسے فرمایا بآوازِ بلند

یہ صداقت کا اثر از روئے قرآن جانو
اور ان دونوں فریقوں میں یہ فرقاں مانو (۱۴ مئی ۱۹۴۲ء)

بقیہ ایک نظم ماقبل

امام و پیشوا جب مہدیٔ ذی شان ہو میرا — سعادت ہائے بوقلموں سے پُر داماں ہو میرا
خلافت جو ہوئی قائم ہے منہاجِ نبوت پر — بہارِ بے خزاں والا سدا بستان ہو میرا
مسیح و مہدیٔ موعود کے پہلے خلیفے تھے — وہ نور الدین راضی جن سے حق سبحان ہو میرا
چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمت نور دیں بودے — دلیلِ راہِ حق ہر وقت یہ فرمان ہو میرا
شفا بخشِ دل و جاں جن کی ہر تقریر ہوتی تھی — دیا کرتے تھے جس کا درس وہ فرقان ہو میرا
امیر المؤمنین ابنِ مسیح و قدرتِ ثانی — کہ جن کے حکم پر قربان سر و سامان ہو میرا
خدا رکھے یہ چشمہ فیض کا جاری قیامت تک — اطاعت ان کی ہر معروف میں ایمان ہو میرا
یہ تبلیغی و تنظیمی جو اِن کے کارنامے ہیں — ترقی یاب اِن کی دید سے عرفان ہو میرا
گذاری معصیت کاری میں اپنی عمر اکمل نے — دعا ہے خاتمہ بالخیر و الایمان ہو میرا

(۲۶ [illegible] ۱۹۴۲ء)

ایک عہد کی یاددہانی

٢٧ مئی کی صبح

چھبیس (٢٦) مے کی یاد نہ دل سے بھلاؤ تم!
شیطان سے جنگ کرنے میں جانیں لڑاؤ تم

ہمت کرو۔ بڑھے چلو پیچھے نہ تم ہٹو۔ ہاں
اصحاب سا ثبات جہاں کو دکھاؤ تم

دو دل یک شوند بشکنند کوہ را،
یک جان ہو کے اپنی صفوں کو بڑھاؤ تم

قرآنِ پاک ۔ اُسوۂ آں صاحبِ لولاک
یہ دونوں مہر و ماہ اُجاگر کراؤ تم

پیغامِ حق جو معرفتِ مہدیٔ زماں
پہنچا ہے۔ قوم قوم کو۔ پھر کر سناؤ تم

ہر درد کی دوا ہے اِسی سے ملے شفا
تریاق ہے مریضوں کو اپنے کھلاؤ تم

سیلابِ بے پناہِ ضلالت ہے زور پر
کشتی خدا نے بھیجی ہے سب کو چڑھاؤ تم

اِنکار جو کرے اُسے سمجھا کے چھوڑ دو
اپنی طرف سے زور ہدایت لگاؤ تم

اِسلام ہی وہ دین ہے جسمیں نجات ہے
دُنیا و آخرت میں فلاح اِس سے پاؤ تم

اکسیر ہے یہ خاک ۔ گنہ سے کرے گی پاک
ہاں آستانِ یار پہ دھونی رماؤ تم

بہرِ خدا جو چھوڑو گے دہ چند پاؤ گے
یہ نسخہ ایک بار ذرا آزماؤ تم

غفلت نہ ہو دعا سے نہ ہو جدّ و جہد کم
اپنا پسینہ خوں کی طرح سے بہاؤ تم

سب ایک ہو کے نیک بنو اور خلق کو
توحید کے علم کی حمایت میں لاؤ تم

اخلاق و نرمی اور دعاؤں سے کام لو
یوں کامیاب مقصدِ مہدی بناؤ تم

ساقی کا فیض عام ہے ہر کس ہے شاد کام
اکمل مزے سے خم پہ خم مے لنڈھاؤ تم

(الفضل ٢٩ مئی سنہ ١٩٤٢ء نمبر ١٢٢)

وَلَا تَنَابَزُوا بِالْاَلْقَابِ

قادیانی کہتے ہیں جو قادیاں میں رہتے تھے ‌ ‌ ‌ ایسا کہنے والے کو دشمن وہ پہلے کہتے تھے
ہمزبانی اپنے دشمن سے (کی) محلِ غور ہے ‌ ‌ ‌ کہنے والا وہی مرزدِ خدا یا اور ہے
یہ تغیر کیوں ہوا ہے؟ سوچنے کی بات ہے ‌ ‌ ‌ دن کو دن کہتے ہوئے کہنے لگے یہ رات ہے
یا نبی اللہ سے کر لے مخاطب جب خدا ‌ ‌ ‌ اور کثرتِ کیف وکم میں اس پہ شاہد بر ملا
جس نبوت کے ہیں قائل اُسکی یہ تعریف ہے ‌ ‌ ‌ غور فرمائیے اس میں کیا ہوئی تحریف ہے
اسی نبوت سے فتور آتا ہے کیا اسلام میں ‌ ‌ ‌ جب کہ ظلّی۔ رسول اللہ کے اکرام میں
کہیے حضرت کونسی بات اسمیں نو ایجاد ہے ‌ ‌ ‌ یہ تو سب کچھ ہے وہی جسپر تمہارا صاد ہے
عہدِ اوّل میں خلافت کا تمہیں اقرار تھا ‌ ‌ ‌ یہ نظامِ مِلّتِ احمدؐ بصد اصرار تھا
پھر کھچے جاتے ہو ہم سے طعنہ زن احباب پر ‌ ‌ ‌ اس مسیح و مہدیٔ دوراں کے پاک اصحاب پر
نام رکھتے ہو تنابز کرتے ہو القاب میں ‌ ‌ ‌ یوں نجاست کیوں ملائی جائے آبِ ناب میں
احمدی ہیں ہم۔ مہاجر فی سبیل اللہ ہیں ‌ ‌ ‌ حق پسند اسلام کے پابند۔ حق آگاہ ہیں
صحبتِ مہدی میں رہ کر سیکھا ہے دین الہدیٰ ‌ ‌ ‌ جوش ہے دل میں کہ روح الحق پہ ہو جائیں فدا
قادیاں میں رہتے ہیں پر قادیانی ہم نہیں ‌ ‌ ‌ احمدی ہیں اور کچھ بھی فکر بیش و کم نہیں
اُن زمینی لوگوں سے نسبت ہمیں دیتے ہو تم ‌ ‌ ‌ جو صراطِ مستقیم اپنا کئے بیٹھے ہیں گم
ہم علیٰ وجہ البصیرۃ مؤمنِ اسلام ہیں ‌ ‌ ‌ سامنے آنکھوں کے ہر دم احمدی اقدام ہیں

گامزن ہیں ہم اسی رستے پہ جس پر تھا امام
خاتمہ ایمان پر اکمل ہو اپنا والسلام

(فرقان اگست ۱۹۴۲ء)

مناجات

یَا عَزِیْزُ وَ یَا حَفِیْظُ وَ یَا رَفِیْق — اِلتجی اَنْ تُنَجِّنِی مِنْ کُلِّ ضِیق
بر درِ آمد بندۂ بگریختہ — آبروئے خود ز عصیاں ریختہ
بے عمل انساں ہوں کمزور ہوں — عاجز و ناکارہ مثلِ مور ہوں
رحم کر اِس ظَالِمٌ لِلنَّفْس پر — اے مِرے مَولیٰ ۔ مِری جاں کے سپر
ہاں سنواری جائے میری زندگی — زندگی میں آئے اِک تابندگی
دیں کے رستے میں جاں قرباں ہو — اور حاصِل قُربتِ رحمان ہو
کوئی دَم غافل نہ گذرے یاد سے — ذوق ہو تعمیل پر اِرشاد سے
نامۂ اعمال میں ہوں نیکیاں — خُوب سمجھوں اپنا ہر سُود و زیاں
دین و دُنیا میں رہوں مَیں شاد کام — ترے اِس مامُور پر لاکھوں سلام
چودھویں کا چاند جس کے نُور نے — دِیدہ و دِل سب کے روشن کر دیئے
روشنی سے اُس کی پاؤں فیضِ عام
ہو اِسی عالم میں عمر اکمل تمام (الفضل ۱۷۹/۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۲ء)

تعزیت

بر جوانا مرگی مُبارک پسر مرزا عزیز احمد صاحب

مُبارک اے عزیزِ جانِ والد — تمہی تو تھے سر و سامانِ والد
ہُوئے تم راہئی فردوس جلدی — لئے تاب و توانِ جانِ والد
یہ آنکھیں پھیر لینا بھا گیا کیوں — تمہیں اے بینشِ چشمانِ والد
گُلِ رعناءِ گلزارِ جوانی — بہارِ گلشن و دبستانِ والد

ہُوا کیسی چلی مُرجھا گیا تُو
فسُردہ ہوگئی ہے جانِ والد

یہ دُنیا اس کی سب چیزیں ہیں فانی
بڑھاپا تُو نے یہ عرفانِ والد

جو دِل پہ جبر کرکے کرلیا صبر
ہے قابلِ دادِ ایمانِ والد

مگر تم وُہ نہیں جو بھول جاؤ
کہ تھے بس راحت و ریحانِ والد

سعید احمدؔ وطن سے دُور جاکر
ہُوا تھا باعثِ غفرانِ والد

اِدھر تم کر گئے افسوس خالی
گرانمایہ گہر سے کانِ والد

کلیجہ پھٹ گیا دِل ٹکڑے ٹکڑے
غم آغشتہ ہُوئی ہر آنِ والد

قلم ہے سینہ چاک اکملؔ لکھے کیا
اُدھر اشکوں سے پُر دامانِ والد

(الفضل جلد ۲۰ یکم اگست ۱۹۳۲ء نمبر ۱۱)

ساقیٔ خمخانۂ توحید سے!

کوثر سے بھر کے لادے جامِ شراب ساقی
اللہ بھلا کرے گا۔ ہوگا ثواب ساقی

وُہ تیز تر پلادے جو دائمی مزا دے
بگڑی ہُوئی بنادے کر باریاب ساقی

یہ بزم رزم ہی ہیں جب ڈھل چکی ہے اپنی
کِس کام کے رہے ہیں چنگ و رباب ساقی

وُہ نغمہ چھیڑ مطرب عیشِ دوام پاؤں
وُہ جام دے کہ جس سے ہُوں کامیاب ساقی

وُہ جلوہ تو دِکھادے جو ہوش ہی اُڑا دے
مُدّت سے منتظر ہیں سب شیخ و شاب ساقی

تاریکیوں سے دُنیا گھبرا رہی ہے لیکن
اِس جامِ جم میں تیرے رہے آفتاب ساقی

جو دین کی ضیا تھی، ہر دِل میں جلوہ زا تھی
پھر آئے گی نظر کب وُہ آب و تاب ساقی

ہر قلب میں چلادے۔ ایسی لگن لگادے
سینوں میں جو بڑھادے پھر التہاب ساقی

اسبابِ ما و را سے کر بے نیاز ایسا
ہو جاؤں فضل ہی سے میں کامیاب ساقی

آئے ہیں میرے گھر میں وُہ صُورتِ قمر میں
یہ حالتِ بشر میں دیکھا ہی خواب ساقی

تیرا ہی رُوئے روشن گویا ہے انجمن میں،
دیکھا کہیں شگفتہ جب بھی گلاب ساقی
دُنیا تو مِٹ رہی ہے، آبادی گھٹ چلی ہے
کب تک رہے گا جاری تیرا عتاب ساقی
آیا نظر جو تیرا۔ اقبال روز افزوں
کیا کیا عدو نے کھائے ہیں پیچ و تاب ساقی
کس بَل نکالے اُسکے، اب سیدھا ہو چلا ہے
نازل ہُوا ہے جب سے تیرا عذاب ساقی
کاسہ مِرا ہے خالی، ٹُوٹا ہُوا سفالی
در پر ہے اِک سوالی، دیجے جواب ساقی
آنکھوں میں میری آجا، دِل میں مِرے سما جا
اُٹھ جائیں سامنے سے، سارے حجاب ساقی
کاسہ ہی پھوڑ ڈالا۔ اور دِل ہی توڑ ڈالا،
میرے سوال کا تھا، کیا یہ جواب ساقی

کب تک اِدھر اُدھر ہو، اَب لُطف کی نظر ہو
اکملؔ کی ہو رہی ہے حالت خراب ساقی
(الفضل ۲۱ اگست ۱۹۴۲ء)

زمانہ دِگر گُونہ طرحے نہاد

اُٹھو بیدار ہو جاؤ کہ دَورِ انقلاب آیا
گُنہ جب بڑھ گئے حد سے تو خالق کا عذاب آیا
زمانے کا تقارب اور قوموں میں تحارب ہے
لگی ہے آگ ہر سُو مُسلح عالم کباب آیا
قیامت آگئی قائم بامر اللہ کو ڈھونڈو
سوا نیزے پہ دیکھو آسماں پر آفتاب آیا
ورق اُلٹا کتابِ زندگی کا فصلِ گُل دیکھی
کھلا مضمون فتنوں کا ملاحم والا باب آیا
یہ کس کی سُرخروئی کو ہے دریاؤں میں خوں جاری
شفق آلودہی مغرب کی جانب سے سحاب آیا
عروجِ اسلام کو جو ہونے والا تھا وہ دِکھلایا
یہ تھا معراج کا مطلب جو بیداری میں خواب آیا
یہ ساقی کی عنایت اور لُطفِ بے نہایت ہے
جو مجھ سے کِس میرسوں تک بھی دَورِ جامِ ناب آیا
نظامِ مِلّتِ احمدؐ میں مُضمر ہر ترقی ہے
اسی میں مُنسلک ہونے سے مؤمن کامیاب آیا
نمازِ شوق ادا کرنے بصد عجز و خلوصِ دِل
اِمامِ وقت کے دربار میں خانہ خراب آیا
کسی کے حُسنِ روز افزوں کا شُہرہ بڑھتا جاتا ہے
گروہِ عاشقانِ پاک طینت بے حساب آیا
اجازت ہو تو سجدہ اکملِ بے تاب بھی کر لے
سرفرازی کی خاطر بندۂ عالیجناب آیا

(الفضل جلد ۳۰ نمبر ۱۹۴ مورخہ ۲۰ اگست ۱۹۴۲ء)

متفرقات

ہمدمو چھوڑ دو دِل کھول کے رو لینے دو
داغِ دل اشک ندامت سے یہ دھو لینے دو

نظم میں نثر کی تحویل دِکھائیں گے تجھے
احمدیّت کو نظامت میں سمو لینے دو

ہار کرنا ہے مجھے پیش کش جانِ جہان
رشتۂ شوق میں موتی یہ پرو لینے دو

قبر میں جلدی سوالات کی ایسی کیا ہے
دیر کا جاگا ہُوا ہُوں مجھے سو لینے دو

احمدیّت ہی سَرافراز بالآخر ہوگی
اس سے پہلے جو بھی ہوتا ہو وہ ہو لینے دو

ایک دن بامِ ثریّا پہ پہنچ جائیں گے
آبرو ازپئے دیں پہلے ڈبو لینے دو

رائگاں عمر گنواتے ہیں نہیں باز آتے
قدرِ گوہر کی اُنہیں آئے گی کھو لینے دو

آبلہ پائی کا اِک طرح سے یہ بھی ہے علاج
پاؤں نازک ہیں تو کیا؟ کانٹے چبھو لینے دو

سال ہی جو تینتیسواں[۳۴] ہر روز حاضر ہوتا ہوں
یاد کر کر کے وہ عہدِ خوشتر میں مَیں روتا ہوں

روتا ہوں اپنی خطا کاری و غفلت پر بہ سوز
اشکِ پیہم سے گُنہ کے داغ کالے دھوتا ہوں

ساتھیوں نے موتیوں سے بھر لیں اپنی جھولیاں
اور مَیں دامن میں جو اپنے بھی تھا وہ کھوتا ہوں

اُٹھا دو اُٹھا دو یہ چنگ و رباب
ہٹا دو ہٹا دو یہ جامِ شراب

کہ بدلی گئی بزم ہے رزم سے
ہُوا اِنقلاب آہ کیا انقلاب

زمیں پر ہیں کُشتوں کے پُشتے لگے
اور اموال ضائع ہُوئے بے حساب

گِرنے والے! اُن کا دامن تھام لے
ساقیٔ کوثر کے ہاتھوں جام لے

ذکرِ حق کے بعد ہو ذکرِ رسولؐ
نامِ پاک اُن کا بصد اکرام لے

آکمل آ محزوں غنیمت جان کر
سرمدی نعمت یہ صبح و شام لے
حضرتِ نبی کریمؐ نے فرمایا بار بار
سب عمر اپنی اطاعتِ معبود میں گذار

نورِ دین نبضِ مسیحائے زماں
جن کے قول و فعل سے ہے یہ عیاں
آپ نے جو کچھ کیا جو کچھ کہا
اتباعِ مخلصانہ کا نشاں

آخری عشرہ ماہِ رمضان کی برکات

آخری عشرہ ماہِ رمضاں کی برکات
ہیں بہت۔ قرأت قرآن و دعا و صلوات
ہر مسلمان پہ واجب ہے بہ اخلاصِ تمام
یہ مہینہ جو ہی حاصل کرے اسکی برکات
روزہ رکھے تو نگہداشت بھی ہر طرح کرے
خوب بڑھ چڑھ کے مساکین کو بخشے خیرات
معتکف ہو کے بتاتا ہے خدا کی خاطر
چھوڑ سکتے ہیں علائق سبھی فرخندہ صفات
مال کا جان کا ایثار سکھایا حق نے
اور بتایا کہ ہو کس طرح سے صرف اوقات
جو مبلّغ ہیں مجاہد بہ سبیلِ مولیٰ،
واسطے اُن کے دعائیں ہیں ہماری سوغات
مشقِ قربانی کی ہر روز جو کی جاتی ہے
ہے ضروری کہ ہو تحصیل مکمل حسنات
جسمیں ہوتا ہی ملائک سے سکینت کا نزول
اسی عشرہ میں ہلا کرتی ہے وہ قدر کی رات
ہر صدی میں ہُوا کرتا ہے مجدد مبعوث
دینِ اسلام میں لے آتا ہی جو تازہ حیات
الف آخر میں مسیحائے زماں آیا ہے
عود کر آئی ہیں اسلام کی ساری برکات

عید میں عید مناؤ انھیں پاکر آکمل
اور اللہ سے مانگا کرو ایمان و ثبات

(الفضل نمبر ۲۳۱ جلد ۳۰ مورخہ ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۴۲ء)

قیامِ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

حق نے سیدنا محمدؐ کو بنایا ہی سراج
ہے اسی شمس الضحیٰ کی روشنی گھر گھر میں آج

مُہر ہے ختمِ رسالت کی رہے گا تا ابد
اس شہنشاہِ زمن کا ہر دلِ مسلم پہ راج

ہر صدی میں جانشیں مبعوث ہوتا ہی ضرور
تا نہ گمراہی کہیں اُمت میں پا جائے رواج

چودھویں میں ہو گیا ہے بدرِ کامل کا ظہور
نور کی ظلمت کدے میں تھی نہایت احتیاج

بھیج کر اپنا مسیح و مہدیٔ موعودِ حق
کر دیا شافی نے اس بیمار اُمت کا علاج

آنے والا آ چکا ہی مژدہ باد اے منتظر
دیکھ لے سر پہ غلامِ احمدِ مرسل کے تاج

سطوتِ کبریٰ مقدر ہے انہی کے ہاتھ پر
چار سُو اسلامیہ وحدت کا ہو جائیگا راج

بادۂ کوثر پلایا جائے گا، آگے بڑھو
جام کافوری ہیں یا زنجبیلا کا مزاج

جن پہ صادق آ رہی تھی آیت یستفتحون
ہوں نہ مصداق اب فلما جاءہم کفروا کے آج

ہے تقاضائے خلوص و اتقا ان کے حضور
پیش ہونا چاہیئے اکمل عقیدت کا خراج

(الفضل نمبر ۲۳۵ مورخہ ۸ر اکتوبر ۱۹۴۲ء)

احمدی کا ترانہ

طلب گارِ فضلِ الٰہی ہوں میں
فدا کارِ ملت سپاہی ہوں میں

حقائق کا عرفان حاصل ہوا
شناسائے عالم کماہی ہوں میں

مسافر ہوں دنیا میں دو روز کا
کہ عقبیٰ کی منزل کا راہی ہوں میں

محمدؐ ہی پاکوں کے سردار ہیں
تہ دل سے مسلمِ الٰہی ہوں میں

گلستانِ احمدؑ کا بلبل بنا
مناجات گوئے پگاہی ہوں میں

امام الامم مہدیٔ حق مسیح
غلامی پہ ان کی مباہی ہوں میں

خلافت ہے برحق مبائع ہُوا ۔۔۔ بغیر اسکے تو بے پناہی ہوں میں
خدا نے جو تحریک کی ہے جدید ۔۔۔ مطیع ہدایاتِ شاہی ہوں میں
پئے خدمتِ دین کمر باندھ کر ۔۔۔ نثارِ رہِ قبلہ گاہی ہوں میں
کہ اطفال و خدّام و انصار سے ۔۔۔ کسی ایک کا فردِ جاہی ہوں میں ــــ بلحاظ مرتبہ
ترے فضل کا ہر دم امّید وار
خطا کار اکمل ! الٰہی ہوں میں (مطبوعہ فرقان اکتوبر نمبر ۱۰ سنہ ۱۹۴۲ء)

اَلْمُهَاجِرُ فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ

ہم آستانۂ صاحبقراں میں رہتے ہیں ۔۔۔ یہ صاف کیوں نہ کہیں ۔ قادیاں میں رہتے ہیں
فتن کا زور ۔ فسادوں کا شور ہے ہر سُو ۔۔۔ پناہِ یار ہے حاصل اماں میں رہتے ہیں
بزیرِ سایۂ دیوار ڈال کر بستر ۔۔۔ بڑے مزے میں ہیں گویا جناں میں رہتے ہیں
خدائے کون و مکاں کی عنایتیں ہر دم ۔۔۔ مکاں کی فکر ہی کیا ۔ لامکاں میں رہتے ہیں
وصالِ یار میسّر ہے خوش نصیبی سے ۔۔۔ وُہ اَور ہوں گے جو آہ و فغاں میں رہتے ہیں
پلائے جاتا ہے کوئی تو پی رہے ہیں ہم ۔۔۔ مدام حلقۂ پیرِ مغاں میں رہتے ہیں
شب برات ہی ہر شب تو روز ۔ روزِ عید ۔۔۔ عجیب راحت و امن و اماں میں رہتے ہیں
جو غم ہے دل میں تو غم اُمّتِ محمدؐ کا ۔۔۔ فقیر باب ہیں شاہانہ شاں میں رہتے ہیں
جو درد ہے دل میں تو درد ایسے کلمہ گوؤں کا ۔۔۔ خدا کو چھوڑ کر جو فکرِ بتاں میں رہتے ہیں
حیاتِ نوؔ کی تمنّا ہے بے خبر اس سے ۔۔۔ کہ دورِ احمدِؐ آخر زماں میں رہتے ہیں
حیاتِ نوؔ کی خواہش ہی مگر ہیں انکاری ۔۔۔ مسیحِ وقت کے دورِ زماں میں رہتے ہیں
کئی نشاں ہوئے ظاہر یہ مانگتے ہیں نشان ۔۔۔ کوئی بتائے کہ یہ کس جہاں میں رہتے ہیں

ہزار بار انہیں کھول کر بتایا ہے ۔۔۔ مگر یہ لوگ چنین و چناں میں رہتے ہیں

خدا کے قہری نشانوں سے اب تو مانیں گے ۔۔۔ جو روکشانِ حقائق گماں میں رہتے ہیں

تعلق اپنا ہے تو ذوالعرش سے ہوا کیا قائم ۔۔۔ زمیں پہ ہیں مگر آسماں میں رہتے ہیں

خدا کرے گا تو مدفن بھی اب یہیں ہوگا ۔۔۔ اسی امید سے دارالاماں میں رہتے ہیں

ہمارے واسطے یہ فخر کم ہے کیا اکمل

جوارِ پاک شہِ دلستاں میں رہتے ہیں (الفضل نمبر ۲۵۹ جلد ۳۰ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۴۲ء)

بتاؤں کس زباں سے دلفگاری اپنے احمدؐ کی

حسینؓ بن علیؓ پر رحمتیں مولائے سرمد کی ۔۔۔ کہ جس نے آبیاری خوں سے کی دینِ محمدؐ کی

"بنا کردند خوش رسمے بخاک و خوں غلطیدن" ۔۔۔ ہزاروں رحمتیں عشاقِ حق پر ربِ سرمد کی

بہتر تن کٹے، کٹ کر بڑھے اتنے کہ رونق ہے ۔۔۔ انہی کے دم قدم سے آج تک گلزارِ سید کی

ہموم دیں میں منظر کربلا کا پیش رہتا تھا ۔۔۔ بیاں ہو کس زباں سے دلفگاری اپنے احمد کی

معلم ہوں مری شیخ و برہمن سے نہیں بنتی ۔۔۔ انہیں خوف اب جد ہے مجھے ہے فکر ابجد کی

کلیدِ فتح ہے تبلیغ و تنظیم اور قربانی ۔۔۔ اسی سے ایک دن گردن جھکے گی ہر مقلد کی

نظامِ نو کی بنیاد الوصیت میں جو رکھی ہے ۔۔۔ اسی پر ہوگی تعمیر اب عمارت دین امجد کی

وہی ہے دائمی قانون جو تجویز خالق ہو ۔۔۔ کہ ہر تدبیرِ مخلوقات ہی تقدیر نے رد کی

بروزِ جمعہ اب کے حجِ کعبہ جلسہ سالانہ ۔۔۔ یہی مشیحِ ولادت الف آخر کے مجدد کی

اسی دن ابتداءِ سال شمسی نیز قمری بھی ۔۔۔ بہم پیوستگی مشعر ہے ایامِ ممجد کی

جوانانِ سعادتمند پندِ پیرِ دانا پر ۔۔۔ عمل کر کے بنالیں شکل ولدانِ مخلد کی

رفیقوں سے کہو کشتی کنارے لگنے والی ہے ۔۔۔ نظر آنے لگی ہے روشنی قصرِ مشید کی

لگا دو زور سارا تا سفر طے جلد ہو جائے
یہ ہے مینارۂ بیضا وہ چوٹی سبز گنبد کی

حسینی قافلہ ہمت نہ ریگستان میں ہارے
یہ کھیتی خوں سے سینچی جائے گی باغِ محمدؐ کی

پڑی رہتی ہے کیوں لوگو تمہیں ہر وقت دنیا کی
جہاں آخر کو جانا ہے کرو کچھ فکر مرقد کی

بوقتِ عصر معماروں نے اتنا کام پایا ہے
مزین ہو رہی ہے پھر عمارت سیزدہ صد کی

ضیاء ماہِ کامل پھیلتی جاتی ہے عالم میں
شبِ تاریک میں دکھلائے گی جو راہ مقصد کی

جماعت میں ترقی قوتِ قدسیہ ہے اکمل کی

خدا کے فضل سے فضلِ عمر محمود احمدؒ کی (الفضل نمبر ۱۰ جلد ۳۱ مورخہ ۱۲؍جنوری ۱۹۴۳ء)

ارشاداتِ امام

چند باتیں ہیں ضروری نہ بھلانا لوگو
بلکہ ہر وقت عمل کر کے دکھانا لوگو

یہ جماعت میں جو جاری ہوئی تحریکِ جدید
دین و دنیا کی فلاح اس میں سے آئے گی پدید

اسکی اُنیس ۱۹ فروعات ہیں سب پر ہو عمل
دیکھنا پڑنے نہ پائے کہیں سستی سے خلل

الوصیت کی معاون ہے نظامِ نو ہے
شبِ تاریک زلازل میں یہ روشن ضو ہے

پھر ضرورت ہے کہ تبلیغ کریں ہم دہ چند
شرک و بدعت مٹے توحید کا جھنڈا ہو بلند

اور تنظیم سے کثرت میں ہو وحدت پیدا
ہم سے ہر ایک نظر آئے خدا کا شیدا

بزمِ انصار ہیں خدام و اماء اللہ ہیں
ایسے شامل ہوں کہ سب یک دل و یک جاں رہیں

ایک محبوب ہو معبود ہو اللّٰہ غنی،
احمدیت کے فدا کار ہر اک طرح رہیں

یوں اخوت ہو کہ اعراض و دماء و اموال
ان کی حرمت کی نگہداشت میں آئے نہ زوال

ترجمہ چاہیئے قرآں کا سیکھیں سارے
مرد ہو زن ہو کہ بچے ہوں جواں یا بوڑھے

عورتیں قوم کا اک جزو اہم ہیں پیارو
انکے جو حق ہیں وہ کوشش سے ادا کرتے رہو

دیکھنا حقِ وراثت کو ادا کر دینا
عہد جو تم نے کیا تھا وہ وفا کر دینا

خدمتِ خلق ہو ہمدردیٔ نوعِ انساں
آپ کا مسلک و مشرب پئے ربّی رضوان

فتح حاصل ہے عقائد میں بفضلِ داور
آؤ اعمال میں بھی سب سے رہیں ہم بڑھ کر

زندہ تصویر ہوں اسلام کی ہم لوگ تمام
جیسے تھے پہلے نبی پاکؐ کے اصحابِ کرام

یہ زمانہ ہے حوادث کا فتن کا۔ ہشیار
خوب چوکس رہو۔ اسباب مہیّا۔ باکار

آخری بات یہ ہے خوب دعائیں کیجے،
بن کے سائل درِ مولیٰ پہ صدائیں کیجے

وہ جو مسنون دعائیں ہیں نمازوں میں پڑھو
تکیۂ اللہ پہ ہو، نیکی و تقویٰ میں بڑھو

حضرت مہدئ اسلام نے جو فرمایا
اور قرآن و احادیث میں جو کچھ آیا

پورا ہو کر رہیگا یہ یقیں ہے اکمل
کہ مقدّر ظفرِ دینِ مبیں ہے اکملؔ (۲۶ فروری ۱۹۴۳ء برائے فرقان)

وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو

وصیّت ہے امرِ خدائے جلیل
وصیّت ہے جنّت کی واحد سبیل

وصیّت ہے پاکیزگی کی دلیل
اُٹھو۔ اُٹھ کے حاصل یہ نعمت کرو،

وصیّت کرو۔ ہاں وصیّت کرو

وصیّت ہے تقویٰ کی روحِ رواں
زمیں کو بنادیتی ہے آسماں

یہ ہے مسلک و مشربِ راستاں
شمولیّت اس میں بہ سُرعت کرو،

وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو

وصیّت تو جنّت کی دہلیز ہے
مسیحِ محمدؐ کی تجویز ہے

یہ وحیِ خفی سب کی سب نیز ہے
خدا و نبی کی اطاعت کرو

وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو

وصیّت ہے خُلدِ بریں کی سَند
بناتی ہے ایماں کو مُستَند
نہ غفلت اَزیں موسمنے میکند
حصولِ سعادت بہ ہمّت کرو
وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو

وصیّت ہے ترکہ کا آمد کا عَشر
پئے دینِ اسلام وحق دینا عشر
جو سوچو تو کچھ بھی نہیں ہوتا عشر
سبھی مل کے اکمل اشاعت کرو
وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو

جو تحریک ہمدید فرمائی ہے
وصیّت کی تائید فرمائی ہے
یہ اسلام کی عید فرمائی ہے
اسے جلد لانے میں سبقت کرو
وصیّت کرو ہاں وصیّت کرو (۱۲ر مارچ ۱۹۴۳ء)

غزواتُ النبیؐ میں
اِنَّکَ لَعَلیٰ خُلُقٍ عَظِیمٍ کا ظہور
دُعا کا اِنصرام

غزوۂ بدر کا ہے ذکرِ رسولِ اکرمؐ
تین سَو تیرہ صحابہؓ کو چلے کر کے بہم
حال یہ تھا کہ نہ تھا جنگ کا ساماں کافی
دُبلے پتلے مُتوکّل بخدا گنتی کم
اور دشمن کے سب افراد تھے ہر طرح سے لیس
اس پہ غرّہ تھا انہیں چار گنے ہاں ہیں ہم
ایک اَللہ پہ بھروسہ تھا مُسلمانوں کو
اور ہتھیار دُعاؤں کا توحّد کا علَم
کی دُعا پاک نبیؐ نے کہ یہ چھوٹا سا گروہ
گر فنا ہو گیا سَر ہو گئے اِن سب کے قلَم
کون پھر تیری عبادت کو بجا لائے گا
کس کو اسلام کی توحید کا یُوں ہو گا غم
دیر تک عجز سے رو رو کے دُعا کرتے رہے
گر گئی نیچے رِدا بے خودی کا تھا عالَم

بڑھ کے صدیقؓ نے کی عرض یہ کافی ہیں حضورؐ
پورا ہو کر رہے گا وعدۂ ربِّ اکرم
ناگہاں غیب سے نصرت کے فرشتے آئے
ظلمتِ کفر مٹی - نور فشاں بدرِ اُتم

(۲)

تنِ تنہا حملہ کا اقدام

مؤمنو! یاد کرو واقعۂ یومِ حُنین
جب ہُوا بعض کو یہ فخر بہت سے ہیں ہم
غلطی ہو گئی کچھ لوگوں سے قائم نہ رہے
لڑنے والوں کے بُری طرح سے اُکھڑے تھے قدم
بھاگے جاتے تھے سراسیمہ پریشاں ہُوئے
سُوجھتا بُوجھتا کچھ بھی نہ تھا پُشتیں ہُوئیں خم
جوش سے اپنی سواری کو بڑھا کر آگے
تنِ تنہا کہے جاتے تھے، رسُولِ اکرمؐ
مطّلب کا میں پسر یعنی ہُوں عاجز سا بشر
مگر اک بات ہے اللہ کا نبی ہُوں ہر دم
وحیِ حق سے ہُوں مشرّف کوئی جھوٹا نہیں میں
سرنگوں ہوگا نہ اسلام کا ہرگز پرچم
فتح حاصل ہُوئی کفّار پہ ہیبت چھائی
مؤمنوں پر تھا سکینت کا نزولِ پیہم
یہ شجاعت یہ بسالت یہ نمایاں جرأت
دیکھ کر رہ گئے سب دنگ کسانِ عالم

(۳)

غلبۂ تام کے باوجود اعلانِ عفوِ عام

فتحِ مکّہ میں ہُوئی کفر نے نیچا دیکھا
گونج اُٹھی نغمۂ توحید سے پھر ارضِ حرم
لشکرِ اسلام کا چھایا ہُوا تھا چاروں طرف
سب تہہ ہو گیا کفّار کا وُہ خیل و حشم
ہو گیا غلبۂ حق اور زھوقَ الباطِل
بُت پرستوں کی مدد کر نہ سکے اُن کے صنم
جب نظر آئی نہ کوئی بھی انھیں جائے پناہ
سرکشی جاتی رہی گردنیں سب کی ہُوئیں خم
سر جھکائے ہُوئے دربارِ نبیؐ میں آئے
اور کی عرض لجاجت سے کہ اے نیک شیم
آپ ہیں صادق و مصدوق کریمؐ بن کریم
سخت نادم ہیں اور آئے ہیں بامیدِ کرم
سُن کے فرمایا نبیؐ نے کہ خُدا کی ہے حمد
کامیابی اُسی نے بخشی ہے ورنہ کیا ہم

جاؤ آزاد ہو تم پر نہیں کوئی الزام
گرچہ تم لوگوں نے ڈھائے ہیں بہت جور و ستم

ان قصوروں کو تمہارے کرے اللہ معاف
رحم کرتے ہیں وہی پاک ہے بے شک ارحم

اور دکھلاؤ کہیں ایسی معافی کی نظیر
دشمنوں سے یہ سلوک آپؐ کا خلقِ اعظم

یہ خطاکار گنہ گار بھی بخشا جائے
یعنی اکملؔ کہ ہے ادنیٰ سا غلام صلعم

(مندرجہ الفضل نمبر ۷۰ جلد ۳۰ ۲۱ مارچ ۱۹۴۲ء)

تقریب شادیِ حبیبہ و مسعود

مبارک ہو مبارک ہو سرِ مسعود پر سہرا
رہے تاباں درخشاں چہرۂ مقصود پر سہرا

وفا کے باغ سے چن چن کے پھول الفت کے لائے ہیں
شہادت دے رہا ہے شاہد و مشہود پر سہرا

یہ رشتہ منسلک کر دے انہیں سلکِ تقدس میں
اثر روحانیت کا ڈالے ہست و بود پر سہرا

محبت باہمی بڑھتی چلی جائے چلی جائے
گواہی دے بالآخر عاقبتِ محمود پر سہرا

زمیں پر یہ صدا ہو آسماں سے بھی ندا آئے
مبارک ہو، مبارک ہو سرِ مسعود پر سہرا

کسی کی خانہ آبادی کو سہرا کہتے ہیں مہندی،
بداعت ہے، نہ بدعت۔ دال ہے ہر سود پر سہرا

خلوصِ دل سے اکملؔ دینِ احمدؐ پر رہیں شیدا
حبیبہ زینتِ خانہ۔ سرِ مسعود پر سہرا

(مصباح ۱۰ اپریل ۱۹۴۳ء)

وصایا النبیؐ

۶ مئی ۱۹۴۳ء کو عالمگیر میں ایک مضمون پڑھتے ہوئے چند منٹ میں

ظاہر و باطن میں ہو اخلاص ہی اپنا شعار
رنج و راحت میں نہ ہو دل کو کبھی کچھ انتشار

ہو غنا و فقر کی حالت میں عدل و اعتدال
اور سکون و عیش میں ہو معتدل ہر طرح حال

ظُلم کرنے والے پر کرنا نہ ظُلم و جبر تُم
اور خطا پر گر عطا ہو تو بَدی ہوتی ہے گُم

صِلہ رحمی اچھّی خُو ہے قطعِ رحمی ہے بُری
نَوعِ اِنساں سے رہے ہر وقت ہمدردی تری

نُطق میں ذکرِ خُدا تذکیرِ حق ہو بَرملا
اَور خموشی میں ہو شانِ فکر پیدا دائما

عِبرت اندوزی کیا کرتی ہی مؤمن کی نگاہ
صاف آتی ہی وصایا میں نظر جنّت کی راہ (مِصبَاح ۱۵ مئی ۱۹۴۳ء)

تبلیغ نامہ

(۲۹ر مارچ ۱۹۴۳ء کو چند منٹ میں لکھی)

ھربرٹ تھرسٹن نے پلز سینٹس میں لکھا
تھے پیل پائے شام میں ایسے ہزارہا

جن پر کہ راہبوں نے ڈیرا جما لیا
نظّارۂ نزولِ مسیحا کا شوق تھا

اُن میں سے اِک کا نام تو تھا سائمن صغیر
باشندہ مُلکِ شام کا وہموں میں مُبتلا

جا بیٹھا اِک منار پر اسکندریہ میں وُہ
ازبسکہ مُنتظر تھا نزولِ مسیح کا

مینار اِتنا تنگ کہ لیٹا نہ جا سکے
لیکن وُہ دُھن کا پکّا وَہیں چڑھ کے جم گیا

سَتّر برس گُذر گئے اِس حال میں اُسے
وُہ ٹکٹکی لگائے رہا جانبِ سما

ھر آرزُو کا اُس کی نتیجہ تھا انفعال
دِل میں لے کر ہزار ول حسرتیں مایُوس مرگیا

پھر سائمن کبیر بھی بیٹھا ستون پر
سینتیس ۲۷ سال مُضطرب و مُنتظر رہا

انطاکیہ میں دیکھے گئے سینکڑوں ستون
جن پر کہ بیٹھے رہتے کئی اَیسے پارسا

افسوس اِس اُمّید میں کاٹی تمام عُمر
اُترے گا آسمان سے مسیحائے مقتدا

پھر مُسلموں کو بھی غلطی یہ لگ گئی
حتّٰی کہ قادیان میں مامُور آگیا

سمجھایا اُس نے مسئلہ قرآنِ پاک سے
مریم کا بیٹا زندہ نہیں ہے وُہ مرچکا

جو مرگیا دوبارہ نہیں آئے گا کبھی
اُس کا بروز آئے گا البتّہ برملا

سو ئیں ہوں وہ بحکمِ خدا و رسولِ پاکؐ
اِسکے ثبوت رکھتا ہوں لوگو ہزارہا

چلاؤ چیخو پیٹو لو سر رگڑو ناک بھی
ہر گز فلک سے کوئی زمیں پر نہ آئے گا

ان راہبوں کے حال سے عبرت کا کام لو
اور ماں لو ہیں صادق و مصدوق میرزا

موعود مہدی اور مسیح محمدی
مستجمع جمیع کمالاتِ مصطفےٰ

جو آئے اور شان سے آکے چلے گئے
دینِ خدا کا غلبہ دکھایا ہے برملا

اب ہیں انہی کے حسن میں احسان بیں نظیر
محمود نام قدرتِ ثانی مہِ ھدیٰ

اللہ ان کا حافظ و ناصر مدام ہو
دشمن تباہ دوست جو ہیں شاد کام ہو

فیضِ کثیر پایا ہے اکمل نے مان کر
تو بھی عزیزِ من مرا نسخہ یہ آزما (فرقان ماہ مئی ۱۹۴۳ء)

بتقریبِ جلسہ مبارکبادی بر فتحِ اتحادی

خدا کے فضل نے پھر یاوری کی ہے الائز کی
کہ افریقہ شمالی میں اسے فتح نمایاں دی

بحمد اللہ کہ ٹیونس اور بزرٹا پر ہوئے قابض
نہ کچھ بھی پیش اسمیں جاسکی جرمن کی اٹلی کی

سویز و مصر پر غلبہ تو کیا پاتے کہ بالآخر
نظر آنے لگا مشکل بچانا مال و جاں کا بھی

گنوائے آدمی چھ لاکھ اپنے دشمنِ جاں نے
علاوہ اسکے ہاتھ آئے ہزاروں اسلحۂ جنگی

اب اٹلی والوں کو فکر اپنے گھر کی پڑ گئی یکسر
مدد کیا جرمنی دے گا اسکو بھی پڑی اپنی

بحیرہ روم پر اب اتحادی چھائے جاتے ہیں
مسولینی جسے کہتا تھا یہ تو جھیل ہے میری

اُدھر روسی دلاور بھی ڈٹے ہیں خوب میداں میں
نہیں کچھ کامیابی نازیوں کی اب نظر آتی

بڑھی جاتی ہیں فوجیں اتحادی تاکہ یورپ کو
چھڑائیں پنجۂ ہٹلر سے پھر لائیں وہ آزادی

رہا کھٹکا نہ ہندوستاں پر حملے کا اس جانب
ہزیمت یاب ہونگے دوسری جانب سے جاپانی

غرض رؤیا جو دیکھا حضرتِ فضلِ عمرؓ نے تھا
وہ پورا ہو گیا اوّل سے آخر تک بصد خوبی

اٹھائی آپ نے بندوق خود امداد کرنے کو
اشارہ تھا دعا سے فتح انگریزوں کو اب ہوگی

وہی رومیل جو آگے بڑھا جاتا تھا صحرا میں
ہٹا پیچھے یکایک، اور فوج اپنی تتبہ کرلی

یہ عقد ہمت روحانیہ کا اک کرشمہ ہے
مبارک وہ جو مانے معجزانہ نصرتِ ربی

ہوئے ہیں جمع شکرِ حق بجالانے کو جلسہ میں
کہ اُسکے فضل سے پائی ہے ہم نے یہ ظفرمندی

اور آئندہ بھی حق کے فضل پر موقوف ہے سب کچھ
دعاءِ احمدیت جاذبِ اسکی بیگماں ہوگی

تکبر والا سر نیچا ہمیشہ دیکھا کرتا ہے
تواضع سے ہلا کرتی ہے دنیا میں سرافرازی

آڑے وقتوں میں آتی ہے دعا ہی کام بندوں کے
ہزاروں بار دنیا نے صداقت آزما دیکھی

دعا لیکن ہو مردِ مؤمن و مقبول و مضطر کی
حضورِ احمدِ مرسل میں رکھے باریابی بھی

دعا پر ہے بھروسہ اکمل ناچیز و احقر کو
کہ میرے مہدئ موعود نے یہ بات فرمائی

مقیم حلقۂ ابرار روزے چند ہو جاؤ !
تو دیکھو ان آنکھوں سے یہ اعجاز مسیحائی

کہ جو مشکل نہ حل ہو سکتی تھی لاکھوں جتن کر کے
وہ اُن کی اک دعا سے ہوگئی ہے حل بآسانی

(الفضل ۱۲۶ جلد ۳۱ مورخہ ۲۹ ماہ مئی ۱۹۴۳ء)

غزل !

اللہ اللہ میرے دشتِ شوق کی پہنائیاں
جس میں گر گر کر اٹھیں میری شکستہ پائیاں

ہے وہ سرگرم تجلی بر سرِ بام آجکل
کوئی دیکھے آ کے حسنِ یار کی رعنائیاں

ایک ہی انگڑائی حسنِ محتجب نے لی ابھی
اور بتوں کی پڑگئیں پھیکی یہ بزم آرائیاں

دمبدم خبریں پہنچتی ہیں دیارِ یار کی
اے زمیں والو یہ ہیں میری فلک پیمائیاں

بات جو کہنی ہے کہہ دو آکے میرے کان میں
کب تلک ہوتی رہیں گی یہ حجاب آرائیاں

ہائے کب آئے گا حسبِ وعدہ روزِ وصلِ دوست
بڑھتی جاتی ہیں شبِ فرقت کی یہ تنہائیاں

اِس مئے کہنہ کا ساقی ۔ دیجئے اک اور جام
پھر دکھائی دیں گی کیفِ شوق کی گیرائیاں

اس مسیحا دَم کی مرہم سے ہو تو ہو اِندمال — دیدنی ہیں مرے دِل کے زخم کی گہرائیاں

اس درخشندہ جماعت میں ہے اکمل کا وجود
ٹھیک ایسے دُھوپ میں جیسے کہ ہوں پرچھائیاں

(الفضل جلد ۳۱ نمبر ۱۳۲ — ۷ جون ۱۹۴۳ء)

موجودہ حالات پر چند خیالات

ہم پر تری نگاہ جو پہلے تھی اَب نہیں — ہاں اِتنا جانتے ہیں کہ یہ بے سبب نہیں

سردارِ انبیاء تو مدفونِ خاک ہوں — عیسٰی فلک پہ زندہ ہو یہ کیا عجب نہیں

افلاک پہ فرشتے بھی ہیں بھیجتے درود — صرف آپ کے سلامی عجم اور عرب نہیں

پھولوں پہ پھولی بیٹھی ہے گلزار میں ہزار — گلفام میرا دیکھ تو کیا مُنتخب نہیں

ہر مُلک میں مُبلّغِ اسلام جاچکا — کیا منہمک بہ فسق عدُو سب کے سب نہیں

کُچھ نیک کام کر کہ ترے کام آئیگا — دُنیا میں دیرپا کبھی عیش و طرب نہیں

بُغض و عناد رکھتا ہے جو پاکباز سے — اِنکار کون کرتا ہے وُہ بُو لہب نہیں

شب بھر تڑپ تڑپ کے کسی کے فراق میں — وُہ کونسی سحر ہے کہ مَیں جاں بلب نہیں

فرسُودہ ہڈیوں پہ الٰہی تُو رحم کر — اَب تو اُٹھائے جاتے یہ رنج و تعب نہیں

دِل مُضمحِل ۔ دِماغ پراگندہ ہو چلا — شرحِ بیانِ غم کی رہی تاب و تب نہیں

وُہ روز ۔ روز کیا ۔ کہ نہ ہو شمس نُور بار — جسمیں ضیاءِ مَہ نہ ہو وُہ شب بھی شب نہیں

بڑھ بڑھ کے اِسلئے نہیں لیتے بلائیں ہم — کہدے نہ کوئی حُسن کا پاسِ ادب نہیں

مایوس مُشکلات میں اکمل ہو کس لئے
کیا میرا کارسازِ حقیقی وُہ رَبّ نہیں

(مطبوعہ الفضل نمبر ۱۴۴ جلد ۳۱ مورخہ ۲۰ جون ۱۹۴۳ء)

فریضۂ جماعت

احمدیّت کی حفاظت

کبھی ہونے نہ پائے سرنگوں یہ احمدی جھنڈا
کہ شرق و غرب کا ہے رہنموں یہ احمدی جھنڈا

اسی کے زیر سایہ امن حاصل ہونیوالا ہے
کہ ہے روحانیت کا اک ستوں یہ احمدی جھنڈا

بنایا وحی و الہامات کی تاروں سے قدرت نے
ہے نغماتِ بقا کا ارغنوں یہ احمدی جھنڈا

بڑھے جاؤ بڑھے جاؤ کہ مالکِ دل تمہارا ہے
نہ رہنے پائے سرحد سے بروں یہ احمدی جھنڈا

بہادر وہ ہے جو ہمّت نہ ہارے زخم کھا کر بھی
نہ ہونے دے کسی سے سرنگوں یہ احمدی جھنڈا

نظر آتا نہیں شہتیر اُنکو اپنی آنکھوں کا
کھٹکتا ہے بچشمِ ہر زبوں یہ احمدی جھنڈا

ہے کیا؟ اقوامِ عالم میں ہے کن برکات کا حامل
نہیں پہچانتی دُنیائے دُوں یہ احمدی جھنڈا

سراپا ناطقِ حق۔ ناشرِ صدق و ہدایت ہے
عبث کرتا نہیں چون و چگوں یہ احمدی جھنڈا

ہزاروں انقلاب آئیں ازل سے یہ مقدّر ہے
کہ لہراتا رہیگا جوں کا توں یہ احمدی جھنڈا

ہے لہرتا مگر اپنی جگہ سے ٹل نہیں جاتا
سکھاتا ہے ہمیں صبر و سکوں یہ احمدی جھنڈا

کئے جا آبیاری اشکِ پیہم سے کہ اے اکمل
بنے گا نخلِ پُر اثمار یُوں یہ احمدی جھنڈا

(الفضل ۲۷ جون ۱۹۴۳ء)

عیدگاہ میں

لسوڑے کے نیچے وہ عرفان پانا
ہدایات تبلیغ قرآن پانا

جلوہ داریِ حُسنِ نیرنگ دلبر
وہ جلوہ طرازیِ سُبحان پانا

مجھے کم نگاہی کے شکوے تھے اُن سے
خود آگاہی سے نورِ عرفان پانا

ہے آساں بہت جان پر کھیل جانا — مگر تجھ کو مشکل ہے اے جان پانا
سکھائی ہی کیا ترک لوئے ترک رعنا — اسے کہتے ہیں اصل نروان پانا
مجدّد تو آئے کئی ۔ ختم لیکن — ہوئی تجھ پہ نبیوں کی یہ شان پانا
مبارک تجھے صاف چٹیل سے میدان — خدا دوست صد ہا مسلمان پانا
دمِ وعظ جھڑتے ہیں کیا پھول منہ سے — ہے دامن میں گویا گلستان پانا
مبارک ہو اے عشقِ مضطر مبارک — تجھے حسن کی دید کی آن پانا
جہاں اُن کے جلوے جواں ہو رہے ہیں — وہیں میرا دل اور مری جان پانا
اگر تیری ہجرت اِلی اللہ ہو گی — یقینی ہے ہر ایک سامان پانا
مراغم کثیرہ ۔ سعت کا ذخیرہ — مقدّر ہے رزقِ فراوان پانا

بہشتِ بریں ہے مرے حق میں اکملؔ!
معارف سے پُر درسِ قرآن پانا (۲۴ر جون سنہ ۱۹۲۳ء)

سیّدۃ النساء ۔ اُمّ المؤمنینؓ

اے اُمّ المؤمنین! ہو تجھ پہ سلامِ حق — پہلو میں تیرے اُترا کیا ہے پیامِ حق
کیا وصف لکھ سکے یہ حقیر و فقیرِ قوم — تو خَلق و خُلق میں ہے نشانِ دوامِ حق
روزِ ازل سے تا بہ ابد کائنات میں — مخصوص ہے تیرے لئے دار السلامِ حق
قوموں کی ماں ہی اُن کی ترقی کی جاں ہی تو — جاری رہیگا تجھ سے یہ فیضانِ عامِ حق
آئندہ آنے والی خواتین مبارکہ — اور آئندہ ہونے والے ائمہ عظامِ حق
تیرے ہی دمِ قدم سے ہیں وابستہ سب کے سب — بھیجا کرینگے تجھ پہ درود و سلامِ حق

اُمید ہے کہ دل سے بھلایا نہ جائیگا
عاصی گناہ گار یہ اکملؔ غلامِ حق (مطبوعہ فرقانی جنوری سنہ ۱۹۴۳ء)

بیادِ صحابہ کبارِ امامِ کامگار

مست جامِ مئے توحید حقائق آگاہ
ہم سے بچھڑے ہیں بچھڑ جانے کا غم ہے ہم کو
یہی وہ لوگ ہیں جن میں ہے صحابہ کا رنگ
جب منادی کی صدا آئی تو لبیک کہا
ساتھ دیتے رہے ہر رنج و بلا میں حق کا
تھے محبت میں مسیحائے محمدؐ کی گداز
یاد آتے ہیں غلام احمدِ کرپا می بھی

واقفِ رازِ دروں میر عنایت علی شاہ
ہائے وہ صدق و صفا رنگِ وفا آہ صد آہ
دین پر مر مٹے دنیا پہ نہ کی کچھ بھی نگاہ
پاکبازوں کی نظر میں ہے توقف بھی گناہ
لغزش آئی نہ قدم میں کہ چلے سیدھی راہ
انہی کا ذکر تھا سب پر تو انہی پر تھی نگاہ
یَغْفِرُ اللّٰہُ لَھُم کی ہے دعا شام و پگاہ

خاکِ پا ایسے بزرگوں کی ہیں اکمل سی کئی
یا الٰہی ترے غفران کی سب کو ہے چاہ (الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۲۳ء)

خطبۂ جمعہ کا مفہوم

مژدہ صد مژدہ کہ ماہِ رمضان آیا ہے
سینکڑوں برکتیں مؤمن کے لئے لایا ہے
مولوی شیر علیؓ جو ہیں فرشتہ سیرت
آپ نے خطبے میں اس جمعہ کے فرمایا ہے
کمریں باندھ لو طاعاتِ الٰہی کے لئے
بارہا احمدِ مرسل نے یہ سمجھایا ہے
یہ مہینہ ہے مبارک سبھی روزے رکھو
اجر ہے اس کا خدا۔ قولِ نبیؐ آیا ہے
وہ کمی اپنی انہی باتوں سے پوری کر لے
رمضاں ساتھ ہیں انعام کئی لایا ہے
کوئی معذور ہو تو اس کے لئے اور بہت
نیکیاں ہیں جو بجا لانے کو فرمایا ہے
باجماعت ہوں ادا ساری نمازیں اپنی
حکمِ تبلیغ باندازِ جہاد آیا ہے
کذب و بہتاں سے بچو۔ غیبتِ انساں نہ کرو
لغو باتوں سے رکے رہنے کو فرمایا ہے

اور قرآن کو سمجھ سوچ کے پڑھنا دن رات — اجر اِس شئے کا احادیث میں بتلایا ہے
ہونے پائے نہ کہیں جھگڑا۔ لڑائی نہ فساد — لُطف۔ نرمی میں بزرگوں نے بہت پایا ہے
گرد و پیش اپنے۔ مساکین کے خبر گیر رہو — تجربہ ان کی تکالیف کا کروایا ہے
مؤمنوں کے لئے ہے اجرِ قیامِ رمضاں — اور دُعاؤں کا تو موسم ہی یہی آیا ہے
نفس کو رام کرو۔ رُوح کو غلبہ دے لو — صدقہ خیرات ہی اللہ کو بہت بھایا ہے
الغرض روزہ نہیں ہے تو لوازم نہ چھُٹیں — آجکل میکدے پر۔ ابرِ کرم چھایا ہے

جام پر جام دِئے جاتے ہیں اکمل پی لو
بزمِ اقدس کو مرے ساقیؑ نے گرمایا ہے (الفضل ۸ ستمبر ۱۹۴۳ء)

اصلاحِ نفس

اپنی حالت بہ ظاہر اچھی رکھ — فاش رازِ دلِ فگار نہ کر
یُوں نہ کلیاں مسلتے جا ظالم — جامۂ پاک تار تار نہ کر
خاک میں ایک دن سمانا ہے — اُونچے محلوں پر افتخار نہ کر
حق کہے جا کہ حق ترا حق ہے — بن کے منصور خوفِ دار نہ کر
صبر کا اجر مل رہیگا ضرور — اپنے دُکھ کو تو آشکار نہ کر
جام پر جام تو لنڈھائے جا — مست بن نفس ہوشیار نہ کر
یاد بیتے ہوئے دِنوں کی کیا — بُلبلِ زار کو نزار نہ کر

(۲ر ستمبر ۱۹۴۳ء)

درس القرآن فی رمضان

سُورۂ یٰسٓ اکثر پڑھتے ہیں مُسلم تمام — وِرد اِس کا کرتے رہتے ہیں ہزاروں صبح و شام
پھر تلاوت اِسکی عند الموت بھی کی جاتی ہے — جس سے ثابت ہے کہ ہے اسمیں کوئی رازِ دوام

اِک مثال اللہ نے اصحابِ قریہ کی جو دی،
پہلے دو مرسل خدا کے آئے تا دِکھلائیں راہ
کی گئی تکذیب دونوں کی تو از راہِ کرم
یعنی سیّدنا محمد مصطفیٰ جن کی طفیل
یا یہ سمجھیں موسیٰ و عیسیٰ تھے وُہ دو نو رسول
پھر بھی کچھ بدبخت ایسے تھے مکذّب ہی رہے
مُبتلا اپنی ہی کرتوتوں سے عذابوں میں ہوئے
جب ضلالت بڑھ کے تکذیبِ الرُسُل ہونے لگی
وُہ قری تھا زمانہ اَب تمدّن کا عروج
مَیں خدا کا ہُوں خُدا میرا ہے تُم بھی ساتھ دو
اس کی جدّ و جہد سے پھر غلبۂ اسلام ہے
ہے بہشتی مقبرے کا اِنتظامِ لازوال
بعد ہر اتمامِ حجّت کے معاند منکرین
اِن مکفّر اِن مکذّب لوگوں کا ہے یہ طریق
یاد رکھیں بُجھ کے رہ جائینگے شعلے بغض کے

تو یہ مکّے والوں ہی کو کی گئی تفہیم عام
یعنی ابراھیمؑ و اسماعیلؑ ان پر ہو سلام
حق نے بھیجا سب کمالوں کا ہی جس پہ اختتام
ہو گیا ہر طرح اعزازِ رسالت کا قیام
تیسرا بھیجا محمد مصطفیٰ خیرُ الانام
جو لگائے جا رہے ہیں مُرسلوں پر اِتّہام
سرکشی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے بالالتزام
تو مدینے سے رَجُل اُٹھا بسَعْیِ تیز گام
دُور مشرق سے اُٹھا ہے لے کے ربّانی پیام
تا کہ میری طرح مغفور ۱۳۲۶ھ و مکرّم ہوں تمام
اور بشارت جنت الفردوس کی پاتے ہیں عام
خود بھی جنت میں ملا ہے آپ کو اعلیٰ مقام
پا رہے ہیں اور پائیں گے سزائیں لاکلام
دِیدہ و دانستہ اِستہزاء سے لیتے ہیں کام
اور خاکستر بنے گا سازو سامانِ عظام

پیشگو قرآں ہے اکمل اذا ھُم خامدون
اور الہامِ مسیحا نھدِمُ مایعمرون (الفضل ۳۰ ستمبر ۱۹۴۳ء)

جذباتِ شوق

نہ بٹی مے نہ اُڑے ہوش نہ ساغر چھلکے
نُور کس جلوہ گہِ ناز سے آیا چھن کے

رہ گئے من ہی میں ارمان ہمارے من کے
جگمگا اُٹھے عجب طرح سے گوشے من کے

وہ پلائی مرے ساقی نے رحیقِ مختوم
کہ مٹے جتنے جھگڑے تھے شماؤمن کے

مری بیماری کا کچھ بھی نہیں جُز دیدہ علاج
رائیگاں ٹوٹکے ہیں برھمن و برمن کے

جذبۂ عشق سلامت ہے، تو دیکھو گے ابھی
آئینگے سبھی رُوٹھے ہُوئے ہم سی من کے

ذکر گن گن کے کیا بھی تو کیا کیا اے شیخ!
من سدھا رینگے نہ تسبیحِ ریا کے منکے

قادیاں دارالاماں ہی سے تسلّی ہوگی
اُن کی ہاں جو متلاشی ہیں کسی مامن کے

کیا کہا؟ چرخ پہ زندہ ہی ابھی تک عیسیٰؑ
جسمِ خاکی سے؟ یہ دھوکے ہیں ترے سرمن کے

جوشِ وحشت نے گریباں تو کر ڈالا چاک
پُرزے اُڑ جائینگے اِک روز مرے دامن کے

خود بخود اندر چلی جائے وہ نظر پیدا کر
شکوے بیکار ہیں اے دوست! کسی چلمن کے

بجلیاں کوندتی ہیں کوندیں مجھے کیا ڈر ہے
کہ فرشتے ہیں نگہبان مرے خرمن کے

یہ کرشمے ہیں ترے دستِ دُعا کے آقا
یاد ہیں بھولے نہیں نعرے ترے یامن کے

جنگ میں اپنی جو یُونہی رہی ثابت قدمی
ٹکڑے اُڑ جائینگے جاپان کے اور جرمن کے
(یعنی میں دیکھ رہا ہُوں)

تیز گامی رفقا کی ہے نظر میں اکمل!
شرم کے مارے ہیں پاؤں مرے نَو نو من کے

(الفضل جلد ۳۱ نمبر ۲۵۵ مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۳ء)

خلیفۂ چہارم کی وصیّت

علیؓ مرتضیٰ کی یہ وصیت رُوحِ ایماں ہے
عمل جو اس پہ کرتا ہے وہی سچا مسلماں ہے

نہیں کوئی شریک اَللّٰہ ہی معبود ہے سب کا
وُہی خالق وُہی رازق وُہی مسجود ہے سب کا

محمدؐ اُسکے بندے اور خاتم ہیں رسولوں کے
وُہی سردار ہیں سب اگلے پچھلے نیک بندوں کے

خدا کی طاعت اور انکی اطاعت دل سے کرتا رہ
شریعت سے قدم کے ڈگمگانے سے بھی ڈرتا رہ

ترا جینا ترا مرنا ہو سب اسلام کی خاطر
نہ اپنے نام اپنے کام اور آرام کی خاطر

یہ حبل اللہ ہے قرآں مضبوطی سے پکڑو تم
رہو آپس میں مل جُل کر رعونت سے نہ اکڑو تم

ملاپ آپس میں رکھنا فرض ہے ہر اک مصلّی کا — کہ مؤمن اس سے مہبط بنتا ہے حق کی تجلّی کا
بھلائی اپنے خویش و اقرباء ہمسائیوں سے دائم — غرض لوگوں سے ہمدردی کا رشتہ رہے قائم
مساکین و یتامی و ارامل کی خبر گیری — حفاظت۔ تربیت کرنا بصد اخلاص و دلجوئی
عمل بالخیر میں سبقت نہ کوئی تم سے لیجائے — کتاب و سنتِ حق پہ ہر اک ثابت قدم پائے
...... نماز پنجگانہ ہے ستونِ دیں رہے قائم — جو روزوں کا مہینہ آئے تو ہوں شوق سے صائم
زکوٰۃ اموال کی دینا ہے صد برکات کا موجب — خدا کی راہ میں انفاق ہے حسنات کا موجب
قیامت تک جہادٌ فی سبیل اللہ جاری ہے — بحسبِ اقتضاءِ وقت یہ اک فرض بھاری ہے
نہ غفلت امر بالمعروف سے ہونے کبھی پائے — مبادا غلبۂ اشرار پھر ملت میں ہو جائے
رکو ہر امرِ منکر سے۔ دعا کرتے رہو مولیٰ — چلا اپنی رضا کی راہ پر قائم رہے تقویٰ
تعاون نیکیوں پر او رہو پرہیز بدیوں سے، — یہی ہے مسلکِ ابرار اس دنیا میں صدیوں سے
دلِ مسلم میں ہو بے رغبتی اموالِ دنیا سے — جو فکرِ آخرت ہو پکڑے عبرت حالِ دنیا سے
خدا سے لو لگائے رکھ کہ اسکی ذات ہے باقی — جو اس کے ماسوا ہے وہ تو ہوگا ایک دن فانی

الٰہی خاتمہ بالخیر والایمان اکمل کا
جرسِ فریاد مے دارد کہ بربندد محمل ہا (مطبوعہ فرقان نومبر ۱۹۴۳ء)

خدام و انصار

قلوبِ خلق پہ سکّہ جمائیں ہم دونوں — خدا کا نقشِ اطاعت بٹھائیں ہم دونوں
درِ امام پہ ہر سر جھکائیں ہم دونوں — جو دور ہیں اُنہیں نزدیک لائیں ہم دونوں
تمام لوگ ہوں گرویدہ دینِ احمد کے — نمونہ بن کے کچھ ایسا دکھائیں ہم دونوں
ہر ایک قیس نظر آئے لیلیٰ دیں کا — سبق جنوں کا سب کو پڑھائیں ہم دونوں
ملی ہے ساقیٔ خمخانۂ محمدؐ سے — جو مے وہ خلقِ خدا کو پلائیں ہم دونوں

مقابلہ پہ جو آئیں مخالفین - اُن کو | مطیع - خُلقِ حَسَن سے بنائیں ہم دونوں
کیا ہے شعلۂ رُوحانیت نے لوہا گرم | اب اِس پہ زور سے چوٹیں لگائیں ہم دونوں
مُفید چیز بناکر بڑھائیں ہم رونق | یہ موقعہ ہے نہ یُونہی گنوائیں ہم دونوں
جو بیج بویا - تو - لازم ہے آبیاری بھی | کِھلا کے پھُول ثمر خُوب پائیں ہم دونوں
بہار یہ گلشنِ احمدؑ میں بے خزاں آئے | خدا کی حمد کے نغمات گائیں ہم دونوں
ستارے بن کے سماءِ ھُدیٰ پہ یُوں چمکیں | کہ بھُولے بھٹکوں کو رستہ دِکھائیں ہم دونوں
بہ فیضِ بدرِ رسالت وُہ نُور پھیلائیں، | کہ ذرّے ذرّے کو طُوری بنائیں ہم دونوں
یہ لوگ اپنی حکایاتِ دُنیوی بھُولیں، | فسانے دِلبرِ دِیں کے سُنائیں ہم دونوں
لگی ہے آگ ہَوا وُ ہَوس کی دُنیا میں | بہ آبِ صبر و قناعت بُجھائیں ہم دونوں
ہمارے چشمے سے سیراب ہوں تمام اقوام | ہر ایک بستی میں نہریں بہائیں ہم دونوں
نوشت و خواند سے بے بہرہ لوگ ہیں جتنے | سبق علُوم کا اُن کو پڑھائیں ہم دونوں
جو قومیں داخلِ اسلام ہونے والی ہیں، | اُنہیں مَسائلِ دینی سِکھائیں ہم دونوں
وُہی تمدّن و تہذیبِ قرونِ اُوْلیٰ کی، | جہاں میں قائم و جاری کرائیں ہم دونوں
وضاحت از سرِ نَو مذہبی مسائل کی | کریں کچھ ایسی کہ دِل میں بٹھائیں ہم دونوں
فرشتے مرحبا صد مرحبا پکاریں - جب | حضورِ خالقِ اکبر میں جائیں ہم دونوں

یہ التجا ہے غلامِ اِمامِ مہدیؑ کی
کہ اپنے آپ کو اکمل بنائیں ہم دونوں

(جلد ۳۱ نمبر ۲۷۸ الفضل ۲۶ نومبر ۱۹۴۳ء)

تتمہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۵۶ء کو

خلافت شہِ محمود مُصلح موعود | زمانے بھر میں عیاں کر دِکھائیں ہم انصار
بصد خلوص و محبت بہ شیوۂ عشاق، | درِ حبیب پہ دھُونی رمائیں ہم انصار
دُعاء عمر درازی و صحت کامِل، | وظیفہ اپنا دَوامی بنائیں ہم انصار

یوم پیشوایانِ مذاہب

پیشوایان مذاہب پر سلام
چاہیئے ان کا نہایت احترام

رام جی کرشنا محمدؐ مصطفٰے
عیسٰیؑ و موسٰیؑ رسولانِ عظام

اس زمانے میں گورو نانکؒ ولی
النّبی مرزا غلام احمدؑ امام

اپنی اپنی قوم کے ہیں رہنما
ان پہ صدہا رحمتیں لاکھوں سلام

آؤ ان کی۔ مل کے سب پوجا کریں
ایک ہوکر نیک بن جائیں تمام

اور وہ مذہب کریں ہم اختیار
جسمیں ہو توحید و شفقت بالعوام

ہر صداقت پائی جائے بالدّلیل
دے حیاتِ نو کا ہر عالم میں کام

اپنے مولیٰ سے ہو مستحکم نیاز
ہوسکیں اس کے ذریعے ہمکلام

اپنی اپنی روشنی لائیں سبھی
ہو ستاروں میں نمایاں بدرِ تام

امن و صلح و آشتی پھیلائیں ہم
ایک ہی جھنڈے تلے آجائیں ہم (مطبوعہ الفضل ۱۳؍ستمبر ۱۹۴۳ء)

سمندر پار احباب کی ترجمانیٔ جذبات

بہ قادیاں میں بعد از سلام کہہ دینا
پیامِ شوق بصد احترام کہہ دینا

دیارِ یار سے دور اوفتادہ ہیں۔ یاں پر
بلاؤں کا ہے بڑا ازدحام کہہ دینا

تڑپ رہے ہیں فراقِ حبیب میں دن رات
کسی کی یاد ہے شغلِ دوام کہہ دینا

نہ کوئی مونس و ہمدم بغیر ذاتِ الٰہ
گذر رہے ہیں عجب صبح و شام کہہ دینا

ہمارے اہل و عیال اور اُن کے صبر و شکر
کا حال پُوچھیں تو حمد و سلام کہہ دینا

وُہ نوجوان وُہ نیچی نگاہیں، وُہ بُوڑھے
ہے جن کے چہروں پہ نُورِ عظام کہہ دینا

نہ بھولتے ہیں نہ بھُولیں گے پاک نظّارے
گلی گلی ہیں وُہ دِینی نظام کہہ دینا

مگر ہے رُوح کو اِک تقویت دُعاؤں سے
انہی سے زخم کا ہے التیام کہہ دینا

ہمیشہ پیشِ نظر ہے فریضۂ تبلیغ
گواہ اِسکے ہیں سب خاص و عام کہہ دینا

گنوّاتے تھے جو غفلت میں اپنی سب اوقات
زباں پہ اُن کی ہے اللہ کا نام کہہ دینا

جو اپنی دَولت و حشمت پہ ناز کرتے تھے
خراب حال ہیں اَب صُبح و شام کہہ دینا

قلُوب ہو رہے ہیں نرم اَب پئے تسلیم
قبول ہو گا خُدا کا پیام کہہ دینا

اِک انقلاب طبائع پر آنے والا ہے
نئے نظام کا ہو گا قیام کہہ دینا

ہمارا فرض ہے اسلام کے اصُول ان سے،
بطرزِ دلکش و صد اہتمام کہہ دینا

خُدا کے فضل سے موجُود نوجواں ہیں کئی۔
اور اُن کے ساتھ صحابہ کرام کہہ دینا

یہ دِل کے جوش سے اُٹھیں اور اُٹھ کے پہنچائیں
سکھا چکا ہے جو ہم کو امام کہہ دینا

ہر ایک شہر میں میخانے کھول دیں اپنے
پلائیں پیاسوں کو بھر بھر کے جام کہہ دینا

ملائیں خلق کو خالق سے پھر کہ آیا تھا
اِسی لئے وُہ مسیحِ انام کہہ دینا

اِسی جناب کے انفاسِ رُوح پرور سے
مِلے گی سب کو حیاتِ دوام کہہ دینا

یہ ترجمانی تصوّر میں کی ہے اکملؔ نے
جو ہے مسیحؑ کا اَدنٰے غلام کہہ دینا

(مطبوعہ الفضل ۹ر دسمبر نمبر ۲۸۹ جلد ۳۱)

(۱۷ر نومبر ۱۹۴۳ء کو لکھی)

مسلمانوں کے لیڈر

مولوی عبدالکریم صاحبؓ

والۂ و شیدائے مہدی مولوی عبدالکریمؓ
نغز گو و نیک کردار و فصیح بے مثال
لحنِ داؤدی ہیں وہ قرآن خوانی آپ کی
ذکرِ حق ذکرِ رسولؐ و ذکرِ مہدیؑ کے سوا
فاش گفتاری و جرأتِ مومنانہ کا یہ حال
باوجود وسعتِ قلبی بہت نازک مزاج
بن کے مہدی کی زباں لکچر سنائے بارہا
"مظہرِ اسرارِ حق شُد" "بر صراطِ مستقیم"
مسئلہ اُن پہ کھلا جیسے نبوّت کا ہی حق
کم بزاید مادرے بااین صفا دُرِّ یتیم
ہی زباں پر کیوں نجاست اور پھر اتنی پسند
بوالعطا نے کی ہی فرمائش میں بھی کچھ لکھوں
یاد ہی وہ ہمّت افزائی مجھے ہاں یاد ہے

رحمتیں نازل ہزاروں اُن کی رُوحِ پاک پر
جان و دل سے تھے فدا اُس مُرسلِ لولاک پر
کپکپی سی ڈال دیتی ظالم و سفّاک پر
ناگوار سا گذرتا خاطرِ غمناک پر
آپ چھا جاتے تھے ہر اِک دشمنِ بے باک پر
بار سا ہو جاتا حرفِ غیر طبعِ پاک پر
حبّذا کہتے زمیں والے ملکِ افلاک پر
یہ ہُوا فیضانِ مہدی ایک مُشتِ خاک پر
مُعترض ہونا بُرا ہی آپ کے اِدراک پر
کیوں گرے پڑتے ہو نادانو خس و خاشاک پر
یُوں تو مکھی بیٹھنے دیتے نہیں ہو ناک پر
اِس لئے موتی نچھاور یہ کرے اُس پاک پر
وجد میں آ گئے تصنیفِ مُشتِ خاک پر

اے خدا بر تربتِ او ابرِ رحمتہا ببار
جانِ اکملؔ باد بر ہمچو کسانِ حق نثار (مطبوعہ فرقان دسمبر ۱۹۴۲ء)

سالِ نَو

یکم جنوری ۱۹۴۴ء مطابق یکم صلح ۱۳۲۳ ہش

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْہِ

مُبلّغینِ جماعت

حقائق سے مذہب کے واقفِ کماھی — نبیؐ کے فدائی۔ خدا کے سپاھی
جولاتے ہیں دشمن کے سر پر تباھی — وُہ دیکھو۔ وُہ دیکھو ادھر آرہے ہیں

مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

یہ قرآن سُنانے چلے جا رہے ہیں — یہ حکمت سکھانے چلے جارہے ہیں
رہِ حق بتانے چلے جا رہے ہیں — پیامِ خداوند پہنچا رہے ہیں

مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

مُسلّح سیُوفِ الٰہی سے ہر دَم — دُعاؤں کی لے کر سپر نکلے باہم
ذرا دیکھئے ان شجاعوں کے دَم خم — نمونہ یہ خدمت کا دِکھلا رہے ہیں

مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

جبیں پر نشاں۔ سجدہ ریزی کے دیکھو — اور ارمان پھر نور بیزی کے دیکھو
عجب نقش ذہنوں کی تیزی کے دیکھو — کہ ہر اُلجھن اپنی وُہ سلجھا رہے ہیں

مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

بغل میں ہے قرآن لب پر دُعائیں — ہدایت کے پھیلانے کی التجائیں
یہ کوشش کہ انساں کو حق سے مِلائیں — یہی ولولے ان کو تڑپا رہے ہیں

مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

فدا کار ہیں یہ شہِ دوسرا کے — دل و جاں سے ہو چکے ہیں خدا کے
یہ میکش ہیں خمخانہ میرزا کے — جو مئے پی رہے اوروں کو پلوا رہے ہیں
مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

خلافت کی برکات کا ہے کرشمہ — کہ جاری ہے فیضانِ احمدؐ کا چشمہ
لگائیں جو آنکھوں پہ رُوحانی چشمہ — تو دیکھیں کہ سب ہی اِدھر آ رہے ہیں
مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

اِلٰہی یہ خُدّام و انصار سارے — خُدا کی خُدائی ہیں اکمل کے پیارے
ضیا بخشِ عالم رہیں ماہ پارے — نورِ احمدیت کا پھیلا رہے ہیں
مرے بھائی تبلیغ کو جا رہے ہیں

(الفضل جلد ۳۲ نمبر ۱۳ مورخہ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۴ء)

سلام غلام بحضور مہدیٔ انام

سلام اُس پر کہ جو بنکر مسیحائے زماں آیا — سلام اُس پر جو ختم الانبیاؐ کی ہو کے شان آیا
سلام اُس پر۔ جو حلِّ معضلاتِ دین فرماتا — سلام اُس پر مواعظ سے جو رُوحِ خلق گرماتا
سلام اُس پر کہ ثابت جس نے کی ہے موت عیسیٰؑ کی — سلام اُس پر عیاں کمزوری جس نے کی کلیسا کی
سلام اُس پر جو گلزارِ محمدؐ پہ بہاراں تھا — سلام اُس پر معارف کا جو گویا ابرِ باراں تھا
سلام اُس پر سُجھائیں جس نے راہیں کامیابی کی — سلام اُس پر بشارت لایا جو اِنعامیابی کی
سلام اُس پر جو رُوحِ حق کا مظہر تھا زمانے میں — سلام اُس پہ جو شانِ ربِّ اکبر تھا زمانے میں
سلام اُس پر نظامِ نو کی جس نے طرح ڈالی — سلام اُس پر غریبوں کو دِلائی جس نے خوشحالی
سلام اُس پر دیا چیلنج جس نے کُل مذاہب کو — سلام اُس پر دِکھایا جس نے اِسلامی مراتب کو
سلام اُس پر جو جامع تھا کمالاتِ محمدؐ کا — سلام اُس پر جو عارف تھا مقاماتِ محمدؐ کا

سلام اُس پر بچایا جس نے اثمِ شرک و بدعت سے — سلام اُس پر ملایا جس نے انسانوں کو وحدت سے
سلام اُس پر نہایت سادہ جسکی زندگی دیکھی — سلام اُس پر کہ جس کے صدق میں پائندگی دیکھی
سلام اُس پر رکھی بنیاد جس نے الوصیّت کی — سلام اُس پر بشارت جس نے دلوائی جنّت کی
سلام اُس پر اور اُسکی آلِ اطہر پر دوامی ہو — سلام اُس پر نصیبِ دوستاں جسکی غلامی ہو
سلام اُس پر گڑھے سے جس نے ذلّت کے نکالا ہے — [1] ۱ سلام اُس پر جو منزل پر ہمیں پہنچانیوالا ہے
سلام اُس پر کہ جس نے آبروِ عورت کی قائم کی — ۲ سلام اُس پر کہ ہمدردی حمایت جس نے دائم کی
سلام اُس پر کہ جس کا مصلحِ موعود بیٹا ہے — ۳ مُبارک ہے مسیحی نفس سے مسعود بیٹا ہے
سلام اُس پر کہ جس کی پیشگوئی ہوگئی پوری — ۴ سلام اُس پر کہ جسکی حضرتِ حق میں ہے منظوری

سلام اُس پر بندھائی جس نے ڈھارس ہر نراسی کو
سلام اُس پر نوازا جس نے اکمل جیسے عاصی کو

(الفضل جلد ۳۲ نمبر ۱۹ صفحہ ۴ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۴۴ء)

مُصلحِ موعودؓ

مَیں اپنی دُعاؤں کا اثر دیکھ رہا ہوں — وہ رشکِ قمر بارِ دگر دیکھ رہا ہوں
احمدؐ کے گُلِستاں میں کِھلا ہے گُلِ رعنا — خوشبو سے دماغ اپنا جو تر دیکھ رہا ہوں
جو مہدیٔ موعود کو دِکھلایا گیا تھا — وہ سامنے جنّت کا ثمر دیکھ رہا ہوں
دو شنبہ مبارک ہے دو شنبہ کہ پس از دو — موعود سُوئم فضلِ عُمرؓ دیکھ رہا ہوں
اللہ تری قُدرتِ بے حد کے نشانات — بے شک و شبہ شام و سحر دیکھ رہا ہوں
یہ بڑھتا ہُوا شوق ہی میرا کہ جو منزل — تھی دُور بہت زیرِ نظر دیکھ رہا ہوں
تقدیرِ اُمم کھائیگی پلٹا کوئی دِن میں — پھر آج بہم شمس و قمر دیکھ رہا ہوں
اِک جام پلا کر مجھے سرمست بنا دے — اے مست نظر تیری نظر دیکھ رہا ہوں

---

[1] سلام چار شعر ۲۰ فروری کو ایزاد کئے۔ اکمل۔

جب بارگہِ حُسن میں جُھکنے کو نہ آئے
اُڑتے ہُوئے کٹتے ہُوئے سر دیکھ رہا ہُوں

فرعون کا بیڑا تو ہُوا چاہتا ہے غرق
مُوسیٰ کو بصد فتح و ظفر دیکھ رہا ہُوں

مغرب سے جو اُٹھے ہیں ملاحم کے شرارے
اِس شر میں بھی مَیں خیر البشر دیکھ رہا ہُوں

اب دیکھئے کب ہوتا ہے دیدار پُر انوار
مُدّت ہی سے مَیں جانبِ در دیکھ رہا ہُوں

تقدیر بدلنے کی ہے جو زبُوں حالیٔ اقوام
دیکھی نہیں جاتی ہے مگر دیکھ رہا ہُوں

ایّامِ سعید آئے مگر تجھ کو مَیں اکملؔ
کیا بات ہے باحالِ بتر دیکھ رہا ہُوں (مطبوعہ الفضل جلد ۳۲ نمبر ۳۶ مورخہ ۱۱ فروری ۱۹۴۴ء)

سیّدنا فضلِ عُمرؓ

تُم ظِلِّ رُسل ہو سیّدنا ۔ تُم فضلِ عُمرؓ ہو سیّدنا
تُم مُصلحِ کُل ہو سیّدنا ۔ نبیوں کے قمر ہو سیّدنا

محمُودِ جہاں ہو سیّدنا ۔ مسعُودِ زماں ہو سیّدنا
مقصُودِ شہاں ہو سیّدنا ۔ ممدُوحِ بشر ہو سیّدنا

تُم راہِ دیارِ احمد ہو ۔ تُم شاہ سوارِ احمد ہو
تُم رنگِ بہارِ احمد ہو ۔ جنّت کے ثمر ہو سیّدنا

ہو مُصلحِ دینِ اسلامی ۔ فرزندِ گرامی و اِکرامی
ہے سب کی غلامی بیدامی با حشمت و فر ہو سیّدنا

اِعلانِ حقیقت فرمایا ۔ محفل کو ہماری گرمایا
تھا شوق نے دِل کو برمایا ۔ کیونکر نہ اثر ہو سیّدنا

دو شنبہ مُبارک دو شنبہ ہم کہہ رہے ہیں یہ بے جُنبہ
دُشمن کا اُڑا ہے سب پنبہ با فتح و ظفر ہو سیّدنا

ہر تین کے چوتھے ہوتے ہو تخمِ صداقت بوتے ہو
یُوں داغ دِلوں کے دھوتے ہو بارانِ گہر ہو سیّدنا

ایمان سبھی ہم لائے ہیں ۔ رحمت کے نشاں سب پائے ہیں
انداز تمہارے بھائے ہیں اُلفت کی نظر ہو سیّدنا

اکملؓ کی گذارش دوبارہ یا ربّ ہو گُنہ سے چھٹکارہ
اب لاد چلا یہ بنجارہ ۔ آسان سفر ہو سیّدنا (الفضل ۶ فروری نمبر ۳۲ ۱۹۴۴ء)

پھر بہار آئی

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی
بارگاہِ حسن میں پھر دل کی منظوری ہوئی

پھر کھلا کوئی گلِ رعنا دیارِ شوق میں،
جس کی خوشبو سے دماغوں میں یہ کستوری ہوئی

پھر سحابِ فیضِ حق برسا زمینِ قلب پر
پھر نئے سر سے نمایاں تازہ انگوری ہوئی

پھر ستارہ صبح کا مشرق میں جلوہ گر ہوا
پھر فضاءِ کائناتِ عشقِ حق نوری ہوئی

پھر ہوئے سامانِ سرمستی مبارک مے کشو
از سرِ نو پھر ہری وہ شاخِ انگوری ہوئی

پھر ہوئے رخشندہ ذرّے ذرّے میں انوارِ حق
سرزمینِ قادیاں پھر رشکِ صد طوری ہوئی

پھر پرِ پرواز پروانوں کے ہیں سرگرمِ سوز
پھر فروزاں معرفت کی شمعِ کافوری ہوئی

پھر مسیحی نفس نے دکھلایا ہی دستِ شفا
دفع سب روحانی بیماروں کی رنجوری ہوئی

پھر قریب آ کر وہ دیدِ یار سے ہوں مستفید
جو سمجھتے تھے کہ ہم کو بزم سے دوری ہوئی

پھر لبِ ساقی پہ ہے رازِ دلِ ہشیار پور
انجمن آرا۔ دلبستاں میں وہ "مستوری" ہوئی

بادہ گلرنگِ عرفاں آگیا پھر جوش میں
مستیاں بٹنے لگیں ہشیار مخموری ہوئی

نغمہ پیرا پھر ہوا ہے عندلیبِ قادیاں
گلبنِ احمدؐ میں پھر پھولوں سے بھرپوری ہوئی

دیکھ لو مہدی کا فرزندِ گرامی ارجمند
حضرتِ حق میں دعا کی کیسی منظوری ہوئی

جلد جلد۔ اتنا بڑھا۔ ہے آج امامِ اقوام کا
قربِ وصلِ حق ہی آساں۔ دورِ مہجوری ہوئی

نصرتِ ناصر سے ہے منصور۔ شہرت دور دور
غیب سے جو بات بتلائی گئی۔ پوری ہوئی

وہ علومِ ظاہری و باطنی بخشے گئے،
جن سے حلِ ہر مشکلِ دیں معنوی صوری ہوئی

کون ہے بتلاؤ وہ محمود احمدؐ کے سوا
چار سو عالم میں جس کی نیک مشہوری ہوئی

سجدہ ہائے شکر اکملؔ کیوں نہ لائیں ہم بجا
پیشگوئی مصلحِ موعود کی پوری ہوئی!

(الفضل ۲۰ فروری خاص نمبر ۱۹۴۴ء
نمبر ۴۴ جلد ۳۲)

سیّدی مصلح موعود

خدا کا فضل اے فضلِ عمر وُہ مہ جبیں تم ہو ۔ نظیرِ حُسن و احسانِ مسیحِ مومنیں تم ہو

بہت اصلاحیں جاری کیں بہت سی اور بھی ہونگی ۔ کہ حسبِ پیشگوئی مصلحِ موعودِ دیں تم ہو

مُدبّر مُنتظم ضابط امیر و آمرِ مِلّت، ۔ مجسّم قُدرتِ ثانیٔ ربّ العالمیں تم ہو

لُٹائے ہیں حقائق کے خزانے آکے عالم میں ۔ بلاشک گنج بخش دولتِ رُوحُ الامیں تم ہو

ملے جو مال و جاں دیکر تو پھر بھی مُفت سودا ہے ۔ ہماری خوش نصیبی ہے عجب دُرِّ ثمیں تم ہو

اطاعت میں تمہاری ہو اطاعت اپنے مولیٰ کی ۔ مسیح الخلق کے دُنیا میں سچے جانشیں تم ہو

مبارک صد مبارک ہو کہ یہ یومِ سعید آیا ۔ ہُوا اعلان وُہ موعود بیٹا بالیقیں تم ہو

اندھیرا دُور ظلمت ہوگئی کافور آنکھوں سے ۔ بشارت دی خدا نے جسکی وُہ ماہِ مبیں تم ہو

مٹا کر شرک جو توحید قائم کرنے والا ہے ۔ بفیضِ مہدیٔ موعود حق یہ ہے تمہیں تم ہو

دُعا ہے احمدیّت کا جہاں میں بول بالا ہو

اور اس کا حامی و ناصر ہمیشہ حق تعالےٰ ہو (الفضل ۸ فروری ۱۹۴۴ء)

صحافی رفیق کی یاد میں[۱]

میرے شہید قوم کا ماتم خموش ہے ۔ اپنی زباں سے کچھ کہیں یہ کس کو ہوش ہے

راضی رضاءِ قادرِ مختار پر ہیں ہم ۔ آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اور دل میں جوش ہے

ٹوٹا عصاءِ پیر ۔ کٹھن منزلِ حیات! ۔ بارِ صد آرزو و تمنّا بدوش ہے

اللہ ہی اِس مسافرِ بے کس کا ہو نصیر ۔ جسکی زباں خموش ہے دِل میں خروش ہے

سوئی ہوئی صحافت خوش فکر دیکھ کر ۔ دِل میں جگر میں ٹیس سراسیمہ ہوش ہے

۱؎ محترم شیخ محمود احمد صاحب بن حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر اخبار الحکم۔

دُنیا مِری اُداس طبیعت نِراس ہے
سمجھے تھے جس کو پاس رہ دُور کوس ہے

اُنیس ۲۶ سنہ ۱۹ فروری کی المناک شب کی یاد
سوہانِ رُوح از پئے ہر بادہ نوش ہے

دُنیا میں زِندگی تِری دیکھی ہمہ عمل
یُوں ہوتے احمدی ہیں ندائے سروش ہے

گُل کار تھا زمینِ سُخن میں ترا قلم
گویا بِساطِ علم کفِ گُل فروش ہے

ہر دلعزیز مسلم و ہندو و سِکھ تھا تو
گو جانتے تھے غیرتِ دینی کا جوش ہے

اچھا مِلینگے حشر کے دِن رخصت اے رفیق
جنّت میں مُنتظر ترا اِنعامِ دوش ہے

دُنیا سرائے فانی ہے اِسمیں رہا ہے کون!
سُن لے وُہ جس کا گوش حقیقت نیوش ہے

ہم پر ہمیشہ لطف و کرم کی نگاہ رکھ
اَللہ! بیکسوں کا تُو ہی پردہ پوش ہے

شیدائے اہلِ بیتِ مسیحا تو چل بسا
اَب کِس سے حالِ دِل کہئے آکمل خموش ہے

(۲۳ فروری سنہ ۱۹۴۴ء)

دَورِ جدید

چو دَورِ خسروی آغاز کردند
مُسلماں را مُسلماں باز کردند

شہِ ما آمد از ابناءِ فارس
بنامِ خسروِش ممتاز کردند

سلیمانے است کز سلیمانیاں خاست
پئے اِسلام سرافراز کردند

درخشاں آفتابے ظِلّ احمدؐ
بہ انوارِ نبوّت ساز کردند

چو رُوپوشید اِسلامِ حقیقی
بنُورِ چہرہ اَش ابراز کردند

چو باز آوَرد قرآں از ثریّا
بایماں معرفت ہمراز کردند

خدا نا ترس بترسا مشرکانہ
مسیحا را بحق انباز کردند

پئے کسرِ صلیب و قتلِ خنزیر
مسیحِ احمدیؑ ممتاز کردند

مسیحے از یسُوعِ ناصرت بہ
بکارِ مِلّت و اعجاز کردند

بحجت قتل دجال شقی کرد — مسیح ما چہ قدر انداز کردند

ملائک بہر تعریفش ز باطن — بگوش عارفاں آواز کردند

ندائے غیب چو حسنش عیاں کرد — بدیدارش دل و جاں آز کردند

رخ پر نور او عشاق دیدہ — چو پروانہ سویش پرواز کردند

بروحانیت اے روح قدسی! — کمالات ہمہ احراز کردند

گلے بارنگ و بوئے ہر کمالے — بباغ احمدیت اعزاز کردند

گلستان نبوت در وجودت — پس از ختم الرسل ایجاز کردند

منم آں بلبل گلزار فیضت — کہ در از عشق بروے باز کردند

بہ گلشتان احمد بر لب جو — ترا پروردہ سرو ناز کردند

مرا چوں قمری کوکو نوازے — بمدحت گوئیت شہباز کردند

خوشا وقتے و خرم روزگارے — کہ پا بوسیم چو پا افراز کردند

پس او مصلح موعود محمود — پئے امداد سر فراز کردند

بہ اقصائے جہاں صیتش بلند است — بہر ملکے ورا اعزاز کردند

نہ انفاس مسیحی زندگی یاب — کسانے تا درش تگتاز کردند

اسیران ہوا و حرص دنیا — ز فیضش ترک فسق و آز کردند

بہر قومے مبلغہا فرستاد — منور اسم احمد باز کردند

چو حق آید ازو باطل گریزد — شکستہ ہر بت طناز کردند

قدومش انقلاب انداخت ہر سو — دگرگوں حال عالم ساز کردند

بشیر الدولہ و عالم کبابے — وبہر رنگے ورا ابراز کردند

نظیر حسن و احسان مسیحا — بخلق و خوبیش ممتاز کردند

مبارک ہست دو شنبہ مبارک — کہ فضلش بہ عمر آواز کردند

وجودِ او بفرزندانِ مہدی ... بہرسہ - چار بیں انداز کردند
فروغِ جلسۂ ہوشیارپوری ... گواہِ صدق چوں اعجاز کردند
بنازد خادمِ دیرینہ اکملؔ
بدورانش رسولاں ناز کردند

ظہورِ مصلح موعودؓ

سوچو جو مرد آنے کو تھا وہ تو آچکا! ... یہ راز تم کو شمس و قمر بھی بتا چکا
وہ شمس کون؟ پاک محمدؐ رسولِ حق ... ہستی ہے جن کی سب سے زیادہ قبولِ حق
بھیجا سلام اپنے مسیح الانام کو ... آقا نے یوں نوازا ہے اپنے غلام کو
فرمایا اُس کا نور تو میرا ہی نور ہے ... اس کا ظہور جب بھی ہو میرا ظہور ہے
جو مجھ کو مانتا ہے اُسے مانیگا ضرور ... اپنا مطاع از تہِ دل جانیگا ضرور
سورج نے دی گواہی سراجِ منیر ہے ... یعنی کسوف آیتِ ربِّ قدیر ہے
ظلمت میں اوج بدرِ نبوت یہی تو ہو ... اللہ کا نمونۂ قدرت یہی تو ہے
آیا ہی دین حق و ہدایت لئے ہوئے ... اِسلام کی حیات کا ساماں کئے ہوئے
تکمیلِ کار "یولد لہ" میں بتائی ہے ... تزویج کی بشارتِ کبریٰ سنائی ہے
پھر اِس قمر نے ہم کو بشارت سنائی یوں ... اِک چاند اور دیکھوگے گویا کہ میں ہی ہوں
احسان و حسن میں وہ ہمارا نظیر ہے ... اسلامی ارتقا کا جہاں میں بشیر ہے
بنیادِ سلسلہ سے ولادت ہے ایک ساتھ ... اسمیں خدا کی حکمتِ خاصہ کا جانو ہاتھ
روزِ جزا قریب ہے اور رہ بعید ہے ... ہر شب شبِ برات ہر روز عید ہے
خوشیاں مناؤ گیت وہ گاؤ جو سب ملک ... گاتے خوشی خوشی ہیں مسرت سے بر فلک
یاد آرہی ہیں اُن کی خدا سے دعا مجھے
اِک معجزہ دکھادے کہ عیسیٰ بنا مجھے

(فرقان میں چھپی اپریل مئی ۱۹۴۴ء کا رسالہ دیکھیں)

رُوداد شوق

الطافِ کریمانہ ترے یاد کریں گے
یُونہی دلِ ناشاد کو ہم شاد کریں گے

اَب دل میں یہ ٹھانی ہے کہ بے منّتِ احباب
اِک گوشۂ تنہائی کو آباد کریں گے

ٹُوٹے ہُوئے دِل کی یہ صدا کون سُنے گا؟
اب آپ ہی آپ ایسے ہی فریاد کریں گے

تُم بھول گئے! عہدِ مواسات و محبّت
ہم وُہ ہیں کہ ہر وقت تمھیں یاد کریں گے

دِین کے لئے اک پیسہ بھی دینا انہیں دُشوار
دُنیا کے لئے جو بھی ہو برباد کریں گے

ہر حال میں راضی برضا خوش بقضا ہیں
زِنہار کہ ہم شکوۂ بیداد کریں گے

بیعت کا یہ مطلب ہے دِل و جاں سے بصد شوق
تعمیلِ تقاضائے ہر ارشاد کریں گے

ہے شیوۂ مُسلم سَرِ تسلیم رہے خم
جو کُچھ بھی ہو۔ جیسا بھی ہو صاد کریں گے

معیارِ وفا اُونچا کریں، حکمِ خدا ہے
ایمان کو اِنفاق سے وَازدَاد[1] کریں گے

سب بار اُٹھائیں تو بنیں طَیرِ سماوی
پرواز بمنشاءِ شہِ ہاد کریں گے

بڑھتے ہی چلے جائینگے ہم آگے ہی آگے
جو کُفر کے وِیرانے ہیں آباد کریں گے

اے ساقیٔ خمخانۂ توحید تو لا
یہ دادو دہش تیری بہت یاد کریں گے

تنوّر سے انوار کا سیلاب رواں ہے
ہر تشنہ کو سیراب مئے ہاد کریں گے

ہر گام پر اِک سجدۂ قربانیٔ و ایثار
پھر زِندہ وُہی سُنّتِ سجّاد کریں گے

ہاں جُملہ شدائد کو ہیں تیار بہ اصرار
ہم پیرویٔ مسلکِ فرہاد کریں گے

ہر چیز سے ہے سِلسلہ کا امر مُقدّم
بے جا نہ رضا داریٔ افراد کریں گے

ہر عہد نباہینگے بجان و دِل و ایماں
ہم طرزِ وفا اَور ہی اِیجاد کریں گے

مسجِد کی یہ توسیع مبارک کہ ہے مژدہ
اَب جلد ہی افزائشِ تعداد کریں گے

---

[1] وَازدَادُوا اِیمَانًا ۔ الکل

مرکز ہے یہی اور بپا اس پہ نئی ایک ۔۔۔ مستقبل اقوام کی بنیاد کریں گے
نوّاب محمد علی خاں حجّتِ حق ہیں ۔۔۔ سب اُن کیلئے ادعیۃ الشاد کریں گے
محمود کہ ہیں مصلح موعود الٰہی
اکمل وہ اسارٰی کو اب آزاد کرینگے (مطبوعہ الفضل جلد ۳۲ مورخہ ۹ رجون نمبر ۱۳۴ ۱۹۴۴ء)

بارانِ رحمت

جب کہ صبح سے تین گھنٹے ۱۰ر جولائی ۱۹۴۴ء کو پہلی دفعہ خوب بارش ہوئی۔

آج برسا۔ خوب برسا۔ کھل کے برسا حبّذا ۔۔۔ کہہ رہے ہیں مسلم و ہندو و ترسا حبّذا
آسمانی پانی سے ملتی ہے سب کو زندگی ۔۔۔ کام دے سکتا نہیں کچھ ڈول چرسا حبّذا
خشک ہو جاتے ہیں کنوئیں بھی نہ بارش ہو اگر ۔۔۔ آسماں سے تب زمیں کہتی ہے برسا حبّذا
ابرِ رحمت کے برستے ہی بہار آجاتی ہے ۔۔۔ گویا کھل جاتا ہے فیضِ حق کا دَر سا حبّذا
بس یہی ہے تازہ وحیِ آسمانی کی مثال، ۔۔۔ لفظ لفظ اس کا ہے صد لعل و گہر سا حبّذا
زندگی بخش قلوب و مومنین و مومنات ۔۔۔ ورنہ انساں ہو فقط اک جانور سا حبّذا
جو ترقّی چاہتا ہے متّبع ہو وحی کا ۔۔۔ مقتدر ہو خواہ شاہِ بحر و بر سا حبّذا
سیّدِ اولادِ آدم ہیں محمّدؐ مصطفٰے ۔۔۔ جن نہیں سکتی کوئی ماں اس پسر سا حبّذا
آنچناں[۱] از خود جدا شد کز میاں افتاد میم ۔۔۔ اس لئے کوئی نہیں خیر البشرؐ سا حبّذا
بڑھنے سے روکا نہیں لیکن نہ بڑھتا پاؤ گے ۔۔۔ کوئی دکھلائے مجھے اس راہبرؐ سا حبّذا
اس زمانے میں خدا کا فضل پر یہ فضل ہے ۔۔۔ پئے بہ پئے بارانِ رحمت خوب برسا حبّذا
مہدئ موعود پھر یہ مصلحِ معہود ہیں ۔۔۔ خشک لب تا رہ نہ جائیں گبر و ترسا حبّذا
ان غلامانِ محمدؐ کی ہے یوں شان آشکار ۔۔۔ کر دیا حق نے جہاں[۲] زیر و زبر سا حبّذا

---

[۱] قربانی و ایثار - [۲] زور آور حملے موجودہ زلازل و جنگِ عظیم - اکمل

دُور ہو جاتی ہے ظلمت جس طرف ڈالیں نگاہ
رُوئے انور اُنکا ہے شمس و قمر ساحَبَّذا

اُن کے زیرِ سایہ آنے میں ہی دُنیا کی فلاح
خار بھی ہو جائیگا گُلہائے تر ساحَبَّذا

دید کے پیاسے ۔شرابِ وصل کے مشتاق ہیں
ساقیٔ خمخانہ وحدت! نہ تر ساحَبَّذا

بڑھتے جاؤ دم نہ لو اکملؔ برہنہ پا ہو گو
وُہ رہی منزل ۔سفر ہے رُوح فرسا حَبَّذا

(الفضل جلد ۱۲ نمبر ۶۹ مطبوعہ ۲۱ جنوری ۱۹۲۵ء)

ماہِ ظہُور

جماعتِ احمدی آگاہ ہو ماہِ ظہور آیا
پئے نشر و اشاعت پھر زمانِ پُر سرور آیا

وقوعہ ہے رسُولِ اللہؐ کے عہدِ مبارک کا
کہ بیرونِ عرب اِس ماہ میں پیغامِ حق بھیجا

اُلٹ جائیگا تختہ جلد ہرقل کی امارت کا
زمانہ آرہا ہے اب مُسلمانوں کی شوکت کا

جو پیغامِ نبوّت لے گیا بصریٰ میں حارث تھا
شہادت پائی یوں فضلِ خداوندی کا وارث تھا

مقامِ موتہ پر لشکر کشی کرنی پڑی آخر
مُصیبت دشمنوں کے واسطے تھی یہ کڑی آخر

صَحابہ تین سو تھے لشکرِ کُفّار کی کثرت
عَلَم بردار تھے زیدؓ بن حارثہ اِک جواں ہمت

شہادت ہو گئی اُنکی بڑھے اِبنِ اَبی طالبؓ
کہ جعفرؓ نام تھا اِیثار میں سب سے رہے غالب

نہ چھوڑا جاں ہیں جبتک کہ اُنکے جاں رہی جھنڈا
ازاں پس لے لیا اِبنِ رَواحہؓ نے وُہی جھنڈا

شہادت ہو گئی اُن کی تو خالدؓ حملہ آور تھے
ظفر پائی بفضلِ حق کہ اِک مردِ دلاور تھے

غرض نیچا نہیں ہونے دیا اسلام کا جھنڈا
ہمیشہ اِس طرح اُونچا رہا اسلام کا جھنڈا

مجاہد احمدی آگے بڑھیں نامِ خُدا لے کر
رضا حاصل کریں اللہ کی پھر مال و جاں دے کر

زباں پر کلمۂ طیّب دِلوں میں نُورِ ایماں ہو
مسیحائے محمدؐ کا ہر اِک میں حسن و احساں ہو

کریں حسبِ ہدایات خلافت خدمتِ دیں
نمونہ نیک دِکھلائیں ۔بڑھے گی عظمتِ دیں

نوا را تلخ تر مے زن چو ذوق نغمہ کم یابی
کہ لُطف افزاید ایں آہنگ وصلِ یار ہم یابی

حدی را تیز تر برخواں چو محمل را گراں بینی
بیک دو ساعتے اکملؔ تو منزل را عیاں بینی

(الفضل ۸؍اگست ۱۹۳۴ء جلد ۲۲ نمبر ۱۸)

غزل

میکشو مژدہ کہ ساون کا مہینہ آیا
اور ساقی بھی لئے ہاتھوں میں مینا آیا

کیا کہوں شیخ تجھے۔ سال تو اتنے کھائے
بات کرنے کا بھی اب تک نہ قرینہ آیا

مطمئن ہوں۔ گو خطرناک ہے طوفانِ ضلال
کہ بچانے کے لئے حق کا سفینہ آیا

ہم تو مر ہی چکے تھے شکر خداوندِ علا
اِک مسیحا نفسِ خلق سے جینا آیا

جاگزیں قلب میں کیونکر ہو کلامِ ہادی
تہ بہ تہ گوش پہ جب پردۂ کینہ آیا

رُعبِ فرقاں کا یہ حال ہے نام آتے ہی
اِسکے اعدا کو پسینے پہ پسینہ آیا

بُوالعطاء کیلئے بے شک ہے عطاءِ ربّی
اِسکے حصّے میں حقائق کا خزینہ آیا

وار کرنے کو بڑھا جب بھی شقی کوئی سا
بعدِ اخلاص یہ کھولے ہوئے سینہ آیا

خوش نصیبی ہے ہماری کہ پس از مہدئ خلق،
مُصلحِ حق بہ بشارات دوشینہ آیا

اکثر اوقات پلائی مجھے ساقی نے وہ مے
دن مزے سے کٹا اور لطفِ شبینہ آیا

کوئی تعداد مدارج کی نہیں ہے اکمل
ختم اِک زینہ ہُوا دُوسرا زینہ آیا

(مطبوعہ فرقان ماہ اگست ۱۹۴۴ء)

(۲)

"سلامت میکدہ یا ربّ سلامت پیرِ میخانہ"
خُدا کے بعد جو کچھ ہے مِرا وہ پیرِ میخانہ

پَرِ مُشتِ خاک سے اپنی منوں چاندی بناؤں گا
کبھی جو ہاتھ میرے آ گئی اکسیرِ میخانہ

الٰہی دانۂ انگور میں کیسی کشش ہے رکھدی
کھچی رہتی ہے میرے واسطے شمشیرِ میخانہ

پیالہ وہ بھی تو ٹوٹا ہُوا ہے اور مٹّی کا
یہی کچھ پاس میرے رہ گئی جاگیرِ میخانہ

کہاں تک خانقاہ و مدرسہ میں جستجو میری
کہ بندہ مدّتوں سے ہو چکا جاگیرِ میخانہ

کسی کو بے پئے رہنے نہ دیں سب مست ہو جائیں
بڑھائیں اس طرح سے احمدی توقیرِ میخانہ

خدا رکھے تمہیں تم ہو حسینانِ دو عالم میں
نگاہیں پڑتی ہیں تم پر کہ تم ہو پیرِ میخانہ

شبیہِ یار سینے سے لگائے رکھتا ہوں ہر دم
اور ان آنکھوں میں پھرتی رہتی ہے تصویرِ میخانہ

خدا یاد آئے سب کچھ بھول جائے شیخ تو سن لے
زبانِ قلقلِ مینا سے گر تکبیرِ میخانہ

گلِ رعنا کھلا ہے جب سے بستانِ محمدؐ میں
عجب خوشبو ہوئی رنگینیٔ تنویرِ میخانہ

نہ آئے کوئی بھی لیکن یہاں باری نہیں ملتی
وہ تھی تدبیر ملاّ نہ یہ ہے تقدیرِ میخانہ

چلو تلچھٹ ہی دیدو۔ دو مگر اپنے ہی ہاتھوں سے
نہیں ہو جائے گی کچھ اس طرح تحقیرِ میخانہ

اداسی ہی اداسی چھائی رہتی ہے جہاں ہر دم
وہیں پر رہتا ہے اکمل ترا دلگیرِ میخانہ

(الفضل ۲۰ اگست ۱۹۴۴ء نمبر ۱۹۵ جلد ۳۲)

پیامِ امید

کون مقبولِ خدا آیا ہے کوہِ طور سے
جگمگا اٹھے در و دیوار یکسر نور سے

کیا کوئی موسیٰ صفت آیا ہے کوہِ طور سے
کون منظورِ نظر آیا ہے راہِ دور سے

حسن اپنے جلوہ گاہِ ناز میں پھر دیکھ کر
شوق نے سجدے کئے صدہا دلِ مسرور سے

آگے بڑھ بڑھ کے بلائیں لیں وفورِ شوق میں
محتسب! اَلْعَفْو واقف تھے نہ ہم دستور سے

عارضِ روشن کے پرتو سے دلِ تاریک میں
اک اجالا سا نظر آنے لگا ہے دور سے

ہاتھ آیا چاہتی ہے کامیابی کی کلید
قفل کھل جانے کو ہے گنجینۂ مستور سے

زندگی کے دور پر اک انقلاب آنے کو ہے
کیا سے کیا ہو جائینگے فیضِ شہِ گنجور سے

شمس طالع ہونیوالا ہے بتاتی ہے شفق
دل نہ گھبرائے ملاحم کی شبِ دیجور سے

فضل و صدیق و نذیر و رحمت و صادق شریف
شمس و رمضان و مطیع اللہ کے[1] منصور سے

سب مبلغ سب مبشر یاد ہیں بھولے نہیں
ہم دعا گو ہیں مظفر ہو کے آئیں دور سے

---

[1] یعنی جیسے - اکمل

حق بڑھے۔ باطل مٹے اسلام کا سکہ چلے — جو سنا پورا ہو یا رب حضرت مبرور سے
ساقیٔ میخانۂ وحدت کا فیض عام ہے — بے نوا ہم ایسے بھی ہیں بیخود و مخمور سے
ایک ہلچل سی نظر آتی ھے سب اقوام میں — زندہ مردے ہو گئے ہیں کس کے نفخ صور سے
روز و شب رنج و تعب سے جاں بلب ہوں بے سبب
حال دل کیا پوچھتے ہو اکمل رنجور سے

{الفضل نمبر ۲۴۱ جلد ۳۲ مورخہ ۱۴ اکتوبر}

افکار پریشان

ہم نے اے مہدیٔ دوراں تجھے پہچان لیا — اور پہچان کے پھر مان لیا مان لیا
تیری ہی ذات مقدس سے ھے دنیا آباد — ہم نے اس عالم امکاں کو بہت چھان لیا
قادیاں دار اماں مسکن و مدفن ہو گا — آج سے ہم نے یہی جی میں ھے بس ٹھان لیا
یہ سلیمان کا ہے دور زمانے کے طور — ہم نے دیکھے جو بغور اسوۂ سلیمان لیا
قرن اول کا جو منظر تھا وہی جب دیکھا — کس ادب سے قدم صاحب اقران لیا
لاکھ ہوں اپنی نگاہوں میں وہی ہے ساقی — جس سے یک جرعۂ جام مئے عرفان لیا
سرخروئی اسے حاصل ہوئی بے منت خلق — جس نے ان ہاتھوں سے عرفان کا اک پان لیا!
مسئلے جتنے سمجھتے تھے کہ ہیں لاینحل — حل ہوئے جب سے خریداری میں فرقان لیا
جرمنی کا تو زوال آپ ہیں سب دیکھ رہے — کوئی دن جاتا ہے سن لوگے کہ جاپان لیا
سب نشانات سے ظاہر ہے کہ مصلح موعود — یہی محمود زمن ھے جسے پہچان لیا
عقل خود کام نے کچھ کام نہ کر دکھلایا — اس لئے ہم نے جنوں اب ترا دامان لیا
شان خدام و رفیقان خلافت دیکھی — ان سے اسلام ترقی کریگا مان لیا
جس پہ حق چاہے عطایا کی نوازش کر دے — حاسدوں نے نہ بجز سوز دروں دان لیا
عمر اس دیر مکافات میں گذری بے سود — نفع کے بدلے میں ھر طرح سے نقصان لیا
کوس رحلت تو ھے بجنے کو مگر اے اکمل — تو نے عقبیٰ کے لئے کچھ بھی نہ سامان کیا

(فرقان ستمبر اکتوبر صفحہ ۶، ۱۹۴۳ء)

تعلیم النبیؐ

سات باتیں حکمت کی!

محمد مصطفےٰ کی شان دُنیا سے نرالی ہے
نبوّت کی ولایت کا وُہ خاتم اور والی ہے

ابوذر کی روایت ہے، رسُول پاکؐ نے مجھ کو
یہ باتیں سات حکمت کی بتائیں دوستو! سُن لو

غریبوں سے محبّت اور اُن کو پاس بٹھلاؤں
بڑھاؤں اُن کی ہمّت ہر طرح امداد پہنچاؤں

نظر میں اپنے سے خوش حال لوگوں کو نہ لاؤں مَیں
نہ اُنکی فارغ البالی پہ پیچ و تاب کھاؤں مَیں

خلاف اِس کے مَیں دیکھوں بے کسوں کا حال عبرت سے
بجا لا کر خدا کا شکر خوش ہُوں اُس کی رحمت سے

قرابت والوں سے اُنس و محبّت فرض جانوں مَیں
بنی آدم کو اپنا بھائی اپنا جزو مانوں مَیں

جو مجھ سے دشمنی کرتا ہو اُس سے پیار ہو میرا
کہ نادم ہو کے صدقِ دل سے اِک دن یار ہو میرا

ضرورت پر نہ مانگوں مَیں کسی سے چیز کوئی بھی
کہ یہ عادت بُری ہے کام لاؤں اپنی ہمّت ہی

صداقت پہ رہوں قائم جو بولوں میں تو سچ بولوں
مگر اِس کا نہیں مطلب کہ پردے راز کے کھولوں

بڑی اخلاقی جرأت ہو نہ دل میں خوف کچھ بھی ہو
ہمیشہ کارساز اپنا مَیں سمجھوں اپنے مولیٰ کو

امیدیں ساری وابستہ ہوں پیدا کرنیوالے سے،
کہ خوش ہوتا ہے اپنی ذات ہی سے ڈرنیوالے سے

بدی سے رکنے کی نیکی کے کرنے کی جو طاقت ہے
طلب اللہ سے کرتا رہوں اسمیں سعادت ہے

دُعاء کرتا ہُوں آخر میں کہ حق کا بول بالا ہو
عمل اکمل بھی اِن باتوں پہ یارب کرنیوالا ہو

ساقیٔ کوثر کے حضور میں

محمد مصطفےٰ پہ جان ہو قربان اکمل کی
کہ یہ ہستی ہے ہادیٔ انس و جانِ اعلیٰ و اسفل کی

پلا ساقی - پلا ساقی کہ تشنہ کام ہیں مے کش
جو تُند و تیز ہو بے شک مگر پہلے ذرا ہلکی

پلائے جب پلائے جا ہمیں بے خود بنائے جا
نظر آتی ہے ساغر میں شبیہِ یار کی جھلکی

ہے مدہوشی میں سرجوشی نہیں ہے عافیت کوشی
کہ رُوحوں نے بھر بیری لی جو پیمانے سے کچھ چھلکی

گھٹائیں چھارہی ہیں جلد ہو سامان مے نوشی
مرے ساقی! ابر ہے ساقی عطا ہو بس وُہی کل کی

ابھی آنکھوں میں دم ہے اور دل میں جوش پیہم ہے
بڑھاپا آگیا لیکن جوانی بھی نہیں ڈھلکی

تڑپتے ہیں ہزاروں سجدہ ہائے شوق ماتھے میں
تری چوکھٹ ہے مسجودِ خلائق روزِ اوّل کی

بہت کچھ تم نے دیکھا اور دیکھو گے ابھی قلعی
عزاءِ مذہبی میں کھلتی ہی کشمکش کے کس بل کی

اسی میں زندگی میری - یہی ہے بندگی میری
محمد مصطفےٰ پر جان ہو قربان اکمل کی

(الفضل ۸ نومبر ۱۹۴۴ء)

دردِ دل

درد تو موجود ہے دل میں دوا ہو یا نہ ہو
تم مسیحا ہو مرے - مجھ کو شفا ہو یا نہ ہو

خوبیٔ قسمت شریکِ بزمِ مہدیؑ کر چکی
مرضیٔ مولیٰ ہی اب کوئی صلہ ہو یا نہ ہو

ہم گنہ گاروں کی خاطر ہے درِ توبہ تو باز
اس جہاں میں اور کوئی در کھلا ہو یا نہ ہو

یہ ملاحم یہ مفاسد اس زمانے میں ہیں سوچ
خالقِ اکبر سے کوئی رہنما ہو یا نہ ہو

دیکھ کر سب صورتِ حالات بتلا محتسب!
اس خرامِ ناز سے محشر بپا ہو یا نہ ہو

دُنیاداروں کا ہے مسلک اور دینداروں کا اور
اب کہو اک عبدِ حق ان سے جُدا ہو یا نہ ہو

چلتے ہیں خُونابۂ دل ہی وضو ساز ہوئے
دیکھئے اب بھی نمازِ شوق ادا ہو یا نہ ہو

ذکرِ پاکِ حضرتِ ختم الرسلؐ پر بھی فساد
غیرتِ ربّی کو یہ بھڑکا رہا ہو یا نہ ہو

یُوسفِ گُم گشتہ کی صد شکر آئی ہے خبر
شاد اسیر کیا دلِ ہر مبتلا ہو یا نہ ہو

مُصلحِ موعود کی لایا بشارت ہے یہ سال
جلسۂ سالانہ بھی رونق افزا ہو یا نہ ہو

ایک اُن کے چاکروں میں خاکسار اکمل بھی ہے
یاد فرمایا اسے وقتِ دُعا ہو یا نہ ہو

(۱۹ نومبر ۱۹۴۴ء)

عیدِ قرباں

وہ آئی عیدِ قرباں مؤمنو! تیار ہو جاؤ　بہ بذلِ مال و جاں اِک پیکرِ ایثار ہو جاؤ

خلیل اللہ کی سنّت تازہ کرنے کو۔ کمر بستہ　پئے تعمیلِ حکمِ حاکمِ دادار ہو جاؤ

تمہیں اے تاجرو! صنّاعو!! مزدورو!!! مرا مولیٰ　بلاتا ہے کہ سب خدّام یا انصار ہو جاؤ

بوقفِ جائیداد و نظم و ضبط و خدمتِ دینی　ثمر اندوز نعمتہائے عقبیٰ الدّار ہو جاؤ

سلوکِ باہمی صدق و دیانت اور محنت سے　نمونہ ایسا دکھلاؤ کہ اک معیار ہو جاؤ

تمہارے پاس جو کچھ ہے لگا دو راہِ مولیٰ میں　فقیرِ بے نوا بن کر شہِ دربار ہو جاؤ

سرِ دار آ کے اپنی موت سے اک زندگی پاؤ　سہولت سے ابد تک قوم کے سردار ہو جاؤ

ہزاروں راکھ خاکستر کے ہر ذرّے سے پیدا ہوں　جلا کر رختِ ہستی اپنا موسیقار ہو جاؤ

صدف بن کر سمیٹو قطرہ ہائے آبِ رحمت کو　پھر آب و تاب پا کر گوہرِ شاہوار ہو جاؤ

ابھی تو دور ہے منزل بڑھے جاؤ بڑھے جاؤ　نشانِ نقشِ پا دیکھو سبک رفتار ہو جاؤ

اگر ہو بحرِ بے پایاں جو ساحل ہی نہیں ملتا　ہوائے شوق بھر کے سر میں یکدم پار ہو جاؤ

بفیضِ ساقیٔ وحدت مئے گلرنگ عرفانی　پیو بھی اور پلاؤ بھی کہ سب سرشار ہو جاؤ

خلش کانٹوں کی پاؤں تیز کر دے اور بھی اکمل
گلِ صد برگ بن کر اُس گلے کا ہار ہو جاؤ

{ ۲۲ نومبر ۱۹۴۴ء — الفضل نمبر ۲۷۵ جلد ۳۲ }

مبارک مسجدِ فضلِ احمدیہ ہے

مبارک صد مبارک بن گئی ہے حبّذا مسجد　ٹبورا مشرقی افریقہ میں کیا خوشنما مسجد

عبادت گاہِ اسلامی۔ ہدایت گاہِ اقوامی　بہ مشرق و غرب میں نامی ہماری رہنما مسجد

یہ مسجد فضل - عہدِ فضل میں - فضلِ الٰہی سے
مبارک ہاتھوں سے تکمیل پائی ہے مبارک ہو
محمد مصطفٰے جو خاتمِ فضلِ رسالت ہیں
الٰہی تا ابد آباد رکھیو پاکبازوں سے

بنے گی مرکزِ اسلام احمدِ مجتبٰی مسجد
صدا اللّٰہُ اکبر کی سنائے گی سدا مسجد
صلوٰۃ اللہ پہنچائے گی ان پر بارہا مسجد
جماعتِ احمدی نے کوششوں سے کی بنا مسجد

۱۳۰۳ش ۱۳۴۳ھ
"مبارک مسجد فضل احمدیہ ہے" ٹھورا ہیں!
لکھا اکملؓ نے یہ سال بناءِ دلکشا مسجد

(الفضل ۵ جنوری ۱۹۲۴ء جلد ۱۲ نمبر ۸۰)

تکمیل نظم عید قربانی

خدا کے فضل سے پھر آگئی ہے عید قربانی
نہ ماتھے پر ہی بل آیا - نہ دل میں کچھ خلل آیا
ہوا خنجر بکف آبا - سرِ تسلیم خم بیٹا -
اطاعت اسکو کہتے ہیں، وفاداری یہ ہوتی ہے
خدا کا حکم جو بھی ہو، دل و جاں سے بجا لاؤ

وہ قربانی کہ جسکی قدر ابراہیمؑ نے جانی
چھری رکھدی گلے پر اپنے بیٹے کے بہ آسانی
خدا کی بات دونوں نے بشرحِ صدر جھٹ مانی
کیا کرتے ہیں یوں تعمیل ارشاداتِ ربانی
اسی کا نام ہے پیارو - حقیقت میں مسلمانی

یہ دورِ ثانی تحریک ہے پیغامِ ربانی
جبینِ عجز رکھد و طیبِ خاطر سے بصد عجلت
بڑی مشکل سے ایسے موقعے پھر ہاتھ آتے ہیں
خریدیں نقد جاں دے کر تو پھر بھی نفع ہے یکسر
نظرِ دلدار کی مٹی کو بھی سونا بناتی ہے
پلا دے ساقیٔ مہوش - ہمیں بھی وہ بادہ دلکش
بپا اک حشر ہو جائے - جو مر دے ہیں وہ جی اٹھیں

بڑھو آگے - بجا لاؤ - ہوا جو حکمِ سلطانی
کہ یہ دنیا بھی فانی اور اس کا مال بھی فانی
نصیبِ دوستاں بادا حیاتِ جاودان یابی
کہ قسمت ہی سے یوں ہوگی مئے عرفاں کی ارزانی
ہوس نے نہ اسکی قدر بدبختی سے کچھ جانی
کہ جس سے تیرے سب میکش چلیں وہ چال مستانی
زباں پر کلمۂ طیب دلوں میں نورِ ایمانی

مسیح احمدی کا پرچم توحید لہرائے | لواءِ حمد تھامے مُصلحِ موعود ربّانی
رفیقانِ جواں ہمّت، ترانے فتح کے گائیں
اور اُن میں ہو یہ اکملؔ بھی غلامِ احمدِ ثانی

(یوم عید الاضحیٰ ۲۰ نومبر ۱۹۴۲ء) (منقول از الفضل ۲۴ نومبر ۱۹۴۲ء نمبر ۲۸۹ جلد ۳۲)

سہرا

میاں عبّاس احمد بن حضرت نواب محمد عبداللہ خان صاحبؓ

سَر ابنائے امامت پہ ہے اچھا لگتا سہرا
حق نے بخشا ہے انہیں مجد و علا کا سہرا

یادگارِ امۃ الحیؓ کا ہے دیکھا سہرا
نُور کے سانچے میں ڈھلتا ہُوا پایا سہرا

ہو مبارک یہ خلیل اور حفیظ احمد کو سہرا
علمِ دین و عملِ نیک کا زیبا سہرا

خدمتِ دیں کے لئے وقف جوانی جو کرے
کامیابی کا اُسی سر پہ بندھے گا سہرا

دیکھ کر شوکتِ اسلام کے دُولھا کی برات
احمدی لائے ہیں اخلاص و وفا کا سہرا

خُوب تبلیغ و اشاعت سے اسے دیجے فروغ
کہ نہ اِس سہرے سے بڑھ کر کوئی ہوگا سہرا

آج اسلام کے مُحی ہیں رجالِ فارس
لائیے اِن کے لئے عقدِ ثریّا سہرا

یا الٰہی ہو مبارک یہ قرانُ السَّعدین
اقربا و پدر و مادرِ یکتا سہرا

آل و اولادِ مسیحائے محمدؐ کے حضور
پیش اکملؔ سے ہے گلہائے ثنا کا سہرا

(۲)

امرت بُوٹی

ہم بتاتے ہیں تمہیں کیسی ہے امرت بُوٹی
دُور کمزوری کو کر دیتی ہے امرت بُوٹی

ضعفِ جسمانی و اعصابی دِماغی ہو کوئی
دُور ہو جاتا ہے ہاں ایسی ہے امرت بُوٹی

گر کمی خون میں ہو معدہ میں خلل ضعفِ جگر
اِن عوارض کی دُور حکمی ہے اَمرت بُوٹی

دِل کے امراض کا ہر طرح مجرّب ہے علاج!
اور مُقوِّی سبھی اعضا کی ہے امرت بُوٹی

مضمحل رہتی تھکاوٹ سے طبیعت ہو اگر
دافعِ رنج و تعب ہوتی ہے امرت بُوٹی

الغرض ہے یہ عجب چیز مُقوِّی از حد
تجربہ کرکے یہ خود دیکھی ہے امرت بُوٹی

ہاتھوں ہاتھ اِسکو خریدو کہ بِکی جاتی ہے
گولیاں ساٹھ روپے دو کی ہو امرت بُوٹی

اور دانتوں کا مسوڑوں کا ہو منجن بھی خوب
گر فقیروں کی عجب چٹکی ہے امرت بُوٹی

فارمیسی ہو یہ یُونانی وُ ویدک کا ملاپ
چھاؤنی خاص جالندھر کی ہو امرت بُوٹی

جہادُالنفس

مانے نہ کوئی مانے تبلیغ کئے جاؤ
بھیجا ہے جو مولیٰ نے پیغام دئے جاؤ

تُم صُلح سے رہنے کی۔ ہر رنج کے سہنے کی
حق بات کے کہنے کی تلقین کئے جاؤ

یہ راہ کٹھن تو ہو۔ کچھ رنج و محن تو ہے
نیکوں کا چلن تو ہے۔ دُشنام لئے جاؤ

جو کچھ ہو مُقدّر میں۔ ہو کر رہے آخر میں
حالِ بد و بہتر میں۔ جینا ہے جئے جاؤ

سجّاد کا مسلک تو۔ چھوٹے نہ کبھی چھوڑو
کیوں دوست یہ کہتے ہو۔ زخموں کو سِئے جاؤ

اموال تو دیتے ہو۔ اب جاں بھی فدا کردو
بیٹے کو، اثاثے کو۔ قربان کئے جاؤ

ساقی کی نوازش ہے۔ انعام کی بارش ہے
جب دِل کی بھی خواہش ہو۔ اکمل تو پئے جاؤ

(مطبوعہ الفضل ۲۱ رجنوری ۱۹۴۵ء)

نصیحت نامہ

دعوت الی الحق!

غلامِ نفس ہو کر دعوئ امیری و سلطانی
یہی ہے کفر شیطانی۔ نہیں ہرگز مسلمانی

جسے سمجھے ہو آزادی۔ یہ بربادی ہے بربادی
ہوا و حرص کا بندہ۔ حقیقت میں ہے زندانی

اطاعت کیلئے جھکنا۔ نشانِ آدمیت ہے
تکبّر سے اکڑنا سرکشی ہے کارِ شیطانی

کچھ اپنی عاقبت کی فکر کر دنیا تو فانی ہے!
"نکھیڑ اعملاں سیتی" ہے کام آئیگی بہ خانی

بتایا عَلَّمَ الْاَسْمَآءَ آدَمَ میں کہ لَمْ یَعْلَمْ
عَلٰی رَغْمِ عَدُوٍّ بن جاتے ہیں غلامِ ربّانی

فقیرِ بابِ مہدی سے وفا کا لے سبق غافل
کہ بن کر خاک بھی چھوٹی نہیں وابستہ دامانی

خدا کے پاک لوگوں سے نہیں ہے چھیڑ چھاڑ اچھی
کہ انکے واسطے رکھتی ہے غیرت ذاتِ سبحانی

بڑا وہ مصطفےٰ ہیں مست و بیخود صابر و شاکر
بلاتا ہے تجھے ساقی پیے جا جامِ عرفانی

درِ دلدار پہ دھونی رمائے بیٹھا ہے اکمل
یہی ہے شانِ اسلامی یہی ہے آنِ ایمانی

(مطبوعہ الفضل ۲۷ اپریل ۱۹۴۵ء نمبر ۹۹ جلد ۳۲)

(۲۸ جنوری ۱۹۴۵ء)

میں کیا دیکھ رہا ہوں!

کیا پوچھتے ہو مجھ سے میں کیا دیکھ رہا ہوں
تقدیر کے پردے میں خدا دیکھ رہا ہوں

جب سے ہوا اعلان کہ ہیں مصلحِ موعود
احباب میں اِک جوش نیا دیکھ رہا ہوں

پھر گلشنِ احمدؑ میں بہار آئی ہوئی ہے
گلہائے معانی کو کھِلا دیکھ رہا ہوں

کافور ہوئی جاتی ہے ظلمت کوئی دن میں
اس ماہِ منوّر کی ضیا دیکھ رہا ہوں

پھر دور میں ہے بادۂ گلرنگ معارف
پھر ساقئ مہوش کی عطا دیکھ رہا ہوں

پھر کوچۂ جانانہ میں شورِ ارنی سے
عشّاق کا اِک حشر بپا دیکھ رہا ہوں

پھر دیدۂ دیدار طلب رہتے ہیں بیدار
ہر دار مقامِ شہدا دیکھ رہا ہوں

پھر ارضِ حرم میں جو ہجومِ صُلحاء ہے
ان میں فضلاء و عُلماء دیکھ رہا ہوں

مایوس مریضوں کو ہو مژدہ کہ مسیحا
اِستادہ پئے دستِ شفا دیکھ رہا ہوں

شاداں ہوں اسیرانِ معاصی کہ وہ منجی
آمادۂ تخلیص و دُعا دیکھ رہا ہوں

اطفال میں خدّام میں انصار میں یکسر
اِصلاح و ترقّی و وفا دیکھ رہا ہوں

ہر ملک میں ہے دعوۃ و تبلیغ کا اِرشاد
ہر احمدی تیّار کھڑا دیکھ رہا ہوں

قرآں کی تفسیر و تراجم کا تہیّا
اَبلاغ کا سامانِ ذکا دیکھ رہا ہوں

احمدؐ کے گلستاں میں اکمل سے ہزاروں
اِس دور میں اب نغمہ سرا دیکھ رہا ہوں

(الفضل ۲۰ فروری ۱۹۴۵ء نمبر ۴۴ جلد ۳۳)

سلام بر امام

سلام اُس پر کہ جس کا مُصلحِ موعود بیٹا ہے
سلام اُس پر جو عیسیٰ نفس سے مسعود بیٹا ہے

سلام اُس پر کہ جس سے پیشگوئی ہوگئی پوری
سلام اُس پر کہ جس کی درگہِ حق میں ہے منظوری

سلام اُس پر کہ جس کا نام دُنیا کے کناروں تک
سلام اُس پر کہ جس کا کام عُقبیٰ کے مناروں تک

سلام اُس پر کہ جس کے آتے ہی باطل فراری ہے
سلام اُس پر کہ جس کی تبلیغِ اسلامی دودھاری ہے

سلام اُس پر اسیروں کو رہائی دینے والا ہے
سلام اُس پر جو کشتی دینِ حق کی کھینچنے والا ہے

سلام اُس پر جو رحمت کا نشاں فضلوں کا مورد ہے
سلام اُس پر جو مشہورِ جہاں فرزندِ احمدؑ ہے

سلام اُس پر جو سیدھی راہ کا دُنیا میں سالک ہے
سلام اُس پر جو دولت حشمت و عظمت کا مالک ہے

سلام اُس پر جو نور اللہ ہے ماہِ رسولاں ہے
سلام اُس پر جو اپنے کام میں سرگرم جولاں ہے

سلام اُس پر جو بڑھنا جانتا ہے آگے ہی آگے ‏— سلام اُس پر کہ جسکے خوف سے اعداءِ حق بھاگے
سلام اُس پر جسے فخرِ رُسل کہتے ہیں رُوحانی ‏— سلام اُس پر جو حق کی ہے مجسّم قدرتِ ثانی!
سلام اُس پر جو سرخیلِ اُمم ہے اِس زمانے میں ‏— سلام اُس پر جو سُلطان القلم ہے اس زمانے میں
سلام اُس پر جسے نُصرت اِلٰہی خُوب حاصل ہے ‏— سلام اُس پر جو اپنے بھیجنے والے سے واصل ہے
سلام اُس پر جو ہم ایسے خطا کاروں کا ہادی ہے ‏— سلام اُس پر جو اِسلامِ حقیقی کا منادی ہے
سلام اُس پر جو ہے موسیٰ صفت روداد کا حامِل ‏— سلام اُس پر جو ہے شاگرد اُس اُستاد کا کامل
سلام اُس پر مؤیّد جو بتائیداتِ غیبی ربّی ہے ‏— سلام اُس پر کہ جس کا خود خدا واحد مُربّی ہے
سلام اُس پر کلیدِ فتح جس کے ہاتھ میں آئی ‏— سلام اُس پر ظفر یابی ہے جس کے ساتھ میں آئی
سلام اُس پر جسے نُصرت پہ نُصرت ملتی رہتی ہے ‏— سلام اُس پر کلی جس کی ہمیشہ کھلتی رہتی ہے
سلام اُس پر کہ جس نے آبرو و عورت کی قائم کی ‏— سلام اُس پر کہ اِصلاح و حمایت جس نے دائم کی
سلام اُس پر دُعا گو جس کے اَنگِنت کیا ہزاروں ہیں ‏— نثارِ رُوئے تاباں و یدِ بیضا ہزاروں ہیں

سلام اُس پر اور اُس کی آلِ اطہر پر مدامی ہو
مُبارک ساری نسلوں کے لئے دورِ نظامی ہو

(الفضل نمبر ۵۰ جلد ۳۳ مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۵ء میں چھپی)

اعجازِ امام

سَب اندھیرے میں پریشاں تھے۔ بفضلِ کردگار ‏— ضو فشانی کے لئے ماہِ تمام آ ہی گیا
مُنتظر تھے جس کے مؤمن وہ اِمام آ ہی گیا ‏— وائے دارُ الاماں دارُ السّلام آ ہی گیا
زندگی بخشِ جہاں، نفسِ مسیحائے زماں ‏— ہم سے مُردوں کو جلانے خوشخرام آ ہی گیا
اِس رسُولِ محترم کی شان میں گستاخیاں ‏— جب بڑھیں حد سے تو وقتِ اِنتقام آ ہی گیا
جسم نے ہر چند ٹالا پر بہ اِصرارِ شدید ‏— زد میں اِک تیرِ دُعا کے لیکھرام آ ہی گیا
یہ زلازل، یہ بلائیں حشر برپا ہو گیا ‏— لب پہ ہندو کے بھی یکدم رام رام آ ہی گیا

دَورِ اوّل میں نہیں، تو دَورِ ثانی میں سہی
صُبح کا بھولا بھی آخر وقتِ شام آہی گیا
مسلکِ سجّاد نے دِکھلا دِیا اپنا اثر
احمدیّت کو سلامت کا پیام آہی گیا
جس سے سَرمست اَبد ہو۔ ہو گئے اصحاب پاک
ہم گنہگاروں تک اکمل پھر وہ جام آہی گیا
(الفضل جلد ۲۳ نمبر ۵۵ ۲۷ مارچ)

اِسمَعُوا صَوتَ السَّماء جاءَ المَسِیح جاءَ المَسِیح

آگیا آگیا اِمام اِمام
ہر طرف ہے صد سلام سلام
ہم ہیں وَابستہ جن کے دامن سے
اُن کو ہے مژدہ خرام خرام
فیضِ ساقی سے ہم نے خُوب ہی پی
مُلّا کہتا رہا حَرام حرام
وَاعظِ شہر بَک گیا کیا کچھ
ہم نہ بولے بجز سَلام سَلام
رِیش پُر پیچ یہ جُبّہ وُ دستار
بچ کے رہنا کہ یہ تو دام ہے دَام
دَورِ سَاقی میں ہو گئی اَرزاں
ہم چڑھاتے ہیں خُوب جام پہ جام
مَا جَعَلنا کی ہی خلود پہ مُہر
رٹ لگائی ہے کیا دُوام دَوام
وَحیِ حق کے اگر نہیں تابع
عقل پُختہ نہیں ہے خام ھی خام
بزمِ اغیار میں ہے بے نظمی
گو زبانوں پہ ہے نظام نظام
صُلح کے ساتھ لے لو آزادی
تا نہ کوئی کہے غلام غلام
تُو بھی تیّار رہ دلِ اکمل
وُہ پکاریں گے سب کو نام بنام
(الفضل — ۱۸ مارچ ۱۹۳۵ء)

(۲)

بہ بذلِ جان و مالِ ایں نعمتِ دارین دریابی
کہ حاصل گنجِ عرفانی زبانی ہو نہیں سکتا
مُباہِل یا مُفسّر بالمقابل آئے ناممکن
حریفِ ہستیِ باقی بہ فانی ہو نہیں سکتا
بجز ظلّی بروزی ہونے کے یہ ٹھیک ہے اکمل
محمّد مُصطفےٰ کا کوئی ثانی ہو نہیں سکتا
(۲۰ مارچ ۱۹۳۵ء)

ظہورِ مُصلح موعودؓ

کہہ رہے تھے جسے غلام غلام[۱] اب تو کہنا پڑا امام امام

آنے والا تو آکے جا بھی چکا اب پُکارا کرو امام امام

آنے والے نے پھر کیا ہے ظہور آگے بڑھ کر کہو سلام سلام

لبِ مُعجز بیاں کے کیا کہنے زندگی بخش لا کلام کلام

چشمۂ فیضِ عام جاری ہے کوثری بٹ رہے ہیں جام پہ جام

گالیاں بک رہے تھے کچھ احرار بولے اخیار ھُش لئام لئام

بزمِ اغیار میں ہے کیسا شور آرڈر آرڈر نظام نظام

ذاتِ محمود کا ھے دشمن کون بول اُٹھے سبھی پیام پیام

احمدی نے تو پا بھی لی جنّت غیر کہتے رہے حرام حرام

زلزلے سی زمیں ھے زیر و زبر گر رہے ہیں مکاں دھڑام دھڑام

معرفت کا یہ میکدہ اکملؔ اس سے پیتا رہوں مدام مدام

(مطبوعہ فرقان ماہ اپریل ۱۹۴۷ء نمبر ۴)

۱۔ لڑکا۔

ناتمام

نظر آتی ہے لیکن دُور منزل ہوتی جاتی ھے رسائی اُنکے دَر تک سخت مشکل ہوتی جاتی ھے

کچھ حرفِ آرزو تھے زباں پر جو آگئے

اکملؔ وگرنہ اب مجھے شوقِ سخن کہاں

ایک زائرِ قادیاں کی زباں سے

خلوص و کامرانی کو نشاں کہنا ہی پڑتا ہے
تجھے اے قادیاں دارُالاماں کہنا ہی پڑتا ہے

یہ رنگا رنگ گل بوٹے، یہ میوے ڈال کے ٹوٹے
جو دیکھے تو بہارِ جاوداں کہنا ہی پڑتا ہے

اطاعت اور طاعت میں باوصافِ ملائک ہیں
زمینِ قادیاں کو آسماں کہنا ہی پڑتا ہے

مسلمانوں کا حالِ زار لب تک آ نہیں سکتا
مگر سب کچھ، کچھ بچشمِ خونفشاں کہنا ہی پڑتا ہے

جو آیاتِ الٰہی کے فوائد در فوائد ہیں،
روایتہائے واہی کو زیاں کہنا ہی پڑتا ہے

مبارک شہرۂ احمدؑ ہے دُنیا کے کناروں تک
اِسے تائیدِ خلّاقِ زماں کہنا ہی پڑتا ہے

حدیثِ شوق کیا کہیئے، یہی بہتر ہے چُپ رہیئے
بمجبوری مگر سِرِّ نہاں کہنا ہی پڑتا ہے

پیامِ وصل دیتا جا کہ اکثر شعلہ رُوؤں کو
نہیں کرتے ہُوئے اِک روز ہاں کہنا ہی پڑتا ہے

پلا ساقی مئے باقی"، کہ ہم سے تشنہ کاموں کو
یہ جُملہ کھول کر اپنی زباں کہنا ہی پڑتا ہے

اِمامِ قادیاں کی شانِ محبُوبی بصد خُوبی
نظر آتے ہی سب کو دِلستاں کہنا ہی پڑتا ہے

یہ جمال و حُسنِ روز افزوں کے چرچے بڑھتے جاتے ہیں
فدائی ہو رہا ھے اِک جہاں کہنا ہی پڑتا ہے

سرور و کیف کے عالم میں ہم کو دیکھ کر اکملؔ
عدو کو قادیاں جنّت نشاں ہی کہنا پڑتا ھے

(تکمیلِ نظم ۱۲ اپریل ۱۹۴۵ء)

اُن کی گلی میں!

(پہلے سال کی پُرانی نظم غیر مطبوعہ)

(کوچۂ آلِ احمدؑ)

مَیں ہُوں سر بسجدہ کسی کی گلی میں!
کسی کیوں کہوں ہاں نبی کی گلی میں

وُہ شاہِ ولایت بھی کیا جانتا ہے
جو راحت ملی ہے ولی کی گلی میں

مسیحِ محمدؐ سے لو دَولتِ دیں
کہ ملتی ہے صرف اِس سخی کی گلی میں

مئے معرفت کا مجھے جام دیجے ۔۔۔ کہ یہ چیز ساقی ہے تیری گلی میں

مسیحِ محمدؐ پہ جاں دوں گا اکمل
کہ زندہ ہُوا ہُوں اسی کی گلی میں

(مصباح اپریل ۱۹۳۵ء)

مُبارک امام

مبارک ۔ مبارک امام آگیا ۔۔۔ وُہ مَوعُود خیرُ الانام آگیا
مِرے جذبۂ شوق کا ہے اثر ۔۔۔ کہ وُہ ماہ بالائے بام آگیا
ہُوئی ظلمت کافور سب ۔۔۔ ضیا پاشِ ماہِ تمام آگیا
کئی دِن سے تھے مُنتظر مضطرب ۔۔۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہ پیام آگیا
بہم ہو کے پیوست لب رہ گئے ۔۔۔ زباں پر مِری بخش کا نام آگیا
جدھر دیکھتا ہُوں اُدھر وُہ ہی وُہ ۔۔۔ مَحبّت میں یہ کیا مقام آگیا
یہ قربانیاں دیکھ کر کہتے ہیں ۔۔۔ زمانِ صحابہ کرام آگیا
نوازِش یہ پیرِ مغاں کی تو ہے ۔۔۔ کہ ہم بے لبوں تک بھی جام آگیا
مِرے دِل کی کیا پُوچھتے ہو خبر ۔۔۔ کسی معرکے میں وُہ کام آگیا
زلازل کی کثرت، ملاحم کا زور ۔۔۔ زمانہ یہ کیا فِتنہ کام آگیا
مُسلمان اللہ اللہ کہیں، ۔۔۔ لبِ ہندو پر رام رام آگیا
مِرے رَبّ کی ہیں یہ عجب قُدرتیں ۔۔۔ کہ صیّاد خود زیرِ دام آگیا
بڑھا ضبطِ ضابطۂ تو رِندوں کو بھی ۔۔۔ خیالِ حلال و حرام آگیا
چلو جانے دو عُذر کرلو قبول! ۔۔۔ کہ بھولا ہُوا صُبح، شام آگیا
بُلایا تو آواز آئی حضور ۔۔۔ غلام آگیا ہاں غُلام آگیا
خبر پائی اکملؔ سے آئے امام ۔۔۔ تو ھر نیک بہرِ سلام آگیا

"زمیندار" کی شاعرانہ بڑ کا جواب

رحمت طلب آلہ سے ہر آن کیجئے
لعنت ہزار بر سرِ شیطان کیجئے

"ایمان تازہ کرنے کی ہو آرزو اگر"
تو قادیان میں بیعتِ فرمان کیجئے

ممکن نہیں۔ نکالئے دل سے یہ بدخیال
"شیرازہ قادیاں کا پریشان کیجئے"

شیرازہ قادیاں کا پریشان نہ ہو سکے
آپ اپنی مشکلات کو آسان کیجئے

وعدہ خدا کا ہے کہ ابد تک ہے یہ نظام
تسلیم اس کو مصدرِ ایمان کیجئے

دعوئ پیمبری کا جسے ہو نبی کے بعد
انکار کیجئے نہ ہی ایقان کیجئے

تحقیق کیجئے کہ نبی سے ہے کیا مراد
دعوے پہ غور خوب بہ امعان کیجئے

گر یہ مراد ہے کہ خدا سے ہیں ہمکلام
ساتھ اس کے بینات کی پہچان کیجئے

پورا اترتے دیکھئے میزانِ عدل پر
تو نعمتِ خدا کا نہ کفران کیجئے

دنیا کا ہے معاملہ کوئی تو جانیے
"اس کو سپرد جرگۂ افغان کیجئے"

او خویشتن گم است کرا رہبری کند
تاہم جو جی میں آئے وہ اے جان کیجئے

لیکن اگر ہو مسئلہ دینِ قویم کا
اس کا حکم ضرور ہی قرآن کیجئے

قرآن صادقوں کے نشان ہی بتا رہا
ان سے تمیز ہر حق و بطلان کیجئے

کب تک اباء و کبر رہے گا "ظفر علی"
بس اور مال و جاں کا نہ نقصان کیجئے

حق کی مخالفت میں گذاری تمام عمر
کچھ اپنی عاقبت کا بھی سامان کیجئے

یہ سلسلہ تو ایک "تناور درخت" ہے
اس کے اکھیڑنے کا نہ ارمان کیجئے

ایمان لا کے قولِ رسولِ کریمؐ پر
حاصل امام مہدیؑ کا فیضان کیجئے

محمود ہیں خلیفۂ برحق حضور کے
آپ ان سے اپنے درد کا درمان کیجئے

سر اپنا پھوڑ لے گا جو ٹکر لگائے گا
اکمل کی بات سچ ہے نہ بطلان کیجئے

(۱۰ اپریل ۱۹۳۵ء الفضل نمبر ۸۲ جلد ۲۲)

حسن حسین قادیان

۱۸ راپریل کا زمیندار ۲۴ راپریل ۱۹۴۵ء کو دیکھ کر فی البدیہہ لکھا

ہر طرف کفر است جوشاں ہمچو افواجِ یزید
غیر کر سکتے نہیں اِسلام کا جھنڈا بلند
یہ مُسلماں نام کے۔ ہرگز نہیں ہیں کام کے
جس نے بے پَر کی اُڑائی ہے اُسے ہو انتباہ
پیشگوئی پُوری ہوگی یہ امامِ وقت کی!
مال و جاں دے کر خریدی اپنے مولیٰ کی رضاء

احمدی نکلے فقط لے کر عَلَمِ اِسلام کا
عیش میں سرگرم ہیں کیا فکر و غمِ اِسلام کا
ہاں "عرب اسلام کا ہے اَور عجم اسلام کا
پھٹنے والا ہے اُسی کے سر پہ بم اِسلام کا
بھرنے والے ہیں تمام انسان دَم اِسلام کا
ہے ہمارے دَم ہی سے قائم بھرم اِسلام کا

ہر طرح محفوظ ہو اکمل حصارِ قادیاں
تا اَبد لہرائے گا اِس پر عَلَمِ اِسلام کا

(الفضل ۲۵ راپریل ۱۹۴۵ء نمبر ۹۸ جلد ۳۳)

نصرٌ مِّن اللہِ فتحٌ قریبٌ

مبارک ہو کہ بار آور ہماری ہو گئیں آہیں!
نہ ہٹلر ہے نہ ہملر ہے نہ گوبلز اَور گورنگ ہے
یہ تُو جو سے کوئی کہدے بس اپنی فکر کر ظالم!
بھلا خالق کے آگے خلق کی کچھ پیش جاتی ہے!
پلایا ساقیٔ خمخانۂ وحدت نے جام ایسا
نسیمِ رحمتِ باری چلی اکنافِ عالم میں

ہُوئی فتح جرمن پر کھلیں تبلیغ کی راہیں
مسولینی کے بھی انجام پر بھرتے ہیں سب آہیں
کہ مصنوعی خدا ہے شاہ تُو ٹھنگی تری باہیں
کوئی چاہے نہ چاہے اب وُہی ہوگا جو ہم چاہیں
ہوئے چودہ طبق روشن نظر آنے لگیں راہیں
کھلے ہیں پھول گونا گوں ثمر کھائیں جہاں چاہیں

تو بچہ بن کے آغوشِ رُبوبیت میں آ اکمل
خُدا کی بادشاہت کی کھُلی ہیں ہر طرف راہیں

(۹ مئی کو عجالۃً لکھی گئی) اکمل

(الفضل ۱۰ مئی ۱۹۴۵ء نمبر ۱۱۰ جلد ۳۳)

فتح ہماری فتح

پھر بہار آئی خُدا کی بات پھر پُوری ہُوئی ۔ جو دُعائیں کر رہے تھے اُن کی منظوری ہُوئی

کھُل گئیں تبلیغ کی راہیں جوانو! لو اُٹھو ۔ فضلِ حق سے رفع اب ہر ایک مجبوری ہُوئی

کیوں نہ ہو کاشانۂ مِلّت میں رونق کا فروغ ۔ امن و راحت کی فروزاں شمعِ کافوری ہُوئی

آج جرمن سرنگوں، برطانیہ ہے سربلند ۔ رہ گئی تدبیر ۔ تقدیرِ خدا پُوری ہُوئی

اَب نظامِ نَو کی ڈالی جائیگی طَرحِ جدید ۔ اور معماری سپُردِ بندۂ نُوری ہُوئی

وُہ چمک دِکھلائے گا اپنے نشاں کی پنج بار ۔ جنگ عالمگیر سے پھر اِسکی مشہُوری ہُوئی

ساتویں ماہ مئی کی اور دوشنبے کے دِن ۔ پیشگوئی مُصلحِ موعُود کی پُوری ہُوئی

یہ مسیحائے محمدؐ ہی کا ہے دستِ شفاء!

جس سے اکمل دُور تیرے دِل کی رنجُوری ہُوئی

(الفضل ۱۲ جون ۱۹۴۵ء جلد ۳۳ نمبر ۱۳۴)

بتقریبِ جشنِ فتح

چمن والو! مبارک ہو ۔ ہوائے گُلستاں بدلی ۔ کھِلے ہیں پھُول گُوناگوں ۔ فضائے کُل جہاں بدلی

پِلا ساقی ۔ مئے باقی ۔ سلامت تیرا مئے خانہ ۔ نظر آتی ہے ہم کو آج ۔ طرحِ آستاں بدلی

کلیدِ فتح ہاتھ آئی ۔ نوِیدِ عیش ساتھ آئی ۔ زمیں بدلی زماں بدلا ۔ رِدائے آسماں بدلی

مَنا کر جشنِ راحت اَور ابھی کچھ کام کرنا ہے ۔ جو دیکھے وُہ پُکار اُٹھے بہار آئی خزاں بدلی

نظامِ نَو کی بُنیادیں اُٹھا لینے کا وقت آیا ۔ جوانو! اِک ذرا ہمّت ۔ دِکھادو اپنی شان بدلی

جمادو نقشِ وحدت تُم قلوبِ اہلِ دُنیا پر ۔ دِکھادو جنگ عالمگیر با امن و اماں بدلی

جزائر میں سِتم ڈھائے بہت جاپان والوں نے ۔ مگر آہوں نے مظلُوموں کی حالت بے گماں بدلی

مدد کچھ کر سکا اُنکی نہ مصنوعی خُدا بالکل ۔ شہنشاہی بہ عجز و بیکسی ہے ناگہاں بدلی

خدا کا شکر ہے آکمل کہ تقدیر زماں بدلی
ہزاروں زیب محفل خاک پر بسمل نظر آئے
دُعائیں احمدی احباب کی اللہ نے سُن لیں!
بہ فیضِ مرشدِ آکمل یہ حالت یکساں بدلی (الفضل جلد ۳۳ نمبر ۵ ۱۱ اکتوبر، اپریل ۱۹۴۵ء)

۲۰ مئی ۱۹۴۵ء کا جلسہ پیشوایانِ مذاہب

بانیانِ مذاہبِ عالَم
تم نے راہِ نجات دِکھلائی
مُوسیٰ و عیسیٰؑ و کرشن و رام
اور خَتمُ الرُّسُل اِمامُ الکُل
صلوٰات و سلام ہوں لاکھوں
دِین و دُنیا کے پیشوا ہیں وہ
حسبِ حالات لائے ہیں احکام
عقل ہے خام ۔ تجربہ ناقِص
اَب نہ ذرّہ بڑھے نہ ذرّہ گھٹے
صِرف اشاعت کا کام باقی ہے
آؤ سب یکزبان و یکدِل ہوں
بھائی بھائی ہیں سب انسان
یا اِلٰہی دُعاءِ آکمل سُن

تُم پہ صدہا سلام ہوں پیہم
تُم ہی ہو رہبرِ بنی آدم
مُقتدا سب ہیں مُقتدیٰ ہیں ہم
مُصطفٰے محمدِ صلعم
اُن کی ازواجِ پاک پر ہر دم
پیروی میں فلاحِ کُل عالَم
نعمتِ حق ہوئی تمام و اَتم
صِرف وحیِ خدا ہے مُستحکم
ہوئی تکمیلِ دِین و اَمرِ اَہم
بار جس کا اُٹھا رہے ہیں ہم
خوبیاں ہوں بیاں ۔ عمل محکم
گورے کالے ہوں یا عرب کہ عجم
صُلح و اُلفت کا ہو سلوک بَہم

ایک ہو جائیں، نیک ہو جائیں
مِل کے خدماتِ دِین بجا لائیں (الفضل جلد ۳۳ نمبر ۱۱۷ ۱۹ مئی ۱۹۴۵ء)

٢٦ مئی ۱۹۴۵ء

یادہے چھبیس ۲۶ مئے ہاں یاد ہے
یاد ہیں اُس کی یہ دِل ناشاد ہے

میرے ہادی کا جمالِ جانفروز
مجھ سے پوشیدہ ہُوا۔ فریاد ہے

نُور اُن آنکھوں کا اور دِل کا سرور
جس سے یہ دُنیا مِری آباد ہے

مُحسنِ اعظم۔ مُزکّی۔ مُقتدا
پیشوائے خَلق۔ کُل اُستاد ہے

جس کی رُوحانی توجہ کے طفیل
پیشِ پا اُفتادہ ہر اُفتاد ہے

سَاقئ خمخانۂ توحیدِ حق
جس کا فیضِ عام بے تعداد ہے

جس کی بیعت میں نجاتِ اُخروی
اور اطاعت دین کی بُنیاد ہے

جس کا ہر ارشاد ہے اِرشادِ حق
جس کا بندہ۔ بندۂ آزاد ہے

اُس خدا کے برگزیدے پر سلام
مُلک میں ہر قوم کا جو ہاد ہے

مَوتِ عیسیٰؑ میں ہے عالَم کی حیات
بہ یقین ہر غلبے کی بُنیاد ہے

دین۔ دُنیا پر مُقدّم سب کریں
اِس ہدایت پر ہمارا صاد ہے

جو ہدایت اُس نے دی وُہ خُوب دی
اَور اِسی میں راحتِ افراد ہے

مرحبا صَلِّ علیٰ شانِ حضور
مُصلحِ مَوعُود اُس کی یاد ہے

اے سر و جان و دِلَم برتو فدا
تُو جمالِ عالَمِ ایجاد ہے

یک نظر فرما بحالِ زارِ ما
کُفر پھر آمادۂ بیداد ہے

باغباں جلدی پہنچ اِمداد کو
درپئے آزار ہر صیّاد ہے

دوحۂ ایماں زمینِ قلب میں
بار آور ہو تو آکُل بہ فساد ہے

حُسنِ کامل رُوبرو ہے دیکھ لو
شوقِ اکمل کی یہی روداد ہے

(الفضل ۲۶ مئی ۱۹۴۵ء نمبر ۱۲۳ جلد ۳۳)

ایک مولوی صاحب سے مکالمہ

اجی مولوی جی! اِدھر آئیے گا
ذرا میری اِک بات سُن جائیے گا

فلک پر ہے عیسیٰ۔ تو زندہ۔ مجسّم
محمدؐ کو مدفون فرمائیے گا

مہ و مہر پر خاک اُڑانے سے حاصل؟
یہ کیا دین وایمان ہے شرمائیے گا

امارت بناتے، ہو ڈھاتے ہو، خود ہی
اجی بت تراشی نہ فرمائیے گا

تنزّل تو اقوام میں ہے مقدّر
ترقی کا رستہ نہ چھڑوائیے گا

جو یہ ہے کہ مامور ہو کر خدا سے
جب آئے۔ تو فرماں بجا لائیے گا

یہی رشد کا رستہ ہے جسپر چلو گے
تو فوز و فلاح و اماں پائیے گا

یہ غیروں سے باتیں تو ہوتی رہیں گی
کچھ اپنی بھی اکمل سُنا جائیے گا

مرے پیارے ساقی اِدھر بھی نظر ہو
وہ مے مہربانی سے پلوائیے گا

کہ پیتے ہی ہو جائیں روشن یہ آنکھیں
حضورِ معلّیٰ میں پہنچائیے گا

تڑپتا ہے مدّت سے دِل دیکھنے کو
کسی روز ان سے تو ملوائیے گا

اُدھر حُسن اجمل، اِدھر شوقِ کامل
ملاقات کی بزم گرمائیے گا

فنا و بقا کی منازل جو طے ہوں
مقاماتِ محمود دکھلائیے گا

بروزی و ظلّی۔ مجاز و حقیقت
یہ اُلجھی ہوئی لٹ بھی سُلجھائیے گا

پریشاں طبیعت ہے عزلت گزیں ہوں
پھر اللہ والوں میں پہنچائیے گا

اکیلا پڑا ہوں نہ سنگی نہ ساتھی
رفیق وفا کیش بلوائیے گا

جو انعام مجھ پر ہیں بڑھتے رہیں سب
بہ پاداشِ عصیاں نہ چھنوائیے گا

گناہوں کی کثرت سے نادم ہوں ہر دم
طفیلِ نبی پاکؐ بخشائیے گا

جفائے زمانہ سے گھبرا گیا ہوں
وفا کا صلہ لطف فرمائیے گا

محبت کا بھوکا۔ محبت کا پیاسا
محبت کا اِک جام پلوائیے گا

محبت میں جینا۔ محبت میں مرنا
فضاءِ محبت میں لے جائیے گا

جہاں اور کچھ بھی نہ ہو جز محبت
وُہ منظر شب و روز دِکھلائیے گا

محبت خدا ہے نہ اس سے جُدا ہے
خُدائے محبت سے مِلوائیے گا

محبت ہے سرچشمۂ وصل و قربت
مِرے سادہ دِل کو نہ تڑپائیے گا

مجھے بھول جاؤ۔ مجھے بھول جاؤ
نہ یاد آئیے نہ یاد آئیے گا

یہ دُنیا یہ بدعہد و غدّار دُنیا
ہٹا دو نہ پھر سامنے لائیے گا

جمالِ فروزاں و شوقِ فروزاں
مِلا کر بہشتِ بریں پائیے گا

سراپا محبت سے یُوں رنجِ فرقت
سلوکِ تغافل سے شرمائیے گا

کئی اِبتلاؤں میں جانِ وفا ہے
مجھے مخلصی اِن سے دِلوائیے گا

اِلیٰ ربّکَ المنتہیٰ کو تم اکمل
نہ بھولو کبھی وَرنہ پچھتائیے گا

(الفضل ۲ جولائی ۱۹۴۵ء جلد ۳۳ نمبر ۱۵۳)

بہ تقریبِ ہفتۂ تحریکِ جدید، وصیّت

وصیّت موجبِ اکرامِ مِلّت ہے
وصیّت احمدی اسلامِ احمدیت ہے

یہ تمہیدِ نظامِ تامِ مِلّت ہے
اِسی میں سوچیے تو نامِ مِلّت ہے

کم اَز کم عُشر اپنے مال کا دینا
ترفّہ کے لئے اقدامِ مِلّت ہے

سراسر سُود ہے گھاٹا نہیں ہوگا
ترقّی کی طرف اِک گامِ مِلّت ہے

اشاعت اور حفاظت دین کی ہوگی،
یہ اجراءِ فیوضِ عامِ مِلّت ہے

مُقدّم دین کو دُنیا پہ رکھنا ہے
ثبوتِ صدقِ فردِ عامِ مِلّت ہے

مساکین و یتامیٰ و ایامیٰ میں — کفیلِ رزقِ صبح و شامِ ملت ہے
یہ ہے مقیاسِ زور و جوشِ قربانی — نشانِ خاصِ خوشِ ایامِ ملت ہے
یہ ہے پروانۂ رہداری جنت کا — اسی میں راحت و آرامِ ملت ہے
جماعت میں ہر اک موصی فدائی ہو — یہی در اصل حدِ تامِ ملت ہے

دعا گو ساقیٔ مہ وش کا ہے ہر دم
یہ اکمل جو قدح آشامِ ملت ہے

(الفضل جلد ۳۳ نمبر ۱۳۱ — ۱۳ جون ۱۹۴۵ء)

چند حقائق

دل پاک نہیں اور نگہ پاک نہیں ہے — کچھ اپنی گنہ گاری کا ادراک نہیں ہے
ہے پیروئ نفس و شیاطین" ہوا جس" — اور پاسِ وفائے شہِ لولاک نہیں ہے
جب عشق و محبت کا ہے دعویٰ۔ تو گریباں — کیوں رنج میں فرقت کے ترا۔ چاک نہیں ہے
تحریر میں ہو زور کہ تقریر ہو پُر شور — گر دل نہ کرے پاک تو پھر خاک نہیں ہے
انسان خطا کار ہے ہو جاتی ہے لغزش — پا جائیگا غفران جو بے باک نہیں ہے
ہے منقلبِ دہر خداوندِ جہاں صرف — کچھ بھی اثرِ گردشِ افلاک نہیں ہے
لاکھوں پہ ترا ہاتھ ہو کام آئے نہ دیں کے — قبضے میں ترے جز خس و خاشاک نہیں ہے
الفت ہے وہ الفت جو مزیّن بہ وفا ہو — اور حسن ہے وہ حسن جو کاواک نہیں ہے
ہر دین پہ ہے غلبۂ اسلام مقدّر — وہ وقت یہی ہے تجھے ادراک نہیں ہے
دنیائے دنی کے لئے مسلمان ہیں پریشاں — اسلام کی خاطر کوئی غمناک نہیں ہے
موسیقی و قوالی میں ہے نفس کی لذت — روحانی لذائذ کا کچھ ادراک نہیں ہے
جو چاہے عمل نیک کرے ذکرِ الٰہی — کچھ بھی تو بجز اسکے طربناک نہیں ہے

دِل غنی ہو تو یہ اَلفقر ہے فخری
کچھ اِس کا نشاں دَلق بہ کلپاک نہیں ہے

ساقی کی نوازش سے ہے اِک کیف سا طاری
اَندیشۂ روزینہ و اَملاک نہیں ہے

اِک عاجز و بیکس بدر اُفتادہ ہے اکمل
کچھ ذِہن رسا رکھتا ہے چالاک نہیں ہے

(الفضل جلد ٣٣ نمبر ١٦٣ ١٣ر جولائی ١٩٤٥ء)

نغمہ

موسمِ برشکال میں یادِ حبیب

دیکھو دیکھو وُہ اُٹھی پربت سے اِک کالی گھٹا
جھومتی آتی ہے کیا مستانہ متوالی گھٹا

کیا ادب سے جھکتی جائے یہ درِ دِلدار پر
تاکہ حالِ زار اپنا کہہ سکے کالی گھٹا

ہے یہی تو منزلِ مقصود آ ٹھہری جہاں
پوچھتے ہو کیا۔ ہے کس کی چاہنے والی گھٹا

میکشو آؤ چلیں مے خانہ کا در کھُل گیا
ہاں برس کھُل کر برس او میری غربالی گھٹا

ساقیٔ مہ وش فرازِ کوہ پر ہے ضو فگن،
نور کی چادر نظر آتی ہے یہ کالی گھٹا

لیتے جاؤ۔ پیتے جاؤ۔ آج اِک اِک جام میں
جلوے دِکھلائیگی کیا کیا ہم کو اُجیالی گھٹا

قربِ مولیٰ چاہیے تو۔ اشغال پاکیزہ بنا
ذِکر و فکرِ حق بڑھا۔ "بکواس ہو" کالی گھٹا

آسماں پر جب ہوں بربادی کے ساماں ہو رہے
کیا ہے۔ پھیلائے زمیں پر کچھ جو ہریالی گھٹا

عید کے دن جب نظر آتا نہیں وجہِ الحبیب
کیوں نہ بھائے دِل پہ اِک اندوہ کی کالی گھٹا

ہم اُنہی کے ہیں جہاں بھی اور جس حالت میں ہوں
جسم کے ایامِ فرقت اے مرے والی گھٹا

روح تو نزدیک تر ہے اور بھی نزدیک ہو
بارشِ ابرِ بہاراں لائے گی حالی گھٹا

گر نہ لائے پھول پھل یہ نخلۂ اُمیدِ دل
کیا کرینگے دیکھ کر اکمل میاں خالی گھٹا!

(شب درمیان ۱۸ و ۱۹ جولائی گھٹا بارش ہوئی۔ اکمل)

(۱۴ اگست ۱۹۴۵ء ڈیڑھ بجے) (۱۵ اگست ۱۹۴۵ء سرکاری اعلان)

جاپان کے ہتھیار ڈالنے پر

زمانِ صلح و امن آیا۔ مبارک ہو مبارک ہو
خدا نے لطف فرمایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

جو پہنچیں عرش تک آہیں۔ کھلیں تبلیغ کی راہیں
یہ مژدہ غیب سے پایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

نہ جرمن ہیں، نہ جاپانی۔ مٹی سب فتنہ سامانی
خدا نے دن یہ دکھلایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

بحسبِ پیشگوئی روک اب باقی نہیں کوئی
نظامِ نو کا وقت آیا۔ مبارک ہو مبارک ہو

اٹھو اے مومنو! خدماتِ دینِ حق بجا لاؤ
جو پہلے تم کو سمجھایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

کلیدِ فتح ہاتھ آئی۔ ظفر مصلح کے ساتھ آئی
تو سب نے مل کے یوں گایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

دعائے اکملِ خوشگو۔ قبولِ حضرتِ حق ہو
پلٹنا جھوٹ کی کایا۔ مبارک ہو مبارک ہو

(الفضل ۲۰ اگست ۱۹۴۵ء جلد ۳۳ نمبر ۱۹۲)

امن است در مکانِ محبت سرائے ما

میں کیا بتاؤں کیا کیا دیکھا تری گلی میں
دنیا تری گلی میں اُخریٰ تری گلی میں

ہم پی رہے ہیں ہر دم عرفاں کے جام پیہم
مے خانے کھل چکے ہیں صدہا تری گلی میں

مستانہ وار گھومیں۔ ہر نقشِ پا کو چومیں
میلا سا لگ رہا ہے آقا تری گلی میں

اک کیف سا ہے طاری۔ آنکھوں سے اشک جاری
یہ حال ہو رہا ہے اپنا تری گلی میں

شہرہ ہے عام اُس کا ہر سو یہی ہے چرچا
بٹتی ہے معرفت کی صہبا تری گلی میں

یورپ میں حشر برپا۔ بدحال ایشیا کا
دل مطمئن تھا کوئی، تو تھا تری گلی میں

مصنوعی تھی خدائی۔ جاپانی دیوتا کی
انجام منکشف تھا اس کا تری گلی میں

کچھ بھی نہ کر سکا وہ۔ امداد بیکسوں کی
نظارہ سب یہ ہم نے دیکھا تری گلی میں

ہر سو تباہ کاری۔ انساں کی آہ و زاری
سبحانَ مَن یَرانا ھٰذا تری گلی میں

تُو ہے مسیح احمدؐ - مہدی نبی مجدّد
حق نے درِ بہشتی کھولا تری گلی میں

آ کہ ملے ہے پُر معاصی - پا جائیگا خلاصی
کام آئے گا یقیناً رہنا تری گلی میں

(الفضل نمبر ۲۱ جلد ۱۳ مورخہ ۳ ستمبر ۱۹۲۵ء)

نئی زمین نیا آسمان پیدا کر

جہانِ نو

سرزمینِ قادیاں میں آسماں پیدا کریں
مہر و مہ تو ہیں - نجومِ ضَوفشاں پیدا کریں

گھر سے نِکلو - ارضِ حق وسیع نظر آجائیگی
بس اِسی دُنیا میں نُورانی جہاں پیدا کریں

فتح کرلیں پیار سے اقوامِ عالم کے قلوب،
ہم نئے تیر و کماں سیف و سناں پیدا کریں

عرش و کرسی تک رسائی ہو بفضلِ کردگار
اِس جماعت میں ہزاروں رازداں پیدا کریں

رنگے جائیں سب - وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً
آؤ ہم اپنی وہ چشمِ خُونفشاں پیدا کریں

دین کا ڈنکا بجا دیں حق کا سِکّہ ہو رواں
ایسے ایسے قوم میں لاکھوں جواں پیدا کریں

جو فِدا ہو ہو کے سَو سَو بار پھر تیّار ہو
ایسا دِل پیدا کریں ہم ایسی جاں پیدا کریں

بوستانِ احمدیّت میں بچشمِ اشکبار
آبیاری سے بہارِ جاوداں پیدا کریں

مست ہو ہو جائیں نغموں سے ہمارے سامعین
اِسکی ہر ہر شاخ پر اِک آشیاں پیدا کریں

منزلِ مقصود کو پاکر ہی دَم لیں جلد تر -
ایسے ایسے کارواں دَر کارواں پیدا کریں

خُوش نصیبی سے ملادو راوُلوالعزمِ زمن
"آؤ ہر سینے میں اِک عزمِ جواں پیدا کریں

ڈال دیں مہدیؑ کے قدموں میں تمام اقوام کو
جاں نثارِ احمدِ آخر زماں پیدا کریں

جو کہیں، وُہ دِل میں اُترے - جو کریں مقبول ہو،
وُہ زباں پیدا کریں ہم وُہ بیاں پیدا کریں

امن و راحت ہو میسّر اور اِطمینان ہو
یعنی ہر ہر دِل میں اِک دارُالاماں پیدا کریں

قادیاں ہی قادیاں آنے لگے سب کو نظر،
وہ طلسماتی سماں معجز نشاں پیدا کریں

پلٹے ہی چودہ طبق روشن - بہشتی در کھلیں
وہ مئے عرفاں بذوقِ دلستاں پیدا کریں

فرض ہے اکملؔ ہمارا ہم جو اصحاب النبی
اک جہانِ نو بزیرِ آسماں پیدا کریں

(مکانِ عرفانی صاحب میں ۶/۹ ستمبر کو لکھی ۱/۱۰ کے مشاعرہ میں اور اکمل نے سنائی)

(الفضل ۱۰ ستمبر ۱۹۴۵ء جلد ۳۳ نمبر ۲۱۷)

سلامی

خیر مقدم

مجاہدین جماعت سلام کہتے ہیں
تمام اہلِ نظامت سلام کہتے ہیں

خدا کے فضل سے پھر فضل کا نزول ہوا
مصاحبانِ فضیلت سلام کہتے ہیں

گذر گئی ہیں ہماری فراق کی گھڑیاں،
اور آئی وصل کی ساعت سلام کہتے ہیں

اٹھا چکے ہیں بہت انتظار کی کلفت
بہ صد خلوص و مسرّت سلام کہتے ہیں

کھلا دیجئے درِ میخانۂ مسیحائی!
مریض آکے بہ منّت سلام کہتے ہیں

پلا دیجئے انہیں جام تقرّب مولیٰ
کہ تشنہ کامِ محبّت سلام کہتے ہیں

بیانِ معارفِ قرآں جب آپ کرتے ہیں
تو طالبانِ ہدایت سلام کہتے ہیں

زمیں والے تو کیا چیز ہیں فلک والے
ملائکہ بھی بہ حرمت سلام کہتے ہیں

یہ انکسار و تواضع بہ ایں مراتبِ خاص
اہالیانِ حکومت سلام کہتے ہیں

نظر کو دیکھ کے یکساں بہ ادنیٰ و اعلیٰ
لواحقینِ نظارت سلام کہتے ہیں

محققین بہ تحقیق مصلح موعود
ہر ایک پا کے علامت سلام کہتے ہیں

بہ جاہ و حشمت و اقبالِ روز افزوں کو
جو دیکھتے ہیں بہ عزّت سلام کہتے ہیں

طفیلِ ذاتِ مقدّس ہمیں ہوئی حاصل
جو دین و دنیا کی نعمت سلام کہتے ہیں

یہ ذہن، یہ فہم و فراست، تدبّر و حکمت
مبایعینِ خلافت سلام کہتے ہیں

مکالمات - یہ رؤیاءِ صادقہ - الہام
مصدقینِ کرامت سلام کہتے ہیں

یہ ہے عطیۂ باری - "حسود را چہ کنم"
جو کر رہے ہیں اطاعت سلام کہتے ہیں

خدا کی دین ہے کون اسکو روک سکتا ہے
مطاد عینِ امامت سلام کہتے ہیں

جبینِ عجز میں سجدے تڑپ رہے ہیں کئی -
زمین بوسِ سعادت سلام کہتے ہیں

خدا بچائے حوادث سے خاندانِ مسیحؑ
دعائیں کرتے : کثرت سلام کہتے ہیں

کمال صبر پہ اجرِ عظیم ملتا ہے
رجالِ غیب بھی حضرت سلام کہتے ہیں

نہادہ گنجِ کرم زیرِ حادثاتُ الدّھر
فرشتے دے کے بشارت سلام کہتے ہیں

گلِ فسردہ نے پیغام یہ صبا کو دیا
چمن سے ہوتے ہیں رخصت سلام کہتے ہیں

خدا کے ہو کے رہو - جو خدا کا ہو رہے
اسی کو (یہ) اہلِ بصیرت سلام کہتے ہیں

ہموم سے نہ پریشاں ہوا ہے دلِ اکمل
تمام اہلِ عیادت سلام کہتے ہیں

پڑا ہے اکملِ بیمار آستانے پر
ہزاروں ایسے بخدمت سلام کہتے ہیں

۲۳ ستمبر ۱۹۴۵ء

بفرمائش محمود احمد ناصر از منالی

محمدؐ پر ہماری جاں فدا ہے
کہ وہ سچا ہمارا رہنما ہے

بہ شانِ رحمۃً للعٰلمین
وہ دنیا میں ہوا جلوہ نما ہے

مرا دل اور میری جاں تصدّق
اسی پر ہے جو محبوبِ خدا ہے

جبینِ شوق میں سجدے ہزاروں
تڑپتے ہیں تڑپنا ہی بھلا ہے

قضا آئے اطاعت میں اسی کی
نمازِ شوق پھر میری ادا ہے

بصد خلقِ عظیم آیا جہاں میں
پئے اقوامِ عالم پیشوا ہے

ترقی ہے اسی کی پیروی میں
تنزّل یہ ہے جو اس سے جدا ہے

میں ہو جاؤں ترا تو میرا ہو جا
اگر یہ بات بن جائے تو کیا ہے

خدا کی راہ میں سب مال دے دوں
کہ جو کچھ بھی ہے سب اُس کا دیا ہے

جو سوچے دائمی ہے زندگی کیا
محبت میں فنا اندر فنا ہے

الٰہی بندۂ عاجز ہے یہ اکملؔ
تری درگاہ میں یہ التجا ہے

کہ ہو ناصر تو ہر مشکل میں اِس کا
ترے ہی آستانے پر پڑا ہے

طفیل حضرتِ مہدیٔ موعودؑ
مری بگڑی بنا دے یہ رجا ہے

(ستمبر ۱۹۴۵ء)

دُردانے

عقل و خِرد و ہوش سے بیگانہ بنا دے
دِیوانہ بنا دے مجھے دِیوانہ بنا دے

اے چشمِ مسیحائے محمدؐ یہ نِگا ہے
مستانہ بنا دے مجھے مستانہ بنا دے

ہے شمع جمالِ قدم یار فروزاں
اے سوز دلِ زار کو پروانہ بنا دے

اُس خرقۂ سالوس کا ہونگا نہ قدم بوس
وابستۂ آں شیوۂ رندانہ بنا دے

مشتاق ہوں میں اہلِ تقیٰ اہلِ نُہیٰ کا
محروم کہیں بزم سے مولانہ بنا دے

ساقی کی نوازش ہو تو میکش کو ہی کیا فکر،
چاہے تو وہ ہر گام پہ میخانہ بنا دے

اصحابِ نبیؐ پاک کی ہو شان ہویدا
ایسا ہی مجھے ہمتِ مردانہ بنا دے

حالات فقیرانہ دیئے ہیں تو نہیں غم۔
مولا تو مزاج اپنا تو شاہانہ بنا دے

ٹھکرا کے تمنّاءِ دلِ عاشقِ بے تاب
اِس رازِ محبت کو نہ افسانہ بنا دے

اِس حُسنِ دو روزہ پہ جو نادان ہے نازاں
ڈر ہے کہ خودی اُس کو تماشانہ بنا دے

اللہ کا گھر ہے رہے پاکیزہ۔ مُبادا
دِل کو نہ خیالات کا بُت خانہ بنا دے

کچھ بھی نہیں بنتا۔ نہ بنے۔ توڑ نہ دل تو!
ساقی اِسے ٹوٹا ہوا پیمانہ بنا دے

فرزانگی سمجھا ہوں۔ سمجھتا ہی رہوں گا ۔۔۔ دیوانہ ۔ جنونِ غمِ جانانہ بنادے
جو کچھ بھی کہا گو بحدیثِ دِگراں ہے ۔۔۔ بہتر ہے اِسے میرا ہی افسانہ بنادے
انکار نہ کر مُصلحِ مَوعُود ہے صادِق ۔۔۔ ایمان کے گلشن کو نہ وِیرانہ بنادے
اکمل ہے خزف پارہ بظاہر ترا ہر لفظ
لیکن جو خُدا چاہے تو دُرِّ دانہ بنادے
(الفضل نمبر ۲۲ جلد ۳۳)

ہمارا روشن مستقبل

کیا بتاؤں ہمدمو! کیا قادیاں ہونے کو ہے ۔۔۔ خطۂ جنت نشاں دارُالاماں ہونے کو ہے
یہ زمیں بستے تھے جس میں کچھ عوام النّاس ہے ۔۔۔ کوئی دِن دیکھ لینا آسماں ہونے کو ہے
ایک ویرانے میں آتی جا رہی ہے کیا بہار ۔۔۔ گُونا گُوں پھُولوں سے یہ تو بوستاں ہونے کو ہے
کوڑی کوڑی کے لئے ترسا کئے باشندگاں ۔۔۔ ظاہر و باطن کا گنج شائیگاں ہونے کو ہے
صنعت و حرفت علومِ معرفت سوداگری، ۔۔۔ ہر ترقّی کا یہ مرکز بے گماں ہونے کو ہے
مَرجعِ خَلقِ خُدا و مَنبعِ دِینِ ھُدیٰ، ۔۔۔ مَسکن و مدفن پئے رُوحانیاں ہونے کو ہے
ظُلمتیں کافُور ہو جائینگی جہل و بُغض کی ۔۔۔ ماہتابِ علم و عرفاں ضَو فشاں ہونے کو ہے
بےکس و بےبس نظر آتا ہے جو قرآں خواں ۔۔۔ اِس میں کچھ بھی شک نہیں صاحبقراں ہونے کو ہے
جس کو تم گمنام سا گاؤں بتلاتے رہے ۔۔۔ بھُولے بھٹکوں کا وُہی تو آستاں ہونے کو ہے
نقش پھر ختمِ نبوّت سے قلوبِ خَلق پر ۔۔۔ اِسمِ پاک احمدؐ آخر زماں ہونے کو ہے
سیّدی محمود احمدؓ مُصلحِ مَوعُود کا ۔۔۔ کُل جہاں میں شہرۂ مُعجز نشاں ہونے کو ہے
اِک جوانی سی نظر آنے لگی ہر پیر پر ۔۔۔ جَلسۂ سالانۂ خُدّام ہاں ہونے کو ہے
اے جماعت کے عزیزو تم بڑھو پھُولو پھلو ۔۔۔ مُستجابِ حق دُعائے دوستاں ہونے کو ہے
جو سُنا یا وَحیِ حق نے ھی دِکھائی دے رہا!
کیا لِکھوں اکمل کہ کیا کچھ قادیاں ہونے کو ھی
(الفضل ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ء جلد ۳۳ نمبر ۲۴۲)

دُرِّ نایاب

آہ! اب تک تو وُہی رنگِ جہاں ہے کہ جو تھا
دِل میں اِک درد بھی ویسا ہی نہاں ہے کہ جو تھا

بعثتِ ثانیہ میں وُہ ہی سماں ہے کہ جو تھا
جَلوۂ قدرتِ حق وُہ ہی عیاں ہے کہ جو تھا

دیکھئے دیکھئے! وُہ شاہسوارِ مدنی
پھر اُسی شان سے ضابطۂ عناں ہے کہ جو تھا

مہدیٔ پاک کے انفاسِ مُبارک کا اثر
مصلحِ وقت میں ویسے ہی عیاں ہے کہ جو تھا

عہدِ محمُود میں بھی از سرِ کیف و مستی
وُہی نظّارۂ ماہِ رمَضاں ہے کہ جو تھا

گُلشنِ دینِ محمدؐ میں بہار آئی ہے
کشورِ کُفر میں دورانِ خزاں ہے کہ جو تھا

یُونہی عوعو کئے جاتے ہیں سگانِ دُنیا
قافلہ دیں کا بدستُور رواں ہے کہ جو تھا

یہ زمانہ ہے قلم کاری و دینداری کا
بیہُودہ مشغلۂ سیف و سناں ہے کہ جو تھا

نہ مدد کر سکا جاپان کی مصنوعی خدا
بلکہ ہو گیا آپ ہی بے نام و نشاں ہے کہ جو تھا

لاکھ چھینٹے دیئے اشکوں کے مگر حال یہ ہے
دلِ اکملؔ میں وُہی سوز نہاں ہے کہ جو تھا

(۲۱ نومبر ۱۹۴۵ء)

نظم

(۵ رنومبر ۱۹۴۵ء کو صُبح سے پہلے)

سامنے امشب اچانک جب وُہ میرے آ گیا
میں یہ سمجھا چرخ سے آیا اُتر ماہِ تمام

حُسنِ بے پروا کا میرے عشق نامنظور ہے
ہے سلوک نَے پیام و نَے سلام و نَے کلام

یادِ رُوئے روشن و زُلفِ سیہ فامِ حبیبؐ
گوشۂ تنہائی میں یہ مشغلہ ہے صُبح و شام

جاں دیتا تھا محبّت پر وفادارِ قدیم
میری تُربت پر لگائیں کتبۂ سنگِ رخام

وُہ تو ہے پہلے ہی سے درماندہ سحرِ حلال
نیند کیوں یا ربّ ہُوئی جاتی ہے شاعری حرام

صُلحِ کُل ہونا تو اچھا ہے مگر اچھا نہیں
با مُسلماں اللہ اللہ، با برہمن رام رام

کام ایسے کر کہ جن سے خلق کو راحت ملے
چاہتا ہے تو اگر دنیا میں اپنا نیک نام

مسلکِ سجاد[1] اکمل کر لیا ہے اختیار
دین کو رکھتے ہیں دنیا پر مقدم ہم مدام

[1] موجودہ زمانے میں سجاد حضرت مسیح موعودؑ ہیں*

یہ نظم حیدرآباد نشرگاہ سے ۱۴ر دسمبر بوقت ۲۵-۱۰ رات براڈکاسٹ ہوئی۔

حالاتِ حاضرہ

فی البدیہہ

چین بے چین ہے پھر اسمیں ہے خانہ جنگی
اور جاوا میں بھی پائی گئی ہے دو رنگی

ڈچ حکومت کو نہیں مانتے انڈونیشی
کشمکش جاری مفاسد میں ہے از حد بیشی

ہند چینی میں انامی بہ سرِ جنگ ہوئے
سینکڑوں کھیت رہے تیغ سے جو رنگ ہوئے

بڑھتی جاتی ہے زمانے میں ملمع سازی
قعرِ مذلت میں ہیں جاپانی ہوں یا ہوں نازی

روس بلقان پہ حاوی ہے جزائر پہ نظر
مشرق و مغربِ اقصیٰ میں ہے اک طرحِ دگر

دانت ترکی پہ ہے ایران کی بھی خیر نہیں
یوں کہے جاتا ہے مجھ کو تو کوئی بیر نہیں

بیتِ مقدس ہو فلسطین ہو یا تورانِ یہود
ہے عرب پر نئی افتاد یہ طغیانِ یہود

ہند والوں کو بہت فکر ہے آزادی کا
صلح آپسمیں نہیں خوف ہے بربادی کا

احمدیت تو ہے برحسبِ ہدایاتِ امام
منہمک دعوۃ و تبلیغ میں باسعی تمام

کہ اسی راہ سے اسلام کو ہو فوز و فلاح
دین و دنیا میں میسر ہو بہت جلد نجاح

ترے احکام بجا لانے کو تیار ہیں ہم
دل سے اسلام کے خدام ہیں انصار ہیں ہم

اس جہنم کو بنا دے مرے مولیٰ فردوس
یا الٰہی تری رحمت کے طلب گار ہیں ہم

ان میں اک بندۂ عاجز یہ گنہ گار بھی ہے
نام اکمل ہے مگر نقص کا اقرار بھی ہے

(۱۰ر دسمبر ۱۹۴۷ء)

* تقلبک فی الساجدین کے مطابق حقیقۃ روحانیتِ محمدیہ کسی نہ کسی مجدد و ملہم و رسل کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے جو سب [illegible] اکمل

ظفر علی خاں کی نظم پر

ایک معترض کے جواب میں

کوئی مردِ زمینی آسمانی ہو نہیں سکتا
نکما مستحق کامرانی ہو نہیں سکتا

وفاتِ ابنِ مریم سے نہ کر انکار تو پیہم
یہ انسانِ فانی جاودانی ہو نہیں سکتا

رسول اللہؐ خاتم ہیں تو انکی مہر سے پھر کیوں
غلام احمدؑ مسیحِ قادیانی ہو نہیں سکتا

بنا دیتی ہے صحبت صادقوں کی مس سے زرِ خالص
مہوس کامیاب خبط آنی ہو نہیں سکتا

نمازیں غیر کے پیچھے پڑھے۔ لڑکی کا رشتہ دے
مریدِ حضرتِ احمد قادیانی ہو نہیں سکتا

بہ بذلِ مال و جاں یہ نعمتِ دارین پاؤ گے
کہ حاصل گنجِ عرفانی زبانی ہو نہیں سکتا

مباہل یا مفسر یا مقابل آئے ناممکن
حریفِ ہستیٔ باقی یہ فانی ہو نہیں سکتا

بجز ظلی بروزی ہونے کے یہ ٹھیک ہے اکملؔ
محمد مصطفےٰؐ کا کوئی ثانی ہو نہیں سکتا

(فاروق ۷ ستمبر ۱۹۳۵ء)

کیا معلوم

شانِ ناز و نیاز کیا معلوم
ان کے آپس کے راز کیا معلوم

خود بخود راگ گا رہا ہے دل
ہے ہم آہنگ ساز کیا معلوم

ہم تو دارالاماں میں رہتے ہیں
حالِ ملکِ حجاز کیا معلوم

غیر تو خیر مجھ کو بھی ہمدم
قدرِ شوقِ ایاز کیا معلوم

جو حقیقت سے بے خبر ہے اسے
ذوقِ عشقِ مجاز کیا معلوم

قصہ کوتہ کیا سنیں نہ سنیں
داستاں ہے دراز۔ کیا معلوم

مصلحِ وقت کا جلال و جمال
حق ہے ناز و نیاز کیا معلوم

مان جاؤ نہ یونہی منہ آؤ۔
درِ توبہ ہے باز کیا معلوم

کل کو کیا اور ہونے والا ہے
ہیں بہم سوز و ساز کیا معلوم

دل کو دل سے راہ ہوتی ہے
پھر ہے کیوں احتراز کیا معلوم

پہنچے ساحل پہ یا بھنور میں پڑے
زندگی کا جہاز کیا معلوم

جز خداوندِ کردگار اکملؔ
تیرا سوز و گداز کیا معلوم

برسوں سے

پڑا ہے قادیاں میں اکملؔ بیمار برسوں سے
پئے دیدِ جمالِ جاں فزائے یار برسوں سے

غریبِ شہر۔ افتادہ ہے۔ دہلیزِ مبارک پر
بہ امیدِ حصولِ دولتِ دیدار برسوں سے

بہ فیضِ ساقیِ کوثر نظر۔ آباد کرتا ہے،
جو اِک ویرانہ سا تھا خانۂ خمار برسوں سے

اُفق پر ہم نے پہلی رات دیکھا چاند نبیوں کا
اِسے ہم جانتے آئے ہیں پُر انوار برسوں سے

فروزاں پہلے ہی تھے حسنِ عالمتاب کے جلوے
مگر اَب اور ہی کچھ بات ہے، دوچار برسوں سے

مقامِ حمد سے ظاہر ہوا ہے اب خلافت سے
جو تھا زیرِ بنا قدرت کا اِک شہکار برسوں سے

وہ آئیں لابھ اُٹھائیں، اُنکے درشن شوق سے پائیں
جنہیں تھا انتظارِ نہہ کلنک اوتار برسوں سے

اسیروں کا رہائی دینے والا آگیا۔ خوش ہوں،
جو سہتے آ رہے تھے سخت اتیاچار برسوں سے

میں سب کچھ بھول جاؤں پھر جدھر دیکھوں وہی پاؤں
تقاضا کر رہا ہے رنگِ حُسنِ یار برسوں سے

مٹا کر اپنی ہستی خاک کوئے یار ہو جاؤں،
یہ ہے معراجِ عشقِ طرۂ طرار برسوں سے

حسد میں جل رہا ہے کیوں دراندازی سے کیا حاصل
کہ میرا اُن کا آپس کا تو ہے پیار برسوں سے

جنابِ شیخ میری مخلصی کے ہونگے کیا ضامن
کہ ہے رہن اُن کا اپنا جبہ و دستار برسوں سے

رہِ دلدار میں ہر گام پر سجدہ اُسی کا ہے
تڑپ تبلیغ کی رکھتا ہو جو دیندار برسوں سے

بنا رکھا ہے دستور العمل اپنا تو اکملؔ نے
اصولِ دست در کار و دلے بایار برسوں سے

(الفضل ۱۰ فروری ۱۹۴۲ء)

خیر مقدم

مبلغ سوماٹرا کی آمد پر

شکر صد شکرِ خدا۔ آئے "محمد صادق" ؐ
مرحبا والہ و شیدائے محمدؐ۔ صادق

رونگٹا رونگٹا شاہد ہے فداکاری پر
حبذا شوقِ تولائے محمدؐ صادق

ساری دنیا پہ غلام آپ کے چھا جائیں گے،
اے زہے عظمت پہنائے محمدؐ صادق

تخت سب تختوں سے اونچا ہے مرے ہادی کا
کون ہو سکتا ہے بالائے محمدؐ صادق

دستِ محمود اولوالعزم کی گلکاری سے
ہے فروغِ درِ زیبائے محمدؐ صادق

میکشوں کیلئے ساقی بھی کوئی چاہیئے تھا
خالی رہ سکتی نہیں جائے محمدؐ صادق

تشنہ کامی سے برا حال ہے اچھے ساقی
ایک دو گھونٹ زصہبائے محمدؐ صادق

احمدیت کا ہی دعویٰ تو دِکھا کچھ کر کے
اے غلام شہِ والائے محمدؐ صادق

پہلے آئے تھے مگر پیچھے رہے جاتے ہو
دوڑو! نزدیک ہے بطحائے محمدؐ صادق

قادیاں آؤ، یہاں صاف نظر آتا ہے
وہ رہا گنبدِ خضرائے محمدؐ صادق

جسم کمزور ہے۔ ہو۔ روح نہ کمزور رہے،
المدد قوتِ اعدائے محمدؐ صادق

کوئی خدمت بھی کرتے ہو زباں سے اکملؔ
خادم بابِ مسیحائے محمدؐ صادق

عہدِ نبویؐ کی وفادار بیوی

(عربی نثر سے نظم)

جنگِ اجنادین ملکِ شام میں اسلام کے
کام آئے کچھ سپاہی اتفاقاً شام کے

بنتِ علقمہؓ امِ آبانؓ اک نویلی تھی دلہن
اس کا شوہر بھی انہی میں تھا شہیدِ بےکفن

جب خبر پہنچی عروسِ نو کو شوہر چل بسے
وہ شہادت گاہ کو دوڑی نہایت شوق سے

ہاتھوں میں مہندی رچی تھی عطر کی بو باس تھی — سینکڑوں ارماں دل میں۔ رہ گئی بے آس تھی
رہ گئی ہر چند ششدر۔ تھام کر اپنا جگر — رہنمائی نورِ ایمانی کی دیکھیں تو مگر
آتے ھی بولیں کہ پیارے مرحبا صد مرحبا — مرتبہ تم کو شہادت کا ہُوا حق سے عطا
زندگی پائی ہمیشہ کی تمہاری روح نے — اور جوارِ ربّ میں ہو اب زوجِ حورِ عین کے
ہم کو آپس میں ملایا خاص ہے فضلِ خدا — اسمیں بھی حکمت ہے اُسکی، ہو گئے جلدی جدا
مَیں قسم کھاتی ہُوں ربّ کی جاری رکھونگی جہاد — آملوں گی جلد تم سے میرے پیارے شاد شاد
دِل میں رہ رہ کر مرے اُٹھتا یہی اِک جوش ہے — راہِ حق میں جان دُوں یہ سَر وبالِ دوش ہے
عیش گو میرا مُنغّص ہو گیا لیکن مجھے — ہے یہی اُمّید درگاہِ خدائے پاک سے
بچھڑے مل جائیں گے باہم پھر جدا ہونا نہیں — پا کے لعلِ بے بہاء وصل پھر کھونا نہیں
تم مجھے بھولے نہیں ہو مَیں تمہیں بھولی نہیں — عشرتِ ایّامِ رفتہ کچھ ہمیں بھولی نہیں
فی سبیل اللہ مری جاں اب قربان ہو — یہ فدا کاری ہی میرا حاصلِ ایمان ہو
غیر چھُو جائے مجھے۔ ممکن نہیں ممکن نہیں — مستحق اِس بات کا کوئی تمہارے بن نہیں
عہد جو باہم ہُوا اُس کا نبھانا میرا کام — ھے زباں پہ صبح سے بعد از لقائے تو حرام

دم میں دم جب تک ھے، اکمل یہ ھے میری آرزو
تُم سے آ جلدی ملُوں، اَللّٰہ ھُو اَللّٰہ ھو

(۳؍جولائی ۱۹۴۶ء)

ابرِ بہاری کا ایک چھینٹا

یادِ حبیب

کئی گھونٹ تلخابِ غم کے پیئے ہیں — یہ فرقت میں اُن کی ہیں اُنکے لئے ہیں
خدا یاد آتا ہے، آتا رہے گا — بہت رنج مجھ کو بتوں نے دیئے ہیں

ہیں شکوے تو صد ہا جفائے عدو کے
مگر صبر نے ہونٹ میرے سیئے ہیں

بڑی شان ہے شانِ فضلِ عمرؓ کی
جنہیں جاں نثار اتنے حق نے دیے ہیں

سلامت رہے میکدہ تیرا ساقی
کہ پیاسے تھے بھر بھر کے کاسے پیئے ہیں

جو جاں اپنی قربان اللہ کر دیں
وہ مرتے نہیں ہیں ہمیشہ جیے ہیں

عمل جن کا ہو جاں بجاناں سپردن
وہ مُردہ نہیں فی الحقیقت جیے ہیں

معارف جو سنتے ہیں ہم روز اکمل
یہ عقبیٰ کی منزل کے روشن دیئے ہیں

(شب درمیان ویروار ۱۴ جولائی ۱۹۴۶ء کو)

خزف پارے

حُسن سے وابستگی خالی نہیں احساس سے
مل رہے گا کچھ نہ کچھ حصہ ہمیں بو باس سے

جو ملے ضائع نہ ہونے پائے پھر کام آئے گا
یہ سبق ہم کو ملا ہے آجکل قرطاس سے

کچھ بھی ہو مدِّ نظر ہر حال میں قبلہ رہے
رہبری و رہنمائی سیکھئے کمپاس سے

صورتِ حالات ہو جائے اگر اندیشناک
اے مبلّغ کام لے تو سورۂ الناس سے

بات ہو بے قاعدہ تو بحث سے کیا فائدہ
ابتدا تبلیغ کی لازم ہے استیناس سے

پیش ہوں آیاتِ قرآنی احادیثِ رسولؐ
کچھ نہ کہئیے جز وضاحت آپ اپنے پاس سے

بے خبر ہیں سکھ ابھی توحیدِ حق کی شان سے
نقص جو جو ہیں انھیں سمجھائیے "ارداس" سے

اپنے ہی بھائی نہیں آپس میں کرتے اتفاق
کیا شکایت مجھ کو ہو سکتی ہے منگل داس سے

دل نہیں ملتے تو کیا حاصل بظاہر میل سے
کھول دو باطن کی گرہیں پاس بدلو آس سے

آنکھیں کھولو۔ دیکھو اوپر۔ چاندنی ہی چاندنی
چودھویں کا چاند ہے ضَو بار سمتُ الرّاس سے

ساقیٔ خمخانۂ وحدت اِدھر بھی ایک جام
دیر سے حالت دگرگوں ہو رہی ہے پیاس سے

احمدیت کے مقابل غیر مذہب آئے کیا
ریشمی کپڑے کو کیا نسبت بھلا گرپاس سے

غرقِ طوفانِ ضلالت ہو رہے ہیں اتنے لوگ
استفادہ کیوں نہیں کرتے ہمارے طاس سے

بیعت المہدی کریں گے سینکڑوں باصد خلوص
کلکتہ۔ رانچی۔ کراچی۔ بمبئی۔ مدراس سے

اُمتِ دعوت کو توفیقِ انابت ہو نصیب
رَبِّ اَیِّدْنَا بِفَضْلِکَ تیسرے الیاس سے

کھیتیاں سرسبز ہوں گی پھر بہار آنے کو ہے
ہر طرف پہنچے گا پانی آبشارِ بیاس سے

دُور بدامنی ہو یاربّ صُلح کوشی کامیاب
مُضطرب ہیں ہند والے قحط سے افلاس سے

آؤ لگ جاؤ گلے، جاتے رہیں سارے گِلے
پھر اُسی پہلی محبّت پھر اُسی احساس سے

یُوں تو لکھنے کو بہت لکھ جاؤں اکملؔ کیا کروں
قافیہ ہے تنگ اپنا قلّتِ قرطاس سے

(الفضل ۱۲ اگست ۱۹۴۷ء جلد ۳۵ نمبر ۱۸۲)

عشرِ اواخر من رمضان

اعتکاف

بچتے رہے صِیام میں لاف و گزاف سے
اَب فائدہ اُٹھاتے ہیں ہم اعتکاف سے

یہ اعتکاف کیا ہے؟ تبتُّل اِلَی الغفور
مسجد میں بُود و باش دلِ پاک و صاف سے

خیرات کے حصُول میں ہو وقتِ استباق
با۔ شدِّ میزرہ۔ مُتمتّع طواف سے

کِس کا طواف؟ کعبہ ہے قرآں جاں فروز
کچھ کر دکھائیں بچ کے تعشّق کی لاف سے

بڑھ بڑھ کے نیکیوں میں قدم مارتے چلیں
تر سجدہ گاہیں کرتے ہوئے اعتراف سے

کیا اعتراف؟ اپنے قصُوروں کا اعتراف
صالح عمل ہو۔ توبہ ہو۔ ہر انحراف سے

ہو قول و فعل حسبِ ہدایاتِ مُرسلین
قائم بہ دینِ قیّم و تائب خلاف سے

دُورِ فتن میں دُور رہیں مفسدوں سے ہم
تلقین یہ کریں کہ بچو اختلاف سے

کرلیں دُعائیں درگہِ مولیٰ میں خُوب خُوب
آئیں جوارِ رحمتِ حق میں مخاف سے

اکملؔ یہ نوجوانوں کو سمجھاؤ بار بار
راحت حقیقی ملتی ہے پیار و عفاف سے

(الفضل ۲۱ اگست ۱۹۴۷ء جلد ۳۵ نمبر ۱۹۵)

جوشؔ کی نظم دیدۂ منتظر
کو
مژدہ امامِ کامگار

اے منتظر وہ عیسیٰ دوراں ہے آگیا
صد مژدہ ہر مریض کو درماں ہے آگیا

جو میزبانی کے ہیں فرائض ادا کرو
تھا انتظار جس کا وہ مہماں ہے آگیا

صلِّ علیٰ کا مملکتِ جاں میں شور سُن
وہ شہریارِ کشورِ ایماں ہے آگیا

اُگلے زمیں نے لعل۔ مہ و مہر ہیں نثار
وہ قاسمِ خزائنِ عرفاں ہے آگیا

ہیں طائرانِ قدس نوا سنج و نغمہ ریز،
یعنی وہ نو بہارِ گلستاں ہے آگیا

اب سونا کیسا جاگو کہ چاندی ہی چاندی ہے
وہ آفتابِ صبح زر افشاں ہے آگیا

آنکھیں اگر نہ پھوٹ چکی ہوں تو دیکھ لو
وہ نورِ دیدہ۔ نیّرِ تاباں ہے آگیا

خوش ہو کے شادیانے خوشی کے بجائیے
دولھا برات لے کے بصد شاں ہے آگیا

اب اشکبار دیدہ محروم کیوں رہے
تھی جس کی چاہ یوسفِ دوراں ہے آگیا

برپا ہیں چاندنی میں کئی نوریوں کے جشن
پہنائے شب میں بدرِ درخشاں ہے آگیا

ہر گوشِ منتظر کو یہ اکملؔ نے دی نوید
مہدیٔ مسیح۔ مرسلِ رحماں ہے آگیا

(۱۳ مئی ۱۹۴۶ء)

اَھلاً وَّسَھلاً

جلال الدین شمس سیکھوانی باصفا آئے
جو سورج صدق اسلامی کا مغرب سے چڑھا آئے

عرب میں، شام میں، مصر و فلسطین کوہ کربل میں
یہی تو ہیں جو اوّل احمدی سکہ بٹھا آئے

امام مسجد فضلِ عمرؓ تبلیغ فرماتے
خدا کے فضل سے منصور ہو کر برملا آئے

یہ نشأة فی العبادۃ اس جوانی میں مبارک ہو
بفیضِ پیرِ میخانہ سعادت انتہا آئے

مسیحائے محمدؐ نے مئے عرفاں جو بخشی ہے بلادِ مغربی میں خُم کے خُم اسکے لُنڈھا آئے
زمانِ مُصلحِ موعود میں یہ فخر پایا ہے سبھی بُرنا و پیر و طفل کہنے حبّذا آئے
عزیزِ مصر اُلفت یُوسفِ شہرِ محبّت ہو پئے دیدارِ حُسنِ خدمتِ دینُ الہُدیٰ آئے
ملائک پھول برساتے مبارکباد کے اُترے تو اصحابُ النّبی لے کر ہدایائے دُعا آئے
سُرورِ قلب و نورِ دیدہ ہو معذورِ آکملؔ کے
خدا کا شکر جیتے جی مرے تم رُونما آئے

مطبوعہ (الفضل ۱۳؍ اکتوبر ۱۹۴۶ء)

ایک حدیث کا ترجمہ

پُوچھا نبی کریمؐ سے اِک شخص نے حضور یہ وَہن چیز کیا ہے رسول تاکہ اِس سے دُور
فرمایا۔ خوفِ موت سے دیں پر عمل نہ ہو آرام کا خیال کہ اس میں خلل نہ ہو
حُکمِ جہاد آئے اِمامُ الزّمان سے انگڑائیاں ہی لیتا ہے گھر میں شان سے
دعوے کرے اگرچہ کئی وہ زبان سے حاضر بصد خلوص نہ ہو مال و جان سے

ڈھاکہ کی احمدیہ مسجد جلنے پر

ڈھاکے میں جو ہپتا پڑی آزُردہ ہوں افسوس بے چین ہوں غمناک ہوں افسردہ ہوں افسوس
اللہ کا گھر ہندو و مسلم کا ہے سانجھا بھارت کے سپوتوں کا ستم خوردہ ہوں افسوس
جتنا بھی دبائے کوئی اُتنا ہی اُبھر آئے وہ یہ تو غلط سمجھے ہیں میں مردہ ہوں افسوس
کچھ کر نہ سکا اُسکے لئے مر نہ سکا میں اِسلام کے آغوش کا پروردہ ہوں افسوس
یاربّ تری رحمت کے طلبگار ہیں بندے
اکملؔ سے ہزاروں ہی بہت زار ہیں بندے

(الفضل نومبر ۱۹۴۶ء)

تحریکِ جدید

مُصلحِ وقت نے فرمائی ہے تحریکِ جدید
کامیابی تو ہے نزدیک۔ مگر راہ بعید

اپنی اِصلاح کریں خُلقِ حسن۔ حُسنِ خُلق،
سادگی۔ سادہ رَوی ہو بتقاضائے شدید

اس طرح سے جو ہو تطہیرِ ثیابِ مُسلم
پئے تبلیغ نکل جائے بقرآنِ مجید

مال کیا چیز ہے یہ جان بھی قُرباں کردے
وقف اَولاد بھی ہو جائے تو ہو زِندہ شہید

خُوب پُورا ہُوا ہے کشفِ مسیحِ موعُودؑ
فوج ہے پَنج ہزاری یہ پئے دِفاعِ عنید

یہ مُقدّر ہے کہ ہو دِینِ محمّدؐ کا ظہور
دَشتِ محمُود میں ہی فتح و ظفر کی جو کلید

قدمِ صدق و وفا شاہدِ یکتا کے حضور
خُوب جم جائے تو ہی فضل پہ اِک فضل مزید

دِیدِ جاناں ہو میسّر بسکونِ خاطر
تو ہی ہر شب۔ شبِ قدر اَور ہی ہر روز ہی روزِ عید

عاجز اکمل پہ عنایت کی نظر ہو مولیٰ
شامِ غم دُور ہو راحت کی سحر ہو مولیٰ

(الفضل نومبر ۱۹۳۶ء)

رہے وفا و صداقت پہ میرا پاؤں مدام

اگر نہ پشت ہو ہمّت بہ پیروئ امام
تو مؤمنوں کو ملے جلد ہی بلند مقام

ستارہ صُبح کا نِکلا بوقتِ مطلعِ فجر
صدائے غیب بہر سُو ہے کُلُّ اَمرٍ سلام

اندھیرے کونے میں کیوں مُنہ چھپائے لیٹے ہو
اُٹھو فضا میں ہے انوار ریز ماہ تمام

جبھی قبول بدرگاہِ ایزدی ہوگے
تمہارے نیک عمل ہوں بہ اِلتزام دَوام

جو چاہتے ہو کہ پاؤ سعادتِ کُبریٰ
تو صدقِ دِل سے کرو اِتباعِ شاہ انام

وُہ کون خاتم فصِ رسالتِ عُظمیٰ!
کہ جس کے زیرِ نگیں ہے مرا مسیح امام

ہمارا مقصد واحد ہے دِین و دُنیا میں
عجیب شان سے اِسلام کا ہو پُختہ نظام

یہ رام رام تو کرتے ہیں رام کرلو انہیں — ہنود پائیں گے یوں دو جہان میں آرام
جو عزم بھی ہے اُولُو الْعَزْم کا وہ پورا ہو
دُعا ہے اکملِؓ مشتاق کی یہ صبح و شام
(فرقان دسمبر ۱۹۴۶ء)

دعوتِ شمولیتِ جلسہ سالانہ احمدیت

وہ آئیں اور دیکھیں احمدؑ پُر نور کے جلوے — یہاں کے ذرّے ذرّے میں درخشاں طور کے جلوے
کنارِ آب رکنا باد و گلگشتِ مصلّیٰ کیا؟ — مدینے اور مکے جنّتِ مأثور کے جلوے
تجلّی قاب قوسین و تدلّیٰ کی یہیں ہوگی — قریب آؤ نظر آئیں گے بے حد دور کے جلوے
براہین و ادلّہ ساطعہ کی شان بھی دیکھو۔ — بہت دیکھے تفنگ و نیزہ و ساطور کے جلوے
جو مشتاق جمالِ یار ہیں اُن کو یہ مژدہ ہو — یہیں مشہود ہونگے شاہدِ مستور کے جلوے
سنور جائے گی دُنیا۔ عاقبت محمود کردینگے — ضیا افروز عالم مُصلحِ پُر نور کے جلوے
پئے تنویر قلبِ اکمل۔ یہی ہے منتخب معمل
جلا دینگے تمہاری رُوح کو مامور کے جلوے
(الفضل ۱۶ ر دسمبر ۱۹۴۶ء جلد ۳۴ نمبر ۲۹۲)

لب پہ ہے دل میں نہیں نقش ترا نام ابھی

مُسلمِ ہند کی پُر نور نہیں شام ابھی — لب پہ ربّ ربّ ہے مگر دل میں نہیں نام ابھی
تری دریا دلی کے ساقیٔ مہ وش میں نثار — اور ہل جائے چھلکتا ہوا اک جام ابھی
آسماں ٹوٹ پڑا ہل گیا مغرب سارا — عرش تک پہنچا ہی تھا نالۂ ایتام ابھی
طائرِ قدسیٔ اسلام! بلندی پر اڑو — کہ بچھائے ہوئے بیٹھے ہیں کئی دام ابھی
وہ رہی منزلِ مقصود ذرا ہمت کر — احمدی کے لئے لازم ہے کچھ اقدام ابھی
تھوڑی باقی ہے بہت گذری ہے اکمل لیکن
تُو نے تجہیزِ سفر کا نہ کیا کام ابھی!
(دسمبر ۱۹۴۶ء) (غیر مطبوعہ)

"زمیندار" میں ایک نظم دیکھ کر

نزولِ وحی سے ہنکارِ الٰہی کے بعد — مخالفوں کی خرافات سے خدا کی پناہ

خدا بنا کے فلک پر بٹھا دیا ہو یسوع — صلیبیوں کی روایات سے خدا کی پناہ

مسیح و مہدی موعود ہو "غلام احمد" — مکذّبین کی ہفوات سے خدا کی پناہ

وہی تھا قیّم ایمان و وحدت و توحید — دلائی کفر کی ہر بات سے خدا کی پناہ

جو افترا کرے ناحق ہی پاکبازوں پر — ہر ایسے سر پھرے بدذات سے خدا کی پناہ

دل و دماغ کریں گندہ و پراگندہ — ہے ایسے مخش فکاہات سے خدا کی پناہ

عذاب آیا اسی شوخی و شرارت سے — نہ مانگی تم نے ان آفات سے خدا کی پناہ

بدی کا بدلہ بدی ہے یہ یاد رکھیے گا — بُرے عمل کی مکافات سے خدا کی پناہ

یہ اعتراض وہی ہیں جو انبیا پہ ہوئے — مکفّروں کی مساوات سے خدا کی پناہ

نقوشِ بد کسی نقّاش نے جو چھوڑے ہیں — طلب کرے گا نشانات سے خدا کی پناہ

عدو نے تیر جو پھینکے اسی پہ لوٹے ہیں — مگر ہے فخر و مباہات سے خدا کی پناہ

ظفر علی سے گزارش ہے عاجز اکمل کی — اخیر عمر و خرافات سے خدا کی پناہ

(۱۹۳۸ء)

بہشتی مقبرے میں

صبح دم تڑپا گئی جب یاد سرور شاہ کی — کوئے جاناں میں گیا حسرت سے میں نے آہ کی

فلسفہ منطق۔ حدیث و فقہ میں استادِ کل — فہمِ قرآنی میں وہ درجہ کہ سب نے واہ کی

صاحبِ علم و عمل۔ خوش خلقی میں ضرب المثل — انتظام و نظم میں تکریم لا اکراہ کی

خوب کی انوار پاشی اور دکھائی بالخصوص — بہ فروغِ الوصیّت۔ شانِ مہر و ماہ کی

مسلکِ الفقر فخری پر رہے ثابت قدم — کی نہ ہرگز آرزو تحصیلِ عزّ و جاہ کی

ختم ان پر ہوگئی پابندئی صوم وصلوٰۃ
باجماعت چلے بہ شوق و ذوقِ دل یہ راہ کی

ظاہر و باطن میں یکساں حسن کی تصویر تھے
یوسفی انداز میں تصویرِ اِلّا اللّٰہ کی

مصلحِ موعود کی اُلفت میں ایسے محو تھے
فکر تھی کچھ بھی نہ اپنے خیمہ و خرگاہ کی

حافظ و ناصر خدا ہو اور مبارک ہر ادا
حشر تک پھولے پھلے اولاد سرور شاہ کی

اصل تاریخ:۔ از سرِ اخلاص تو "جنت میں سرور شاہ"۔ لکھ (۲۳ جون ۱۹۴۷ء صبح کہی)
جنت میں سرور شاہ } فوت کی تاریخ اکمل مردِ حق آگاہ کی ۱۳۶۶ھ (۲۵ جون الفضل نمبر ۱۴۹)

بارانِ رحمت

(مطبوعہ الفضل ۸ جولائی ۱۹۴۷ء جلد ۳۵ نمبر ۱۶۰)

خطبہ جمعہ کے مطابق بارش

برس برس کہ تپش سے جہاں بلب بیزار
تڑپ تڑپ کے ہوئے ہیں نڈھال۔ پیاسے ہیں

زمین والوں نے کھیلا جو آہ آگ کا کھیل
فلک نے شعلوں کے بھر بھر انڈیلے کاسے ہیں

جو آرزو حبیب کے آنے کی ہوئی پوری
یہ کون کہتا ہے ہم فضل سے نراسے ہیں

گھٹا فلک سے جو اٹھی تو کر دیا سیراب
ادا و نازِ خاص کے رشتے عجب قضا سے ہیں

ہمیں بھی بادۂ گلرنگ۔ ساقیٔ کوثر
حسین ابنِ علیؓ تو ترے نواسے ہیں

برس برس ذرا کھل کر برس کہ پیاسے ہیں
خدا کے فضل سے ہم بھی کسی کے داسے ہیں

مزید رحمتِ حق کا ہے منتظر اکمل
برس برس ابھی کھل کر برس کہ پیاسے ہیں

مزیدِ رحمتِ باری کے منتظر اکمل
بڑی امید سے ہم قادیاں کے باسی ہیں

نظم

دس بجے کے بعد جب مَیں لیٹتا بستر پہ ہوں
یوں سمجھتا ہوں کہ جیسے گرم خاکستر پہ ہوں

ایسی خاکستر کہ جس میں کچھ شرارے ہیں چھپے
گھرے بادلوں کی تہہ میں تارے ہیں چھپے

دیکھ کر حالاتِ دُنیا، کوفت میں ہوتا ہے دل
اچھے اچھے آدمی ہیں اس جہاں میں پا بگِل

اور کچھ اپنی غلط کاری پر شرماتا ہوں مَیں
لا کے غیرت کام میں، پھر دل کو گرماتا ہوں میں

اَب نہیں ایسا کروں گا عفو کر مَولیٰ مجھے
سب دَروں سے ہے ترا دَر برتر و اَولیٰ مجھے

یاد آتا ہے سبق بھولا ہُوا تب دفعتہً
کہتا ہوں اَلجأت ظھری رغبۃً اَو رَھبۃً

گود میں الطافِ ربّانی کے سو جاتا ہوں مَیں
بھول کر دُکھ درد سب سرمست ہو جاتا ہوں مَیں

(۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو کہی) (الفضل میں چھپ گئی ہے)

پچھلی نظم کا دوسرا حصّہ

دو بجے ڈھائی بجے کچھ دیر سو جانے کے بعد
کروٹیں لے لے کے تھوڑی دیر سُستانے کے بعد

اُٹھ کھڑا ہوتا ہوں پھر ذکرِ ربّی عا چلا
لب پہ جاری مَا خَلَقتَ الخلق ھٰذا باطِلاً

پھر وضو کرکے مَیں پڑھتا ہوں تہجّد کی نماز
اپنے مولیٰ سے تناجی اَور کچھ راز و نیاز

رَتِّلِ القرآن ترتیلاً پہ کرتا ہوں عمل
یاد ہے اچھی طرح سَبِّح بحمدک بے خلل

خیطِ اَبیض خیطِ اسوَد سے جدا ہوتا ہے جب
تو صلوٰۃ الفجر۔ قرآں کی تلاوت۔ ذکرِ رب

دن کے چڑھنے تک یہ میرا معمول ہے پھر کاروبار
یُوں گذرنے جا ہیں اکملؔ مرے لیل و نہار

(۱۶ اگست ۱۹۴۷ء) (مطبوعہ ۶ ستمبر ۱۹۴۷ء)

آجکل حالت ۱۱ اگست کے بعد

(۱)

کیا کہیئے اپنا حال بہت زار ہم ہُوئے — اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہُوئے
محصُور ہو کے رہ گئے کنجِ خمول میں — محروم ریل ڈاک تو کیا تار ہم ہُوئے
اشیاءِ خورد و نوش کا مِلنا محال ہے — ہر وقت کے فِتن سے پُر آزار ہم ہُوئے
اُف کِس قدر پناہ گزینوں کا ہے ہجوم — یہ بیکسی جو دیکھی دِل افگار ہم ہُوئے
جو دیکھتے ہیں پھر نہ دِکھائے خُدا کبھی — اَللّٰہ تیرے حضور نگونسار ہم ہُوئے

یہ فتنہ و فساد مٹے امن ہو نصیب
آنے نہ پائے حُزن مِری جان کے قریب

(یکم ستمبر ۱۹۴۷ء) (الفضل میں چھپ گئی)

(۲)

شُکرِ خُدا کہ دل ہے نہایت ہی مُطمئن، — یادِ خُدا و خدمتِ خلقت ہے، رات دِن
بیٹھے ہیں کوئے یار میں دُھونی رمائے ہم — الطافِ کردگار پہ نظریں جمائے ہم
وعدہ کیا خُدا نے کہ فتحِ مُبین ہے — پُورا ضرور ہو کے رہیگا یقین ہے
یہ باغ پُر بہار رہے گا اخیر تک — آنے نہ پائے وسوسہ کوئی ضمیر تک
جو عہد کر چکے ہیں اُسے ہم نباہیں گے — جو کُچھ بھی ہو سہیں گے نہ ہرگز کراہیں گے
ہے فرض استقامت و طاعت مطاوعت — مظلوم بن کے رہنا۔ بجُرأت مقاومت
ہر طفل و جواں ہیں اپنے فرائض پہ کاربند — خدماتِ مخلصانہ ہوں اللّٰہ کے پسند
بُوڑھے دُعائیں کرتے ہیں ربِّ ذُوالجلال سے — اِس شہر کی بلائیں الٰہی تُو ٹال دے

ہے ذاتِ پاک حافظ و ناصر تمام کی
اکملؓ ہیں مُستجاب دُعائیں امام کی

(یکم ستمبر ۱۹۴۷ء کو کہی) (الفضل میں چھپ گئی)

دَورِ چہارم

لاہور ۱۲؍اکتوبر ۱۹۴۷ء آکر شروع ہوا۔

پلا ساقی مئے باقی جو وجد انگیز ہے ساقی
یہ کس نے کہہ دیا تجھ سے مجھے پرہیز ہے ساقی

بیادِ قادیاں دار الاماں جامے خوش آشامے
کہ صبح رِند بادہ نوش غم انگیز ہے ساقی

رُلاتی یاد ہے اکثر مجھے اس پاک بستی کی
کہ جسکی صبح خنداں آج تک گلریز ہے ساقی

ستاون سال گذرے تین سو تہتّر تھے جلسے میں
وُہی دورِ زماں فی ہیئتہٖ دُرریز ہے ساقی

مفاسد میں ضرورت تھی کسی مصلح کی آمد کی
جو آکر پھر یدِ بیضا سے عنبر ریز ہے ساقی

اسے قابو میں لانا شہسوارِ حق کا حصّہ ھو
کہ سرکش گردشِ ایام کا شبدیز ہے ساقی

بحالِ ہندوُش بخشم نہ پنجاب بنگالے
یہ بٹتی جا رہی کیوں دُولتِ چنگیز ہے ساقی

مرا جام بلوریں از کس و ناکس نے شاید
کہ جبن آمود و رنگ آلود و دُرد آمیز ہے ساقی

ہوُا ہے احمدیت سے مشرف جب سے یہ عاجز
مرے قبضے میں گویا دولتِ پرویز ہے ساقی

یہ بگڑی ملگجی ہے رنگ چوکھا اس پر آئیگا
کہ مَنْ اَحسَنُ۔ من اللہ۔ صبغۃً رنگریز ہے ساقی

خدا جانے ہی کیا پیش آنیوالا مقدّر میں
کہ بٹ کٹ کر بھی جب ویسی ہی رستاخیز ہے ساقی

مرض بڑھتا گیا جُوں جُوں دوا کی اے مسیحی دم
تجھی سے اَب امید جامِ صحت خیز ہے ساقی

عطا کر دیجے اکمل کو کہ شیریں کام ہو جائے
وُہی مئے ہاں وُہی جو تلخ و تُند و تیز ھے ساقی

(۸؍اکتوبر ۱۹۴۷ء)

بیادِ قادیان

آتی ہیں یاد ہر دم وُہ قادیاں کی گلیاں — قادیاں کی گلیاں، دار الاماں کی گلیاں

دِل باغ باغ ہوتا، پاکیزہ منظروں سے — وُہ پُرِ بہار گلیاں باغِ جناں کی گلیاں

ذکرِ خُدا تھا لب پہ اک کیف طاری سب پر — ہر دم بھروسہ ربّ پر اب وُہ کہاں کی گلیاں

پھرتے تھے اُن میں خوش خوش آئی کچھ ایسی گردش — آنکھوں میں پھر رہی ہیں اب قادیاں کی گلیاں

وُہ پاکباز بچّے، قولوں کے اپنے سچّے، — وُہ پختہ کار بوڑھے، صاحبقراں کی گلیاں

گھر گھر میں چرچا دیں کا موعودِ مُرسلیں کا، — قرآں سے منوّر، قرآں داں کی گلیاں

وُہ چودہ مسجدوں سے یکسر اذانِ باری — گُونج اُٹھتیں جن سے ساری اس دلستاں کی گلیاں

وُہ مقبرہ بہشتی، وُہ مسجدِ مبارک — مینار سے منوّر۔ کُل قادیاں کی گلیاں

وُہ بزمِ علم وعرفاں، درسِ حدیث وقرآں — معمور مؤمنوں سے، دارالاماں کی گلیاں

وُہ احمدی مدارس، وُہ جامعہ وُہ کالج۔ — ہر علم وفن کا مرکز اس بوستاں کی گلیاں

اسلام کی اشاعت تبلیغ اور دعوت — مسکن مُبلّغوں کا حُسنِ بیاں کی گلیاں

اخبار اور رسائل دشمن بھی جن کے قائل — کرتی تھیں حل مسائل اس آستاں کی گلیاں

ان میں مسیحؑ آیا، پیغامِ حق سُنایا — شاہد رہیں گی اُن کے ہر اِک نشاں کی گلیاں

پھر حسبِ پیشگوئی کثرت سے زائر آئے — دیتی رہیں ضیافت ہر کارواں کی گلیاں

چنیوٹ اور لاہور سمجھو نہ ان کو کچھ اور — بستی ہیں ان میں ہر طور وُہ قادیاں کی گلیاں

جس جا امام ہوگا، دیں کا نظام ہوگا — بس اس کا نام ہوگا پیرِ مغاں کی گلیاں

بیالیس سال رہ کر اکملؔ بہ حالِ ابتر

(۱۷؍جنوری ۱۹۴۸ء لکھی) آتی ہیں یاد اکثر دارالاماں کی گلیاں (الفضل آخری ہفتہ جنوری ۱۹۴۸ء)

عبادالرحمٰن

(سُورۂ الفرقان کا آخری رکوع)

مَیں بتاتا ہُوں کہ ہیں کون عبادُ الرحمٰن
حسب تصریحِ دلآویز حدیث و قرآن

وُہ مسلماں برہِ مہر و وفا چلتے ہیں
بہ میانہ روئی و صدق و صفا چلتے ہیں

یعنی وُہ صلح سے اصلاح کیا کرتے ہیں
اَور آویزشِ باہم سے بچا کرتے ہیں

رَوِش اُن کی ہے بہ ہر گام تواضع ۔ نرمی
حوصلہ ۔ صبر ۔ مزاجوں میں نہیں ہے گرمی

کوئی جاہل کرے جھگڑا تو وُہ رہتے ہیں خموش
اُس سے تکلیف بھی پہنچے تو وُہ سہتے ہیں خموش

خدمتِ خلق میں سرگرم رہا کرتے ہیں
وُہ وفا کرتے ہیں گو لوگ جفا کرتے ہیں

التجا کرتے ہیں ربّ سے کہ ہماری اولاد
اَور ازواج کے کاموں کی ہو تقویٰ بنیاد

قُرّۃ العین ہوں سب اور سرورِ دلہا
پیشوا صالحُ الاعمال کے ہم سب کو بنا

دل کے کانوں سے سُنا کرتے ہیں آیاتِ کریم
چشمِ بینا سے ہے تعمیلِ فرامینِ حکیم

قتلِ ناحق سے وُہ بچتے ہیں بہرحال ضرور
جاں نثارانہ مدد کرنے میں پاتے ہیں سرور

ان کا شیوہ ہے ہر وقت نگاہیں نیچی،
متنفّر ہیں گنہ سے نہ کریں بدنظری

جھوٹ باتوں سے بُرے کاموں سے بچتے ہیں مدام
سچ کے شاہد ہیں گواہی میں نہیں کذب کا نام

ہیں خشن پوش جفاکوش پرستارِ خدا
ہادیٔ خلقِ محمّدؐ کی شریعت پہ فدا

ایک اللہ ہے ہر وقت سہارا اُن کا
وُہی معبود حقیقی ۔ وُہی پیارا اُن کا

مخلصاً ۔ شرکِ خفی اَور جلی سے بیزار
تا جہنّم میں نہ پڑ جائیں بہ حُکمِ قہّار

سوزشِ حرص و ہَوا سے وُہ اماں چاہتے ہیں
اپنے مولیٰ کی رضا باغِ جناں چاہتے ہیں

زندگی معتدل ان کی ہے نہ مسرف نہ بخیل
راہِ مولیٰ میں ہے انفاق بہ کثرت نہ قلیل

رات کو اُٹھ کے تہجّد میں دُعا کرتے ہیں
ذوق سے شوق سے قرآں پڑھا کرتے ہیں

انہی لوگوں میں سے اکملؔ بھی ہو عبدِ رحمان
رَبِّ وَفِّقۡنِی لِہٰذَا وَعَلَیۡکَ التُّکۡلَان

(نوشتہ ۲۶/۲۷ فروری ۱۹۴۸ء)

(الفضل لاہور ۲۹ فروری ۱۹۴۸ء جلد ۲ نمبر ۴۴)

لمحۂ فکریّہ

حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو پیغامِ حق، ٭ یُوں دیا اِک روز لے کر نامِ حق

اے مری اُمّت کے لوگو۔ بھول سکتے ہو بھلا ٭ روز و شب ہوتے رہے ہیں تم پہ جو انعامِ حق

مصر سے لایا غلامی سے کیا آزاد ہے ٭ اب ملوکِ ارض کہلاؤ گے با اکرامِ حق

اور نبوّت کا عطیّہ بھی تمہیں معلوم ہے ٭ ہو رہا ہے دمبدم بالوحی سب اعلامِ حق

دُوسری قوموں سے تم ممتاز ہو۔ کس پر ہُوئے ٭ خود ہی بتلاؤ یہ رنگا رنگ کُل انعامِ حق

اب تمہیں جانا ہے اس ارضِ مقدس میں ضرور ٭ ارتدادِ اِدبار ہے اُسلاء ہے اِقدامِ حق

منفعت ہے آگے بڑھنے میں مگر نقصان ہے ٭ بُزدلی سے پیچھے ہٹنے میں لیے الزامِ حق

وہ لگے کہنے ہمارے بالمقابل ہیں قوی ٭ ظالم و جبّار لیتے ہی نہیں ہیں نامِ حق

ہم نہیں جانے کے جب تک وہ نہ خالی کر چکیں ٭ سرزمیں میں بیتِ مقدّس از پئے اقدامِ حق

ہاں کچھ ایسے بھی تھے جو کہتے تھے رستہ سوچ کر ٭ داخلہ پہ ہے سراسر منحصر اِحکامِ حق

پاؤں دھرنے کی جگہ ہو بیٹھ جانا سہل ہے ٭ کیونکہ ہے السّعیُ مِنّا بعد از اں اِتمامِ حق

بر توکّل زانوئے اُشتر کشاؤ زُود رَو ٭ تا بیابی منزلِ مقصود زیرِ گامِ حق

بیٹھ رہنے پر مُصِرّ ہو کر یہی کہتے رہے ٭ یہ خدا کا کام ہے۔ لائے وُہی ایّامِ حق

سر بسجدہ ہو کے موسیٰ نے کہا ربّ الوریٰ ٭ پست ہمّت قوم ہے اُونچا بہت ہے بامِ حق

میں تو حاضر ہوں مرا بھائی بھی میرے ساتھ ہے ٭ ربّ جو تیرا فیصلہ ہو اُس میں ہے ابرامِ حق

ربّ نے فرمایا کہ ہے چالیس سال ان کی سزا ٭ دشتِ غربت میں رہیں محروم از انعامِ حق

یہ تو مر کھپ جائینگے بچّے جواں ہو کر ضرور ٭ دینگے باطل کو شکست اور ہوگی فتح تامِ حق

بدر کے دن کیا کہا مقدادؓ نے کچھ یاد ہے ٭ دائیں بائیں آگے پیچھے ہم پئے اکرامِ حق

رسُولَ اللہ قربان اپنی جانیں کر کے ہاں ٭ یہ دکھا دینگے کہ ہیں فی الواقعہ خُدّامِ حق

یا الٰہی اکملِ بیچارہ کو توفیق دے ٭ وہ مع اہل و اعزّہ ہو نثارِ نامِ حق

(الحکم [illegible] اپریل ۱۹۳۸ء صفحہ ۵)

۱۲ر جون کو لکھی

جگر پارے

پھول مرجھا یا گئے دورِ خزاں دیکھا کئے
ہم زمیں والے یہ رنگ آسماں دیکھا کئے

کیا ہی دہشت ناک تھی بجلی کی کوندوں کی لپک
دور بیٹھے بیٹھے اپنا آشیاں دیکھا کئے

حضرت مہدی امام عصر حاضر کی طفیل
نت نیا قادر کی قدرت کا نشاں دیکھا کئے

بارہا ایسا ہوا ہے ماہ کامل چھوڑ کر
ہم ترا روئے منوّر مہرباں دیکھا کئے

جز وصالِ یار یہ دل کی لگی بجھتی نہیں
تم تو یونہی دوست سرمائی مکاں دیکھا کئے

فکرِ کشمیر و فلسطیں بھی ہے مومن کو مگر
شوق کی نظروں سے ہم دارالاماں دیکھا کئے

اور ہو گا کوئی اکمل محوِ گلگشتِ چمن
ہم تو آنکھیں بند کر کے قادیاں دیکھا کئے

(الفضل ۱۹ر جون ۱۹۴۸ء)

ماہِ صیام

چھوڑے گا گر نہ جھوٹ کو، مکر و فریب کو
پائے گا کیا نتیجہ صبر و شکیب کو

گر ریشمی لباس کی دل میں ہوس رہے
کر لے گا کیا پہن کے تو کھدّر کریب کو

ہو جائے گا عطیّہ میسّر ضرور اگر
نیّت بہ صدق کر کے ٹٹولے تو جیب کو

خوش خلق آدمی ہی حسین و جمیل ہے
للچا نظر نہ دیکھ کے ہر دیدہ زیب کو

پاؤں میں چھالے پڑنے پہ ہمت نہ ہار دے
اک روز پا ہی لے گا تو راہِ صویب کو

ہر دم مسیح و مہدئ موعود کی ہے یاد
بھولا نہیں ہوں سادگیٔ دیدہ زیب کو

اکمل قدم قدم پہ تُو چل دیکھ دیکھ کے
شاہراہِ زندگی میں فراز و نشیب کو

(۱۳/۱۴ جولائی ۱۹۴۸ء کو لکھی) (الفضل ۱۷ر جولائی ۱۹۴۸ء)

صحیح بخاری کی ایک حدیث

اِرشادُ النبی

ہیں آٹھ مُہلکات بچو اِن سے بھائیو
شرک خفی جلی کے نہ نز دیک جائیو

ہرگز کبھی عقوق نہ ہو وَالدَین سے
بلکہ رہیں تمہاری حفاظت میں چَین سے

پھر کبر و ناز و فخر تبختر کو چھوڑ دو
ایسا نہ ہو کہ رُخ کسی بھائی سے موڑ لو

قتل و زنا سے ان کے مبادی سے بھی بچو
دونوں گنہ کبیرہ ہیں تم دُور ہی رہو

سُود و سُوَر حرام ہیں اکل حلال ہو
مالِ یتیم کی بھی حفاظت کمال ہو

تہمت لگا کے دِل نہ دکھاؤ کہ مؤمنات
پاکیزہ خو ہیں اَور بُرا قذف محصنات

جب ہو جہادِ اصغر و اکبر تو دیکھنا
میداں سے پیٹھ پھیر کے ہرگز نہ بھاگنا

اکملؔ رسُولِ حق کی اطاعت نصیب ہو
اور یَومِ آخرت کو شفاعت نصیب ہو

(۲۱ر جولائی ۱۹۴۸ء ½۹ بجے)

پندرہویں ۱۵ ماہِ رمضان

آئے لاہور میں ہم کر کے مسافت جب طے
تو یہ امید ہے مِل جائے گی پھر دولتِ رَئے

یا محمدؐ مرے ساقی مرے اچھے ساقی
اپنے کوثر سے پلا دے مجھے عرفان کی مے

ہاں وُہ مَے جس سے مَیں مخمور رہوں تا محشر
خاص تو خاص تری دادو دہش عام بھی ہے

جانتا ہوں کہ ترا فیضان ہی جاری ہر وقت
چاہیئے مجھ کو تو بس ایک ہی کل والی شے

مطمئن قلب تری یاد میں سرشار مدام
بسکہ بے مَصرف و بے کیف ہے جام جم و کَے

رحمتِ حق تو ندا دیتی ہر سحری کو دیتی ہے
کشت اُمّید ہری دیکھیے کب ہوتی ہے

چشم گریاں، دل بِریاں، بہ لبِ خشک تپاں
منتظر یُونہی رہے اکملؔ مضطر تا کَے

(۲۲ جولائی ۱۹۴۸ء سحری ۳ بجے)

("غلام احمدؐ کی جے")
الہام

وحیِ حق نے جو خبر دی، پوری ہونیوالی ہے — ملک میں اِک دِن سُنیں گے ہم "غلام احمدؐ کی جے"
آسماں جو راگ گاتا ہے وہی گاؤ تمام — چھوڑ کر اپنی دُھنیں کرلو حجازی اپنی لَے
دیکھیے کتنی بہاروں کو خزاں کرنا پڑے — مجھ کو سب کچھ قادیاں! تیرے لئے منظور ہے
خُوب کس لو اپنی کمریں باندھ کر رختِ سفر — پھر خدا کے فضل سے دم بھر منزل ہو گی طے

تشنگی سے جاں بلب اکملؔ ہو سیراب کرم
ساقیٔ کوثر سکینت بخش اِک دو گھونٹ مے

(۲۷ر جولائی ۱۹۴۸ء) (الفضل میں چھپ گئی ہے)

مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات

غیرِ ذی زرع ہے مولا! تیرے ربوہ کی زمیں — جلد دیکھیں اسے ہم ذاتِ قرارٍ وَّ مَعِیْن
اپنے مرکز سے جُدا ہیں۔ یہ نیا مرکز ہے — اس سے کی جائے گی اکناف میں تبلیغ دیں
حضرت احمدؐ مُرسَل ہیں مسیحِ موعود — حسن و احساں میں نظیر اُنکے ہیں فرزندِ مہیں
پیشگوئی تھی یہ[1] آوَیْنٰھُمَا میں مستور — "داغِ ہجرت" سے ہوں ربوہ میں مع اُمّ مکیں
اور ہو اَفْئِدَۃً النَّاس میں تَھْوِیْ کا جوش — اہلِ فارس سے ہو ہمدوشِ ثریا یہ زمیں
وہ[2] براہیمی ہیں اسواسطے مِنْ کُلِّ ثَمَرٍ — پائیں گے بہرہ وافی نہ کبھی ہونگے حزیں
یاالٰہی رہیں ربوہ میں ترے ربّانی — بلدۃٌ طَیِّبَۃٌ رَبٌّ غَفُوْرٌ۔ آمین

عاجز اکملؔ کو یہ نظارہ دِکھائے یارب
قادیاں بارِ دِگر ہم کو دِکھائے یارب

(۲۲ و ۲۳ ستمبر ۱۹۴۸ء کی درمیانی شب نیم خوابی کی حالت میں کہی (اکمل))

(مطبوعہ الفضل یکم اکتوبر ۱۹۴۸ء)

---

[1] وَ اٰوَیْنٰھُمَا اِلٰی رَبْوَۃٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ۔ [2] نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بے شمار ۔

درویشانِ قادیان کے نام اکملؔ کا پیغام

احباب صفا کیش کہ درویش خدا ہیں — تقدیر خداوند کہ ہم اُن سے جدا ہیں

کچھ عرصے سے اُن کی خبرِ خیر نہ پائی — اخبار میں اسواسطے دیتے ہیں دُہائی

ہم لوگ ہیں سرگشتۂ اَدوارِ محبّت — اور آپ ہیں سر رشتۂ اَسْتارِ محبّت

ہم لوگ ہیں آوارۂ وادیٔ محبّت — اور آپ ہیں گہوارۂ شادیٔ محبّت

ہم دشت میں غُربت کے ہراساں و پریشاں — اور آپ ہیں زیرِ نظرِ حضرتِ ایشاں

جب حاضرِ دربارِ پُر انوار ہو درویش — یہ بھول نہ جائے کہ اک اکملؔ بھی ہے دل ریش

منظور - سلامِ دلِ مشتاق ہو مولا — مہجور - شرف یاب بہ اشفاق ہو مولا

آلودۂ عصیاں ہے خطا کار ہے بے شک — جیسا بھی ہو - ہے آپ ہی کا بندۂ کوچک

ہر آن ہے اللہ کی غفران کا طالب — خواہاں ہے اسلام ہو اَدیان پہ غالب

پہنچا کے اسے رَبوہ میں منظر یہ دِکھا دے

ارباب وفا قادیاں کے جلد ہلا دے

(۱۸ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو لکھی) (مطبوعہ الفضل ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء صفحہ ۶ نمبر ۲۳۵)

رَبوہ کی بنیاد —— قادیاں کی یاد

اے قادیان جانے والی صبا — پیغام مرا تو لیتی جا

آوارۂ دشتِ غربت کا — ہے حال زبوں از حد ہی بُرا

ہے قابلِ رحم اس کی حالت — دن رات ہے آہ و واویلا

جب گلشنِ احمد میں پہنچے — چکر تو لگا کر بستی کا

درویش وہاں کچھ رہتے ہیں — اُن کو ہو خُدا کا قُرب عطا

کہنا کہ مجھے وہ بھولیں نہیں — پہنچا کے سلامِ شوق مرا

جب رَوضۂ بیضا جانا ہو
تو ذکر مرا بھی کر دینا
رُسوائے زمانہ اکملؔ ہے
مُشتاق جمالِ ماہِ لقا
رُؤیا ہی میں رؤیت ہو جائے
ظاہر میں تو ہے ناممکن سا
قرآن مکمل گر نہ ملے
اک پارۂ عکسی بھی ہے بڑا
آباد ہو ربوہ جلدی سے
نازل ہو امامِ فضل و ہدا
فیضان کا چشمہ جاری ہو
کوثر سے ملے اس کا سوتا

عرفاتؔ کا جلوہ صحرا میں
(۱۶ نومبر ۱۹۴۸ء کو کہی) اکملؔ کی ان آنکھوں کو دِکھلا (مطبوعہ ۲۵ نومبر ۱۹۴۸ء)

(رشیدہ بنت مرزا حمید کیلئے)

دریا کے کنارے

اَب چناب دریا یہ دن بھی یاد رکھنا
اُترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا
دریا کا ہے کنارا۔ قدرت کا ہے نظارہ
ہونا نہیں ہے پھر بھی دل شادماں ہمارا
ہم لُٹ لُٹا کے آئے ڈیرے یہیں لگائے
اب دیکھئے ٹھکانا ہوگا کہاں ہمارا
تقدیر میں لکھا تھا صحرا میں یُوں بھٹکنا
تھا قادیاں گلستاں دار الاماں ہمارا
ربوہ کی شان بڑھائے یارب وُہ دن دکھائے
جب ہو زمیں ہماری دورِ زماں ہمارا
نقصاں زمیں والے پہنچا سکیں ہمیں کیا
ہے روزِ اوّلیں سے یہ آسماں ہمارا
ربوہ میں اب تو رہنا ہر حال میں پڑیگا
تھے قادیاں کے اکملؔ اور قادیاں ہمارا

قِسمت میں جو لکھا ہے پُورا ضرور ہوگا
رنج و الم ہمارا اِک روز دُور ہوگا

(مصباح جنوری ۱۹۵۱ء میں چھپ گئی ہے)

نظم

(۲۷ جنوری سنہ ۱۹۴۹ء کو مکمل کر کے ہارون کے ذریعے الفضل کو بھیجی)

مجھے تو زندگی میں اِک کمی محسوس ہوتی ہے
کمی کہنے کو کہتا ہوں غمی محسوس ہوتی ہے

جو لب پر آہیں رہتی ہیں تو دِل سے شعلے اُٹھتے ہیں
مری آنکھوں میں روز و شب نمی محسوس ہوتی ہے

اسی کا نام لیتے تھے اسی کا کام کرتے تھے
مزاجِ یار میں کیوں برہمی محسوس ہوتی ہے

جو تھا سب کر دیا قرباں مگر کیا بات ہے ہر آن
مصائب ٹوٹنے میں پیہمی محسوس ہوتی ہے

اَلَا یا ایّھا الشاکی اَذِبْ نفسًا وَ اَصْلِحْھا
کہ اس سے جان و دِل میں کم غمی محسوس ہوتی ہے

ترا ایماں سلامت ہے، تو اسکی یہ علامت ہے
کہ دُکھ سہنے میں اکثر خرمی محسوس ہوتی ہے

سواری تیز کر دے کام لے ہمت کے تیروں سے
اگر آہوئے مقصد میں رمی محسوس ہوتی ہے

صلوٰۃ و صبر کے شانے سے اُلجھن دُور کر اپنی
اگر گیسوئے پیچاں میں خمی محسوس ہوتی ہے

نئی اِک انجمن کی آئے دن بنیاد رکھتے ہیں
طلب چندے کی حرص و رہمی محسوس ہوتی ہے

ثبوتِ موتِ عیسٰے سے ضرورت اِس ہی اُمّت میں
پئے ابراز ابن مریمی محسوس ہوتی ہے

محمدؐ پر نبوّت ختم ظلّیّت میں جاری ہے
کہ اس اجراء سے شانِ خاتمی محسوس ہوتی ہے

ادھر آ تشنہ کام معرفت احمد کے قدموں میں
یدِ بیضا میں اس کے زمزمی محسوس ہوتی ہے

ہُوا تنویر خورشیدِ رسالت سے جہاں روشن
تو اظلال ضلالت میں کمی محسوس ہوتی ہے

میں اِک قطرہ ہوں بحرِ بے کران احمدیّت کا
مگر جوشِ محبّت میں یمّی محسوس ہوتی ہے

ہے میرے شوق کا یہ حال تھک کر رہ چلا پھر بھی
رہِ دلدار میں تازہ دمی محسوس ہوتی ہے

رہیگا داغِ ہجرت بن کے زخمِ قادیاں اکملؔ
مجھے ربوے میں شانِ مرہمی محسوس ہوتی ہے

(الفضل ۲ فروری ۱۹۴۹ء میں چھپی)

یاربّ ایں آرزوئے من چہ خوش است

بہار آئی ہے کیونکر پیش آئے باغباں دیکھیں ‖ چمن میں رہنے دیگا بھی؟ ہمارا آشیاں دیکھیں

تقاضا کچھ بھی ہو حالات کا۔ ہر دم دعا یہ ہے ‖ الٰہی جیتے جی ہم قادیاں دار الاماں دیکھیں

× یزیدیوں کا اخراج پہلے ہی مقدّر ہے ۱ ‖ کہ اصحاب حُسینؑ اپنے مکاں باعزّ و شاں دیکھیں

× اگر موسیٰ جماعت اپنی لے نکلا بخیریت ۲ ‖ تو کیوں ارض مقدس کو نہ ہم زیر عناں دیکھیں

دُعاءِ رَبِّ اَدْخِلْنِی قبولیت اگر پائے ‖ عجب کیا ہے اپنے دلربا کا آستاں دیکھیں

"وفاداری بشرط استواری اصل ایماں ہے" ‖ نہ لغزش کھانے پائیں پائے استقلال ہاں دیکھیں

× رہیں گے جس حکومت میں اُسی کے ہیں بجاں حامی ۳ ‖ وہ ہم کو آزما دیکھیں وہ کر کے امتحاں دیکھیں

ہمیں گاڑھے کے کپڑے اطلس و کمخواب ہیں اکمل

کسی کے کس لئے ہم حُلّہ ہائے پرنیاں دیکھیں (الفضل ۲۵ مئی ۱۹۴۹ء نمبر ۱۱۹)

(۳ شعر نہیں چھپے)

دردِ جگر

مرے ہمدم جگر میں اِک چُبھن محسوس ہوتی ہے ‖ یہ سوتے جاگتے سوزِ علن محسوس ہوتی ہے

مرے دل کی لگی کو دل لگی سمجھا ہے اے ناداں ‖ وُہی جانے جسے دِل کی لگن محسوس ہوتی ہے

"نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی" ‖ یہ گلریزی چمن کی اِک دمن محسوس ہوتی ہے

سرِ تسلیم خم ہے نقد جان و دل بھی حاضر ہے ‖ جبینِ یار پہ پھر بھی شکن محسوس ہوتی ہے

حقیقی راحت و آرام کا موجب یہی ہوگی ‖ تجھے جو کثرتِ رنج و محن محسوس ہوتی ہے

یہ آرائش سمجھ لے عارضی سی اِک نمائش ہے ‖ بظاہر نرالی دُنیا اِک دُلہن محسوس ہوتی ہے

جب آدھی رات کھل جاتی ہیں یکدم یہ مری آنکھیں ‖ تو نشتر کی طرح یادِ وطن محسوس ہوتی ہے

مزارِ پاک پہ چھبّیس[۲۶] مے حاضر نہ ہو سکنا ‖ یہ تقدیرِ خُداوندی کٹھن محسوس ہوتی ہے

نہ کیوں ربوہ میں رہ کر کوششیں دوچند ہم کر دیں
کہ اِس ماحول میں شانِ وطن محسوس ہوتی ہے
شبِ تاریک میں کچھ کچھ ہُوا نورِ سحر پیدا
افق پر پھوٹتی اکمل کرن محسوس ہوتی ہے

اِنَّ مَعَ العُسْرِ یُسْرًا

بتاؤں کیا تجھے ہمدم کہ میخانے پہ کیا گذری
ہمارے ساقی، مہوش کے مستانے پہ کیا گذری
شبستانِ صداقت میں فروزاں شمعِ ملّت ہے
مگر معلوم ہے تجھ کو کہ پروانے پہ کیا گذری
یقیں محکم، عمل پیہم بھی تھا جمع منظّم بھی
عجب ہے، دشتِ غربت میں دیوانے پہ کیا گذری
نری سرسبز کھیتی یُعجِبُ الزُّرَّاع ہی لیکن
نہ بھول اِس بات کو زیرِ زمیں دانے پہ کیا گذری
بلائے قوم پنہاں زیرِ خود گنجِ کرم دارد،
گذر زیں شکوہ بے جا کہ کاشانے پہ کیا گذری
چٹاں بن جاؤ طوفاں میں یہ دن ہیں ابتلاؤں کے
نہ دیکھو یہ کہ دیوانے پہ فرزانے پہ کیا گذری
وُہ دیکھو منزلِ مقصود اُٹھاؤ اب قدم جلدی
جو تم سے پہلے گذرے اُنکے ستانے پہ کیا گذری
دُعاؤں ہی سے اکمل مشکلیں حل ہوتی آئی ہیں
مُرادیں اپنی پہلے بھی اسی صُورت سے پائی ہیں

(۲۲ مارچ ۱۹۴۹ء) (الفضل میں چھپ گئی ہے)

باسمہٖ سُبحانہٗ

نہ چھیڑ قصّۂ باغ و بہار رہنے دے
مجھے خزاں کے لئے سوگوار رہنے دے
میں کیا کرونگا قرارِ دل و سکونِ جاں
کسی کی یاد میں ہی بے قرار رہنے دے
جو آبنی ہے مرے سر پہ جھیل لوں گا میں
تو غم نوازی مرے غمگسار رہنے دے
ازل سے مست مےِ حُبِّ احمدیّت ہوں
نہ حشر کے لئے کر ہوشیار رہنے دے
نئے نئے ہیں تقاضے تو پھر پُرانے ہی
تعلقات بہم استوار رہنے دے

جو میرے لاشے کو لاشئے سمجھ رہا ہے سمجھ
مگر یہ کتبۂ سنگ مزار رہنے دے

مقدّرات بہر حال پیش آئیں گے
یہ شرح مسئلۂ اختیار رہنے دے

جنوں شوق میں کر گذرا جو دل بیدار
نتیجہ اس کا بہ پروردگار رہنے دے

"بقا کا نام نہیں اس جہان فانی میں"
دوام زندگیٔ مستعار رہنے دے

دِکھا رہا ہے مجھے سبز باغ کیوں شاطر
تو میرے پیشِ نظر خار زار رہنے دے

دیارِ یار میں پہنچا دے ایک بار کوئی
ہے مشکلات کا جتنا بھی بار رہنے دے

بغیر نیک عمل کے نجات ہے دشوار
کسی مقام کا تو افتخار رہنے دے

غموں میں غم ہے کوئی تو غمِ دیں ہے
غمِ عیال و غمِ روزگار رہنے دے

دُعا یہ ہے بسلامت روی و باز آئی
خدا ہوائے طرب سازگار رہنے دے

تو اپنے دل میں غمِ یار پال کر اکمل
مسرّتوں سے اُسے ہمکنار رہنے دے

تتمّہ

یہ خیر مقدمِ صدّیق کا سرورِ قلب
الٰہی فضل سے تو پائدار رہنے دے

بعنفوانِ جوانی جہاد کی نعمت
وسیلۂ ظفرِ کامگار رہنے دے

یہ نشأۃ آپ کی جو فی عبادۃ اللہ ہے
اخیر عمر تلک برقرار رہنے دے

وہ دِلنواز محبّت کا دور پاکیزہ
حدیثِ شوق میں بس اختصار رہنے دے

زباں سے جو بھی کہا پورا کر دکھایا ہے
مجھی کو اسکے لئے رازدار رہنے دے

عزیز جاتے ہیں ہم اب تمہاری باری ہے
خدا یہ پختگیٔ اعتبار رہنے دے

(۷ جولائی ۱۹۴۹ء)

سرگذشت

خبر ہے جانِ عالم کچھ۔ کہ اُن جانوں پہ کیا گذری
مرا مطلب ہے کہ ہم بے جان دیوانوں پہ کیا گذری

زبانِ بے زبانی سے بیاں یہ ہو نہیں سکتا
نکل کر میکدے سے آہ مستانوں پہ کیا گذری

درخشانی پر اپنی شمع۔ نازاں اور رقصاں ہے
بجا۔ لیکن یہ دیکھا جائے۔ پروانوں پہ کیا گذری

ہلیں آشامی کہاں؟ اوندھے پڑے ہیں ایک مدّت سے
نہ پوچھو اِس بات کو ہمدم کہ پیمانوں پہ کیا گذری

بچشمِ غور و عبرت دیکھتا جا پوچھتا کیا ہے
یہ ویرانے بتاتے ہیں گلستانوں پہ کیا گذری

مرا ساقی سلامت ہے۔ ملیگا جو بھی قسمت ہے
یہ پوچھیں کیا ضرورت ہی کہ میخانوں پہ کیا گذری

جو ہے سرسبز کھیتی۔ لہلہاتی پھل بھی دیتی ہے
تو اِس کی فکر کیوں ہو۔ بیج کے دانوں پہ کیا گذری

خموشی میں ہزاروں داستانیں رہ گئیں پنہاں
کسی کو کیا بتائیں ہم سخندانوں پہ کیا گذری

بکھیری پتّی پتّی لالہ و گُل کو مسل ڈالا!
بتایا اِس طرح اکمل کو اِنسانوں پہ کیا گذری

اے چاند

"اے چاند تیرے ساتھ تو رہتے ہیں ستارے" — اُب تو ہی بتا۔ جائیں کہاں ہجر کے مارے

احبابِ صفا کیش مصیبت کے ہیں مارے — اعداءِ بد اندیش کے ہیں وارے نیارے

اِس حال میں کیا چارہ دلِ زار کا ہوگا۔ — بُجز اِسکے کہ مولا ہی کو اپنے وہ پکارے

مالک! تیری قدرت کی نہیں کوئی نہایت — تُو چاہے تو دم بھر میں یہ دُکھ دُور ہوں سارے

اے چاند تُو گھٹتا ہی تو بڑھتا بھی ہی آخر — پلٹیں گے کسی روز یُونہی بخت ہمارے

سینے میں ترے داغ ہیں میرے بھی ہے اک داغ (داغِ ہجرت) — یہ داغ نشاں بن کے چمکتا رہے بارے

یاد اُن کی دلِ زار کو تڑپاتی ہے اکثر، — بچھڑے ہوئے مدت سے جو ہیں اپنے پیارے

اِسلام حقیقی میں لچک ایسی ہے۔ کوئی — جتنا بھی دبائے اسے اتنا ہی اُبھارے

رُک رُک کے گیا تو بھی مَیں سامنے اُن کے — پر کہہ نہ سکا حالتِ دل شرم کے مارے

شکرانے کے سو سجدے بجالاؤں گا اَکمَل
پہنچوں گا مَیں جس روز مسیحا کے دُوارے

(مصباح ربوہ میں چھپی ہے)

جذباتِ اضطراب

کہتا ہوں پئے صبر و سکوں قلبِ تپاں سے — "پیغامِ بہار آئیگا کانٹوں کی زباں سے"

ایماں ہو محکم تو عمل پختہ و پیہم — اور جدّ و جہد خوب تہجد میں فغاں سے

اب نوکِ قلم سے سرِ اعدا کو قلم کر — سر ہوگی مہم یہ نہ کبھی سیف و سناں سے

"اِسلام کوئی دن کا ہی مہماں جہاں میں" — دشمن تجھے دیتا رہیگا یُونہی یہ جھانسے

یہ نقشِ الٰہی نہ مٹا ہے نہ مِٹے گا، — چمکے گا مہ و مہر کی مانند یہاں سے

پُورے ہُوا کرتے ہیں مواعیدِ الٰہی — جو عرش سے پہنچے ہوں رسولوں کی زباں سے

مے خانۂ توحید و رسالت کے بلانوش
ممتاز بہ ہر رنگ ہیں ابنائے زماں سے
"با دُرد کشاں ہر کہ در افتاد بر افتاد"
بچتے رہو آویزشِ ماہمچو کساں سے
حال اُن پہ عیاں ہو نہ کوئی سرِّ نہاں ہو
خاموش ہیں ہم کیا کہیں پیغام رساں سے
مہجور مہاجر درِ مہدیؑ کا بھکاری
بے نام و نشاں رہنے دو کیا نام و نشاں سے

۷ ۱۲/۹ ۴۹

واگہ کی سرحد پر

جانے والے چل دیئے ہم دیکھتے ہی رہ گئے
دِل کے ٹکڑے خُوں کے آنسو بن کے یکدم بہ گئے
آہ یہ بے چارگی۔ افتادگی۔ وارفتگی،
انتہاءِ بے کسی میں دم بخود ہم رہ گئے
اِک قدم آگے بڑھانے کی نہ تھی ہم کو مجال
آہ مجبوری کہ دل ہی دل میں سب کچھ سہ گئے
آہ جو منزل بسی رہتی ہے آنکھوں میں مدام
دُور اتنی ہوگئی ہم راہ ہی میں رہ گئے
اضطرابِ شوق میں حالت کچھ ایسی ہوگئی
خامشی ہی خامشی میں جانے ہم کیا کہہ گئے

۲۴ ۱۲/۴۹

نعت نبویؐ

"سادہ سا مُسلماں ہُوں مُسلمانِ محمدؐ"
یعنی کہ۔ غلامے ز غلامانِ محمدؐ
خَاتَمْ بھی ہے خَاتَمْ بھی کہ ہے ختم اسی پر
ہر شانِ نبوّت کہ ہے شایانِ محمدؐ
کھِلتے نظر آتے ہیں ہزاروں گُلِ رعنا
دائم ہی بہاریں ہیں گلستانِ محمدؐ
ہمپایہ کوئی اُس کا نہ پایا ہے نہ پائیں
ہے عرشِ بریں زینتِ ایوانِ محمدؐ
ظلمت کدہ ہند سراسر ہوا نوری،
روشن ہوئی جب شمعِ شبستانِ محمدؐ

لا سکتے نہیں طور نشیں تابِ تجلّی
دیکھیں جو ذرا۔ ذرّۂ تابانِ محمدؐ

مدہوش پڑے ہیں سبھی دُنیا کے پُجاری
ہُشیار زمانے میں ہیں مستانِ محمدؐ

جاں دے کے بھی مل جائے تو ارزاں ہے اکمل
جو لعل اُگلتی ہے سنئے کانِ محمدؐ

بیادِ قادیان

لیا نہ ربوہ نے ہم کو نہ قادیاں کے رہے
نہ ہم زمیں کے رہے نہ آسماں کے رہے

کبھی ہزار۔ کبھی کوئل۔ اور کبھی قمری
بدل بدل کے طریقے مری فغاں کے رہے

قلم اُٹھا کے قلمکاریاں دِکھا اپنی
کہ وُہ طریق نہیں سیف کے سناں کے رہے

نظر اُٹھا کے بھی دیکھا نہ غیر کی جانب
کہ ہم جہاں بھی رہے۔ ہو کے دلستاں کے رہے

یہ لکھ دیا ہے مُقدّر نے۔ پیر مرد بھی ہو
اسیر۔ حلقۂ گیسو میں۔ اُس جواں کے رہے

وفا کا اس سے زیادہ ثبوت کیا ہوگا
کہ لُٹ لٹا کر بھی شیدائی قادیاں کے رہے

بتاؤ تم ہی ہمیں حال پُوچھنے والو!
نہ گھاٹ کے ہوں نہ گھر کے تو ہم کہاں کے رہے

اُسی کے ہو چکے اکمل تو اِسکی کیا پروا
چمن میں دورے بہاراں کے یا خزاں کے رہے

ربوہ ۳۰ مارچ ۱۹۵۰ء
علی احمد کو بھیجی

المصلح کراچی میں چھپی ہے
۱۵ دسمبر ۱۹۵۰ء

قادیاں سے ہم

افسوس ہے بچھڑ گئے ہیں کارواں سے ہم
یعنی کہ دُور ہو گئے ہیں قادیاں سے ہم

وُہ قادیاں کہ جس میں ہوئی بعثتِ مسیح
موسوم کرتے تھے جسے دارالاماں سے ہم

وُہ قادیاں کہ تازہ کلام خدائے پاک
سُنتے رہے ہیں جس میں مسیح الزّماں سے ہم

آدم کی طرح۔ بے سروساماں نکال کر
لائے گئے ہیں قریۂ جنّت نشاں سے ہم

اب مغفرتِ الٰہی طلب روز و شب کریں — پائیں جنانِ خُلد خدائے جہاں سے ہم
اب تو سہامِ لیل ہی کچھ کام دیں تو دیں — کیا کر سکینگے توپ و تفنگ و سناں سے ہم
اکملؔ خدا سے لَو جو لگاتے تو خوب تھا
تنگ آگئے ہیں جور و جفائے بُتاں سے ہم

(۴ر اپریل ۱۹۵۰ء)

اے کہ ساعی تو حیاتِ جاوداں پانے میں ہے — یہ تو حق پر جیتے جی قربان ہو جانے میں ہے
انقلاباتِ زمانہ گردشِ تقدیر ہے — صبح گلشن میں تھے خوش خوش شام ویرانے میں ہے
در بدر کے دھکّے کیوں کھائیں ترا در چھوڑ کر — ہوش اتنا تو مسیحا تیرے دیوانے میں ہے
مسجد و مندر میں کیا جائیں کہ پاتے ہی نہیں — آزمایا بارہا۔ جو لطف میخانے میں ہے
محفلِ رقص و سرودِ غیر میں ملتا نہیں — جو مزا راہِ خدا میں گالیاں کھانے میں ہے
گر نظر آتا نہ ہو عکسِ رُخِ دلبر تجھے۔ تو — مَے نہیں۔ زہر ہلاہل تیرے پیمانے میں ہے
میرے مٹنے کی اُنہیں پروا نہیں تو کیا ہوا — "میرا افسانہ تو شامل اُنکے افسانے میں ہے"
وصل کی لذّت تو اکملؔ عارضی سی چیز ہے
اصل لذّت ہجر میں اس دل کو تڑپانے میں ہے

(۵ر اپریل ۱۹۵۰ء)

کہتے ہیں تجھے اکثر اے اکملؔ فرزانہ — "سودائی ہے سودائی۔ دیوانہ ہے دیوانہ"
صدیوں سے فروزاں ہے عالم میں درخشاں ہے — اس شمعِ رسالت کا اک مَیں بھی ہُوں پروانہ
قربان دل و جاں ہے۔ ہر مومن قانت ہے — ربوہ میں نظر آتا۔ ہے جلوۂ جانانہ
تھوڑی سی زمیں ملجائے۔ اس دل کی کلی کھل جائے — رہنے کو بنالوں میں اک چھوٹا سا کاشانہ
یہ وقت اخیری ہے۔ بیماری ہے پیری ہے — بجتی جو نفیری ہے۔ ہے کُوچ کا پروانہ
توحید سکھائی ہے وحدت بھی بتائی ہے — قربان دل و جانم۔ بر شیوۂ یزدانہ
ہے راہ دراز اکملؔ۔ اور وقت قلیل اقل — ہاں تیز ترک گامے۔ باعزم دلیرانہ

(۱۵ر جون ۱۹۵۰ء)

آرزوئے اکمل

"اب کوئی اعجاز اے ساقی دکھانا چاہیئے"
قادیاں دار الاماں ہم کو دلانا چاہیئے

پھر وُہی گلیاں ہمارا کعبۂ مقصود ہیں
پھر وُہی قبلہ نما جلدی سے پانا چاہیئے

از پئے تقبیلِ دہلیزِ مبارک۔ رہنما
نقشِ پائے احمدؐ مُرسَل بنانا چاہیئے

مُو۔ سے۔ بھی باریک تر ہی پُل صراطِ راستاں
ہر قدم اے مؤمنو! محتاط اُٹھانا چاہیئے

مُشکلوں کا بحرِ ذخّار آ رہا ہے جب نظر
رہبری کے واسطے مُوسٰی کو آنا چاہیئے

حملۂ احزاب سے اندیشۂ نقصاں نہیں
دستگیرِ بے کسی ربّ توانا چاہیئے

دے شفاءِ کاملہ یا ربّ امامِ پاک کو
یہ وظیفہ صبح و شام اپنا بنانا چاہیئے

جلد ہو سرسبز مولیٰ دوحہ اسمٰعیل کا
آنسوؤں کی آبیاری سے بڑھانا چاہیئے

آرزوئے اکملِ محزوں رہے مدِّ نظر
زیرِ سایہ جلد تر اِس کو بُلانا چاہیئے

یہ نہ ہونا ہو تو پھر اِس بے بسِ بے جان کو
قادیاں پہنچا کے جاناں سے ملانا چاہیئے

(۱۵/۱۶ جولائی ۱۹۵۰ء
یوم عید الفطر)

خراب مٹی نہ ہو کسی کی نہ کوئی اپنے وطن سے نکلے
وطن بھی ایسا کہ جس کے چھُٹتے ہی جان گویا بدن سے نکلے

ذرا تصوّر میں لاؤ اپنے کِھلے ہوں خوشرنگ پھول صدہا
اُدھر سے بادِ سموم آئے اِدھر سے بلبل چمن سے نکلے

جو بزم صدق و صفا ہو قائم رہے بفضلِ خدا وہ دائم
مثالِ انجم بہم عزائم۔ نہ کوئی بھی انجمن سے نکلے

یہ التجا ہے یہی دُعا ہے۔ بہ بارگاہِ جناب ایزد
کہ احمدیت کا جذبہ ہرگز۔ نہ جیتے جی مرد و زن سے نکلے

الٰہی حالت ہو نزع کی جب قضا سی رُوح و بدن پہ طاری
زباں پہ ہو "لا اِلٰہ" جاری۔ بس ایک اللہ دہن سے نکلے

وُہ قادیاں کی ہو ارضِ اقدس۔ کہ جس میں میرا بسیرا ہو بس
یہ آرزوئے دِلی ہے اکملؔ۔ وہیں پہ جاں میری تن سے نکلے

(مصباح میں چھپ گئی ہے
دسمبر ۱۹۵۰ء)

نظم

اے چودھویں کے چاند دریچے سے شرق کے
تو سر نکال کر یہ بتا دیکھتا ہے کیا

یہ نور باریاں تری اِس ارضِ "پاک" پر
میرے جہانِ تیرہ کو بھی دینگی جگمگا؟

یہ ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی دل کا سرور ہے
نورِ نظر بڑھاتی ہے واللہ تری ضیا

کچھ کچھ جھلک ہے تجھ میں جمالِ حبیب کی
نزدیک ہو کے چاند سا چہرہ مجھے دِکھا

لایا دیارِ یار سے کوئی پیام ہے؟
میری شبِ فراق کے مُونس بتا - بتا

ہے روضۂ مسیحِ محمدؐ جو باغ میں
ہر شب تو اس پہ نور کی چادر چڑھائے جا

پُر نور سینے معرفتِ حق سے اُنکے ہوں،
درویش جو ہیں حاضر دربارِ باصفا

میرا سلامِ شوق بھی پہنچا حضور میں
خم ہے سرِ نیاز بدرگاہِ مجتبیٰ

کب تک یہ ٹھوکریں مری قسمت میں ہیں لکھی
کب تک رہے گی بادیہ پیمائی اے خدا

کب تک یہ کالی رات ہے سر پہ جدائی کی
کب تک دِکھائی دیگا نہ چہرہ وہ چاند سا

کب تک ہے حکمِ صبر - کروں کیسے دل پہ جبر
بہتر ہے اِس سے قبر - مرے پیارے رہنما

ربوہ میں پھر ہوا ہے ترا نور جلوہ گر
پہنچا دہیں یہ فضل سے یا قادیاں دِلا

اب کچھ نہ کچھ ضرور ہو - دکھ درد دور ہو
پھر نور کا ظہور ہو اے مرسلِ ھُدیٰ

تین سال - تین سو سالوں سے بڑھ گئے ہیں
اب شعب و کہف سے ہمیں کروائیے رہا

(۹ دسمبر شام ۱۹۵۰ء)

اکمل کا اور کون ہے یا ربّ ترے سوا
کس کو سنائے اپنے غمِ دل کا ماجرا

(مصباح فروری ۱۹۵۱ء میں چھپ گئی)

چودھویں کا چاند مغربی اُفق پر

مشرق سے نکل کر تو جو مغرب میں ہے آیا
قادیں سے مرا چاند ہے ربوہ میں دکھایا

چہرے پہ ترے نُور ہے سینے میں مگر داغ
ہجرت کا لئے داغ مرا چاند بھی آیا

سرگرم سفر رہ کے اُبھرنا ہے دوبارا
ہاں ہاں اُسی مشرق سے جہاں نُور یہ پایا

اس نور سے تاریکئ عالم کو کریں دُور
اب جی میں یہی اپنے ہے ہر وقت سمایا

اسلام کے خورشید کی تنویر نے یکسر
توحید کا دن مغربی ملکوں میں چڑھایا

یہ بدرِ محمدؐ کی ضیا باری ہے ہر سُو
اللہ کی رحمت کا ہے پھیلا ہُوا سایا

یہ سایہ تو بڑھتا ہی چلا جائیگا ہر دم
ہر ظلِ نبوّت کو یُونہی حق نے بڑھایا

جس قوم میں جس مُلک میں جا پہنچے ہوں اکمل
محمُود کے سر ہنگ پلٹ دیتے ہیں کایا

ہاتھ آئے کلیدِ ظفرو فتح انہیں جلد
یہ میری دُعا تجھ سے ہے اے ربّ برایا

(۲۸ رجنوری ۱۹۵۱ء) (مصباح ۲ رمارچ ۱۹۵۱ء)

(۲)

یہی بلڈنگ ہے وہ جس میں مرا چاند اُترا تھا
یہیں ہاں ہاں یہیں ضَو ریز میں نے اُسکو دیکھا تھا

پیامِ صُلح دے کر امنِ عالمؑ کی بشارت دی
سُجھائیں ایسی تجویزیں کہ جڑ کاٹی شرارت کی

حقیقی صُورتِ اسلام لوگوں کو دکھائی تھی
فروغِ احمدیّت کی خبر سچّی سُنائی تھی

حقائق اور معارف کا یہیں دریا بہایا تھا
کہ سیراب کرم جس سے ہُوا اپنا پرایا تھا

مٹایا اختلافِ باہمی حق سے حَکَمؑ ہو کر
جمایا نقشِ وحدت خُوب سلطان القلم ہو کر

حُلَل میں انبیا کے اِک جری اللہ آیا تھا
مجدّدِ الفِ آخر رُتبہ اپنے حق سے پایا تھا

تعالی اللہ کیا شانِ مسیحا آشکارا کی
بیک ضربت کلیسا کی عمارت پارا پارا کی

(خاص نمبر پیغام صلح ۲۳ رمئی ۱۹۵۰ء)

مَتیٰ نَصرُ اللّٰہ

راہ میں چھوڑ گئے قافلے والے آجا
اب سوا تیرے مجھے کون سنبھالے آجا

اے مسیحا نفسی میں جو نہیں رکھتا نظیر — پڑ رہے ہیں تیرے بیمار کے لالے آجا
زورِ طوفاں شبِ تاریک پیاپئے گرداب — ڈوبتی کشتی کو ساحل پہ لگالے آجا
ابرِ رحمت کے برسنے کے ہیں آثار پدید — چاند کے گرد نظر آتے ہیں ہالے آجا
مُو درازوں کے تسلط کا ہو قصّہ کوتاہ — چاند سا مکھڑا دِکھا گیسوؤں والے آجا
ہاتھ میں تیرے کلیدِ ظفر و فتح جو ہے — کھول دے اس سے دِلوں کے سبھی تالے آجا
سُرمۂ چشم بنایا ہے جو ربوہ کا غبار — اسی میں جنّت نئی اِک اور بسالے آجا
امۃ اللہ کی ہے خورشید میں لت پہ نگاہ — کلبۂ تار میں ہر سُو ہوں اُجالے آجا

(شب درمیان ۱۰/۱۱ اکتوبر کہی)

عالمِ نزع ہے دم اٹکا ہے آئے کہ نہ آئے — رائگاں جائیں نہ اکمل کے یہ نالے آجا

یوم فراق قادیان (مصباح نومبر ۱۹۵۱ء)

جو قادیاں میں دیکھا ربوہ میں پھر دکھا دے

اے حُسنِ لم یزل تو صُورت مجھے دکھا دے — "صُورت نہیں دکھاتا آواز ہی سُنا دے"
گلزارِ احمدی کو پھُولوں میں پھر بسا دے — جو قادیاں میں دیکھا ربوہ میں پھر دِکھا دے
بیدار ہو رہے ہیں۔ پانی بلو رہے ہیں — جو پایا کھو رہے ہیں۔ یاربّ وُہ پھر دلا دے
خواب و خیال اگلے منظر وُہ ہو رہے ہیں — پھر ان حقیقتوں سے پردہ ذرا اُٹھا دے
بادِ بہار آئے۔ قسمت سنوار جائے — پھُولوں کو پھر کھِلا دے پھر پھل نئے کھلا دے
موسم خزاں کا جائے۔ بُلبل ترانے گائے — رُوٹھے ہُوئے منا دے۔ بچھڑے ہوئے ملا دے

اکمل کہ ناتواں ہے۔ لاہور میں تپاں ہے
اس کا مکاں کہاں ہو۔ اے لامکاں بتا دے

(مصباح کو بھیجی دسمبر ۱۹۵۱ء میں رہ گئی۔ جنوری ۱۹۵۲ء میں چھاپی گئی)

غلام ہو کے بھی اُن کا غلام ہو نہ سکا

ہمارے شوق کا کچھ اہتمام ہو نہ سکا
جو اوجِ حُسن ہیں اپنا مقام ہو نہ سکا

اگرچہ میکدۂ یار میں رہے برسوں
نصیب اپنے مگر خاص جام ہو نہ سکا

گذارے سایۂ زلفِ نگار میں کئی دِن
رُخِ منوّرِ جاناں بکام ہو نہ سکا

ہزاروں بارگہِ حُسن میں ہوئے ممتاز
قبولِ عشق کا لیکن سلام ہو نہ سکا

مواصلات کے سارے طریق تھے حاصل
عجیب بات ہے نامہ پیام ہو نہ سکا

اندھیری راتوں میں گذری ہے زندگی اپنی
ہلالِ اُمّید کا ماہِ تمام ہو نہ سکا

ثبوتِ عاشقِ مضطر کی کس مپرسی کا
کہ ثبتِ کتبۂ سنگِ رخام ہو نہ سکا

کیے ہیں نقشِ کفِ پائے یار پر سجدے
جو پُوچھو سچ تو کہوں احترام ہو نہ سکا

یہ دل کی دل میں دمِ مرگ رہ گئی حسرت
کسی بھی نیکی کا مجھ سے دوام ہو نہ سکا

زمانِ مہدیؑ میں مُسلم کی بدنصیبی ہے
رفیقِ جمعِ صحابہ کرام ہو نہ سکا

ایازی سیکھ کہیں سے کہ اے کملِ ناداں
غلام ہو کے بھی تُو تو غلام ہو نہ سکا

(۱۳ اپریل ۱۹۵۴ء) (بلانہ قادیان میں چھپی ہے)

وطن سے بے وطن

اُٹھیں گی بندشیں افضالِ ربّ العٰلمیں ہونگے
محمدؐ احمدؑ و محمود با فتحِ مبیں ہونگے

وُہ دن آتا ہی آنیوالا ہی۔ ہاں جلد آئے گا
کہ جب ہم "قادیاں دارالاماں" میں مکیں ہونگے

مری خوابوں کی دنیا بس یُونہی آباد رہتی ہے
کہ ہم ہی ہم وہاں ہونگے، عدو بالکل نہیں ہونگے

جو یُوں ہوگا تو یُوں ہوگا۔ زمانہ واژگوں ہوگا
عدو سب سرنگوں ہونگے، نگوں ہوکر نگیں ہونگے

یہ کیا نو دس برس چالیس تک بڑھتے ہی جاتے ہیں
سنین اِس ابتلا کے ختم بھی یا ربّ کہیں ہونگے

ہٹو اے بادلو! اے آسمانو! راستہ دیدو
ہمارے آنسوؤں کو خاک میں ملتے نہ تم جانو
مدد کو آسماں والو ہماری تم کب آؤ گے؟

مری فریاد کے نالے سرِ عرشِ بریں ہونگے
کہ اک دِن رشتۂ اُلفت میں یہ دُرِّ ثمیں ہونگے
تب آؤ گے؟ کہ ہو کر خاک ہم زیرِ زمیں ہونگے

(شب درمیان ۲۶/۲۷ دسمبر ۲½ بجے سحر کہی)

کوئی آ کے ربوہ میں جا کر قادیاں والے سے یہ کہدے
کہ مہجور اور بھی ہونگے پر اکملؔ سے نہیں ہونگے

(فروری ۱۹۵۴ء مصباح میں چھپی)

زائر کدے

ساکن ربوہ

جب کوئی زائرِ ربوہ مجھے مِل جاتا ہے
دل پژمُردہ مرا پھُول سا کھِل جاتا ہے

حُسن و احسان کا یہ اعجازِ مسیحائی ہے
تیری محفل میں جو آتا ہے خجل جاتا ہے

لو حشق اللہ یہ ترا احسن بیانِ قرآں،
جان قربان ہوئی جاتی ہے دِل جاتا ہے

نکتہ چیں عیب نکالے تو نتیجہ یہ ہو،
رُخِ انور کے لئے بن کے وُہ تِل جاتا ہے

رشتہ تقدیر کا جب سوزنِ تدبیر میں ہو
زخم جو سینے پر آتا ہے وُہ سِل جاتا ہے

دیکھ ظالم تو ستم احمدی بے کس پہ نہ کر
آہِ مظلوم سے تو عرش بھی ہِل جاتا ہے

ناز کر اپنی جوانی نہ ہمہ دانی پہ
گُلِ خوش رنگ بھی آخر تہِ رِگل جاتا ہے

بزمِ محبوبِ خداوندِ عُلا میں اکملؔ
رازِ سربستہ کُھلے لِسِجِل جاتا ہے

(۲۴/۲۵ مارچ ۱۹۵۳ء کہی) (مطبوعہ بدر قادیان)

غزل

"نہ ربط اُن سے نہ یاری آسماں سے"
تو پائی جائے گی نصرت کہاں سے

ہمارا شغل ہے بس آہ و زاری
بچھڑ کر آئے جب سے قادیاں سے

قلم سے یا کلم سے کام لیں گے
نہ حاصل ہوگا کچھ سیف و سناں سے

ہُوا نرغۂ احزاب ہر چند
مگر محفوظ ہیں ہم ہر زیاں سے

خدا کا فضل ہو جب شامل حال
تو حل ہوتی ہے ہر مشکل وہاں سے

توکّل ہو جب اللہ پر تو مؤمن،
بچا رہتا ہے جورِ بُتاں سے

صلوٰۃ و صبر ہی سے کامیابی
نہ گھبرا چند روزہ امتحاں سے

یہ ساری ظلمتیں کافور ہوں گی
ضیا پھیلے گی بدرِ قادیاں سے

مسیحائے محمّد کا ہے فیضان
کہ گونجے مُلکِ مغرب کے اذاں سے

وُہ خود ہیں منکرِ ختم نبوّۃ
جو عیسیٰؑ کو اُتاریں آسماں سے

بروزی آئے گا پاکر کمالات
نہیں کچھ فرق ہوگا ایں و آں سے

محمّد کی نبوّت ہی ہے دائم
وُہی ہے جلوہ فرما ہر زماں سے

الٰہی تیرے درویشوں کی ہو خیر
رہیں مصئون شرِّ دُشمناں سے

مزار پاک پر جائیں تو اکمل
نہ بھولے آپ کے قلب و زباں سے

(۲۸ ؍ جولائی ۱۹۵۲ء)
(بلدار قادیان میں)

نظم

زمانہ سُن رہا ہے جس کو گو میری کہانی ہے
مگر مدّنظر رکھیئے کہ دشمن کی زبانی ہے

وُہ کہتے ہیں نبی عیسیٰ فلک سے آنیوالا ہے
بشر ہو کر بھی اُسکی زندگی یوں جاودانی ہے

رسول مستقل ختم الرُسُل کے بعد لاتے ہیں
یہی تو مُنکرِ ختم نبوّت کی نشانی ہے

قصور اپنا ہے لیکن تھوپتے ہیں سر پہ اوروں کے
یہ کیسی راست گوئی ہے یہ کیسی حق بیانی ہے

(... الفضل ۱۸ اگست [illegible])

یہی تو حضرتِ مرزا غلام احمدؑ نے سمجھایا
نبی عیسیٰ تو مر کر مدّتوں سے آنجہانی ہے

غلامانِ محمّد مصطفٰے ہی سے اب آئیگا
وُہی جسکی جبیں پر مُہرِ صدق بعث ثانی ہے

غرض ختمِ نبوّت کی حفاظت آپ ہی نے کی — جماعت احمدی کارِ نمایاں کی نشانی ہے

خدا ہی حافظ و ناصر ہے احمدؐ کے غلاموں کا

(۱۴ ستمبر ۱۹۵۲ء) مسلماں احمدی ان ہی سے اکمل قادیانی ہے (۸ اگست ۱۹۵۲ء)

ہمارے یہ درویش ہیں رہنموں

درویش احمدؐ کے وجہ سکون — قَلِیلاً مِّنَ اللَّیلِ مَا یَھجَعُون

جو دشمن ہیں اُن کے وُہ ظلام ہیں — فضلُّوا۔ اَضَلُّوا و لا یرجِعُون

گذرتے چلے جا رہے ہیں سنون — واعد أئنا کلھم یعتدون

زباں پر ہی امن اور دِل میں ہی کھوٹ — وماذا یقولون لا یفعلون

قیامت کا دن بھی ہے آنا ضرور — وَرَبّ السَّمٰوٰتِ ھم یُسئلون

سَمِعتُم "فدینا بذبحٍ عظیم" — اطیعُوا الرسل ایّھا المسلمُون

قرءتم ترکناہ فی الآخرین — فلا تترکوا النحر یا مؤمنون

ومن یرغب عن ملّۃ ابرھم — واِنّا الیٰ ربّنا راجعُون

(۲۹ اگست ۱۹۵۲ء)

منکرِ ختمِ نبوت جو بھی ہو — وُہ سزا وارِ عتاب الھون ہے

اُمّتِ ختم الرسل میں مستقل — اِک نبی کو لانے والا کون ہے

(۲)

ہم مسلمان احمدی ہیں احمدی — مُنکرِ ختمِ نبوۃ اَور ہے

جو کہے ختم الرسل کے بعد پھر — ناصری عیسیٰ نبی کا دَور ہے

(۳)

جو کہے عیسیٰ نبی زندہ ہی اَور — پھر سے آنیوالا اُس کا دَور ہے

منکرِ ختمِ نبوّت ہے وُہی — سوچئے کن لوگوں کا یہ طَور ہے

(۴)

منکرِ ختمِ نبوّت احمدی — ہو نہیں سکتے نہ ان کا طَور ہے
آئے اسرائیل کا عیسٰی نبی، — یہ عقیدہ رکھنے والا اَور ہے

(۵)

تا قیامت اُمّتِ اسلام میں — جب محمد مصطفٰے کا دَور ہے
پھر وُہی عیسٰی نبی آئیگا کیوں — مسئلہ یہ قابلِ صد غور ہے

(۶)

مُنکرِ ختمِ نبوّت تو ہیں آپ — اور کہتے ہیں ہمیں کیا جَور ہے
اسرائیلی ہو رسولِ آخری! — خود ہی کہئیے؟ مومنانہ طَور ہے

اکملؔ ([illegible])

مُنکرِ ختمِ نبوّۃ مَیں کہ تُو — سوچ کر بتلاؤ مجھے اے خندہ رُو
چرخ سے نازل کرو عیسٰی نبی — توڑتے ہو مُہر کو بن کر عدو
یا پھر اسی عیسٰی نبی کو لاتے ہو — مُہر خود توڑی کہا ہم کو عدو

دَورِ مسیحائے زماں

دَور یہ دَورِ مسیحائے زماں ہے ساقی — اس زمانے میں وُہی جانِ جہاں ہے ساقی
ایک جنّت پیشِ نگاہوں ہیں لئے پھرتا ہُوں — میری آنکھوں میں نہاں دارِ اماں ہے ساقی
یاد تڑپاتی ہے ان اگلی بہاروں کی مجھے — ہر طرف چھائی ہوئی اب تو خزاں ہے ساقی
داستاں شوق کی اُلجھی ہے سلجھتی ہی نہیں — بڑھ چلا سلسلۂ زلفِ بُتاں ہے ساقی
پہنچو امداد کو یا غُرضۂ طعمۂ طوفاں کر دو — حالِ زار اپنا بہر طور عیاں ہے ساقی
خوں بہے چشم سے لیکن ہو تبسم لب پر — کہ یہ منجملۂ اصنافِ فغاں ہے ساقی

رہبری راہ نمائی ہے اسی کو زیبا — جسکے ہاتھوں میں امامت کی عناں ہے ساقی
زندگی قوم میں کچھ کچھ جو نظر آتی ہے — تو یہ سب فیضِ مسیحائے زماں ہے ساقی
آج میخانے میں ہر چند ہے ارزانیٔ مے — کل نہیں پڑتی وہ کل والی کہاں ہے ساقی
بدر ہو جائیگا اک روز ہلالِ اسلام — اس کا شاہد ترا الہامی بیاں ہے ساقی
زندہ اکمل ہے بامّید نگاہ الطاف — روح فرسا تری فرقت کا زماں ہے ساقی

(گفتہ ۱۵/۱۶ اکتوبر ۱۹۵۲ء) (مطبوعہ بدر قادیان ۱۲ نومبر ۱۹۵۲ء)

جلسہ سالانہ قادیان

خدا کے فضل سے پھر آ گیا جلسہ دسمبر کا — دلِ مہجور بھی تھا منتظر وقتِ مقرر کا
ملائک آسماں سے پہرہ دینے آنیوالے ہیں — کہ یہ مجمع ہے انصارِ مسیحائے مُطہّر کا
خدائے پاک کی رحمت ہو درویشانِ بلدہ پر — کہ انکی سعی سے جاری ہے یہ فیضان کوثر کا
معارف اور حقائق کا خزانہ بٹنے والا ہے — تو بھر بھر جھولیاں لیجائیں سب اپنے مقدر کا
ہے جامع مذہب اسلام خوبیہائے ادیاں کا — مدلّل ہے بیاں اسمیں مسائل ہائے برتر کا
شعائر کی حفاظت اور زیارت کا یہ ساماں ہے — نشانِ صدق حسب وحی ہے یہ میرے سرور کا
مقاماتِ مقدس بھی سلامت دیکھے جائیں گے — مزارِ پاک پر ہو فاتحہ صد حمد داور کا
محافظ باغ احمد کا خدائے مقتدر دیکھو — کہ مولا مسکن و مدفن ہے یہ مہدیٔ انور کا
یہ بیتِ ذکر و فکر و مسجدِ اقصیٰ مبارک بھی — منار آثار سب انعام ہے اللہ اکبر کا
مبارک زائرانِ قادیاں دار الاماں صدہا — کہ تم نے موقعہ پایا ہے دید حُسنِ دلبر کا
دُعا کرتا ہے اکمل روز افزوں احمدیت ہو — ندائے اُدخلوا فی السّلم کافہ اک حقیقت ہو

(۱۲ دسمبر ۱۹۵۲ء) (۲۱ دسمبر ۱۹۵۲ء کے بدر قادیان میں چھپی)

تمہارا حسن ترقی کرے قیامت کی
اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ
ترا شباب بڑھے عمر جاوداں کی طرح

(بفرمائش عبدالستار طاہر)

بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں ربوہ کے کنارے
بے آب و گیاہ وادی کو آباد کیا ہے
اِس خاک کے ہر ذرّے میں ہیں طور کے جلوے
اِک روز چڑھائیں گے یہیں دین کا سورج
قرآن مجید۔ اور۔ حدیث نبوی ہے
کیا عشق کے پھولوں میں بہار آئی ہوئی ہو
اکمل کی دعا ہے کہ بڑھیں اور بڑھیں اور

ہاں کیوں نہ بڑھیں اِس میں ہیں اللہ کے پیارے
ایمان کی دولت نے دیدیئے ان کو سہارے
ہر سمت نظر آتے ہیں نورانی نظارے
یہ کفر کی ظلمت میں چمکتے ہوئے تارے
پہنچائیں گے اِسلام کو دُنیا کے کنارے
دامانِ نگہ تنگ نہ ہو شوق کا بارے
ربوہ کے کنارے مری دُنیا کے ستارے

(الفضل ۱۰ جنوری ۱۹۵۵ء)

خدا ہی ہے ہر ڈوبتے کا سہارا
جہاں نقشِ پا اپنے ہادی کا دیکھا
کوئی بات تو ہے کوئی راز تو ہے
بڑھے جاؤ مستی کے عالم میں آگے
قریب آگئی کامیابی کی منزل
کوئی رات کی بات ہے "ماہ نخشب"
مجھے سیدھی رہ پر الٰہی چلانا
قَلِیْلٌ مِّنَ الْآخِرِیْن اُمّتِ حق

وُہ دیکھو نظر آ رہا ہے کنارا
وہیں سجدۂ عجز میں نے گذارا
کہ ہے ذکر ہر جا ہمارا تمہارا
ندا آ رہی ہے ھلموا السّکاریٰ
ہے وُہ سبز گنبد وُہ ابیض منارا
درخشاں رہے گا ہمارا ستارا
نہ تفریط و افراطِ ھُوْد و نصاریٰ
ہو کیوں خوف کثرۃ۔ تامّل۔ خدارا

جو ہیں صلح کل وُہ تو کرتے ہیں دائم — برادر سے نرمی عدو سے مدارا
شکست اہلِ باطل ہی پاتے رہے ہیں — کوئی اہلِ حق سے نہ میداں میں ہارا
بھسم کرکے رکھ دیگا اِک روز اکملؔ
سحر گاہی آہوں کا میری شرارا

(مطبوعہ بدر قادیان ۱۲ فروری ۱۹۵۴ء)

ختمِ نبوّت زندہ باد

دین ہمارا ہے اسلام — اِس کی اشاعت اپنا کام
ہم سب ہیں اِس کے خُدّام — فیضانِ رسالت زندہ باد

ہے قرآن مجید شریعت — اِس کے ساتھ نبیؐ کی مُسرّت
اِس پر ہے اجماعِ اُمّت — جانِ رسالت زندہ باد

پاک محمدؐ سب کے رہبر — شارعِ اکمل ہادئ انور
سب سے اوّل سب سے آخر — شانِ رسالت زندہ باد

بوبکرؓ و عمرؓ۔ عثمانؓ و علیؓ کرم — ان کے بعد ہزاروں ہی ولی
سرِّ خفی با شانِ جلی — خوانِ رسالت زندہ باد

مظہرِ کامل بھی تو آئے، — اپنے ساتھ بشارت لائے
آخری فتح اِسلام ہی پائے — آنِ رسالت زندہ باد

اہلِ قبلہ مُسلم بھائی — ختمِ نبوت کی گیرائی
اسمی رسمی باہم لائی — شانِ رسالت زندہ باد

(۲۲ مارچ ۱۹۵۴ء)

(بدر قادیان ۱۴ مارچ ۱۹۵۳ء کے پرچے میں چھپی۔ اِسکے ساتھ ایک مضمون ہے جو مجھے رُویا میں سمجھایا گیا۔ اکملؔ)

آزادیٔ میں آبادی

آزادی ایک نعمتِ ربِّ جلیل ہے — مشتاق آمد اس کا کثیر و قلیل ہے
دنیا میں جس کو یہ نہ ملے وُہ ذلیل ہے — پچھڑے ہوؤں کا حال ہی اسکی دلیل ہے

لیکن ضروری ہے کہ نگہداشت حدود
مدِّ نظر رہے تو مبارک ہے درود

آزادی یہ نہیں کہ پڑے امن میں خلل — آپس میں ہو کھٹا چھٹی آویزش ملل
اس راہ میں تو چاہیئے چلنا سنبھل سنبھل — ایسا نہ ہو غریبوں کی جائیں ہی دو مسل

یکساں حقوق رکھتے امیر و فقیر ہیں
محفوظ سب گروہ قلیل و کثیر ہیں

ہر اک کو اپنے مذہب و مسلک کا اختیار — بخشا گیا بحکم خداوند کردگار
اکراہ کا مجاز نہیں کوئی دین دار — رشد و ہدایت اور ضلالت ہے آشکار

اسلام کا مٹایا نہ جائے یہ امتیاز
اس کی خلاف ورزی کا کوئی نہیں مجاز

ہر قوم میں ہُوا کیا نبیوں کا جب ظہور — لازم ہے احترام بھی سب کا بصد سرور
سب بھائی بھائی بن کے رہیں جنگ سے نفور — بیدار کرنا چاہیئے قوموں میں یہ شعور

صلح و صفائی سے رہیں اقوام روزگار
ہوں خوبیاں بیاں نہ عیبوں کا ہو شمار

اسلام کے جو فرقے تہتّر ہوں تو بھی کیا — سب ہیں شریک کلمہ و اکرام مصطفےٰ
اِک دُوسرے کی خیر سگالی ہو مُدّعا — اور بھائی بھائی بن کے رہیں ہو کے پارسا

ہندو مسیحی سکھ بھی برادر وطن کے ہیں
گلہائے رنگا رنگ سبھی اس چمن کے ہیں

اسلام میں یہ احمدیوں کے اصول ہیں
وُہ جان و دل سے شرع نبی کے حمول ہیں
جو جو بھی حکم حق کے ہیں سب ہی قبول ہیں
مسلم ہیں اُمتیٔ محمد رسول ہیں

مہدی مسیح میرزا ان کا امام ہے
ختم الرسل کا مظہرِ اکملؔ غلام ہے

(گفتہ ۱۱/۱۲ اپریل سنہ ۱۹۵۳ء) (المصلح کراچی ۲۱ مئی سنہ ۱۹۵۳ء)

نظم

گفتہ ۲۳ اپریل سنہ ۱۹۵۳ء

زباں پر لا نہیں سکتا جو مخفی ھی مرے دل میں
"یہ دستور زباں بندی ھی کیسا تیری محفل میں"
ترے نورانی چہرے ہیں جو نقش اُبھرے ہوئے دیکھے
نہ پائے وُہ گلستاں میں نہ مہر و ماہ کامل میں
اسیروں کو رہائی دینے والا آ چکا۔ کب تک
رہینگے لوگ۔ ان رسموں ہی کے طوق و سلاسل میں
اگر سُکھ چاہتے ہو شیخ جی میخانے میں آؤ،
کہ دُکھ ہی دُکھ بھرا ھی مسجد مندر کی کلکل میں
نہ ممبر بن کے کچھ پایا نہ نمبر پا کے چین آیا،
کہ مضمر امتحاں کی کامیابی بھی فقط "نل" میں
"حیاتِ جاوداں" پاؤ گے "مرگِ ناگہانی" میں
کہ ہے آبحیات اقوام کا زہر ہلاہل میں
بہانے ملنے کو ملجاتے ہیں سَو داغ دینے کو
مگر ممکن نہیں دھبّہ قبائے مرد کامل میں
نہ کیوں ہر کلمہ گو ہو حلقۂ ختمِ رسالت میں
سما سکتے ہیں جب "انجم فلک کے" آنکھ کے تل میں
خُدائے مقتدر رھی ناصر حزب شریف اکملؔ
بڑھا لیں بند شیں اشرار ابواب مراحل میں

جذباتِ مہجور

سلام کرنے ترے آستاں پہ جا نہ سکا — مگر جو شوق ہے دِل میں اُسے دبا نہ سکا
تصوّرات کی دُنیا میں بس رہا ہُوں مَیں — تخیلات کی جوشش کو بھی مٹا نہ سکا
جو جدّ و جُہد مجھے چاہیئے تھی ہو نہ سکی — مَیں آخرت کے لئے توشہ کچھ بنا نہ سکا
مقدّرات ہٹانا بشر سے مشکل ہے — اِسی لئے تو یہ زورِ فتن مٹا نہ سکا
یہ قحط[1] یہ سیلاب[2]۔ ٹڈّی[3] دل۔ شورشِ[4] — عذاب ہی تو ہیں اِن کی سمجھ میں آ نہ سکا
زماں۔ زماں ہے یہ موسیٰ کی مثل دوراں کا — بجز رجوع الی اللہ کوئی چھڑا نہ سکا
خُدا۔ خدا کے فرستادوں پہ جو ایماں ہو، — عمل مطابق سُنّت۔ تو خوف آ نہ سکا
جو مومنیں ہوں رنگیں صِبغۃ اللہ سے — عدو مقابلے میں رنگ کچھ جما نہ سکا
درست امور میں رکھتا نہیں توازُن جو — جواہرات میں اپنے تئیں تُلا نہ سکا
نہ جسکے دِل میں ہو اِک آگ سی لگی دن رات — وُہ کوئے یار میں دُھونی کبھی رما نہ سکا
یہ پھونکیں مارنے والے ہوئے ہیں سب ناکام — چراغِ مصطفوی کو۔ کوئی بجھا نہ سکا
ہوئی ہیں جب سے منوّر بدیدِ حُسنِ مسیحؑ — ہمارے ساتھ کوئی آنکھ پھر ملا نہ سکا

ہمیشہ فتح تو ہے اہلِ حق کا حق اکمل
قریب رِقّت کوئی جزُ دُعا کے لا نہ سکا (مصباح اگست ۱۹۵۳ء صفحہ ۹)

۲۰/۲۱ اگست ۱۹۵۳ء کی نظم

میرا پُرانا شعر
"بہت بے لطفیوں میں اب کے گزری عیدِ اضحیٰ کی۔ — کہ یاد آ آ کے تڑپاتی رہی اس رُوئے زیبا کی"
چمن سے دُور طرح آشیاں ڈالی تو کیا ڈالی — کہ ڈالی ڈالی پر ہے آنکھ صیّاد چلیپا کی
ہزاروں خُوں تمنّاؤں کے اک اک دم میں ہوتے ہیں — کہاں سے آگئی یارب زمانے میں یہ سفّاکی

ہوئے چودہ طبق رُوئے کتابی دیکھ کر روشن — نظر میں ہیچ ہیں چودہ علوم درس سکا کی
شراب معرفت پی پی کے ہیں سرشار جان و دل — کہ تھی چشم کرم ساقیٔ مَہ وش میرے آقا کی
حیاتِ دائمی چاہے تو قرباں مال و جاں کر دے — زباں کی کام آسکتی نہیں یاں کوئی چالا کی
نہ گھبرا مسلمِ مظلوم۔ نصرت آنیوالی ہے — بشارت سُن رہا ہوں میں تو فامھلھم رُوَیدا کی
خلیل اللہ نے اِک بیٹا کیا قرباں۔ کئی پائے — نہ تارے چرخ کے اتنے نہ اتنی ریت صحرا کی
یہ ربوہ کی زمیں۔ "ذَاتِ قَرَارٍ" ایک دن ہوگی — بہا و چشم سے چشمے۔ بنے جنّت یہ دُنیا کی
یہ بحث ما انا قُلت کو۔ کب تک جاری رکھو گے — مطوّل مختصر کر دو۔ یہی ہے رَہ تو لّا کی
نہیں ہے فقہ "ماء البئر" پر حکمِ "حطّہ" دینا — تفقّہ دین میں سکھلائے صحبت مردِ دانا کی
"براتِ عاشقاں بر شاخِ آہو" سُنتے آئے ہو — ذرا "چرٹا تل" دیکھو اُٹھ کے اس اسلامی دُلھا کی
کٹھن منزل ہے پنگھٹ کی۔ مگر رکھ لاج گھونگھٹ کی — تو بھر کر لے ہی آ مٹکی۔ بہن! نروانی مدُھرا کی

بنو وہ شاب نَشأةٌ فِی العبادۃ جسکی ہوتی ہے
یہی منشاء تھی اے اکملؔ مرے محبوب مرزا کی

۵ر اکتوبر ۱۹۵۳ء

(۱)

مغرب سے جو سُورج کی کرن دیکھ رہا ہوں — احمدؐ ہی کو میں جلوہ فگن دیکھ رہا ہوں
حق ہو گیا قائم کہ رہیگا یہی دائم، — اُڑتا ہُوا باطل کا چلن دیکھ رہا ہوں
خاک اُڑتی تھی صحرا میں مگر فیض قدم سے — جاوید بہاروں کا چمن دیکھ رہا ہوں
بڑھتے چلے جاؤ وہ قریب آگئی منزل — ہر چند سفر کو میں کٹھن دیکھ رہا ہوں

ہے نصرتِ حق شاملِ حال اپنے جو اکملؔ!
ہاتھوں پہ حریفوں کے شکن دیکھ رہا ہوں

۱۱/اکتوبر ۱۹۴۷ء کی یاد

(۲)

یاد ہے ہاں یاد ہے وہ دن کہ جب ہجرت ہوئی
قادیاں دارالاماں سے دائمی فرقت ہوئی

رنج و حسرت سے نظر ڈالی در و دیوار پر
بے سروسامانی سے زار و زبوں حالت ہوئی

اک کھلے میدان میں پھر رات کو رہنا پڑا
جاگتے ہی کٹ گئی بے خواب و خور کلفت ہوئی

سکھ سپاہی قیمتی اسباب ہتیا لے گئے
راہ میں بے آب و دانہ بارہا دقت ہوئی

دس بجے شب بارہ کو لاہور پہنچے خیر سے
بادلِ ناخواستہ اغیار سے صحبت ہوئی

ایک کمرے میں پڑا رہتا ہوں بیمار و نحیف
قید تنہائی کی گویا یہ بھی اک صورت ہوئی

آج پورے ہو گئے چھ سال آگے دیکھئے
ہو رہے گا اکمل مہجور جو قسمت ہوئی

آرزو ہے مرکزِ اصلی میں ہو میری وفات
پہلے ربوہ کی رہائش موجبِ راحت ہوئی

۵/۱۰/۵۳

(۳)

گھنگور گھٹا چھائی ہے بادل نہیں چھٹتے
راتیں تو ہیں راتیں ہی یہ دن بھی نہیں کٹتے

خاموشی کے پہرے ہیں زباں بند فغاں بند
ڈرتے ہیں ترا نام بھی کھل کر نہیں رٹتے

کمزور ہی ہمت نہیں پابندِ وفا ہیں
روکیں ہیں بہت سخت یہ پتھر نہیں ہٹتے

راتوں کو بہت تیر چلا دیکھے ہیں لیکن
کیا بات ہے وہ بھی ہیں نشانے سے اُچٹتے

کانٹے ہیں بچھے راہ میں اے باغ کے مالی
ہم سے تو سمٹے نہیں یہ آہ سمٹتے

امداد کو پہنچو گے کہ ہو جائیں گے ہم خاک
اے کاش تم اے جانِ جہاں جلد پلٹتے

پُر درد فسانے ہیں ہمارے ہی تو۔ ان میں
اوراق جو تاریخ کے یہ لوگ اُلٹتے

اے ختمِ رسلؐ فیض ترا جاری نہ رہتا
اصلاحِ ضلالت کے تقاضے نہ نمٹتے

غالب ہو بدی اور ہوں نیکی کو شکستیں تقدیر کے رخنے نہیں اس طرح سے پٹتے
کچھ کہنے کے قابل نہیں کیا حال بتائیں گھٹتا چلا جاتا ہے یہ دِل غم نہیں گھٹتے
گر چیخ نکل جاتی ہے آتی ہیں صدائیں،
اس راہ میں اکملؔ کوئی "بنٹے" نہیں مٹتے

نظم

قادیاں جانے والوں کی خبر سُن کر یہ کہاں تک اپنی قسمت کہ وصالِ یار ہوتا

(۲۴ و ۲۵ نومبر ۱۹۵۳ء کی درمیانی شب)

رات تنہائی میں تھوڑی دیر سو جانے کے بعد آنکھ کُھل جاتی ہے یکدم اور میرے سامنے
قادیاں دارالاماں کا نقشہ آ جاتا ہے اور مَیں لگتا ہوں اِس بے چَین دل کو تھامنے

(۲)

سوچتا ہُوں کیا ہُوا، کیونکر ہُوا ویراں ہوئے چَین سے بیٹھے بٹھائے لقمۂ طوفاں ہوئے
میزباں تھے قوم کے ناخواندہ اب مہماں ہوئے ہائے دِکھلایا ہے یہ کیا گردشِ ایّام نے

(۳)

زلزلوں کا یہ سماں اب دیکھئے کب تک رہے منقلب دَورِ زماں اب دیکھئے کب تک رہے
یار ہم سے بدگماں اب دیکھئے کب تک رہے جز دُعا و صبر سکھلایا نہیں اسلام نے

(۴)

نصرتِ حق آ - اگر آتی ہے تو آ جا شتاب دل ہوئے جاتے ہیں سوزِ ہجر سے اپنے کباب
ہم اندھیرے میں بھٹکتے ہیں دِکھا راہِ صواب وعدے پُورے ہوں کئے جو احمدی الہام نے

(۵)

دوحہ اسمٰعیل کا سرسبز رکھنا ہے اگر آبیاری آنسوؤں سے اسکی صبح و شام کر
پھُول تو کھِلنے لگے ہیں جلد لائے گا ثمر یہ بشارت نظم کی ہے اکملِ خوش کام نے

ہمارا جلسہ سالانہ ۱۹۵۳ء

ہمارا مذہبی سالانہ جلسہ ہونے والا ہے
دلوں میں شوقِ دید رونقِ دینی دو بالا ہے

ہمارا عزم مستحکم ہے ہم اسلام پھیلائیں
اسے اکناف عالم میں خوش اسلوبی سے پہنچائیں

ہدایاتِ رسالت پر عمل خود کر کے دکھلائیں
یگانوں اور بیگانوں کو پھر یہ علم سکھلائیں

یہی تھا اصل مقصد حضرتِ اقدس کی بعثت کا
کہ پھیلے نور سیدنا محمدؐ کی رسالت کا

ستارے بن کے اکمل احمدی اصحاب رخشاں ہوں
یہ پروانے فدائے للٰہی شمعِ فروزاں ہوں

یوم مصلح موعود

گفتہ ۲۰ فروری ۱۹۵۸ء — مطبوعہ بدر ۲۰ مارچ ۱۹۵۴ء

۲۰ فروری

شکر ہے پھر زندگی میں آ گئی،
بیسویں تاریخ ماہ فروری

پیشگوئی مُصلح موعود کی
حسب وحیِ مقتدر پوری ہوئی

مرحبا ابنِ مسیحِ احمدؐی
آشکارا شانِ ابراہیمؑ کی

نار کو گلزار۔ صحرا کو چمن،
دیکھ کر ہر رُوح سجدے میں پڑی

حسن و احسان میں مسیحا کا نظیر
اِک مجسّم قدرتِ حق دیکھ لی

زِندہ باش اے مصلحِ امراضِ دل
جاں۔ تنِ بے جاں میں تو نے ڈال دی

تیری شہرت خدمتِ اسلام سے
مشرق و مغرب میں ہے پھیلی ہوئی

چھا رہی تھیں ہر طرف تاریکیاں
بدرِ تاباں لے کے آیا روشنی

نیکیاں بدیوں پر غالب آ گئیں
سب نے تسبیح خدائے پاک کی

کفر کی ظلمت ہوئی کافور ہے
مژدۂ جاں بخش پہنچا۔ یہ تجلی

جو جفائیں کرتے ہیں۔ کرتے رہیں ڈال لی اکمل نے خُوتسلیم کی
مطمئنّہ نفس ہو یاربّ عطا
دے ندائے فَادۡخُلِی فِی جَنّتِی

ایک رؤیا دیکھ کر

آج کیوں دل میں مرے درد سوا ہوتا ہے کوئی درمان نہیں دیکھئے کیا ہوتا ہے
جو بھلا چاہے ہر اک کا وُہ بھلا ہوتا ہے جو بُرا چاہے کسی کا وُہ بُرا ہوتا ہے
اسی اُمید پہ جیتا ہُوا خوں پیتا ہوں درد بڑھ جائے جو حد سے تو دوا ہوتا ہے
عرش تک آہ تو پہنچا تا ہوں لیکن نالہ دیکھئے کونسی صُورت سے رسا ہوتا ہے
مشکلیں کتنی ہی پیش آئیں نہ ہمّت ہارے کام مؤمن کا تو ہر وقت دُعا ہوتا ہے
نظرِ لُطف وکرم سے نہ نوازا اب تک شوق و اخلاص کا کیا یہ ہی صلہ ہوتا ہے
اپنے ہر حال میں رہ صابر و شاکر اکملؔ
وُہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

(۱۷ فروری ۱۹۵۲ء)

(آخر وہ واقعہ پیش آیا)

رُباعی

صبح بغیر ذکر و فکر کے

ربّانیوں کا ربوہ یاربّ رہے سلامت
اعجازِ احمدیّت۔ محمُود کی کرامت
اسلام کی اشاعت ہو اِسکی مرکزیّت
قائم رہے نظارت۔ دائم رہے امامت

ریڈیو سے سُن کر

(۱۱ر مارچ ۱۹۵۴ء صبح)

مثیلِ مسیحؑ و مثیلِ عمرؓ
منقدر تھا مجروح ہونا۔ مگر

یہ فرما چکے ہیں امام انام
علیہ الصّلوٰۃ وعلیہ السّلام

تمنّا نہ دشمن کی بر آئے گی،
ہمیں دی گئی ہے کلیدِ ظفر

ارادوں میں ناکام دشمن رہے
یہ مکتوب ہے لوحِ محفوظ پر

اگرچہ ہوں مضطر غم و حزن سے
تسلّی ہو اُمکّل کے دِل میں مگر

کہ "اِنَّ رَبِّی عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظ" [1]
تفاول سے قرآں میں پائی خبر

[1] قرآن مجید سے تفاول کے طور پر آیت نکلی سورۂ ھود ۱۲

چہل سال عمر خلافت گذشت [2]
بلوغ المرامے است نزدیک تر

بہ سی سال دہ سال مُصلح فزود [3]
ہمیں دَورِ مُوسیٰ و فضلِ عُمَر

بر آیات تسعہ مشرّف شدیم
فَادْعُوا لَنَا اَیُّھَا الْمُنْتَظَر

کہ نامت بہ اکنافِ عالَم رسید [4]
بہ بینیم ایمان و حق جلوہ گر

[2] حدیث بابت عہد علی

[3] خلافت راشدہ کی مدت ۱۲

[4] پیشگوئی مُصلح موعود ۱۲

---

۲۶ مئی سنہ ۱۹۵۴ء

چھبیس ۲۶ مے کی یاد نے بے چین کر دیا
اِک دل۔ ہزار رنج و الم اس میں بھر دیا

لاہور میں پڑا ہوں نہ ربوہ نہ قادیاں
کب تک رہے گا مجھ پہ یتیموں کا سماں

وہ دِن بھی یاد ہیں مجھے وہ راتیں بھی یاد ہیں
عرفان و معرفت کی وہ باتیں بھی یاد ہیں

یادیں ہی رہ گئی ہیں نظارے کدھر گئے
پیری کے وہ جوان سہارے کدھر گئے

چاروں طرف سے گھیر لیا ہے فتور نے — یہ حال کر دیا ہے مرے کس قصور نے
وابستگانِ مہدیؑ ہیں ہم تمام — اور مُنتظر ہیں نصرتِ ربّی کے صُبح و شام
منظُور بجُرمِ عشقِ تو ام مے کُشند" کا — دیکھا ہے میری آنکھوں نے اَے جان بارہا
یہ اِلتحاکہ "بر سرِ بام آ" کروں تو کیا — منظور ہوگی اکملِ مہجور کی دُعا
یحیٰؑ۔ عمرؓ۔ حسین کے سب طوَر دیکھ لو
قتلِ جبیں ابنِ خلیل اوَر دیکھ لو

(اشارہ بہ حادثہ فاجعہ زخم بہ گلوئے حضرت امام۔ بوجہ نسبت بہ یحیٰؑ۔ عمر حسینؑ و اسمٰعیلؑ۔ ۱۲

الصُّلحُ خَیرُ

(۲۹ مئی ۱۹۵۴ء)

رحمت خُدا کی تجھ پہ ہو اے ثانیٔ حُسن! — حق اپنا چھوڑتے ہُوئے کی صلح فی الزمن
تا اُمّتِ محمّدی میں تفرقہ نہ ہو — باہم وہ ایک ہو کے رہیں نیک ہو چلن
کیا خُوب تھا خیال خوش اسلوب دل کا حال — شیریں مقال۔ صالح الاعمال فی الفتن
یہ مُسلموں کے جو متخاصم فریق ہیں، — ان میں سے ایک ہی کا ہے وُہ ربّ ذوالمنن
خود اپنی قدرتوں سے دِکھائے گا خلق کو — سر سبز کِس کے ہاتھ سے ہوتا ہے یہ چمن
رہبر ہمارا کامل و اکمل ہے خوف کیا، — منزل دکھائی دے رہی ہے گو بڑی کٹھن
الجھاؤ بے شمار سُلجھ جائیں گے ضرور — ماتھے پہ اکملؔ آئے نہ تیرے کبھی شکن
وُہ مردِ پاک صلح جو باہم کرائے گا — پَیدا ضرور ہوگا علےٰ مشرب الحسنؑ

ناتمام

احمدیت کے مراکز کی الٰہی خیر ہو + پھیلتی جاتی ہے عالم میں تباہی خیر ہو

ربوہ

(۱)

اکمل بہ یاد دار الاماں سرد آہ بھر
اور اس کے بعد ربوہ پہ اپنی نگاہ کر
ربوہ وُہ سرزمین تقدس کے نام پر
آتے نظر ہیں جس پہ فرشتوں کے پرے پرُ
پہنائے دشت میں ھی کھلا لالہ زار حُسن
نغمہ سرا ہیں طائرِ نُوری بہ بام دَور
گر آبیاری چشم کے چشموں سے سب کریں
یہ دَوحہ اسمٰعیل کا دے گا ہمیں ثمر

(۲)

اس سے بڑھ کر ہو وفاداری کا کیا اور ثبوت
ہو قصور اُنکا مگر اپنے ہی سَر لیتا ہُوں
دیکھیں کب ہوتی ہے مہجور کی قسمت یاور
بوسے دہلیز کے کب بار دِگر لیتا ہُوں
اب بزورِ قلم اقلیم کو کر زیر قلم
ہاتھ میں کس لئے تُو تیرو تبر لیتا ہے
جانتا ہُوں کہ تُو ہے مہجور مگر اے اکمل
تجھ سے ناکاروں کی اب کون لیتا ھی خبر

(الفضل ۱۵ جولائی ۱۹۵۲ء)

قربانی و صلوٰۃ بالصّبر زور دو
کوثر ہے پھر عطیۂ باری ہمارے گھر

درویش قادیان دار الامان

کون سُنتا ہے فغانِ درویش
تُو ھی مولا ہے امانِ درویش
تیرے فضلوں کی کوئی حد ھی نہیں
ہے خوش آئند زمانِ درویش
تجھ سے دُوری ہے مری رسوائی
اور قربت ہے جنانِ درویش
کار آمد ہیں سہام اللیلی
ہے کڑی سخت کمانِ درویش
حق سے ڈر۔ ظلم نہ کر۔ پہنچے گی
عرش تک آہ و فغانِ درویش
دیکھ! تو ان کو حقارت سے نہ دیکھ
کہ بہت اُونچی ھی شانِ درویش
ذکرِ اللہ سے تر رہتی ہے
دُھلکے کوثر سے زبانِ درویش

اسکو ہر وقت ہے اسلام کی فکر
اس سے وابستہ ہے جانِ درویش

۵ بجے شام
یا الٰہی ہے دُعاءِ اکمل
رہے آباد مکانِ درویش
۱۴-۹-۵۶

ہمارا تو ہے کام اپنا بنانا

مسیحِ محمدؐ کو جس نے نہ مانا
نہ سوچا نہ سمجھا نہ دیکھا نہ جانا

ہمارا تو ہے کام اپنا بنانا
ہے دشمن کے حصّے میں دِل کو ستانا

نگاہِ حقارت سے وُہ دیکھتے ہیں
ہمیں چاہیئے اُن کے دِل میں سمانا

الٰہی مِری رُوح بیدار رکھنا
نہ غفلت کی نیندوں میں اسکو سُلانا

ہر اِک ملک ہے دینِ فطرت کا خواہاں
ہمیں چاہیئے اس میں سِکّہ جمانا

سُناتا ہُوں مَیں داستانِ قادیاں کی
جِسے شوق سے سُن رہا ہے زمانا

جو طوفان میرے خلاف اُٹھ رہا تھا،
وُہ طوفان سیلاب بن کر تھا آنا

وُہ تیرا زمانہ یہ میرا زمانہ
چکایا ہے قرضہ خدا نے پُرانا

برس سات فرقت میں گذرے ہیں اکملؔ
کہیں اب تو بچھڑے ہوؤں کو ملانا

(۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء)

بے قراریٔ دِل

ساتواں سال گذرتا ہے کہ مہجور ہوں میں
اپنے محبوب کی نگری سے بہت دُور ہُوں میں

جی میں آتا ہے کہ دَوڑ پڑوں تو اُڑ کر پہنچوں
کیا کروں بس نہیں چلتا کہ معذور ہُوں میں

مِرے آقا مجھے پاس اپنے بلا لو جلدی،
صبر بہتیرا کیا۔ صبر سے مجبور ہُوں میں

کچھ علاجِ دلِ درمانِ طلب فرمائیں
سوزِ فرقت سے تڑپتا ہوں کہ رنجور ہوں میں

حالتِ بیم و رجا رہتی ہے طاری اکثر
دل سے نزدیک ہوں آنکھوں سے مگر دور ہوں میں

میں ہوں سرمست مئے حُبِّ محمدؐ احمدؑ
نہ کہ دلدادۂ افشردۂ انگور ہوں میں

لَنْ تَرَانِیْ کی صدا آتی ہے لیکن اکملؔ
اَرِنِیْ گوئے آں جلوۂ پُر نور ہوں میں

(۲)

مژدہ صد مژدہ کہ پھر فصلِ بہار آنے کو ہے
یعنی احمدؑ کے گلستاں پر نکھار آنے کو ہے

پھر انہی توحید کے نغموں سے گونجے گی زمیں
پھر وہی مکہ مدینے کا شعار آنے کو ہے

پھر اناالحق یعنی میں حق پر ہوں کے نعرے سنو
پھر وہی راز دروں سینہ بردار آنے کو ہے

داستانِ شوقِ حسنِ احمدؐ مختار کی
برزبانِ احمدیت بار بار آنے کو ہے

جمگھٹا ربانیاں ربوہ کا پھر دیکھئے
جلوۂ نورِ امام کا مدگار آنے کو ہے

شوکتِ محمودؔ کی دھوم اور ایازوں کا ہجوم
دیکھنے کو ہر کوئی دیوانہ وار آنے کو ہے

باطنی جذبات کا عالم اگر ہو دیکھنا
دیکھ لو سن لو کہ سب کچھ آشکار آنے کو ہے

مژدہ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ الْعَزِیْز
آسماں سے اے حیاتِ مستعار آنے کو ہے

سر جھکائے ہیں غزالانِ توحد منتظر
فارسِ روحانیت بہر شکار آنے کو ہے

ہجر کے ایام بیتے وصل کی راتیں ملیں
بے قراری کو مری اکملؔ قرار آنے کو ہے

([illegible])

برائے بدلہ

وہ بھی دن آئیگا کیا؟ احباب میں چرچا ہو جب
پھر کفن باندھے یہ اکملؔ بر مزار آنے کو ہے

ناتمام

(۱)

وہ زمانہ بھی کیا زمانہ تھا
کوئے دلبر میں آشیانہ تھا

(۲)

اگر اب کے ربوہ کو بھی بھائی جائیں
تو بہجائیں میری بھی کچھ التجائیں

بات جا پہنچی

کہاں سے دیکھئے آخر کہاں تک بات جا پہنچی
کہ اس جانِ جہاں روحِ جناں تک بات جا پہنچی

جو دل لاہور گھبرایا۔ تو ربوہ میں سکوں پایا
وہاں سے قادیاں دار الاماں تک بات جا پہنچی

مرے ستار تو ہی پردہ پوشی کرنے والا ہے
کہ رفتہ رفتہ گوشِ دشمناں تک بات جا پہنچی

زمیں والوں نے بے حد دکھ دیئے ہم چپ رہے لیکن
الٰہی آہوں کے صدقے آسماں تک بات جا پہنچی

یہ دل ہی دل میں مرنا آہیں بھرنا زاریاں کرنا
ہوا دشوار فریاد و فغاں تک بات جا پہنچی

میں اُن سے شکوہ کیا کرتا میں اپنا حال کیا کہتا
بالآخر "حدیثِ دیگراں" تک بات جا پہنچی

جو دل میں تھا نہاں آخر۔ عیاں ہو کر رہا اکملؔ
لبوں پر اِس زباں سے اُس زباں تک بات جا پہنچی

(بدر قادیان ۱۹۴۹ء جنوری میں)

اتّحاد باہمی

اکٹھے ہو رہے ہیں جیسے پاکستان کے ٹکڑے
بہم پیوست کر سکتے ہیں ہم ایمان کے ٹکڑے

مرا مطلب ہے بھائی بھائی اسلامی رہیں بن کر
کریں آپس میں لڑ بھڑ کر نہ جسم و جان کے ٹکڑے

اگرچہ مختلف ہیں پھول پھل پتّے درختوں کے
مگر ہیں موجب رونق یہی بستان کے ٹکڑے

رسول اللہ محمدؐ ہیں کیا اِلّا اللہ نے ثابت
جو تیغ لَآ اِلٰہ سے کر دیئے شیطان کے ٹکڑے

احادیث محمد مصطفےٰؐ اقوال اماموں کے
رہیں مدّ نظر لیکن نہ ہوں قرآن کے ٹکڑے

وہ کب سنتے تھے میری داستاں سننی پڑی آخر
کہ میں نے رکھ دیئے تھے کھول کر ارمان کے ٹکڑے

یہ پاکستان اپنا چاند کا ٹکڑا ہے اکملؔ
غلط ہی کر دیئے لوگوں نے ہندوستان کے ٹکڑے

(۱۸ دسمبر ۱۹۵۴ء کو ۲ ربوہ ۱۹۵۵ء کے الفضل میں چھپی ۱۵ جنوری)

محرم راز سے

سجدہ ہائے شوق کی میری جبیں میں تھی تڑپ
میرے محرم راز ہمدم آ کہ منزل طے کریں

ہم کو کافی ہے تصوّر ان کی چشمِ مست کا
کیا ضرورت ہے کہ ہم شغل سرود و مے کریں

گیت وُہ گائیں جو اکثر آسماں گاتا رہا
اسکی پیدا ہم نئی دُھن اور نئی اِک لے کریں

"ہم کو کیا ملکوں سے اپنا ملک ہے رضوانِ یار"
کیوں بجز اسلام فکر رَے و کَے کریں

احمدیت پھیل کر غالب ہو دینِ مصطفےٰؐ
اپنے نعرے ہم غلامِ احمدؑ کی اکمل جے کریں

ربوہ و قادیان کے ہر دو جلسوں پر

الصُّلح خیر مسلکِ سُکّانِ قادیان،
ایماں نواز وسعتِ دامانِ قادیان

ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے
رنگین و پُر بہار تھا بُستانِ قادیان

ناگاہ اِک ہوا چلی برباد ہو گیا
امن و امانِ ملّت ایوانِ قادیان

ٹوٹے ہُوئے دلوں کو الہٰی تو جوڑ دے
پھر جمع ہو رہے ہیں محبّانِ قادیان

دل باغ باغ ہو گیا ربوہ کی شان سے
سینہ تھا داغ داغ زہجرانِ قادیان

اشکوں کے چند گوہرِ منظوم کر نثار
اکمل بہ یادِ حُسنِ جوانانِ قادیان

ہدایتِ امام بر سالِ نو

اک بُرائی چھوڑ دو، ایک نیکی اختیار
یہ ہدایت دیتے ہیں حضرتِ امامِ کامگار

شوق سے محنت کرو ایثارِ مال و جان ہو
خاص کر ہر احمدی کا صدق وری ہو شعار

اِک نہ اِک وصف اپنے اندر احمدی پیدا کرے — جس میں وُہ معرفت ہو۔ مانیں جسے اغیار و یار
یہ دُعا ہے اَکملِ بیمار کی اللہ سے (مصباح فروری ۱۹۵۵ء میں چھپی)
اِس ہدایت نامہ کی تعمیل کی توفیق دے

۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی یاد میں

سن چھیاسی فروری کی بیس ہم کو یاد ھے — اور دِل اِس یاد سے الحمد للہ شاد ھے
اِک مسیحی نفس بیٹے کی بشارت دی گئی — دُور جس سے ہوئی اسلام کی افتاد ھے
اسکی شہرت پھیلنے والی ہے عالم میں ضرور — اور زبانِ مومناں پر نعرہ زِندہ باد ھے
اپنے کانوں سُن لیا ہے اپنی آنکھوں دیکھا ھے — جو بھی فرمایا تھا وَحیِ حق کا اس پر صاد ھے
کام جو تبلیغِ حق کا مشرق و مغرب میں ہے — ہے سزاوارِ ستائش قابلِ صد داد ھے
یہ ہُوا انفاسِ قدسی سے مسیح الخلق کی — اور جو ہونے والا ھے اسکے لئے آزاد ھے
مشکلیں درپیش ہیں دلہائے خلقت ریش ہیں — ہاں پر زباں پر مُومنوں کی ہرچہ بادا باد ھے
کشتیٔ اسلام اِس طُوفاں میں محفوظ ھے — اور ساحل پر پہنچنے والا دل محفوظ ھے

اکمل بیمار ہے ہر دم دُعا گوئے حضور
مصلح مُوعود کا سب کو مبارک ہو ظہور
(۱۸ فروری ۱۹۵۵ء)

نظم

مرا خدا میرا ناصر ہے وُہ کہاں میں نہیں — وُہ کیا زمیں میں نہیں کیا وُہ آسماں میں نہیں
نہ کوئی اور مرا ہو سکا نظیر منظور، — نظیر تیرا نظر آیا اِس جہاں میں نہیں
حوادثات بتاتے ہیں حسب وَحیِ خدا — کہ کیا مسیح کے ہم موسوی زماں میں نہیں
جہاد نام ہے اعلاءِ کلمۃ اللہ کا — قلم سے بھی ھے۔ فقط سیف ہی سناں میں نہیں

معاندین سے کہدو کہ دیکھو رُک جاؤ
کہ کچھ بھی فائدہ اِس سعی رائگاں میں نہیں
صلٰوۃ و صبر میں مضمر جو کامیابی ہے
یقین کیجئے فریاد میں فغاں میں نہیں
دل و دماغ میں بستی ہے قادیاں بستی
اگرچہ اکمل مہجور قادیاں میں نہیں

تضمین

دنیا میں چیز کونسی ہے جس کو ہے ثبات
اک زندہ رہنے والی ہو اللہ کی پاک ذات
باقی پہ ہے فنا کا شکاری لگائے گھات
"اے شمع تیری عمر طبیعی ہے ایک رات
رو کر گذار یا اسے ہنس کر گذار دے"

(۲)

بگڑی مری کرم سے الٰہی سنوار دے
دُکھ ہو کہ سکھ ہو تو مجھے صبر و قرار دے
میری زباں پہ شکر کے جملے ہزار دے
"دل دے تو اِس مزاج کا پروردگار دے
جو رنج کی گھڑی بھی خوشی سے گذار دے"

قادیان سے اخراج کی یادیں

گیارہ[۱۱] بارہ[۱۲] تیرہ[۱۳] اکتوبر کی یاد
آج پھر آئی گزر کر آٹھ سال
قادیاں سے جب نکلنا ہی پڑا
وقت آیا زندگی پر یہ کڑا
بارھویں شب دس بجے لاہور میں
آ پھنسے ہم جور بعد الکور میں
بس یہیں کا دانہ پانی ہے نصیب
موت کا وقت آتا جاتا ہے قریب
مختلف بیماریوں کا زور ہے
الحفیظ و الامان کا شور ہے
یا الٰہی رحم بے کس جان پر
خاتمہ بالخیر ہو ایمان پر
اکمل محزوں نہ رَبوہ جا سکا
قادیاں بھی پھر نہ یارب پا سکا

نعت النبیؐ

حسن و احساں میں نہیں ہے آپ کا کوئی نظیر — سارے عالم پر نمایاں ہے بڑائی آپ کی
آپ کے ہر فعل سے شانِ خدا ظاہر ہوئی — ہیں خدا کے آپ اور ساری خدائی آپ کی
جاہلیت کے عرب کو باخدا فاتح کیا — سب سے بڑھ کر یہ ہوئی معجز نمائی آپ کی
آپ کے دم سے ہوئیں دنیا میں قائم نیکیاں — خود بُرا ہے وہ جو کرتا ہو بُرائی آپ کی

دَور دورہ امن و نیکوئی کا دُنیا میں ہوا
جھوٹ پر غالب رہی آخر سچّائی آپ کی

عیدِ میلاد النبیؐ

آج ہفتہ کا ہے دن بارہ ربیع الاوّل — عید میلادِ نبیؐ کی ہے یہ تقریب اجل
سیرتِ پاک کا تذکار جمیل و احسن، — شاہد اسپر ہو ہمارا بھی اگر حُسنِ عمل
تو یہ تقریب ہے بے شبہ سعید اور مفید — ورنہ اک رسم ہی پڑ سکتا ہی مِلّت میں خلل

پس ضروری ہی کہ ہم حسبِ ہدایات رسولؐ
وہ چلیں چال کہ جس سے ہوں خدا کے مقبول

مشرقی پنجاب میں طوفانِ سیلاب

بربادیٔ چمن کی خبر پہنچی ہے مجھے — صد ہا مکان گر گئے بس چند ہی بچے
وُہ گریہ مومنین کا طوفان بن گیا — اب نوحے وقتِ نوح کے آتے ہیں کان میں
بھائی سے بہنیں ماؤں سے بچّے جُدا ہوئے — حد سے فزوں تباہی پڑی مال و جان میں
گاؤں کے گاؤں بہ گئے غرقاب ہو گئے — دِقّت سی پیش آتی ہی نام و نشان میں

مشرق میں ہے یہ حال تو مغرب میں بھی یہی
سیلاب کا عذاب ہے سارے جہان میں
وابستہ میری رُوح ہے دارالامان سے
یارب رہے وُہ تیرے ہی حفظ و امان میں
ہم سے چھڑا دیا گیا پر یہ کہنا کفر ہے
میری بلا سے بُوم بسے یا ہُما رہے

جلسہ سالانہ کے لئے

پھر جلسہ سالانہ کا چرچا ہے محبّو
آؤ چلو دیکھو کہ وہاں کیا ہے محبّو
رہا بوہ کہ ہے برکات خلافت کا خزینہ
دیکھو گے کہ ہے فیض رسالت کا مدینہ
تم زندہ خدا زندہ نبی دیکھو گے جاکر
پاؤ گے تو پاؤ گے یہ عرفان وہیں پر
قرآن و احادیث نبی پاک کے انوار
موعود مسیح آپ کے اصحاب کے آثار
محمود خلائق سے معارف جو سنو گے
تو اسکے ایازوں سہی باخلاص بنو گے
وہ مثل مسیحائے محمدؐ ہے حق آگاہ
اور حُسن میں احساں میں نظیر اس کا ہے واللہ
اکمل ہے دعاگوئے شب و روز کہ یارب
تُو پورے کر اسکے جو مقاصد ہیں دِلی سب

”مصباح“ کے لئے رُباعی

بی بیو تُم کو مبارک ہو رسالہ مصباح
ہے تمہارے لئے یہ لو لُوے لالہ مصباح
نقد جاں دے کے خریدو تو ہے پھر بھی ارزاں
کہ ہے دُنیا میں یہ جنّت کا قبالہ مصباح

برأت از فتنہ پردازاں

فتنہ پردازوں سے کوئی بھی ہوں بیزار ہیں ہم
دستِ در کار ہیں دل دادۂ دلدار ہیں ہم

احمدیت کے چمن میں ہیں نواسنجِ خلوص
اور سمجھے ہوئے تفریقِ گل و خار ہیں ہم

باغباں پر ہے تصدّق دل و جانِ خدام
کہ مجاہد پئے سرسبزیٔ گلزار ہیں ہم

آؤ دکھلائیں تمہیں گلشنِ احمد کی بہار
دوحۂ ابنِ ابراھیم کے ہیں اثمار ہیں ہم

رُحَمَا فیضِ رسانی میں تو ہیں آبِ رواں
اور اَشِدّآ بھی ہیں مضبوطی میں کہسار ہیں ہم

شہرتِ مصلحِ موعود اُفق تک پہنچی
کہ مبلّغ پئے اِسلام و فدا کار ہیں ہم

نور ہی نور اندھیرے کا کہیں نام نہیں
کہ اسی نورِ سراپا کے پرستار ہیں ہم

کوئی درباری اُلٹنے نہ پلٹنے پائے
حاضر الوقت بہ دربار دُرَرْ بار ہیں ہم

عاقبت اکمل مہجور کی۔ سب کی محمود
کہ غلامانِ حضورِ احمد مختار ہیں ہم

ترانۂ عقیدت

مہجورِ قادیاں ہیں ربوہ مکاں ہمارا
حق نے بنا دیا ہے دار الاماں ہمارا

مکّے کی سرزمیں میں جو معجزہ ہوا تھا
ہے اس کی برکتوں کا جاذب مکاں ہمارا

اشکوں کی آبیاری آخر کو رنگ لائی
صحرا سے بن گیا ہے یہ گلستاں ہمارا

پھر پاکباز میکش یاں جمع ہو گئے ہیں
محمود ابنِ مہدی پیرِ مغاں ہمارا

یاربّ رہے سلامت برسوں بصد کرامت
قرآں داں ہمارا۔ صاحبقراں ہمارا

کوثر کی ہیں سبیلیں۔ بھر بھر کے جام پی لیں
مُردے جو ہیں وہ جی لیں۔ دورِ زماں ہمارا

قائم رہے خلافت۔ دائم رہے رفاقت
انصارِ دیں و خادم ہر نوجواں ہمارا

ہم دین کو مقدم دُنیا پہ رکھ رہے ہیں، ۔۔۔ اسلام کی اشاعت قومی نشاں ہمارا
احمد مسیح موعود - اپنا امام معہود ۔۔۔ ختمُ الرُسُل پہ قُرباں ہر جسم و جاں ہمارا
مرزا البشیر احمدؓ - مرزا الشریف احمدؓ ۔۔۔ ہے خاندان فارس نصرت جہاں ہمارا

فضلِ خدائے ناصر - ہے حافظ اور باصر
اکملؔ کو جانتے ہیں سب نغمہ خواں ہمارا

نظم

پھر بیس فروری کا اعجاز سامنے ۔۔۔ اللہ کا دیا ہوا اعزاز سامنے
سوز و گداز عشق مسیحؑ محمدیؐ ۔۔۔ لایا ہے حسن یار پھر بصد ساز سامنے
یہ ہے دُعاءِ مہدیٔ موعود کا اثر ۔۔۔ مصلح جو آیا با دگر انداز سامنے
فضلِ عمر ہے مصلح موعود کبریا ۔۔۔ اسلام کے شیوع کا ہی کازہ سامنے
ختم الرسل کے دین کو کرنا ہی سر بلند ۔۔۔ اسکے لئے ہے سخت تگ و تاز سامنے
اب پورا ہوگا وعدہ کا لمسیح - کسر و قتل ۔۔۔ دجّال و جوج کر رہے تھے ناز سامنے
توحید کے قیام میں ہیں مشکلات ہی ۔۔۔ جب تک کوئی رہے بُت طناز سامنے
ناکامیوں کا سامنا ہوگا جو رکھتا ہے ۔۔۔ دنیائے دُوں کی حرص و طمع آز سامنے
رُوحانیت کی شاہی محمُود کے سپُرد ۔۔۔ انجام خیر ہے کہ ہے آغاز سامنے

اکملؔ کو فتحیابیٔ مُسلم کا ہے یقین
قرآن پاک کے ہیں ہی راز سامنے

(شب درمیان ۱۲، ۱۳ فروری ۱۹۵۸ء کراچی)

خلیفے اور خلافت

خلافت اور خلیفے کا خود خدا ہے حفیظ
کہ ابتدا سے اسی طرح وہ رہا ہے حفیظ

ستیزہ کار عدو ہو تو فکر کی کیا بات
کہ اپنے بندوں کا مولائے کل سدا ہی حفیظ

جو صلح جو ہیں اور اصلاح اپنی کرتے ہیں
صلے میں اسکے وہ پاتے ہیں اک خدا ہی حفیظ

تمام اہل مذاہب کے پیشواؤں کا
ہے احترام ہمیں ان کا اِتّقا ہے حفیظ

ہے جس کے ہاتھ میں جمّازۂ جہاں کی مہار
وُہی تو خلق کا ہر آن بر ملا ہے حفیظ

دکھائی دیتا ہے اکملؔ ستارۂ دُمدار
تو خوف کیوں ہو کہ جب خالق سما ہے حفیظ

ربوہ کے یوم الخلافت کے لئے

(بفرمائش جنرل پریذیڈنٹ ۲۲ مئی ۵۷ء)

مئی کی ستائیس یوم الخلافت
ہُوا اِس میں تاسیس یوم الخلافت

مبشر رسول اِسْمُہٗ احمدؐ آیا
تو نور خلافت کا مژدہ سنایا

مقام اسکے بعد اپنے محمودؔ کا ہے
مسیحا کے فرزند موعود کا ہے

مبشّر بشیر ہے بروفضل باصر
مبارک شریفے خدا باد ناصر

صدی نصف گذری خلافت ہے قائم،
الٰہی یہ نعمت رہے ہم میں دائم

جو اعمال صالح ہیں ایمان کامل.
تو ہم سب رہینگے خلافت میں شامل

اِسی میں ترقّی ہے دُنیا وُ دیں کی.
کرو قدر سب مل کے دُرِّ ثمیں کی

دُعاگو ہے اکملؔ کہ یاربّ خلافت
رہے زندہ پائندہ باشان و شوکت

(الفضل ۳۰ مئی ۱۹۵۷ء)

۲۷ مئی کو چوہدری شبیر احمد صاحب نے جلسہ میں پڑھ کر سنائی!

فی البدیہ

تنہائی میں لیٹے لیٹے بچھڑے ہوئے احباب یاد آئے

خدا کی قسم آج تم میرے پیارو
بہت یاد آئے۔ بہت یاد آئے

نہیں ایک ہی یاد دل کو ستاتی
کئی یادیں لے کر ہیں ناشاد آئے

جو گذری ہے سر پر سنائینگے یکسر۔
کہ ہم کس طرح ہو کے برباد آئے

سُناتے ہیں سُننے کا یارا۔ اگر ہو۔
بہت غم بھری لے کے روداد آئے

مسیحِ محمدؐ! تری بارگاہ میں۔
جفا کاروں کی لے کے فریاد آئے

عصا موسوی کی ہو اک ضرب کاری،
کوئی لاکھ فرعون و شدّاد آئے

خلافت کے احکام کی پیروی میں
سبھی ہم معِ آل و اولاد آئے

یہ ہالینڈ و ہمبرگ کی مسجدوں سے
خواتین کو داد و امداد آئے

جو اکملؔ کو دیکھا تو فرہاد و مجنوں
پکارے کہ لوگو۔ وہ استاد آئے

(۱۰ اگست سنہ ۱۹۵۶ء)

نظم

(۱)

وہ صُبحِ زندگی تھی یہ ہے شامِ زندگی
ہر حال میں وہی ہے دلآرامِ زندگی (خلا)

پچاس بلکہ ساٹھ برس قادیاں رہے
پایا ہے مَیں نے فیض بہ ہر گامِ زندگی

دُنیا کے رنگ و بُو سے ملوّث نہ ہو سکے
ہوا اسقدر بلند ترا بامِ زندگی

سرمستئ ابد ترے حِصّے میں آئے گی
احمدؐ کے میکدے سے تو پی جامِ زندگی

تقلید بایزید ہی اکملؔ بصد خلوص
پَیدا کریگی سینکڑوں بسطامِ زندگی

(بدر قادیان ۱۳ نومبر سنہ ۱۹۵۶ء)

(۲)

(رات ۳ بجے) — (۲۱ و ۲۲ / اکتوبر)

صبح ہونے میں نہیں آتی کب تک جاگوں
غم جاناں غم دوراں سے میں کیونکر بھاگوں

یا الٰہی کہیں ملتا ہے سکوں بھی آخر
انقلابات زمانہ ہیں بہت گوناگوں

مَیں تو طوفانِ حوادث میں بہے جاؤں گا
اور کشتی کا تقاضا ہے کہ ساحل لاگوں

آج اپنی فصاحت پہ ہے نازاں فرحاں
وُہی بچّہ جو کیا کرتا تھا آغوں آگوں

قادیاں ربوہ کی صُورت میں نمودار ہُوئی
مُعجزہ اکملؔ مہجور بہ بیں عیسیٰ گوں

(زیر۔ قادیان میں لکھی)

(۳)

الٰہی ہمیں قادیاں پھر دلادے
دِلادے وُہ باغِ جناں پھر دِلادے

ستاروں کا مسکن بہاروں کا گلشن
الٰہی وُہ جنّت نشاں پھر دِلادے

جہاں امن و ایمان کی ہے ضمانت
وُہی مرکزِ مؤمناں پھر دِلادے

طمانیت قلب پاتے ہیں جس جا
ہمارا وُہ دارالاماں پھر دِلادے

دکھادے دلادے بسادے وہیں پر
تمنّاءِ مہجور اکملؔ دِلادے

(قادیان اور ربوہ میں لکھی)

مطبوعہ ”خالد“ خباب عہ نمبر جنوری ۱۹۵۸ء

پھر جلسۂ سالانۂ ربوہ کا زماں ہے
پھر قافلۂ شوق سُوئے ذوق رواں ہے

پھر تازہ ہوا ولولۂ رُوحِ ایازی
محمُود بصد شوکتِ شاں جلوہ کناں ہے

تفسیرِ صغیر اکملؔ مہجور نے دیکھی
یہ مصلحِ موعودِ مطہّر کا نشاں ہے

سرچشمۂ حقائق کا معارف کا خزینہ
اصلاح تراجم کی۔ تفاسیر کی جاں ہے

(۱۔ از نسخۂ اکلّا المطّلعین ۱۲ن)

فارس کے رجُل ابنِ مسیحائے جہاں سے
قرآن کا یہ حسب زماں خوب بیاں ہے

اے چاند تری دید میں ہے عید ہماری
تجھ میں مرے محبوب کا پُر نور نشاں ہے

لے کام مجاہد تُو زباں اور قلم سے — ناکام رہا معرکۂ سیف و سناں ہے
پہنچائے گا پھر منزلِ مقصود پہ ہم کو — جس ہاتھ میں جمازہ عالم کی عناں ہے

پھر یاد مجھے دائمی مرکز کی ستائے — پھر میرے تصوّر میں وُہ احمد کا جناں ہے
درویش ہیں درحفظِ مقاماتِ مقدّس — پُر تیرا ٹھکانا دلِ مہجور کہاں ہے

جس دار میں نازل ہوُا موعود کہ جس کی — اب مشرق و مغرب میں مسیحائی عیاں ہے
قرآں کے مطالب میں ہیں اکثر جو غرائب — لایا وُہ ثریّا سے مسیحائے جہاں ہے

یہ کالی رات

ختم ہونے میں نہیں آتی ہے یہ کالی رات — نِکلی آمہر نبوّت کہ اندھیرا ہو مات
وُہ مُسلمان۔ مسلمان بنے گا کیونکر — کہ نہ روزہ ہو نہ حج ہو نہ صلوٰۃ اور زکوٰۃ
تین چوتھائی صدی گذری مجدّد ہو کہاں — اس کی بعثت جو بتاتی ہے حدیث مشکوٰۃ
بعثتِ ثانی، ختم الرُسُل احمدؐ مہدی — ابن مریم کی وفات اور اسی کی یہ حیات
دیکھ لو اَشرَقَتُ الارض بنُورِ رَبِّی — یہی قرآن نے بتایا یہی کہتے ہیں رُوَاۃ
آنے والا تھا یہی اور نہ آئے گا کوئی — مان لو دِل سے تو ہر رنگ میں پاؤگے نجات
حُسن و اِحسان کی دنیا ہو تمہاری اَکمَل — تم کو حاصِل ہو رہا عشق محمدؐ میں ثبات

(۲ جنوری ۱۹۵۸ء)

نظم

بندۂ عشق تو پابند ہے کیا پُوچھتے ہو — یہ وفاؤں کی شکر قند ہے کیا پُوچھتے ہو
مَیں ہُوں پابندِ وفا ہوتی ہو کتنی بھی جفا — (یعنی تکلیف) یہ اسیری مری تا چند ہے کیا پُوچھتے ہو

(مادی جسمانی حالت)

موسم گرم سعیر اس پہ ہے تلخ آب کثیر | گرد ہی گرد کا ارژند (شہر) ہے کیا پوچھتے ہو
غم کی چھائی ہوئی رہتی ہیں گھٹائیں سر پر | زیرِ پا سوز کا ہلمند ہے کیا پوچھتے ہو
اشک آنکھوں میں ہیں فریاد و فغاں ہے لب پر | یاد فرمائی کا در بند (پہاڑ) ہے کیا پوچھتے ہو
جسم کمزور ہی امراض و عوارض کا ہے شور | پھر بھی ہر حال میں آنند ہے کیا پوچھتے ہو

جس ویرانے میں اک بستی بسائی ہے نئی | وہ بھی میرا چمن بند ہے کیا پوچھتے ہو
روز و شب تذکرہ و فکرِ جہاد قلمی | یہ دنیا ایک چمر قند ہے کیا پوچھتے ہو
جس نے درگذر ہے کی میری خطا کاری سے | وہ مرا ترک سمر قند ہے کیا پوچھتے ہو

خانہ آباد ہو دولت ہو زیادہ اکمل
یہ دعائے دلِ خورسند ہی کیا پوچھتے ہو

دعائے صحت

میں کب تک عوارض سے مجبور ہو کر | الٰہی یہ دکھ درد سہتا رہوں گا
مری کشتی طوفاں میں اور شکستہ | میں کب تک تھپیڑوں میں بہتا رہوں گا
الٰہی مجھے صحت اور عافیت دے
میں کب تک یہی بات کہتا رہوں گا (۲۲/۱/۵۸)

فریادِ مہجور

میں جب بھی جاگتا ہوں دیکھتا ہوں رات باقی ہے
نمودِ صبحِ صادق ہونے والی بات باقی ہے
بہت کچھ ہو چکا لیکن مجھے تسلیم ہے آقا
ابھی تو اور بھی تعمیلِ ارشادات باقی ہے

یہ تبلیغی مراسم ہیں یہ اخلاقی مکارم ہیں
کہ لوگوں کے دلوں میں عزتِ سادات باقی ہے
(الفتِ)

پرستش ہے بُتِ مغرب کی مرغوب دلِ مُسلم
تو اس بے رہ روی سے گردشِ حالات باقی ہے

نہ حبل اللہ ہاتھوں میں نہ کوئی عروۃ وُثقیٰ
یہی باعث ہے اب تک باہمی اشتات باقی ہے

وفات ابنِ مریم ہو چکی ثابت مگر اب تک
کہا جاتا ہے عیسیٰ کی فلک پر ذات باقی ہے

ہمارے بدر کا ہو نُور عالمگیر جلد آ کمل
کہ یہ دُنیا تو فانی اور حق کی ذات باقی ہے
(مطبوعہ بدر ۶ فروری ۱۹۵۸ء)

یوم مُصلح موعُود رض

(یہ نظم مورخہ ۲۰ فروری ۱۹۵۸ء ربوہ سُنائی گئی۔ بدر میں ۱۳/۲۰ فروری ۱۹۵۸ء کے مصلح نمبر میں شائع ہوئی)

فروری بیس ۲۰ - چھیاسی کو بشارت جو ملی
اس کا مقصد جو فرزند ہے ہم مانتے ہیں

یعنی محمُود وُہ موعود بشیر ثانی
حضرتِ مہدی کا دلبند ہے ہم مانتے ہیں

واقف راہِ خدا۔ کاشفِ اسرار خُدا
ارجمند اور تنومند ہے ہم مانتے ہیں

مظہرِ حق و عُلا مہبطِ انوارِ سماء۔
علم قرآں کا جو اخوند ہے ہم مانتے ہیں

جس نے ویرانے میں اک بستی بسائی ہے نئی
وُہ یہی اپنا چمن بند ہے ہم مانتے ہیں

ربوہ میں پھول کھلے نخلہ میں پھل اور ملے
پَیروِ احمؐد کا برومند ہے ہم مانتے ہیں

کس نے صحرا کو کیا ذاتِ قرارٍ و مَعِین
یہ ملائک کی شکر خند ہے ہم مانتے ہیں

قادیاں ربوہ کی مُورت میں نمودار ہوئی
(صُورت)
یہ مسیحا کے فرزند ہے ہم مانتے ہیں

جس نے اسلام کی تبلیغ سے شہرت پائی
فارس الاصل سمرقند ہے ہم مانتے ہیں
روز و شب تذکرۂ و فکر جہاد قلمی
ہر مُرید اس پہ رضامند ہے ہم مانتے ہیں
عُشر دیتے ہیں بصد شوق رہِ مولیٰ میں
اجر اس بات کا دہ چند ہے ہم مانتے ہیں
بعد تحریک کے جس نے دیا "وقفِ جدید"
شاہِ تجدید کا دلبند ہے ہم مانتے ہیں
وُہ وسیلہ ہے دُعاؤں کی قبولیت کا،
کون کہتا ہے کہ دربند ہے ہم مانتے ہیں
خانہ آباد رہے دولت و حشمت بھی بڑھے
یہ دُعاءِ دل آنند ہے ہم مانتے ہیں
رقص مستانہ۔ سرودِ پئے جاناں اکمل
کہ جو مؤمن ہو وُہ خورسند ہے ہم مانتے ہیں

چوتھا حصّہ

(اس سے پہلے مجموعہ اشعار میں ساقی نامہ تین حصّے آخر میں ہے یہ واقعات کے رُو سے چوتھا ہے)

پلا ساقیا جام سبع مثانی
کہ اب ختم ہونے کو ہے زندگانی
جو ۲۶ مے کو قیامت تھی آئی
سُبک کر نہیں سکتے اس کی گرانی
مگر کیا کریں ذمہ داری ہے سر پر
یہ گٹھری ہے آخر ہمیں کو اُٹھانی
لہذا اُٹھے پُونچھ کر اپنے آنسو
چلا آگے آگے وُہ نُور زمانی
اولوالعزم نے باگ ڈورا سنبھالی
جماعت نے پایا عروج شہانی
کئی فتنے اُٹھے جو اس نے مٹائے
یقیمُ الشّریعہ سے کی پاسبانی
جو تفصیل مطلوب ہوگی تو سُننا
قریباً مِنَ القادیاں کی زبانی
جو محشر بپا قادیاں میں ہُوا تھا
ملا "داغِ ہجرت" بہ نقصان جانی
نکل آئے جنّت سے ہم مثلِ آدمؑ
کہ لاہور کا تھا نصیبے میں پانی

وہاں سے جو اصلاحِ احوال پائی — تو بنجر زمیں مثل "سُدّی برانی"
وُہ صحرا تھا اُڑتے تھے ہر سُو بگولے — نہ اُگتی تھی گھاس اور نہ ملتا تھا پانی
ندامت کے اشکوں سے سینچا کیے ہم — تو ذاتِ قرارٍ کی دیکھی نشانی
جو کھویا تھا پایا جو پایا بڑھایا — ہُوا بڑھتے بڑھتے وُہ باغِ جِنانی
یہ ہے صبرِ ایّوبی کا پھل اے رفیقو — رفاقت کی یہ قدر - قُدرت سے جانی
جو دن دُونی ھو رات کو چوگنی ہے — یہ افزائشِ نسل خورد و کلانی
وہ فیضان تھا قُدرتِ اوّلیں کا — تو دیکھو یہ قُدرت کا ہے نقشِ ثانی
پلاتا ہے ساقی تو جی بھر کے پی لو — یہی تو ہے تسنیم و کوثر کا پانی
امیریکا، افریقہ، یورپ میں دیکھو — مساجد کی تعمیر کے ہم ہیں بانی
مسیحِ محمدؐ کی شہرت ہے ہر سُو — اشاعت میں اسلام کی کامرانی
ثریّا سے لایا ہے ایمانِ محکم — یہ ابناءِ فارس کا دورِ زمانی
حَسَدْ حاسدوں کا بگاڑے بھلا کیا — اَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقْ کی نشانی
نہ احرار باقی نہ اشرار باقی — کہ سب ہونے والے تھے آخر کو فانی
مسائل میں اسلام کے شک ہے ان کو — مگر اعتراضات بر قادیانی
وُہ مودودی فرقہ بہ آں شور اشوری — ہُوا جاتا ہے بے نمک آنجہانی
تتمّہ نبوّت کا ہے جب خلافت — تو پھر بعض نے بات کیوں یہ نہ مانی
خلافت ھو جبتک جماعت ہے قائم — کہ توحید و وحدت کی ہو نگہبانی
خلافت نہ ہوگی۔ تخالف بڑھے گا۔ — نہ پاؤ گے پھر نصرتِ جاودانی

یہ تحریک کا پنج ہزاری سپاہی — مدد خمسہ آلاف کی آسمانی
ازاں بعد وقفِ جدید آگیا ہے — کرے گا یہ اک لاکھ کی سارباتی
رفیقِ قدیمی ہے برکت علی خاں — کراتا رہا جو بہت یاد دہانی

تراجم کئے پاک قرآں کے شائع — مساجد قریٰ میں بنا کیں عیانی
مبارک کو یہ خدمتِ دیں مبارک — ہے صدیق امرِ سری یارِ ثانی

مبشر فلسطین کا حِبی فی اللہ — شریف۔ احمدیت کا دُرِّ یمانی
کتابیں مسیح محمد کی اردو — عرب کی زباں میں ہے کی ترجمانی
ایاز ان محمود ہیں اور مدّہا — جو ناصر ہیں سبحانہٗ من یرانی
الٰہی سلامت رہیں باکرامت — مجھے اُن سے اُلفت ہو اکمل پرانی
ہزاروں سلام اور لاکھوں دعائیں — کلیدِ ظفر ہاتھ میں جس کے آنی
اذا جاء نصرٌ من اللہ کا مژدہ — سنا بارہا ہم نے جس کی زبانی
بس اک جام سرمست کر دینے والا — کہاں تک زبانِ قلم کی روانی

(خاکسار اللہ ادر مصباح تحریری مضمی)

خدا باد حافظ، خدا باد ناصر
بشارات احمد بہ خامس سے قاصر

(دبدبہ قادیان ۲۲ مئی ۱۹۵۸ء میں چھپی)

کہاں ہو حاسدِ بدگو کہاں ہو

نبوت کا ضمیمہ ہے خلافت — یہ اک آیت کریمہ ہے خلافت
بصد شانِ عظیمہ ہے خلافت — فدا اسکے اقاصی و ادانی
خدا نے شان خود اس کی بڑھا دی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

یہی اسلام کی روح و رواں ہے — یہی تو جُنّۃِ سیف و سناں ہے
یہی تو موجبِ امن و اماں ہے — یہی ہے وجہِ تمکین عیانی
یہی ہے وجہِ تمکین ایادی
فسبحان الذی اخزی الاعادی

یہی ہے باعثِ تنظیمِ ملّت یہی ہے موجبِ تکریمِ ملّت
یہی ہے شیوۂ تسلیمِ ملّت اسی نے احمدیّت ہے بڑھائی

اسی نے احمدیّت کو جِلا دی
فَسُبحَانَ الَّذِي اَخزَی الاَعادِي

اسی سے شوکتِ ابناءِ اسلام اسی سے عزّت و اعلاءِ اسلام
اسی سے بہت اجراءِ اسلام بشارت ہے یہ اکمل کی زبانی

بشارت عاجز اکملؔ نے سُنا دی
فَسُبحَانَ الَّذِي اَخزَی الاَعادِي

قادیان کی یاد

قادیان کی مجھے جب یاد فضا آتی ہے یُوں سمجھتا ہُوں کہ جنّت کی ہَوا آتی ہے
یادِ ایام وہاں پر تھا ٹھکانا اپنا جس کے ہر ذرّے سے خوشبوئے وفا آتی ہے
تازگی بخش دل و جاں ہیں ہوائیں اسکی وحی و الہام کی ہر وقت صدا آتی ہے
کوئی تقریر جو سُنتا ہُوں فصیح و بلیغ یاد مجھ کو لبِ اعجاز نما آتی ہے
آجکل ربوہ میں گرمی کی ہے شدّت بے حد قادیاں سے مگر اِک ٹھنڈی ہَوا آتی ہے
کوئی درویشوں کو پہنچائے سلام اور پیام یادِ احباب مجھے صُبح و مسا آتی ہے
زندہ باشید محبّانِ مسیحِ موعودؑ تم سے خوشبوئے رجالِ صُلحاء آتی ہے
قادیاں بستی ہے جس دل میں زباں سے اُسکی قادیاں قادیاں ہر وقت ندا آتی ہے
کون ہے؟ جانتے ہو؟ مرزا عزیز احمدؐ ہے۔ دیکھئے کب یہ براتِ رفقاء آتی ہے

بند ہو جاتی ہیں جب فیض کی راہیں اکملؔ
حرکت میں یہ زبان بہر دُعا آتی ہے

(۲۲ مئی ۱۹۵۸ء)

مَیں ربوہ میں اب قادیاں دیکھتا ہوں

مَیں ربوہ میں اب قادیاں دیکھتا ہُوں
یہیں اپنا دارالاماں دیکھتا ہُوں

طبیعت شگفتہ ہی ہر وقت رہتی
کہ صحرا میں باغِ جناں دیکھتا ہُوں

نشانے پہ ہر تیر لگتا ہے اس کا
مَیں جس ہاتھ میں اب کماں دیکھتا ہُوں

ثریا سے لایا ہے ایمان و عرفاں،
مَیں تفسیر قرآں عیاں دیکھتا ہُوں

اشاعت اطاعت کے چرچے ہیں ہر سُو
یہاں دیکھتا ہُوں وہاں دیکھتا ہُوں

خلافت کی برکات سے بہرہ ور ہوں
تمنّائے دِل ہر زماں دیکھتا ہُوں

دُعائے ایازانِ محمودِ اکمل
بجائے سیوف و سناں دیکھتا ہُوں

(۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مذہب مرا اسلام ہے۔ اسلامِ محمدؐ
کرتا ہوں دل و جان سے اکرامِ محمدؐ

ہر وقت مرے دِل میں ہے اعظامِ محمدؐ
ہر وقت زباں پر ہے مری نامِ محمدؐ

ہر وقت رہے ذکرِ خداوندِ دوعالم،
یہ صبحِ محمد ہے یہی شامِ محمدؐ

ہر وقت ہے خمِ خانۂ احمد میں رہائش
پی پی کے میں جیتا ہوں مئے جامِ محمدؐ

ہے احمدؐ و محمود کی جو جلوہ نمائی،
یہ سامنے لے آئی ہے ایامِ محمدؐ

ہے زیرِ زمیں دفن کہیں عیسٰیؑ مریمؑ
اور سدرۂ ارفع کے قریں بامِ محمدؐ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ آیا ہی جو اکمل
مژدہ ہے پئے نعمت اتمامِ محمدؐ

(ربوہ تا قادیان ۱۸ر دسمبر ۱۹۵۸ء)

(اثنائے دریائی سفر ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۸ء)

جلسہ سالانہ ۱۹۵۸ء قادیان

خدا کے فضل سے پھر جلسہ سالانہ آتا ہے
کہ جس سے فیض پانے کو ہر اک فرزانہ آتا ہے

یہ وُہ شمع فروزاں ہے جو ہے نُورٌ علیٰ نُور ہا
فدا ہونے کو مؤمن اس پہ جُوں پروانہ آتا ہے

مَیں نقد جاں کو لیکر اُسکے استقبال کو جاؤں
کہ لے کر تحفۂ اخلاص ہر مستانہ آتا ہے

زباں گندی کرے اپنی۔ زباں بندی کرے میری
یہ دشمن یاد رکھے حق ظفر مندانہ آتا ہے

مقابل پہ جو اُٹھتا ہے وُہ آخر مُنہ کی کھاتا ہے
سر و شاں رکھتے بے سرو سامانہ آتا ہے

نہیں ہے خوف مُرتدّاں کہ دیکھا پچھلے برسوں میں
جو اک ملکانہ جاتا ہے تو سَو ملکانہ آتا ہے

مبدّل ہو چکے حالات لیکن پھر بھی قدرے ہیں
یگانہ ہو کے جاتا ہے جو یاں بیگانہ آتا ہے

ہمارا دائمی مرکز رہے گا تا ابد قائم۔
یہ درویشی کا مسکن تو نظر شاہانہ آتا ہے

درم تقریر گویا پھول جھڑتے مُنہ سے احمدؑ کے
بہادی ابر باراں جُوں بہ صد دُر دانہ آتا ہے

مَیں جب بھی دیکھتا ہوں آسماں پر چاند چودس کا
تو مجھ کو یاد اکمل جلوۂ جانانہ آتا ہے

خدا وہ دن بھی لائے دیکھ کر اکمل پکار اُٹھیں
مسیح و مہدیٔ موعُود کا دیوانہ آتا ہے

باقی ہے!

ستارو چاند سے پُوچھو یہ کب تک رات باقی ہے
کہ بزم و رزم کی باہم ابھی تک بات باقی ہے

کئے قطع تعلق گو بہت مُدّت گذرتی ہے
مگر پھر بھی ابھی تک پرسش حالات باقی ہے

زبانوں پر مسلمانوں کے ہے اِیَّاكَ نَعْبُدُ ہی
مگر انکے دلوں میں کیوں منات ولات باقی ہے

جو آنا تھا وہ اپنا کام کرکے جا چکا۔ پھر کیوں
عبث یہ بحث معقولات و منقولات باقی ہے

نظر آتا ہے گو ربوہ میں منظر قادیاں والا
مگر کچھ انتظار شانِ مشہُودات باقی ہے

الٰہی تیرے فضل و رحم سے اُمّید ہے مجھ کو
کہ ہوگا دُور جو اندیشۂ آفات باقی ہو
خُدا پر رکھ بھروسہ اکملؔ آشفتہ ہر دم تُو
کہ یہ دُنیا تو فانی ہے اُسی کی ذات باقی ہے

جلسہ سالانہ

پھر چودھویں کے چاند کے چمکے ہیں ستارے

پھر جلسہ سالانہ کے ایّام ہیں پیارے
پھر جمع ہوا چاہتے ہیں چاند ستارے

پھر شوکتِ اسلام نئی شان میں دیکھیں
بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں ربوہ کے کنارے

ہر فیض کے چشمے کا ہے کوثر سے تعلّق
چڑھتے ہی چلے جاتے ہیں انہار کے دھارے

انوار ہی انوار نظر آتے ہیں ہر سُو
روشن ہوئے جاتے ہیں صداقت کے منارے

گلزار ہی گلزار پھلے پھولے ہوئے ہیں
جنگل میں ہو منگل تو بہاروں کے نظارے

پھر طالب و مطلوب بہم جمع ہوئے ہیں
پھر ناز و نیاز اُبھرے محبّت کے سہارے

ہر ملک سے ہر صوبے سے ہر شہر سے اکملؔ
اطفال بھی آئے ہیں مسیحا کے دوارے

پھر علم و ہدایت کے خزانوں کی ہے تقسیم
پھر مُصلحِ موعُود ہمیں دیتے ہیں تعلیم

(شب درمیان ۱۶/۱۷ نومبر ۱۹۵۸ء)

کیا کہیے

رُوداد محبّت کیا کہیے
کچھ سُننا سُنانا مُشکل ہے

تفصیل بھی اِس کی لاحاصِل
لاحاصلی سے کیا حاصل ہے

جس حال میں ہُوں تم رہنے دو
دُکھ درد جو ہے وہ سہنے دو

طُوفان میں کشتی بہنے دو
اک روگ ہی آخر ساحل ہے

وُہ پاس نہ اپنے آنے دیں — کچھ پیش نہ میری جانے دیں
یہ نام مِرا افسانے میں — از اوّل و آخر شامل ہے
اِک کھیل نیاری کھیلی ہے — اب اپنا اللہ بیلی ہے
جس دل نے مصیبت جھیلی ہے — وُہ دِل تو مرا ھی یہ دِل ہے
گو دُور بہت ہی دُور اکملؔ — وُہ حُسن کی نوری منزل ہے
آواز سے پہلے پہنچے گا — یہ شوق بھی اِک میزائل ہے

(تشی در میان ۲۴/۷ ستمبر ۱۹۵۸ء)

وُہ بادہ نوشیاں جاتی رہی ہیں

وُہ بادہ نوشیاں جاتی رہی ہیں — وُہ عشرت کوشیاں جاتی رہی ہیں
کہاں ہیں وصل کی راتیں وُہ باتیں — بہم سرگوشیاں جاتی رہی ہیں
پکائی کھیر دُلیہ ہو گیا ہے — وُہ سب سرجوشیاں جاتی رہی ہیں
عیوب باطنی ظاہر ہُوئے ہیں — وُہ پردہ پوشیاں جاتی رہی ہیں
بہ تکسیر صلیب و قتلِ خنزیر — ضلالت کوشیاں جاتی رہی ہیں
طلُوع شمس مغرب سے ہُوا ہے — تو شب آغوشیاں جاتی رہی ہیں
کھُلی چشم بصیرت مہوش آیا — کہ سب مدہوشیاں جاتی رہی ہیں
لبِ اکملؔ پہ ہے فریاد مہجور — مری خاموشیاں جاتی رہی ہیں

(صبح ۲۹ نومبر ۱۹۵۲ء ۱۶/۸۵)

(۲)

بہت ہی یاد مجھے آتے ہو مرے پیارو — کہ میرے بس میں نہیں ہے تمہیں بھلا دینا
دُعائیں کرتا ہُوں دِن رات ربِّ ارحم سے — کہ اپنے فضل سے بچھڑے ہُوئے ملا دینا
خدائے پاک کا خود کاشتہ ہے یہ گلشن — عدو سے کہدو کہ ممکن نہیں ہٹا دینا

ہے نقش دِل پہ وُہ نظّارہ جمالِ حبیب   وُہ نیم باز سی آنکھیں وُہ مُسکرا دینا

مسیحِ وقت سے یہ التجا ہے اکمل کی
تمہیں نے درد دِیا ہے تمہیں دَوا دینا

(۲۹ر نومبر ۱۹۵۸ء ۸½ بجے رات)   (بدر قادیان کو بھیجی)

یکم جنوری ۱۹۵۹ء

جلسہ۔ جلسے کی کیا باتیں   سجدے کرتے کٹتی راتیں
دِن کو تھیں تبلیغی گھاتیں   اللہ والوں کی بار اتیں
منظر اِک حج والا دیکھا

کیا بتلاؤں کیا کیا دیکھا   نُوری دریا بہتا دیکھا
بٹتا مَنّ و سَلوا دیکھا   جَلووں کا اِک سینا دیکھا
اس بارات کا دُولھا دیکھا

پھُولوں کا گلدستہ دیکھا   اِک سے اِک وَابستہ دیکھا
دین کا سیدھا رستہ دیکھا   ہر مؤمن بر جَستہ دیکھا
بول اِسلامی بالا دیکھا

ان خاتونوں کا کیا کہنا   تقویٰ کپڑے۔ عصمت گہنا
دِین کی خاطر ہر دُکھ سہنا   ہر حالت میں خوش خوش رہنا
ہر سر پہ دوشالا دیکھا

دینی پرچم ہِلتے دیکھا   مشرق مغرب مِلتے دیکھا
زخمی دِل کو سِلتے دیکھا   حق کا گُلشن کِھلتے دیکھا
مُصلِح کو رکھوالا دیکھا

قبروں کی اِک جنّت دیکھی   نازل اُن پر رحمت دیکھی

ہر مُوصی کی رفعت دیکھی　　　پاکوں کی یہ اُمّت دیکھی
زِندہ مرنے والا دیکھا

دفتر دیکھے افسر دیکھے　　　دُنیا دیں کے رہبر دیکھے
فاضل، شاہد، ٹیچر دیکھے　　　روشن شمسی اختر دیکھے
ہر سُو اِک اُجیالا دیکھا

قدسیے کی درویشی دیکھی　　　ان سب کی دِل ریشی دیکھی
جسمی رُوحی خویشی دیکھی　　　ہجرت والی پیشی دیکھی
ان کا آہ و نالہ دیکھا

پھر کر سارا ربوہ دیکھا　　　آگے بڑھ کر نخلہ دیکھا
اسماعیلی دَوْحہ دیکھا　　　مکّی مدنی جلوہ دیکھا
اکمل سا متوالا دیکھا؟

جلسہ۔ جلسے والا دیکھا　　　گورا دیکھا کالا دیکھا
نرگس دیکھی لالہ دیکھا　　　باغِ احمدؑ ہریالا دیکھا
تاباں مَہ اور ہالا دیکھا

رباعی

مُنتظر صُبح کا تھا رات ابھی باقی ہے
دیکھتا کیا ہوں نہ پیمانہ ہے نَے ساقی ہے
ساق پر ساق چڑھی سانس ہے اُکھڑی اُکھڑی
اور احباب کے لب پر بھی تو مِن راق ہے

۲۰ر فروری ۱۹۵۹ء کیلئے

(جلسہ یوم مصلح موعود میں پڑھی گئی)

فروری کی بیسویں، پھر آ گئی — حق کی قدرت کا نشاں دکھلا گئی
آشکارا حق ہوا، باطل شکار — مذہبی دُنیا سکینت پا گئی

مصلح موعود کی پائی خبر — ہے ہمارے واسطے یہ جب اثر
ہو گیا ظاہر وُہ راز مُستتر — آئی ہاتھوں میں کلیدِ صد ظفر

تیس سالوں تک رہا تھا انتظار — چار کرنے والا آیا کامگار
مدّت نُہ سالہ ثانی بشیر — کر رہا تعیّن ہے سبز اشتہار

سیّدی محمود ہے فضلِ عمر — ہو گئی ظاہر حقیقت مُنتظر
چارسُو ڈنکا بجا اسلام کا — وحیِ حق نے جیسے پہلے دی خبر

مُشکلیں سب دُور ہو جانے کو ہیں — ظلمتیں کافور ہو جانے کو ہیں
بدر ہو گا انبیاء کا یہ قمر — عالمیں پُر نور ہو جانے کو ہیں

ہے دُعا ہم سب کی ربّ کا تذکار — کفر ہو معدوم مُسلم ہوں بشر
شوکتِ اسلام بڑھتی جائے اور — پھیل جائے احمدیّت کا اثر

۲۲ر فروری ۱۹۵۹ء

(۱) صبح کا کوئی نشاں ملتا نہیں — چارۂ دردِ نہاں ملتا نہیں
صاف کہہ دوں آ کمل مجبور ہیں — دائمی دارُ الاماں ملتا نہیں

(۲) کیا لیالِ عشر کا ہی دَور ہے — اور وَاللَّیلِ اِذَا یَسر اور ہے
شب کو تارے نوچتا ہوں سوچتا — آیۂ وَالْفَجر زیرِ غور ہے

واقعہ ہجرت کا زیرِ غور ہے (۳) یاد آتی مجھ کو غارِ ثور ہے
ثَانِیَ اثْنَیْن ہی بتلا سکے کیا مُرادِ خور بعدالکور ہے

پھر وُہی جُمعہ ہے مارچ تیرھویں (۴) جب ہُوئے ہم سے نہاں وُہ نورِ دیں
ہم اندھیرے میں تھے آئی روشنی چاند کی اکمل ہو جیسے چودھویں

فضل باری ہر طرف مشہود ہے (۵) ہو رہی باطل کی رہ مسدود ہے
آتی ہے اکنافِ عالم سے خبر زندگی خوش عاقبت محمود ہے

یکم مارچ ۱۹۵۹ء

یضع الحرب کی دی احمدِ مرسل نے صَدا آپ کی قوّتِ قُدسی کا اثر دیکھو ذرا
اب سبھی مُلکوں میں زوروں پہ ہے یہ تحریک چھوڑ دو جنگ رہو امن سے باصلح و صفا

برائے "یومِ المسیح" ۲۳ مارچ ۱۹۵۹ء

(۵، ۶ مارچ درمیانی رات)

آپ مامور ہوئے خُوب ہُوا خُوب ہُوا کارِ اسلام خوش اسلُوب ہُوا خوب ہُوا
جذبۂ خدمتِ اسلام ہُوا زوروں پر اور ایثار بھی مرغوب ہُوا خوب ہُوا
ماننے والے ایمان کی دولت پائی اپنے اللہ کا محبُوب ہُوا خوب ہُوا
کام جس نے لیا انکار سی استہزا سے اس کا ایمان تو مسلوب ہُوا خوب ہُوا
آپ ہی کے کئی سَو متّبعین کے ہاتھوں جھنڈا توحید کا منصوب ہُوا خوب ہُوا
ہم نے جو عہد کیا اس کو نباہا۔ لیکن غیر کا وعدہ غرقوب ہُوا خوب ہُوا
اللہ اللہ ہے کیا رعب خداداد۔ عدو نام کے سُنتے ہی مرعوب ہُوا خوب ہُوا
جس سے راضی ہوئے آپ اُس سے خدا راضی ہے جس پہ ناراض وُہ معتوب ہُوا خوب ہُوا

نیک نامی میں ہے ممتاز جو پہلے بدنام — احمدیت سے جو منسوب ہُوا خوب ہُوا
جو عقائد میں پئے سمع مہ و انجم سے ہے — وہ شُواظ سے نہ موہوب ہُوا خوب ہُوا
جوج د ماجوج نے جو آگ ہے بھڑکائی - تباہ — مسک و پانامہ و ڈینوب ہُوا خوب ہُوا
مشکلیں حد سے بڑھیں صبر سے آساں ہُوئیں — اِس صدی میں بھی اِک ایوبؑ ہُوا خوب ہُوا
پیشگوئی تھی کہ جب آئیگا مُصلح - موعود — دیکھنا شہرہ مطلوب ہُوا خوب ہُوا

ہیں مسیحائے محمدؐ کے ہزاروں ہی غلام
ان میں اکمل بھی جو محسوب ہُوا خوب ہُوا

نظم

کروں پہلے حمد الٰہی بیاں — بنائے جس نے زمیں آسماں
وُہ رحمان ہے اور مالک کریم — وُہ خالق ہے رازق نہایت رحیم
عبادت اُسی کی ہے لازم ہمیں — اُسی کی مدد ہم مانگتے رہیں
محمّدؐ ہمارے رسول کریمؐ — خدا کا ہُوا اُن پہ فضلِ عظیم
وُہ قرآں لائے ہمارے لئے — شریعت کے احکام کامل دیئے
وُہ خاتم تھے نبیوں کے سردار تھے — بنائے کئی اولیاء فیض سے
اِک ان میں سے موعود احمدؑ بھی ہے — مجدّد مسیح اور مہدی بھی ہے
خلیفہ انہی کا یہ محمودؓ ہے — جو مصلح ہے فرزندِ موعود ہے
مسیحِ محمّدؐ نے فرما دیا — ہمیں ان کا رُتبہ یہ بتلا دیا
کہ فضلِ عمر ہیں اولوالعزمِ دیں — ہُوئے چودہ مارچ کو وُہ جانشیں
خلیفہ ہمارے سلامت رہیں — خدا کے یہ پیارے سلامت رہیں

دُعا کرتے ہیں رات دن ہم یہی
کہ دُنیا میں بڑھتے رہیں احمدی

(۱۴ مارچ ۱۹۵۹ء) (تشحیذ ماہ مئی ۱۹۵۹ء میں چھپی)

ترقیٔ جماعت

جماعت اب فراواں سی فراواں ہوتی جاتی ہو
کہ شمعِ حق درخشاں و فروزاں ہوتی جاتی ہے

جماعت کی ترقی دیکھکر احباب شاداں ہیں
مگر جمعیتِ اعدا ہراساں ہوتی جاتی ہے

مصائب کی گھٹا سر پر ہمارے چھائی رہتی تھی
دُعاؤں سے وُہی اب ابرِ نیساں ہوتی جاتی ہے

سفر درپیش ہے لمبا مگر ہے زادِ رہ تھوڑا
طبیعت اس تصوّر سی پریشاں ہوتی جاتی ہے

اگر مرّیخ تک پیغام پہنچا اور لوٹ آیا
حدیثِ تیرِ خورا آلود-بُرہاں ہوتی جاتی ہے

طبیعت کی روانی مثلِ دریا تھی رواں گاہے
وُہ اب اشکوں کی صورت ڈھل کے پنہاں ہوتی جاتی ہے

نہ گھبرا اے عزیز احمدؐ! کہ یہ ربوہ کی بستی بھی
خدا کے فضل سے اب قادیاں ساں ہوتی جاتی ہے

خلش کانٹوں کی لذّت دے رہی تھی اور اب اکمل
یہ کشتِ احمدیّت گُل بہ داماں ہوتی جاتی ہے،

(۱۳؍مارچ ۱۹۶۰ء کی لکھی ہوئی)

یومُ الوِصال

۲۶ مئی

۱۹۰۸

اِدھر آؤ بچّو تمہیں دُوں بتا
کہ اُنیس سَو آٹھ میں کیا ہُوا

مسیحِ محمّدؐ علیہ السّلام
کہ جن سے خدا پاک تھا ہمکلام

اُنہیں حق نے بھیجا کہ ہادی بنیں
اور اسلام کا دِین غالب کریں

ہو قتلِ خنازیر، کسرِ صلیب
کہ آیا ہے وقتِ قیامت قریب

مسیح بن مریم تو بس مر چکا،
جو کرنا تھا اُس نے وُہ سب کر چکا

جو مُردہ ہو واپس نہیں آتا ہے
یہ اللہ قرآں میں فرماتا ہے

جو آئے تو اُس کا مثیل آتا ہے
بحکمِ خدائے جلیل آتا ہے

۲۷ مئی یومُ الخلافت

سو ایسا ہی اے بچّو واقع ہُوا
کہ مغرب سے ہے شمس طالع ہُوا

ستائیس کو ھے خلافت کا دِن
رسالت کے نُورِ نیابت کا دِن

اسی پر جماعت کا ھے انحصار
اسی پر ہے تمکینِ دیں کا مدار

بہ فیضِ محمّد علیہ الصّلوٰۃ
کہ ہیں خاتَم و سرورِ کائنات

ملی ہے جو فتح و ظفر کی کلید
میسّر ہُوئی مُصلحِ کُل کی دِید

وُہ مَوعُود فرزند نازل ہُوا
تو حق آگیا دُور باطل ہُوا

ہے دُنیا کے چاروں طرف غلغلہ
کہ عالی ہے اسلام کا مرتبہ

جو مشرق میں توحیدؔ وحدت ہوئی
مساجد کی مغرب میں کثرت ہُوئی

جو ربوہ میں تشحیذِ اذہان ہے
تو حاصل ہُوا ہم کو فرقان ہے

یہ فضلِ خدا ہے کہ مصباحی نور
کئے جاتا ہے بدر بن کر ظہور

دُعائیں ہوں اکمل کی یارب قبول
ھُوَاللہُ اَکبَر محمّدؐ رسُول

(گفتہ ۱۶ر اپریل ۱۹۵۹ء)

برائے تقریب یومُ الخلافت ۲۷ر مئی ۱۹۵۹ء

مِنہاجِ نبوّت پہ خلافت ہُوئی قائم
یارب یہ دُعا ہے کہ یہ نعمت رہے قائم

ہرایک پہ ھی فرض اطاعت پئے طاعت
زاہد ہو کہ حاجی ہو مصلّی ہو کہ صائم

بیدار رہیں ورنہ ہو جائیں گے بے دار
جو دین کی خدمت سے ہُوئے غافل و نائم

دُنیا کے کناروں تلک اسلام کی تبلیغ
پہنچا کے رہو بھائیو بے لَومۃِ لائم

کچھ فکر کریں رُوح کی کہلاتے ہیں مُسلم
کھانے کی فقط فکر تو رکھتے ہیں بہائم

اللہ کا عرفان قیامت پہ ہو ایمان
نیکی کا ہو پھیلاؤ تو معدوم جرائم
محمود کہ ہیں مصلح موعود خدا کے
بے شبہ امام اپنے ہیں وُہ قیّم و قائم
منزل ہے کٹھن اُن کی رفاقت میں کروگے
رہبر ہیں وہی صادق و مصدوق و ملائم
اللہ کی نصرت سے تمہیں بہرہ ملے گا
پُورے کرو سب مل کے خلافت کے عزائم
اکمل ہے مسیحائے محمدؐ کا ثنا گو
مومن ہے نہیں وادیٔ اشعار کا ہائم

(۷ و ۹ مئی ۱۹۵۹ء)

نظم

مَیں نہ پہنچوں تو مری نعش وہاں تک پہنچے
یعنی اُس کُوچۂ جاناں جہاں تک پہنچے
سوچتا ہوں کہ اگر حشر بپا ہو کیا ہوگا
دیکھنا چاہیئے اب بات کہاں تک پہنچے
خیر خواہی میں تمہاری کوئی جاں دیتا ہے
کاش پیغام یہ گُم کردہ وہاں تک پہنچے
اے مسیحائے محمدؐ ترے در کے یہ فقیر
آگے بڑھتے ہُوئے دربارِ شہاں تک پہنچے
جب خلافت ہُوئی منہاجِ نبی پر قائم،
قدرتِ ثانیہ کے رازِ نہاں تک پہنچے
پھیل جاؤ کہ خلافت کا یہی منشا ہے
اَور اسلام کو پہنچاؤ جہاں تک پہنچے
ہم سبھی بے سروسامانی میں مصلح کی طفیل
دین و دُنیا کی ترقی میں یہاں تک پہنچے
گھُٹ کے مر جائیے پر کچھ نہ زباں پہ لائیے
دِل کی دِل میں رہے اکملؔ نہ وہاں تک پہنچے

(اشبہ، جہان ۱۹/۲ مئی)

قطعہ

اپنے بیمار کو اللہ تو صحت دے دے
صحت و عافیت و عمر کی دَولت دے دے
عمر میں خدمتِ اسلام کی ہمت دیدے
احمدیت کے لئے شوکت و صولت دے دے

ان کی گلی میں

وُہ اُن کی گلی میں اُویرے سویرے
مرے دل کو اِک روشنی دے رہے ہیں
کہیں آس پاس اُنکے در کے پڑے ہیں
یہیں چھوڑ کر سب کو۔ جانا ہے آخر
ہٹا دے انہیں یا گھٹا دے کم از کم
انہی کی محبت سرائے میں اپنی
محبت کی آگ اور بھی بھڑک اُٹھی
مَیں بدلہ نہ لُوں گا مگر یاد رکھو!
جنہیں ہم سمجھتے تھے ماں جائے بھائی
اگر عاقبت اپنی محمُود چاہو
رضائے الٰہی کے تابع رہیں گے
نہیں ڈرتے طوفانوں سے ہم مسلماں
چمن پُر بہار اب نظر آرہا ہے
دراویش قدعہ سلامت رہو تم

مرے بے محابانہ پھیرے پہ پھیرے
وُہ دار الاماں کے مقدس اندھیرے
کہاں اور ہیں ہم فقیروں کے ڈیرے
یہ سامان دُنیا نہ میرے نہ تیرے
جو نگری کو میرے پیا کی ہیں گھیرے
یہ روزانہ گشتیں شبانہ بسیرے
دِیے ہیں مَیں نے جب آنسوؤں کے تریرے
جو کل اُنکے دن تھے تو ہیں آج میرے
وُہ نکلے ہیں یُوسف کے بھائی میرے
تو ربوہ میں آؤ نہ لاہور بھیرے
عزیزانِ احمدؑ تمہارے بسیرے
حجازی جہازی الٰہی پھیرے
جو کچھ بیج احمدؑ نے آکر بکھیرے
کہ دُکھ سُکھ کے ساتھی ہو غمخوار میرے

قطعہ

نبی کریمؐ پہ صدہا درُود اور سلام
مسیح و احمدؑ مرسل پہ جو ہیں پاک امام
خلیفہ اُن کے ہیں محمُود مصلح موعود
سنبھال رکھا جماعت کا ھی بخوبی نظام

محرم کی پہلی ۱۳۷۹ سنہ ھجری

محرم کی ہے پہلی سال تیرہ سَو اناسی ہے
مگر کیا بات ہے چھائی اُداسی ہی اُداسی ہے

خبر دی وَحیِ حق نے نوح کا طُوفان دیکھو گے
تو عالمگیر سیلابوں سے دُنیا یُوں ہراسی ہے

کریں اصلاحِ رُوحانی تضرّع شیوۂ جانی
خدادانی کی شرط اوّلیں بس خود شناسی ہے

بلائیں تو مُسلّط ہیں دُعائیں کیجئے حق سے
پئے اصلاح درسِ موسوی کی ہم کلاسی ہے

درِ مے خانہ وا کر کے پلاؤ جام بھر بھر کے
کہ شرق و غرب کی دنیا بڑی مدّت سے پیاسی ہے

رواداری ہو باہم اَور رہو توحید پر قائم
یہی اسلام کے مذہب میں دستورِ اساسی ہے

کچھ اپنی فکر کر لے عاقبت محمود ہو جائے
تمہاری عمر کا اِکلک چڑھا یہ سال اکاسی ہے

حسین ابن علی کی رائیگاں جائے نہ قربانی
گلے لگ جائیں مُومن نامبارک لامساسی ہے

خلافت رشتۂ وحدت محمدؐ کی ہیں سب اُمّت
مسیحائے محمدؐ کی نبوّت انعکاسی ہے

(۹ر جولائی جمعرات)

رُباعیات

خوب پُورا ہُوا ہے کشف مسیحِ موعود
یہ مقدّر ہے کہ ہو دینِ محمدؐ کا ظہور
فوج ہے پنج ہزاری جو پئے دفعِ جحود
دستِ محمُود میں ہے فتح و ظفر کی جو کلید

(۲)

سادگی سادہ روی سادہ لباس
جو بچے تحریک میں داخل کرو،
سادہ سی خوراک رہے نیکی کی اساس
دین و دُنیا میں بنو گے حق شناس

آپ سب سے ہے مری یہ التماس
ہرچہ داری خرچ کن در راہِ او ۔
وقفِ مال و جاں ہے ایماں کی اساس
زندگی اپنی گذارو بے ہراس

احمدی

تبلیغ کی خاطر جو نکلیں وہ احمدی سارے ہوتے ہیں
مُسلم تو کئی کہلاتے ہیں قربان ہمارے ہوتے ہیں

ہم جیت چکے وہ ہار چکے۔ ہم بڑھتے گئے وہ گھٹتے گئے
اِک غیب کی اُنگلی سے یہ ہر روز اشارے ہوتے ہیں

درگاہ سے راندہ ہو کر وہ تو دُور ہی پھینکے جاتے ہیں
مقبول الٰہی ہم جیسے ہی دُکھ درد کے مارے ہوتے ہیں

طوفانوں سے کیا ڈرنا ہے جب آخر اِک دن مَرنا ہے
مؤمن کے تو صبر و ہمّت ہی ہر وقت سہارے ہوتے ہیں

بے آب و گیاہ ہے ربوہ لیکن ذات قرار بھی تو ہے
کچھ دیکھا ہے کچھ دیکھو گے، وقفوں سے نظّارے ہوتے ہیں

اَلبدر مسیحِ محمّدؐ ہے۔ النّجم یہ محمود احمد ہے
اور ان کے حلقۂ نُوری میں، لاکھوں ہی ستارے ہوتے ہیں

(مطبوعہ بدر قادیان ۸ر اکتوبر ۱۹۵۹ء)

قطعہ

وُہی چھبّیس ۲۶ مئی ہے وُہی دن ہے منگل
شہرِ لاہور نہیں۔ ربوہ کا بنجر جنگل
یاد آتے ہیں مسیحائے محمدؐ اکمل
بالیقین آپ نے شیطان سے جیتا دنگل

تحریک جدید کے جلسہ کے لئے

بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں ربوہ کے کنارے
پہنچیں گے کسی روز مسیحا کے دوارے

دن کو تو میں بے چین رہوں ہجر کے مارے
راتوں کو نظر آتے ہیں احمدؑ کے منارے

اللہ سلامت رہیں با فیض کرامت
یہ فضلِ عمرؓ۔ مُصلحِ موعود ہمارے

تحریکِ جدید آپ نے فرمائی ہوئی ہے
اسلام کو پھیلائیں گے اکناف میں سارے

بنیاد ہے ہر سادگی و سادہ روی پر
تبلیغ کے خرچوں میں کمی آئے نہ بارے

یہ دفتر اوّل ہے تو وہ دفتر دوئم
ہر اک میں فدا کارِ خدا پنج ہزارے

یا ربّ انہیں جلدی سے کئی لاکھ بنا دے
تُو ہی تو فرشتے دلِ مومن پہ اُتارے

قرآن کی تفسیر مساجد کی ہے تعمیر
مغرب سے صدا آئی کہ تم جیتے ہم ہارے

دن کو تو میں بے چین رہا کرتا ہوں اکملؔ
راتوں کو نظر آتے ہیں احمدؑ کے منارے

(۳۰ اگست ۱۹۵۹ء)

(مطبوعہ خالد اکتوبر ۱۹۵۹ء)

نعتِ نبیؐ

برائے توید و بہ تقریب سیرت النبیؐ

نعت النبی میں گویا کیا ہو زباں ہماری ✤ مختار کی زباں ہے اکملؔ کہاں ہماری

مغرب کی ہر فضا میں گونجی اذاں ہماری
توحید کی صدائیں سُن لے جہاں ہماری

اللہ اَحَدٌ صَمَدٌ ہے اُس کا نبی محمدؐ
مہدی مسیح احمدؑ اونچی ہے شاں ہماری

ہے خاتم کمالات ہے خاتم ہدایات
کامل ہیں اس کی آیات عامل لساں ہماری

اکمل شریعت اسکی، افضل ہے سیرت اسکی
الاحمدیہ بنت۔ اسکی روح رواں ہماری

(۵ ستمبر ۱۹۵۹ء)

ربوے کا ماہِ تاباں۔ عالم میں ہو درخشاں
پھیلائے نُورِ فرقاں۔ وُہ قادیاں ہماری

اُسلام دین سچا۔ مانے گا بچہ بچہ،
مُنکر ہے اِس کا کچا۔ سچی زباں ہماری

تقویٰ پہ رہ کے قائم۔ حاجی نمازی دائم،
خدمت کرینگے دائم۔ قربان جاں ہماری

علم حدیث و قرآں سیکھیں سکھائیں ہر آں
پُوری ہو ربِّ رحمٰن۔ خواہش یہاں ہماری

حق پھر اُبھر رہا ہے۔ باطل تو مر رہا ہے
نصرت جو کر رہا ہے۔ وُہ دلستاں ہماری

ایک نشان

چاند پہ پہنچا دیا ہے راکٹ اپنا روس نے
جو خبر دی مُخبرِ صادق نے نکلی ہے صحیح

ایک حصہ باقی ہے یعنی کہ خون آلود تیر
واپس آئیگا نشاں لے کر پہنچنے کا صریح

عالم بالا کے اسرار خفی بے انتہا
پا نہیں سکتے یہ یاجوج اور ماجوج قبیح

کھال اُتاری جائیگی جتنی بھی ہفت افلاک کی
چہرہ آئے گا نظر نورِ سماوی کا صبیح

چاند نبیوں کا لیے ہے روشن یہ کرتا ہے دعا
خاکسار اکمل غلام حضرتِ مہدی مسیح

جلسہ سالانہ ۱۹۵۹ء

احمدی جلسے کے ایام چلے آتے ہیں
اور مرکز کی طرف لوگ بڑھے آتے ہیں

باغِ اسلام میں پھر ابرِ بہار آتا ہے
جس سے ہر رنگ میں پھولوں پہ نکھار آتا ہے

خوش ہیں سب لوگ کہ ایام بہار آئے ہیں
احمدیت پہ وہی نقش و نگار آئے ہیں

یہ دُعا ہے کہ ابد تک لیے ہے ربّ باری
چشمۂ فیض مسیحائے محمدؐ جاری

حضرتِ مصلح موعود امام قائم
سایہ گستر رہیں ہم احمدیوں پہ دائم

"تشحیذ" کے لئے

الٰہی بنادے ہمیں اچھے بچے
نہ قولوں کے کچے ہوں بلکہ ہوں سچے

سکھادے ہمیں قرآن پیارا
کہ ہے دین و دُنیا میں سب کا سہارا

ہمارے ہوں اخلاق پاکیزہ احسن
کہ نیکی ہو روشن بدی پر ہو قدغن

جو جلسہ ہے سالانہ اب آنے والا
ہمارے لئے برکتیں لانے والا

یہ مہماں جو آرہے دُور سے ہیں
یہ معمور سب احمدی نور سے ہیں

ہمارا یہ ہے فرض خدمت کریں ہم
دُعاؤں سے ان سب کی دامن بھریں ہم

جو تقریریں ہوتی ہیں ان کو سُنیں سب
بڑے شوق سے پھر عمل بھی کریں سب

حضور خلافت سے فیضان پاکر
بنیں سچے مؤمن مطیع پیمبرؐ

نظم

صُبح ہونے میں نہیں آتی تھی کیا بات ہوئی
جب بھی دیکھا یہی دیکھا کہ ابھی رات ہوئی

غیر جو چاہیں کریں ہم کبھی شکوہ نہ کریں
یہ بھی کیا عدل ہوا کیسی مساوات ہوئی

یہ فسادات یہ ہنگامے ملاحسم یہ فتن
یہ زلازل یہ جراثیم کی بہتات ہوئی

کونسا ملک ہے جس میں نہیں سیلاب آیا
اور نہ بربادی المناک بہ دیہات ہوئی

خشکی آتی نہیں آتی ہے تو دلدل موجود
زندگی تنگ و پریشان بہ ظلمات ہوئی

کوئی موسیٰ ہوا ظاہر ہے قیامت بھی قریب
جس کی ہر رنگ میں تشہیر علامات ہوئی

حضرتِ شیخ کو دیکھا کہ ہیں چُپ چاپ ملول
در مے خانہ پہ کل اُن سے ملاقات ہوئی

فکر ہے صحتِ خاتون مبارک کے لئے
جن کے بازو میں تھی تکلیف بہ کرّات ہوئی

"داغِ ہجرتؑ" کو الٰہی مہِ تاباں کر دے
یہ کہا جائے کہ لو صُبحِ بشارات ہوئی

آدعیۂ اکملؔ مہجور کی یاربّ منظور
سب پکار اُٹھیں کہ تبدیلیٔ حالات ہوئی

دیکھئے۔ ہوتی ہی کیا دیکھنی مجھ کو بھی نصیب

اب ملائک یہ سُناتے ہیں کہ اَلصُّبح قریب
دیکھئے۔ دیکھنی ہوتی ہے مجھے بھی یہ نصیب

مطمئن رکھنے کو کافی ہے ترے یہ اے دل
پھیلتا جائے بہ اکناف جہاں ذکرِ حبیب

بات سرگوشی میں باہم جو کیا کرتے تھے
سرِ منبر اسے کہتے ہیں بہ اعلانِ خطیب

آسماں پر نہ گیا کوئی نہ آئے گا کوئی
انتظار آپ عبث کرتے ہیں اے یارِ لبیب

آنے والا جو تھا وُہ آبھی چکا اُمّت سے
کام اب اُس کا سنبھالے ہوئے ہیں خوب مُنیب

جس کا بیمار ہُوں میں وُہ ہی شفا بھی دیگا
فکرِ صحّت کا مری کس لئے کرتے ہیں طبیب

مطمئن رکھنے کو کافی ہی ہمارے اب تو
ذکر اللہ تعالےٰ کا بہ تذکارِ حبیب

دیکھ لو ربوہ میں ہے طور تسلّی مشہور
شاھدٌ مِّنہُ کے انوار نمایاں ہیں قریب

فروری بیس کو جو پیشگوئی فرمائی
ہوگئی پوری وُہ محمُود میں بارنگ عجیب

عمر تو خواب میں گذری ہے باُمّیدِ وِصال
دیکھئے جاگتے بھی ہیں کہیں اکملؔ کے نصیب

(۲۰ دسمبر ۱۹۵۹ء)

ربوہ

زہے ربوہ جہاں نُورِ محمدؐ آشکارا ہے
زہے ربوہ جہاں سینائے احمدؑ کا نظارا ہی

زہے ربوہ جہاں پر مصلحِ موعود پیارا ہے
زہے ربوہ جہاں بے چین دل پاتا سہارا ہی

زہے ربوہ جہاں اسلام کا گلشن پھلا پھولا
زہے ربوہ جہاں کے باغباں کو ہی یدِ طولیٰ

زہے ربوہ جہاں منزل کو پالیتا ہی ہر بھُولا
زہے ربوہ جہاں ملتا ہے امر نیک مسؤلا

زہے ربوہ جہاں نُور ظہور احمدیت ہے — زہے ربوہ جہاں پر رہنے والا نیک نیت ہے
زہے ربوہ جہاں ملتی گناہوں سے بریت ہے — زہے ربوہ جہاں سب کارِ دیں حسب مشیت ہے
زہے ربوہ جہاں پر درس کلام اللہ ہوتا ہے — زہے ربوہ جہاں داغ گنہ ہر شخص دھوتا ہے
زہے ربوہ جہاں سر چشمۂ کوثر کا سوتا ہے — زہے ربوہ جہاں تخم نیکوئی شخص بوتا ہے
زہے ربوہ جہاں اپنا امام کامراں دیکھیں — زہے ربوہ جہاں اس پیشگوئی کا نشاں دیکھیں
زہے ربوہ جہاں ہشیار پور تا قادیاں دیکھیں — زہے ربوہ جہاں ہم پھر وہی دار الاماں دیکھیں
زہے ربوہ جہاں حاصل شعورِ دین اکمل ہے — زہے ربوہ جہاں واصل سرورِ دیں اکمل ہے
زہے ربوہ جہاں حامل یہ نورِ دین اکمل ہے — زہے ربوہ جہاں کامل ظہورِ دیں اکمل ہے

حضرت خلیفہ ثانی مسیح موعود رضی اللہ عنہ کے خواب میں ایک الہامی مصرع پر

عقل ہو ہر چند کامل وحی کی محتاج ہے — جیسی کل محتاج تھی ویسی ہی محتاج آج ہے
ہر صدی میں تازہ تر الہام سر کا تاج ہے — اِسلئے اِسلام میں قرآن ہی کا راج ہے

بشنو ید از مصلح موعود فرمانِ خدا
عاقلاں را پیر کامل - جاہلاں را رہنما

(۲)

جس نے سیکھا مصلحِ موعود سے قرآن ہے — وُہ معین دینِ حق ہے۔ صاحبِ عرفان ہے
از پئے اسلام اس کا مال و جاں قربان ہے — احمدیت کی حقیقت پر اسے ایمان ہے

اِتباعِ حضرت محمود میں اس کی ندا
عاقلاں را پیر کامل - جاہلاں را رہنما

بہ تقریب جلسہ یوم مسیح موعود علیہ السلام

بیعت اُولیٰ ہُوئی تیئیسویں مارچ کے روز
سن اٹھارہ سَو نواسی عیسوی تھا جانفروز

کشتیٔ اسلام پر ہوتے رہے مؤمن سوار
کشتیبان موعود مہدی تھے امام کامگار

گرچہ طوفانِ ضلالت سخت تیز و تُند تھا
پر خدا کے فضل سے ہشیار اپنا جُنڈ تھا

حضرت عیسیٰ کی قرآں سے ہُوئی ثابت وفات
اور اسی اُمّت سے آیا ہے امام کائنات

اس نے سِکھلایا ہمیں کل مذہبوں کا احترام
یعنی لَا اِکراہ کا ہے اسلام میں اہتمام

اپنے اپنے مذہبوں کی خوبیاں کیجے بیاں
عیب چینی سے کبھی ہوگا نہ امرِ حق عیاں

مانتے ہو جس کو تم مذہب میں اللہ کی کتاب
اس سے دعوے کے دلائل دو اِسی سے ہر جواب

برتری اسلام کی ثابت کی کُل ادیان پر
اور غالب کر دکھایا دین حق اقران پر

یُوں ہُوئی کسرِ صلیب و قتل خنزیری صفات
شمس مغرب سے ہُوا طالع مِٹی ظلمت کی رات

وحدت و توحید کو دُنیا میں قائم کر دیا
اور نمونہ اس کا دِکھلا کر یہ دائم کر دیا

نام حق سے پیشگوئی جو بھی کی پُوری ہُوئی
قرب پایا پاک نے شیطاں سے دُوری ہُوئی

اے مسیح و مہدیٔ موعود تجھ پر صد سلام
بھیجتے ہیں صد قدسی صبح و شام ابدال شام

تو ہمارا رہبرِ کامل ہے مامورِ خدا
جان و مال اکمل مہجور ہو ہر دم فدا

(بدر ۲۸ اپریل ۱۹۶۰ء)

قادیان کی یاد

(۱)

کوئی لے چلے مجھے قادیاں
وُہی جو ہے منزلِ دلستاں

وُہی جو ہے مرکزِ مؤمناں
وُہی قادیاں وُہی قادیاں

وُہی جس سے نکلے تھے ناگہاں — (۲) وُہی پھولا پھلا تھا جو بوستاں
وُہی جس میں ملی تھی ہمیں اماں — وُہی جس کے لئے ہے یہ آہ و فغاں
وُہی جس میں مسیح محمّدی — (۳) وُہی جس میں معارف سرمدی
وُہی جس میں مکیں تھے احمدی — وُہی جس میں تجلّیٔ مُرسلاں
وُہی جس میں منارہ مسیح کا — (۴) وُہی جس میں نظارہ مسیح کا
وُہی جلوہ دوبارہ مسیح کا — وُہی جس میں ہجوم عاشقاں
وُہی جس میں بہشتی مقبرہ — (۵) وُہی جس میں اُترتے ملائکہ
وُہی جس میں خدا کا مشاہدہ — وُہی جس میں بہشتی کارواں
شب ہجر اتنی طویل ہے — (۶) کہ مزیلِ صبر جمیل ہے
یہی وَحی ایک کفیل ہے — کہ ملیگی پھر ہمیں قادیاں

وُہی قادیاں وُہی قادیاں
کوئی لے چلے مجھے قادیاں

نظم

(جو بتقریب جلسہ یومِ خلافت ۲۷ مئی ۱۹۶۰ء لکھی گئی قلم برداشتہ)

مئی کی ستائیس جب چھا گئی — تو یومِ الخلافت کی یاد آ گئی
اُٹھا سر سے سایہ جو یومِ الوصال — تو پھر آ گیا آج نورِ جمال
منوّر ہوئی سر زمین نشاط — ہوا پھر سے قائم وُہی ارتباط
خلافت تتمّہ رسالت کا ہے — یہ حَبلٌ مِّنَ اللہ جماعت کا ہے
نہایت ہے اسلام والوں کی یہ — امامت ہے سب گوروں کالوں کی یہ
اسی سے جماعت کی تنظیم ہے — یہی موجب عزّ و تکریم ہے

اسی سے شریعت کا ہوگا نفاذ — یہی مؤمنوں کا ہے ملجأ ملاذ

یہ جب تک رہے ہم میں ایمان ہو — یہی منبعِ علم و عرفان ہے

یہ اسلام گھر کا ہے حصنِ حصین — اسی میں مسلمان ہوں جاگزیں

ترقی جو جسمانی رُوحانی ہے — اسی کے ذریعے سے مل جاتی ہے

رہو اسکے دامن سے وابستہ سب — نہ پاؤ گے پھر کوئی رنج و تعب

ہمیں تجربہ خوب اس کا ہُوا — خدا نے بڑا فضل ہم پر کیا

کہ اجماع پہلا اسی پہ کیا — یہی فیصلہ انجمن نے دیا

کہ حسب وصیت ہے فرض اوّلیں — مسیح محمدؐ کا ہو جانشیں

تو فوری خلافت کی بیعت کریں — تہِ دل سے اس کی اطاعت کریں

اطاعت سے ہر طرح نعمت ملے — کہ جتنا جھکیں اتنی رفعت ملے

از اں بعد وہ یوم مسعود ہے — کہ موعود مُصلح یہ محمود ہے

خبر جس کی ختم الرسلؐ نے بھی دی — مسیح محمدؐ نے تصدیق کی

ہُوا شہرہ اس نام کا چار سُو — ہُوا غلبہ اسلام کا چار سُو

بجا لائیں سب مل کے شکرِ خدا — اِن آنکھوں سے دیکھا ہے کل ماجرا

جو فرمایا حق نے وہ پُورا کیا — جو مانگا تھا ہم نے وہ سب کچھ دیا

الٰہی یہ نعمت رہے دائما — مُثلث کا ہو زاویہ قائما

ہماری جو اولاد و احفاد ہو — وُہ پابند عہدِ نبی زاد ہو

یہ ابناء فارس کو توفیق دے — ائمہ ہوں اسلامی توثیق کے

الٰہی ترا بندہ کہتریں — ہے اکمل دُعا گوئے اظہار دیں

یہ ربانی ربوہ کے بڑھتے رہیں — سماءِ ترقی پہ چڑھتے رہیں

دُعا ہائے قدسی سے ہوں فیض یاب — اِلی اللہ مرجع و حُسن المآب

(الفرقان مئی ۱۹۶۰ء میں چھپی)

نظم

تشحیذ کے لئے

مرا مونس مرا ہادی مرا مولیٰ تو ہے
مرا معبود ہے تو اعلیٰ و اوّلیٰ تو ہے

مرے مالک مری بگڑی کو بناتا تو ہے
مرے رازق کئی انعام دلاتا تو ہے

حیّ و قیّوم ہے تو تیری حفاظت درکار
زندگی میں مجھے ہر لمحہ ہدایت درکار

تو نے بھیجا ہے محمدؐ سا رسولِ اسلام
مصطفےٰؐ پر ترے بے حد ہوں درود اور سلام

اُس کے فیضان سے اب مہدیٔ موعود آیا
جس نے اسلام کا رستہ ہمیں پھر دکھلایا

اُس کی مقبول دعاؤں کے نتیجے میں ہمیں
مصلحِ وقت بلاتا کہ ترقی میں بڑھیں

اب یہ لازم ہے کہ ہم خدمتِ اسلام کریں
اور الہام خداوند کا اکرام کریں

یعنی علم اور عمل میں ہو ترقی حاصل
اور آخر میں ہوں سب اپنے خدا سے واصل

یا ربّ اکمل کی دعاؤں کو قبولیت بخش
اور اطفال کو خدمت کی بڑی ہمت بخش (مندرجہ تشحیذ ۱۵ر اگست ۱۹۶۰ء)

نظم

(بحالت بخار ۱۰ دن سے بدھ ۹ بجے ۲۳ر اگست ۱۹۶۱ء)

اٹھیں قادیاں سے وہ دیکھو گھٹائیں
رفیقو اٹھو حمد کے گیت گائیں

جو ربوہ میں اکثر وہیں سے ہیں آئے
وہ ہجرت کے داغ اپنے دل پر دکھائیں

برستا ہے کب دیکھئے ابرِ رحمت
کہ جس کے لئے اشکِ حسرت بہائیں

کوئی مژدۂ وصل لے کر جو آئے
تو ہم راہ میں اُس کی آنکھیں بچھائیں

خدا ایک ہے اور محمدؐ نبی ہے
منارے پہ درویش اذانیں سنائیں

یہ آواز اکنافِ عالم پہ پہنچے
تو توحید کے نغمے سب گنگنائیں

مسیحِ محمدؐ کا جب نام آئے
سرِ نیاز اقوامِ عالم جھکائیں

کہ موعود مصلح کی شہرت ہے ہر سُو
اسی کے مبشر یہ مژدہ سُنائیں

کہ ادیانِ عالم کا موعود آیا
ندا دی ہے سب اس پہ ایمان لائیں

اسی سے ہے وابستہ ہر اک ترقی
وُہی دُور کر دے گا ساری بلائیں

فریضہ مقدس ہر اک احمدی کا
یہی ہے کہ دُنیا میں وُہ پھیل جائیں

منادی کریں دینِ اسلام کی سب
وہ جنت میں گھر اپنے اکمل بنائیں

(۳۰ر اگست)

برائے خادم نذیر احمد گھڈیالیاں — فی البدیہ کارڈ آنے پر لکھا۔

دینِ حق کا پاسباں مہدی مسیح قادیاں
ہم زمینی آسماں مہدی مسیح قادیاں

یہ کدہ وحدانیت کا کھل گیا ہے دوستو
جس کا ہی پیرِ مغاں مہدی مسیح قادیاں

منزلِ مقصود پر پہنچیں گے گو رہ ہے بعید
رہنمائے کارواں مہدی مسیح قادیاں

حضرت ختم الرسل پر وحی جو نازل ہُوئی
کرتے ہیں اس کا بیاں مہدی مسیح قادیاں

احمدیت کیا ہے؟ اسلامِ حقیقی ہی تو ہے
اسکی ہیں رُوح و رواں مہدی مسیح قادیاں

جا چکے جاں سے مسیح ناصری مُدت ہُوئی
آگئے جانِ جہاں مہدی مسیح قادیاں

اب انہی پر آپ کو ایماں لانا چاہیئے
جو ہیں فخرِ مُرسلاں مہدی مسیح قادیاں

(۳۱ر اگست)

برائے خادم نذیر احمد

ہمارے ہیں رہبر محمدؐ رسولؐ
ہیں وُہ اللہ کے مظہر محمدؐ رسول

نظر آئے ہر وقت پُھولا پھلا۔
ہے باغ ثمر ور محمدؐ رسول

معافی دی ایذا رسانوں کو جب
پُکار اُٹھے اکفر۔ محمدؐ رسول

یہ قرآن نازل ہوا آپؐ پر — ہیں خاتم پیمبر محمدؐ رسول
کرو پیروی آپؐ کی با خلاص — ہیں محبوب داور محمدؐ رسول
مجھے اپنے دَر ہی کا درباں رکھیں — نہ بھٹکوں میں دَر دَر محمدؐ رسول

غلام غلاماں ہے اکملؔ ظہور
جہاں کے ہیں سرور محمدؐ رسول

نکاتِ معرفت

جو قرآن اُٹھ گیا ایماں کی بستی کہاں ہوتی — ثریّا سے اسے کب لانے والی قادیاں ہوتی
رجالٌ مِن بنی فارس کے ہیں مردانِ حقانی — بفیضانِ محمد مصطفےٰ لائے یہاں ھوتی
یہاں لانے کا مطلب ہے کہ ارواحِ سعیدہ کو — کیا مرکز میں یکجا اور بنایا گل فشاں "ہوتی"

(جو بدرؔ قادیان ۲۴ر نومبر ۱۹۶۰ء میں چھپے)

نہ ہوتی گر ضیا پاشی یہاں بدرِ نبوت کی — زمینِ قادیاں دارالاماں کب آسماں ہوتی
بشارت نٓ سے دی ہے نذیر اک آنیوالا ہے — بتایا والقلم سے یہ صداقت یُوں عیاں ہوتی
قلم سے علم سے اسلام غالب آنیوالا ہے — وگرنہ جنگ دینِ حق کی با تیر و سناں ہوتی
طلوعِ شمس مغرب ہے جلالِ اسلام کا دیکھیں — نظر اے کاش ناظر بر مسیحِ قادیاں ہوتی
فروغِ احمدیت ہے فروغِ حق ہی "کرمل" میں — مقدّر تھا کہ یہ تنویرِ محمودِ زماں ہوتی
بقاپوری[1] حفیظ اس کو نہ دے دیتا — اگر قرباں نہ جانِ ابن ابراہیم[2] واں ہوتی
بہارِ حسنِ یوسف[3] پر ہزاروں نغمہ ریز اں ہیں — وُہ شرق و غرب ہے۔ ربوہ میں ہوں یا قادیاں ہوتی
ظہور[4]۔ نور۔ بدر۔ فضل کے حالات گر سنتے — تو ان کی داستاں میں کچھ مری بھی داستاں ہوتی
بیاں کرتا نکاتِ معرفت کچھ اور بھی اکملؔ — اگر مختار احمد کی زباں میری زباں ہوتی

ن والقلم۔ اس شعر میں جلال الدین شمس کا نام آگیا۔

---

[1] اس شعر میں حفیظ بقاپوری کا نام آگیا۔ [2] حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی اسلامؑ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل بقا کا مو[جب]
[3] اس شعر میں قاضی محمد یوسف آف ہوتی کا نام آگیا۔ [4] خاکسار کا نام۔ خلیفہ اوّلؓ کا نام۔ مسیح موعود۔ فضلِ عمر کا نام آگیا

جلسہ سالانہ خواتین

اماء اللہ کی لجنہ نشاں ہے احمدیت کا ۔۔۔ یہ نورانی جہاں باغِ جناں ہے احمدیت کا
یہ علم و فضل کے چرچے۔ مضامیں کے کئی پرچے ۔۔۔ ہمارا جلسہ سالانہ گویا امتحاں ہے احمدیت کا
خواتین جماعت اور قرآں کی سماعت ہے ۔۔۔ بنا بار ربوہ جس نے قادیاں ہے احمدیت کا
مسیحائے محمدؐ کی صحابیات کا مجمع ۔۔۔ عجب تاروں بھرا اِک آسماں ہے احمدیت کا
مساجد کی بنا میں حصۂ نسواں نمایاں ہے ۔۔۔ ادھر اسلام کا شہرہ نشاں ہے احمدیت کا
ایازی وصف والے انکے بچے ہی مبلغ ہیں ۔۔۔ امام اپنا جو محمود زماں ہے احمدیت کا

ہزاروں ہیں یہ اکملؔ بھی نہ کیوں نغمہ سرا ہوتا
پھلا پھولا نظر میں بوستاں ہے احمدیت کا

اطفال کے لئے قطعہ مطبوعہ تشحیذ دسمبر

شامل جلسہ ہوں سبھی اطفال ۔۔۔ یہ محبت بھرا ہے میرا پیام
بھول جائیں نہ اپنا فرض اکملؔ ۔۔۔ ہے اسی میں بھلائی اُن کی تمام

بتقریب جلسہ سالانہ قادیان

قافلے جاتے جو سوئے قادیاں دیکھا کئے ۔۔۔ ہم بڑی حسرت سے راہِ کارواں دیکھا کئے
جلسہ سالانہ پر ہم مہدئ موعود کو ۔۔۔ نورِ دیں فضلِ عمر جلوہ کناں دیکھا کئے
ہائے وہ ایام جن میں ذرہ ہائے قادیاں ۔۔۔ طُور کی مانند نور افشاں وہاں دیکھا کئے
لوگ کہتے ہیں کہ بعد از مرگ پائینگے بہشت ۔۔۔ ہم تو جیتے جی وہاں باغِ جناں دیکھا کئے
ہم گواہی دیتے ہیں عہدِ سعادت مہد میں ۔۔۔ نورِ دین اسلام۔ محمودِ زماں دیکھا کئے

(اسلام کے دین کا نور)

دوستو آگے بڑھو وہ منزلِ دلدار ہے
پا شکستہ دُور ہی سے یہ سماں دیکھا کئے

ٹالتے رہتے ہیں کل پر جو نکو اعمال کو
فیل اُن کو ہم بوقتِ امتحاں دیکھا کئے

نیک تحریکوں کا اک پل بھی نہ جو ضائع کریں
اُن کو ہم اسلام کی رُوحِ رواں دیکھا کئے

اپنے احمدؑ کی مسیحائی کی شانیں دیکھئے
ہم جنہیں اے بھائیو واں بالعیاں دیکھا کئے

اندھے بینا۔ بہرے شنوا۔ مُردے زندہ ہو گئے
گنگ کو اہلِ زباں۔ لُولے رواں دیکھا کئے

اکمل مہجور کی التجا احباب سے
جمع ہو کر وہ دکھاؤ ہم جو شاں دیکھا کئے

(گفتہ صبح ۸ر دسمبر ۱۹۶۰ء) (مطبوعہ بدر قادیان ۱۵ر دسمبر ۱۹۶۰ء)

نظم

تجھے اے قادیاں اپنے تصوّر میں عیاں کر لوں
اور اس کے بعد سینے میں نظرِ بد سے نہاں کر لوں

جو خدمت دیں کی مجھ سے رہ گئی ہے عمرِ اوّل میں
وہ ربوہ میں ہی مَیں رہ کر بجائے قادیاں کر لوں

یقیناً یہ میری خوش قسمتی ہے اے مرے ہمدم
بقیہ زندگی اپنی نثارِ دلستاں کر لوں

تہجّد میں اگر قرآں کی قراءت ہو تدبّر سے
تبتّل سے زمینِ قلب کو مَیں آسماں کر لوں

مرا ملجا مرا ماویٰ تو ہے تیرا ہی در مولیٰ
یہی چھوٹے تو بتلائے کوئی مأمن کہاں کر لوں

امیر المومنیں محمود احمد مصلحِ دوراں
مَیں حاصل معرفت کا ان سے گنجِ شائگاں کر لوں

قلم سے سر قلم ہو سکتا ہے کفر و ضلالت کا
تو پھر کیوں۔ کس لئے مَیں قبضۂ سیف و سناں کر لوں

بہار آئی ہے پھولوں میں۔ ہزارِ باغِ احمدؐ نے
یہ چاہا ہے کہ اکملؔ دردِ دل اپنا بیاں کر لوں

(۲۴ر مئی ۱۹۶۱ء بدر میں چھپی)

قطعہ

پرِ پرواز مسیحائے محمدؐ سے ملے
عرش کے سایہ میں ہے اپنا مقام اے ساقی

مرے حصّے کی کوئی غیر نہ لے جائے کہیں
ہم کو انعام ملے نام بہ نام اے ساقی

احمدی جلسہ سالانہ قادیان پر حاضری کرلو ہمخیال

ترے حضور میں عالی جناب آیا ہوں — میں لے کے اپنی شکستہ رباب آیا ہوں
کرم کی ایک نظر اس طرف بھی ہو جائے — کہ میں بہت ہی بحالِ خراب آیا ہوں
یہ صدمہ ہجر کا کم نہ تھا مرے آقا — کہ میں تو سہتا ہزاروں عذاب آیا ہوں
بھٹکتا پھرتا ہوں دشت و جبل میں آوارہ — میں پوچھنے کوئی راہِ صواب آیا ہوں
یہ نارِ ہجر ہو ٹھنڈی بہ آبِ وصل مدام — دکھانے سینۂ پُر التہاب آیا ہوں
تمام عمر ترے گیت گاتے گذری ہے — صلہ نہیں پئے کسبِ ثواب آیا ہوں
بہشتی مقبرہ مسجد مبارک و اقصیٰ — میں ہونے بیتِ دعا باریاب آیا ہوں

میں تشنہ کام ہوں اکملؔ برائے آبِ حیات
حضور معجزِ عالم کباب، آیا ہوں (مطبوعہ بدر قادیان ۱۸ ردسمبر ۱۹۴۶ء)

پیغامِ اکمل

مقبرہ میں تم کبھی جاؤ تو از راہِ نیاز — اک طوافِ ذوق کرنا گرد اس دربار کے
عرض کرنا اکملِ مہجور بھی قربان ہے — اس حریمِ قدس اس دربارِ پُر انوار کے
صد ہزاراں رحمتیں نازل ہوں ہر دم آپ پر — آپ ہیں آقا (غلام احمدِ مختار) کے (یعنی از اکمل)
اس سیہ کارِ زمن پر اِک نگاہِ لُطف ہو — تا کسی دن ہو سکے قابل وہ بزمِ یار کے

قطعہ

تیرا دستر خوان درویشوں کا دستر خوان ہے — زندگی سادہ رہے۔ محمود کا فرمان ہے
میرا مال و جاں سب اسلام پر قربان ہے — ایک ہی سالن سے کھانا احمدی ایمان ہے

(بدر قادیان)

پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

بی بیو ہیں وحی حق کے پورے ہو جانے کے دن
پھر بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن

یہ خبر جب سے مسیح خلق نے دی ہے ہمیں
دیکھتے ہیں ملک کو شدت سے برفانے کے دن

آجکل شملے مری کشمیر جموں کوئٹے
برفباری کی ہو شدت اور ٹھٹھر جانے کے دن

جانتے ہیں سب کئی سالوں سے پہلے تک کبھی
ہم نے دیکھے ہی نہیں یوں ثلج کے آنے کے دن

امریکہ ایشیا یورپ کے جتنے ہیں مقام
سب میں ہیں حد سے زیادہ ثلج برسانے کے دن

غیر معمولی ہو عالمگیر ہو نقصان رساں
تو یہ سمجھو ہیں عذاب اللہ کے لانے کے دن

کثرت سیلاب سے ہر ملک میں طوفانِ نوح
دیکھتے ہیں ہم کئی سالوں سے مر جانے کے دن

از پئے توبہ۔ تضرع۔ انتباہ حق ہے یہ
خود سمجھتے دوسروں کو بھی ہیں سمجھانے کے دن

زندگی بخشے گا ہم کو درس قرآن حکیم
ہے قیام اللیل روزے رکھنے رکھوانے کے دن

فروری کی بیس نے ہم کو دلایا یاد ہے
ہیں نشانِ مصلح موعود دکھلانے کے دن

پس یہ واجب ہے کہ ہم اصلاح سب اپنی کریں
آ گئے ہیں چار سو اسلام پھیلانے کے دن

اپنے بچے وقف کر کے تربیت ان کی کریں
تا کہ وہ ہشیار ہوں پائیں نہ سستانے کے دن

اے خواتین جماعت سب دعائیں ہی کرو
خوب روشن ہوں مسیح احمدی آنے کے دن

(مطبوعہ مصباح ماہ مارچ ۱۹۶۷ء)

قطعہ

غور سے سن لو یہ ہے حکمِ امام
سادہ کھاؤ سادہ پہنو تم تمام
اپنے چندوں سے کرو دین کی مدد
حامی و ناصر ہو تمہارا اللہ الصمد

نظم برائے بدر قادیان

ظہور مصلح موعود کی سب کو مبارک ہے
کہ یہ فضل خداوند تعالیٰ و تبارک ہے

مسیحائے محمدؐ کو بشارت جو خدا نے دی
وہ پوری ہو چکی سچا عقیدہ اپنا مسلک ہے

بنا کر ربوہ مرکز۔ بیعت سلطان احمد بھی
یہ ثابت کر دیا محمود۔ موعود مبارک ہے

اشاعت احمدیت کی ہوئی اکناف عالم میں
تو انکے نام کی شہرت زمیں سے آسماں تک ہے

غرض جو جو نشانی تھی وہ انپر صادق آتی ہے
نشانِ حق تو پورا ہو چکا ہے اسمیں کیا شک ہے

بتایا شمسؔ و ابراہیم نے واضح دلائل سے
خلاف اسکے ہی جو کچھ بھی عدوّانہ بک بک ہے

بہار آئی تو آئے ثلج کے آنے کے دن غیر معمولی
زلازل سیل کی کثرت پے انذار پبلک ہے

ادھر ماہِ صیام آیا تو ساقی کا پیام آیا
لنڈھا و خُمُ کے خم افشردہ اعناب و اَدرک ہے

ادھر ماہِ صیام آیا تو اذن دور بنام آیا
یہ ساقی کا پیام آیا کہ لا ئیڈرک بھی یُڈرک ہے

عزیز خاطر آشفتہ حالاں آؤ بھی گھر میں
کہ چشم منتظر حیراں دل میں سخت دھک دھک ہے

بسیرا قادیاں میں ایک دن ہو جائے گا اکمل
ملائک کی مدد بس آنے والی ہی یکا یک ہے

(بدر قادیان ۱۳ر فروری ۱۹۶۱ء)

نظم

دوستو مژدہ کہ ماہِ رمضاں آتا ہے
نفس سرکش کے لئے سنگ فساں آتا ہے

دور یہ دورِ مسیحائے زماں آتا ہے
وہ جو اسلام کی ہے روح وروان آتا ہے

فروری بیس۲۰ بصد شوکت و شاں آتا ہے
یعنی اللہ سے رحمت کا نشاں آتا ہے

تین کو چار کریگا وہ کئی رنگوں میں
صاحب حشمت و سلطانِ جہاں آتا ہے

دین اسلام کو اکناف میں پھیلائے گا
لے کے یہ اپنی صداقت کا نشاں آتا ہے

ہے سما پر جو حکومت ۔ ہو زمیں پر قائم
خود خداوندِ جہاں جلوہ کناں آتا ہے

گر تمنا ہے کہ مل جائے مقامِ محمود
تو تہجد کا تبتل کا سماں آتا ہے

درس و تدریس میں قرآں کی مشغول ہو
کہ یہی شغل تو مقصود رساں آتا ہے

طالب فضل کمر باندھ لیا کرتا ہے
امتحاں کے لئے جب وقت عیاں آتا ہے

عاجز اکمل کو ملیں کچھ برکات رمضاں
دوستو مژدہ کہ ماہ رمضاں آتا ہے

نشان رحمت

اے عزیزو یاد رکھو بھول مت جانا کبھی
فروری کی بیسویں کو وحی جو نازل ہوئی

ایک رحمت کا نشاں فرزند جو موعود ہی
نام بھی محمود ہے اور کام بھی محمود ہے

ہم عطا فرمانے والے ہیں تجھے میرے حبیب
وہ بھی ہوگا آپ ہی کی طرح روحانی قریب

یہ ضروری ہے کہ وہ پیدا ہو بس نو سال میں
اس سے بڑھ سکتی نہیں مدت کسی بھی حال میں

آئیگا روشن نشاں لے کر بصد عز و کمال
اور دے گا دین کے بارے میں جواب ہر سوال

چار سو عالم میں پھیلائے گا وہ اسلام کو
اور مسیحائے محمدؐ کے پیارے نام کو

چوتھے مرکز کو بنا کر تین کو کر دیگا چار
اور چوتھے بیٹے کی بیعت بھی لے گا نامدار

الغرض لاکر ثریا سے وہ پھر ایمان کو
زندہ کر دیگا بنی فارس کے ہر سلمان کو

پیش گوئی پوری ہوتی دیکھ لینگے مؤمنیں
اور پکار اٹھیں گی قومیں یہ ہے صادق بالیقیں

یارب اکمل کو عطا کر دولت ایمانِ قلب
خاتمہ بالخیر ہو انعام ہو جائیں نہ سلب

دیکھو بچو یاد رکھو حرمتِ ماہِ صیام
تم پہ لازم ہے اسے ہرگز نہ بھولو والسلام

قطعات

(بدر ۲۳ مارچ ۱۹۶۱ء)

(بر تقریب یوم مسیح موعود)

"ساقیا آمدن عید مبارک باشد" بر ہمہ فضل خداوندِ تبارک باشد
اوّلیں بیعت مہدی و مسیحائے زمن ہم دریں ماہ پئے احمدی مسلک باشد

(۲)

"آں مسیحا کہ بر افلاک مقامش گویند" از ہمیں خاک ہویدا و سلامش گویند
از دل و جان فدائے شہِ احمد۔ مہدی سہ صد و سیزدہ اصحاب کرامش گویند

(۳)

چو تکمیل اسلام و اتمام نعمت بفرمود آں فیض ختم رسالت
زفیضش بہ اکمال اکمل رسیدہ حفاظت۔ اشاعت ز مہدی امت

(۴)

شہ محمود احمد مصلح موعود مہدی ہے علی الاعلان سچی بات مَیں نے سب سے کہدی ہے
وہ شہرت پا گیا اکنافِ عالم میں کہ احمد نے خبر اسلام پھیلانے کی پہلے ہی سے دے دی ہے

(۵)

اسلام دِیں۔ محمدؐ و احمدؑ کا ہوں غلام لازم ہے استلام کلیسا کا چھوڑ دوں
رُوحانیت کا میری اسی پر ہے جب مدار کیوں مَیں خیالی۔ مہدی و عیسیٰ کا چھوڑ دوں

تشحیذ میں کہانیاں

مسیح محمدؐ جو تھے قادیاں میں کہانی سُنائی عجب خانداں میں
کہ مہماں نوازی بڑی چیز جانو یہ جنت میں جانے کی دہلیز مانو

جو نر مادہ بے چارے دو جانور تھے
وہ شب باش آکر ہوئے شاخ پر تھے
اُدھر سے تھکا ماندہ مہمان آیا
وہیں ان کے نیچے ہی ڈیرہ جمایا
وہ بھوکا پیاسا جو سردی میں پایا
تو ایثار و قربانی کا جوش آیا
وُہی گھونسلہ اپنا اُس پہ گرایا
جو تھا تنکا تنکا ملا کر بنایا
کہ تا آگ تاپے پھر اِس سے بھی بڑھ کر
وجود اپنا قربان کر ڈالا اُس پر
گرے خود بخود آگ میں بے خودی سے
بنالے کباب اور کھائے خوشی سے
یہ تمثیل مہماں نوازی کی سُن کر
سبق چاہیئے لینا اس سے سراسر

مزا جو حکایاتِ شیریں کا چکھو
تو اکملؔ کو بھی بھائیو یاد رکھو

(۶ر فروری ۱۹۶۱ء)

نظم برائے تشحیذ مئی سنہ ۱۹۶۱ء

مئی کا مہینہ مجھے یاد آیا
کہ جب قادیاں سے میں ناشاد آیا
مسیحِ محمدؐ وہاں آ چکے تھے
مری عرض پہ مجھ کو بُلوا چکے تھے
مگر یہ خبر مجھ کو بالکل نہیں تھی
لپیٹ جائیگی اسکی صف اتنی جلدی
یہ چھبیس ۲۶ مے اور منگل کا دن تھا
وصالِ مسیحِ محمدؐ نبی کا
وُہ نورِ خدا ہم پہ مشہود ہو کر
جو غائب ہوُا رہ گئے جان کھو کر
خلافت سے پھر روشنی ہم نے پائی
دبینے لگا سیدھا رستہ دِکھائی
اِسی پہ چلے ہیں تو چلتے رہیں گے
نتیجے بھی اچھے نکلتے رہیں گے
حفاظت اشاعت ہو دینِ ہدیٰ کی
اِسی کے لئیے یہ جماعت بنی تھی
خدا سے یہ توفیق کرتے طلب ہیں
مقاصد ہوں پورے جو مطلوبِ ربّ ہیں
جو پھر قادیاں سے ملا داغِ ہجرت
تو ربوہ میں آکر بسی یہ جماعت

برس چودہ گذرے ہُوا پارٹیشن
نشانِ خلافت ہے آبادی ساری
عزیزو یہ چودہ اگست آج آئی۔
یہ ہے ارض پاک اسکو پاکیزہ کردو
ترقی حکومت رعایا بھی پائے

(از منشی ۱۴ اگست ۱۹۶۱ء)

یہ بنجر علاقہ بنا ایک گلشن
کہ ہیں نشر اسلام کے کام جاری
ہُوئی احمدیت کی جلوہ نمائی
بحمد و ثنائے خداوند بھر دو
زمانے میں امن اور آرام پائے

قطعہ

ہو خورشید اسلام روشن زیادہ
جہاں میں ہو محمودؔ احمدؔ کی مہما
تو اطفال احمدؔ کا پُورا ارادہ
ایازوں کی اکمل ہو بس گھمی گھما

بتقریب جلسہ خلافت ۱۴ ر مئی ۱۹۶۱ء

چھبیس ۲۶ مے کی یاد نے بے تاب کر دیا
اور میری چشمِ خشک کو پُرآب کر دیا
میرے جگر کے زخم ہرے کر دیئے ہیں پھر
اور دل کے ٹکڑے ٹکڑے کو سیماب کر دیا
اپنے مزکّی مرشد و مصلح ہوئے نہاں
وہ تزکیہ نفوس کا نایاب کر دیا
اوجھل نظر سے ہو کے مربّیٔ خلق نے
اس دولت مدام کو کمیاب کر دیا
میرے سنہری خواب تو اِک خواب ہو گئے
بے چین دن کو۔ رات کو بے خواب کر دیا
اس پہلوان حضرتِ ربّ جلیل نے
کمزور بچے بچے کو سُہراب کر دیا
خمِ خانۂ مسیحِ محمدؐ کی برکتیں
وُہ مے پلائی شیخ کو بھی شاب کر دیا
آخر خلیفہ نور سے معمور بخش کر
پُرنُور ذرّہ ذرّۂ دولاب کر دیا
محمود کے مقام پہ نورِ محمدیؐ
پہنچا تو بعثِ ثانی پہ اصحاب کر دیا
جب قادیاں چھوٹا تو ہمیں ربوہ مل گیا
بنجر سی سرزمین کو شاداب کر دیا

تحریک ہو جدید کہ وقفِ جدید ہو
سب کو تری توجّہ نے زرتاب کر دیا

قُربانیوں کی عید بھی اس دن کو آگئی
قربانی کا تہیّہ اسباب کر دیا

بخشی ہے یہ بقا جو خدائے حفیظ نے
از ارض تا سماء ہمیں سیراب کر دیا

اکملؔ حضورِ مہدی موعود میں درود
جس نے کہ وا بہشت کا ہر باب کر دیا

ساقیا آمدن عید مبارک بادت

(بتقریب عید الاضحیہ)

آئی ہے عیدِ قرباں۔ قُربانیاں مبارک
ارضِ حرم میں سب کو جولانیاں مبارک

مہجور کو ستاتی ہے یاد قادیاں کی
شب ہائے ہجر کی یہ طولانیاں مبارک

ہے سر گذشت اپنی اسلامی ہی سراسر
ایثار پائیدار ربّانیاں مبارک

ملکوں سے کیا غرض ہے اپنے خدا کی خاطر
اھراقِ دم برائے رُوحانیاں مبارک

عیسٰی تو مر چکا ہے مہدی گذر چکا ہے
جو منتظر ہیں ان کو نادانیاں مبارک

احمد نبی بنایا ہم کو یہاں بسایا
خلّاقِ دو جہاں کی رحمانیاں مبارک

قائم رہے خلافت دائم رہے نظامت
بڑھتی چلے جماعت سلطانیاں مبارک

اس نورِ پُر ضیاء پر محمود پارسا پر
دن رات اپنی گوہر افشانیاں مبارک

دنیا میں بول بالا۔ عقبیٰ میں شانِ اعلیٰ
فاروقیاں مبارک عثمانیاں مبارک

رحمانی سیف سے پھر اسلام کی ہو شوکت
ختم الرسلؐ کے در کی دربانیاں مبارک

اکملؔ کے ترانے احباب کو سنانے
خوش گوئیاں مبارک خوش خوانیاں مبارک

(گفتہ ۱۲ ارمئی ۱۹۶۱ء)

سالِ نو

۱۳۸۱ ہجری

(۱)
فضا کم کم رو پہلی ہے
کہ تیرہ سو اکاسی ہے

(۲)
کہاں اسلام کا مذہب کہاں پھر احمدی مشرب
کہ مسلک سب کا سب اب تو سیاسی ہی سیاسی ہے

(۳)
مرے آقا کی عمر افزوں ترقی پائے گوناگوں،
بہتر ہیں سنوں جب سے اٹھارہ سو نواسی ہے
۱۸۸۹ (سن پیدائش)

(۴)
مجھے راوی نے بتلایا محرم کی یہ پہلی ہے
کئی اشاروں سے جتلایا شکستہ اپنی پہلی ہے
بہم پیوستہ دل پایا چنابی یا بیاسی ہے

(۵)
حسین ابن علیؓ کی یہ شہادت کی شہادت ہے
جو قرباں جان کرتا ہے بقا اسکی یہ اساسی ہے

(۶)
کہا بھی جا نہیں سکتا رہا بھی جا نہیں سکتا
سہا بھی جا نہیں سکتا اُداسی ہی اُداسی ہے

(۷)
نزولِ رحمت باری کی، باری آئے جلد اکمل
کہ اسکے واسطے مدت سے دنیا سخت پیاسی ہے

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم

میں کیا لکھوں گا مدح رسولِ کریمؐ کی
آیت عطا ہوئی جسے فضلِ عظیم کی
وَاخْفِضْ کا مومنیں کیلئے جس کو حکم ہے
ظاہر ہی بھی صفات رؤف و رحیم کی
وہ جس نے فرشِ عرش پہ پہنچا دیا ہمیں
یوں قدر بڑھ گئی ہے زمیں کی ادیم کی
وہ جس کی انگلیوں سے بہیں نہریں شیر کی
ہاں ہاں وہی کہ چاند کی ٹکڑی دو نیم کی

یعنی کہ پارہ پارہ ہوئی سلطنتِ عرب
توحید کی شہی ہے عطا اس کریمؑ کی

وُہ جس کے جلوے طُور ہزاروں میں نور کے
عیسٰی نبی ہی تک تھی خلافتِ کلیمؑ کی

پھر ایک اور بدرِ درخشاں کا ہے ظہور
بعثت مسیح و مہدیٔ ربِّ رحیم کی

محمود کے مقام سے پہنچی منار پر
اُمّت محمدی ہے سبیل ابراہیمؑ کی

اکمل ہے فیض یاب مسیحؑ محمدی
نعمت عطا ہوا سکو بھی قلب سلیم کی

بتقریب عید میلاد

مدینے کے والی سلام علیک
تری شان عالی سلام علیک

ہمیں بھی عطا ہو برائے خدا
وُہ آبِ زلالی سلام علیک

ہے اللہ کا فضل تم پر عظیم
ہیں ہم سب سوالی سلام علیک

تری بارگہ میں جو حاضر ہُوا
نہیں رہتا خالی سلام علیک

ترا مُتّبع حق کا محبُوب ہے
مُراد اُسنے پالی سلام علیک

تمنّا ہے حاصل ہو ہر ایک کو
وُہ رنگِ بلالی سلام علیک

تری شان۔ جو بات مطلوب ہو
وُہ حق سے منالی سلام علیک

یقیں ہے کہ عالم پہ لہرائے گا
یہ پرچم ھلالی سلام علیک

یہ ہے عید میلاد دید شعار
ہے کب ہونیوالی سلام علیک

مطوّل کرو مختصر دُور ہو
یہ دَوْر "خیالی" سلام علیک

یہ توضیح تلویح سے ہو چکی
اٹل ہے بحالی سلام علیک

مٹے داغ ہجرت سحر جلد ہو
بڑھے اسکی لالی سلام علیک

ہے موعود مہدی میں دیکھا ترا
وُہ جلوہ جمالی سلام علیک

نچھاور کئے آج اکملؔ نے بس
یہی کچھ لآلی سلام علیک

ناتمام

فقیر باب مسیح و مہدی — خدا کا پہنچے سلام تجھ کو
بھری محبت سے دے رہا ہوں — مَیں دوستانہ پیام تجھ کو
تمہارے اشعار سے ہے ظاہر — کہ اپنے فن میں ہے خوب ماہر
مراتب عالیہ دلائے — یہ ساحرانہ کلام تجھ کو
جناب باری سے فیض جاری — رہے تو غم ہو سکے نہ طاری
بزیر ظلِّ رسول رہ کر — ملے گا ظلِّ الغمام تجھ کو
نہ دیکھو چھُپ چھُپ کے حُسن ان کا — کہ اُن کا جلوہ ہے مُرسلانہ
جو گلے لگالے گا سامنے تو آؤ — یہ فیضِ احساں ہے عام اُن کا
سنو گے آکر کلام اُن کا — جو دِل میں رکھو گے کام اُن کا
تو ہوگا واضح مرام اُن کا — زباں پہ لاؤ گے نام اُن کا

عالمِ اسلام

میں جب بھی جاگتا ہوں دیکھتا ہوں رات باقی ہے — سیہ بختی کا عالم شدّتِ حالات باقی ہے
حدیثِ شوق کیا کہیئے یہی بہتر ہے چُپ رہیئے — بہت سی اُلجھنیں کوئی نہ کوئی بات باقی ہے
بظاہر تو نظر آتی ہے رُسوائی ہی رُسوائی — مگر ہاں کچھ دلوں میں عزّتِ سادات باقی ہے
سکُوتِ موت طاری ہی مصیبت سخت بھاری ہے — نہ امید تلافیٔ ضُعم مافات باقی ہے
دلائل ختم ہیں لیکن مسائل حل نہیں ہوتے — کشاکش ہائے توجیہات و ترجیحات باقی ہے
سلامت میر میخانہ کہ اکمل فیض جانانہ — بڑھائے وصف سلمانہ جو کچھ فی الذات باقی ہے

جو کرنا ہے وُہ کر لو ۔ اور دامن شوق سے بھر لو
نہ جائے رائگاں جو زندگی مزحیاۃ باقی ہے

بہ تقریب جلسہ سالانہ احمدیہ اطفال

بدی سے بچو اے مرے پیارے بچو | رہو نیک سارے مرے پیارے بچو
خدا پر بھروسہ ہو ہر دم تمہارا | رسول خدا اور خلیفہ ہو پیارا
انہی کی اطاعت میں سرگرم رہنا | برادر سے اپنے بہت نرم رہنا
تمہاری روش میں نہ کوئی خلل ہو | ہدایات اسلامیہ پر عمل ہو
یہ تنظیم اطفال سمجھو ضروری | اِسی سے تمنا کرو اپنی پُوری
یہ سالانہ جو اجتماع آ رہا ہے | جو وعدے کئے یاد دِلوا رہا ہے
گزشتہ پہ ڈل کے نظر خوب کرنا | جو آئندہ ہونا ہے دم اس کا بھرنا
ترقی کرو۔ ہاں ترقی کرو تُم | نہ ڈھیمے چلو چال برقی کرو تُم
اپنے نبیؐ کی سواری براقی، | سکھاتی ہے ہم سب ہوں چوبند چاقی
زمانے کے آخر میں معراج ہوگا | جو فرمایا کل تھا وُہی آج ہوگا
فلک پر یہ جسمانی رفعت تو دیکھی | کہ کفار و الحد نے بھی آپ پائی
مگر اَور ہی چیز قُرب خدا ہے | بلند اَور بالا ہی بالا سَدا ہے
سمندر کی تہ میں ظہور اس کا پاؤ | فلک سے پَرے بھی تو نُور اس کا پاؤ

قطعہ

سبز گنبد کی عماروں کے پاس
قبلہ رُو ہو کے مَیں یہ عرض کروں
مرے معبود! یہ ترا محبُوب
مرا شافع ہو جب کبھی مَیں مَروں

ذکر بارہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب نور اللہ مرقدہٗ

میر صاحب آپ کا فضل و کمال
یاد آ آ کر بڑھاتا ہے ملال

آپ کی حاضر جوابی یاد ہے
ہر مخالف کی خرابی یاد ہے

آپ نے کی خوب ہی کسرِ صلیب
اور تابلغات پھر ذکر حبیبؐ

رُوح و مادہ حادث و مخلوق جان
اور ازل سے کل صفات حق کو مان

باوجود علم و فضلِ باطنی
اک شگفتہ سی طبیعت پائی تھی

دوستوں کے دوست باغیرت مگر
بے تکلف باظرافت خوش نظر

شوق تھا علمی مباحث کا بڑا
شُہرہ تھا ہر طرح کے تذکار کا

آپ کے علم حدیث و دین کا
بارہا قائل ثناء اللہ ہوا

اپنے شاگردوں کے ازبس تھے رفیق
اُنکے حال و قال میں رہتے رفیق

ہے خلیفہ حاکم صدر انجمن
مسئلے میں پہل کی سرّ و علن

احمدیّہ مدرسے کا انتظام
اور لنگرخانے کا بھرا اہتمام

وُہ ترقی دی کہ سب ہیں جانتے
آپ کو فائق ہیں دل سے مانتے

الغرض دیکھیں انہیں جس پہلو سے
مجمع خُوبیٔ خوباں پائیں گے

جنّت فردوس میں درجے بلند
یہ دُعا کرتا ہے اکمل مستمند

اجتماع خواتین

خواتین جماعت لجنہ میں جب جمع ہوتی ہیں
تو وُہ اصلاح کے ارشاد کے موتی پروتی ہیں

خدا رکھے چمک ان کی کرے روشن زمانے کو
خطاؤں کے جو دل پر داغ ہیں خوش ہوکے دھوتی ہیں

جو اپنی ہمت عالی سے تارے توڑ لاتی ہیں
چڑھا کر پینگ اُلفت کی درِ مولیٰ کو چھوتی ہیں

بڑی سنجیدگی سے کام کرنے سے ملے مقصد
وُہی کرتی ہیں حاصل بالیقیں مکھن مُرادوں کا

مگر لہو و لعب میں جو رہیں آخر وُہ روتی ہیں
سویرے اُٹھ کے محنت سے جو دُودھ اپنا بلوتی ہیں

دُعائیں کرتا ہے اکملؔ کہ لجنہ کی ترقی ہو
وُہ جاگیں نیند کی ماتی جو غافل ہو کے سوتی ہیں

برائے جلسہ سالانہ قادیان

چلو قادیاں جلسہ سالانہ ہوگا
وہاں جلوۂ فیض جانانہ ہوگا

خواتین کی ہے نشست اجتماعی
تو کثرت سے اجلاس مردانہ ہوگا

پیٔو گے وہاں جام عرفاں پیالے
کھلے بندوں پینے کو خم خانہ ہوگا

وہاں جس کو دیکھو گے جلسہ میں جاکر
مسیحِ محمدؐ کا مستانہ ہوگا

زیارت مقاماتِ قدسی کی کرنا
کہ حاصل تمہیں وصل یزدانہ ہوگا

جو ملّت کے غم میں بہاؤ گے آنسو
تو ہر قطرۂ اشک دُرِّ دانہ ہوگا

موافق جو ہیں یہ بشارت اُنہیں دو
کہ حاصل تمہیں درجہ نروانہ ہوگا

معاند کو اسلام کے یہ سُنا دیں
نہ ساماں ہوگا نہ سامانہ ہوگا

جو گالی ہمیں دے دُعا دینگے اُس کو
سلوک اُس سے اپنا محبّانہ ہوگا

مزاج اپنا ہر چند شاہانہ رکھیں
تعامل ہمارا فقیرانہ ہوگا

ثریّا سے ایماں جو لائے ہیں واپس
وُہی مئے پلانے کا پیمانہ ہوگا

ملے گی ہمیں جلد ہی کامیابی،
میسّر جو عزم دلیرانہ ہوگا

وُہی ہوشیار اب سمجھ لو کہ جو بھی
محمدؐ کا احمدؑ کا دیوانہ ہوگا

حیات ایک اور تازہ ملے گی۔
فدا شمع پر جو نہی پروانہ ہوگا

مکرّر یہ اکملؔ کی ہے عرض سب سے
چلو قادیاں جلسہ سالانہ ہوگا

برائے جلسہ سالانہ

ہمارا جلسہ سالانہ آیا خُدا کے فضل نے یہ دِن دکھایا
کئی بچھڑے ہُوؤں کو مِلایا یہ ربوہ جو تھا مرکز ہے بنایا

خوشا وقتے و خُرّم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

گلستاں میں بہار آئی ہوئی ہے شگفتہ ہو رہی اِک اِک کلی ہے
نسیمِ رحمتِ حق چل رہی ہے ہُوا نغمہ سرا ہر احمدی ہے

خوشا وقتے و خُرّم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

شعائر کی زیارت کر کے خوش ہو اور اپنی اپنی جھولی بھر کے خوش ہو
سر اپنا آستاں پر دھر کے خوش ہو بنے انصار ہیں اس در کے خوش ہو

خوشا وقتے و خُرّم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

معارف کھل رہے ہیں قرآں کے سُن لو برستا آسماں سے ہے جو ہُن لو
محمد مصطفٰےؐ کے بھی سخن لو یہ باغ احمدی کے پھول چُن لو

خوشا وقتے و خُرّم روزگارے
کہ یارے برخورد وصل یارے

بحمد اللہ کہ پھر ہم کو مِلایا مبارک روز رُوحانی دِکھایا
الٰہی شکر صد شکر عطا یا کہ جو کچھ چاہتے تھے سب وُہ پایا

خوشا وقتے و خُرّم روزگارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

خلافت سے رہیو وابستہ سارے　　کروگے سب ترقی اس کے سہارے
لگے گی اپنی کشتی جا کنارے　　بنوگے اس طرح اللہ کے پیارے

خوشا وقتے و خرّم روز گارے
کہ یارے برخورد از وصل یارے

دعاؤں میں ہمیں بھی یاد رکھنا　　دل مہجور کی فریاد رکھنا
یہ پیشی عرض خانہ زاد رکھنا　　جو ہے ناشاد اکمل شاد رکھنا

خوشا وقتے و خرّم روز گارے　　*　　کہ یارے برخورد از وصل یارے

عزیز ہارون الرشید کا سہرا

کیا بھلا لگتا ہے ہارون کے سر پر سہرا　　تابش رخ نے کیا اور منوّر سہرا
بسکہ سب لوگ محبت سے اسے دیکھتے ہیں　　بن گیا انکی نگاہوں سے ہے رخ پر سہرا
مالنیں گوندھ کے لاتی ہیں یہ وہ سہرا نہیں　　بلکہ ہے فضل خداوند کا اظہر سہرا
جو دعاؤں سے بزرگوں کی بنایا گیا ہو　　وہ تو ہے لعل و جواہر سے بھی بہتر سہرا
ایک طرف میر مرید ایک طرف پیر رشید　　یہ ہے گلہائے نجابت کا معطر سہرا
خاندان اعلیٰ ہیں اور علم و عمل تقویٰ بھی　　کوئی کیا لائیگا اس سہرے سے بڑھ کر سہرا
یارب اس سرور لولاک محمدؐ کی طفیل　　کردے افضال سے معمور سراسر سہرا
خوش ہیں ماں باپ بہن بھائی احبا بھی سب　　اکمل بہر مبارک برساں ہر سہرا

جامعہ احمدیہ کی عمارتِ نو کی تعمیر

مبارک افتتاح اس جامعہ کی نو عمارت کا　　کہ یہ ہے کارنامہ ایک داؤدی امارت کا
خدا کے فضل نے یہ دارِ ہجرت میں دکھایا ہے　　کہ اس سے شان میں بڑھ کر صلہ پایا عمارت کا

مگر انکی مادی اینٹوں پر تو ہم نازاں نہیں ہونگے
مکاں بنیاد ہے دینی بصیرت کا بصارت کا

یہیں سے تربیت پاکر پئے تبلیغ نکلیں گے
وُہ فاضل جوش رکھتے ہیں جو اسلامی حرارت کا

دُعائیں کرتا ہے اکملؔ کہ وُہ منصور و فاتح ہوں
ترقّی پائے ہر شعبہ خلافت کی نظارت کا

(دسمبر سنہ ۱۹۶۱ء)

تربیت اولاد

فرض ہے اسلامیوں پر تربیت اولاد کی
ابتداء ہی سے خبر رکھنا ہے ہر افتاد کی

بچہ پیدا ہوتے ہی حکم اذاں ہے کان میں
بے بہا ہے لعل یہ توحید والی کان میں

بولنا سیکھے تو پہلے لے وُہ نام اللہ کا
ہر طرح سے دل میں ہو اکرام نام اللہ کا

کھانا کھانے جب لگے تو یاد ہو کُلْ مِمَّا یَلِیک
ہاتھ دایاں بعد بِسْمِ اللّٰہ کیا جائے شریک

ساتواں جب سال ہو تو یاد اُس کو نماز
دس برس کے بعد پابندی سے لازم ہو نماز

عمر جوں جوں بڑھتی جائے فرض بڑھتے جائینگے
کام یہ بچے کے دُنیا و آخرت میں آئیں گے

ایک اللہ ہے رسول اس کا محمدؐ مصطفےٰ
شرع ہے قرآن و سنّت حشر کا دن منتہیٰ

سب عقائد ہوں درست انپر عمل بھی ہو ضرور
اور کبھی آنے نہ پائے اِتّقا میں بھی فتور

یہ نہ سیکھے "ہم بڑے" "اَللّٰہُ اَکْبَر" ہی کہے
طرزِ اسلامی سکھائیں گود میں جبتک رہے

کھانے سونے جاگنے سب کا مقرر وقت ہو
پختہ یہ عادت ڈالدی جائے یہ اپنے بچے کو

وُہ جَزَاکَ اللّٰہ حمد و شکر استغفار کا
اور لَاحَوْل۔ اِنَّا لِلّٰہ کا ہو موقع جانتا

الغرض نگرانی بچپن میں رہے بالالتزام
فاضلہ اخلاق اسلامی کا بھی ہو اہتمام

ضروری ہے کہ ہو اپنا نمونہ بھی درست
نیک صحبت میں لئے ہے پختہ نہ ہونے پائے سست

جب تلک پہنچے وُہ تا حدِّ بلوغ و اختیار
زندگی اسلامی اکملؔ بن چکی ہو باوقار

غیر مبائعین کے متعلق میری نظم

سُنادو اُن کو جو پوچھیں کہ صبح کب ہوگی — سفید دھاری اُفق سے طلوع اب ہوگی
فرید دہر براہیم وقت کی اِک ضرب — گرائے گی بُت غرور کام صبح تب ہوگی
کسی کی ریڑھ کی ہڈی کے زخم کا زخمہ — جو راگنی کبھی چھیڑے گا وُہ لعب ہوگی
بہشتیوں سے در انداز شیطنت کی بات — انہی کے واسطے ہی موجب تعب ہوگی
کریں گے شعلہ نوری جو آگ بھڑکا کر — مماثلت یہ بہ انجام بولہب ہوگی
کہ پاش پاش کریگا شہاب ثاقب ہی — مسامعون کی زمیں جلد مُنقلَب ہوگی
نیاز جلوہ محمود میں ایاز تمام — جمالو عرضۂ حمّالة المطب ہوگی
موادِ قذرِ معاند بنے گا کھاد اکمل — یہ کشت قدس کی سرسبزی کا سبب ہوگی

(۲)

کچھ تارے ڈُوبتے دیکھے ہیں — اِک اَور ستارہ ڈُوبا ہے
تاریکئ شب کا کیا ہوگا — وُہ تو طائرِ طوبیٰ ہے
مہتابِ شرافت کیا کہنا — یہ شانِ فضیلت کیا کہنا
چالیس ہزار جنازے ہیں — اِک اِک جو فرشتہ ہے
پس ملک رضا کے شاہ ہُوئے — اور مہدیؑ کے ہمراہ ہُوئے
مدّاح فضائل فطری کا — ہر پاک و ہند کا صوبہ ہے
قاضی کی قضا جب آئی — جمعیت پاکاں بھی لائی
تقدیر کا لکھا پُورا ہُوا — کیا یہ کوئی منصوبہ ہے؟
عمر اُن کی خلافِ توقّع ہے — خدماتِ دیں کا تنوّع ہے
ہر خطرے سے وُہ بچتے رہے — قدرت کا یہ اعجوبہ ہے

اوصاف مسیح و مہدی کے — نقش ان کے جسم و جاں پر تھے
لے چادریں زرد جگہ پر بیٹھے — الہام کا ملبس زیبا ہے
احمد کے دلارو صبر کرو — جذبات پہ اپنے جبر کرو
اسلام کو ہر سُو پھیلاؤ — یہ دین خُدا محبُوبہ ہے
جب صبر کے دِل میں جا پائی — تو این مغفور آواز آئی

آ خُلد میں داخل ہو اکمل
یہ اللہ کا تار اپنے ہے

رمضان کے متعلق

صد شکر کہ ماہِ رمضان آیا ہے — آپ کے واسطے مژدے یہ کئی لایا ہے
خیر و برکت کا مہینہ ہے مبارک سمجھو — خاص افضالِ خُداوند مبارک سمجھو
اِک مہینے کے ہیں روزے لازم جانو — صبح سے شام تک احکامِ الٰہی مانو
گر نہ بدیوں سے بچے اور نہ چھوڑا جھگڑا — تو یہ روزہ نہیں ہے۔ عہدِ الٰہی توڑا
ان دِنوں بھوکے پیاسوں کی مدد کرتے رہو — ان کی ہمدردی و غمخواری کا دم بھرتے رہو
رات کو اُٹھ کے تہجد کے نوافل ہوں ادا — اسمیں قرآں کی تلاوت سے ملے حق کی رضا
آخری عشرے میں ہو جاؤ کمر بستہ تم — سُست ہو کر نہ کرو ایک بھی نیکی کو گم
اپنے اللہ سے اِس ماہ میں دُعائیں کر لو — اور فیضان خداوند سے جھولی بھر لو

یوں مہینہ جو گزارو گے تو ہو عید ہی عید
اور خوراک میں پوشاک میں ہو لطف مزید
عاجز اکمل بھی دُعا گو ہے دُعا محتاج
صحت کاملہ و صدق و وفا کا محتاج

قطعات

(۱)

مَیں جاگ کے تھک جاتا ہوں مگر افسوس
نظر نہیں آتا ہے صبح کا فردوس

دل و دماغ کا میرے ہی نقص ہو اکمل
کسی کو دے نہیں سکتا بغیر وجہ دوس

(۲)

آثار صبحِ صادق اب تک نہیں مبرہن
اللہ کی طرف سے اس پر لگی ہے قدغن

بعد از خدا و مُرسل۔ جائز ہو جو حکومت
واجب اطاعت انکی فوجی ہو یا سوِلیَن

(۳)

الٰہی فضل کا سُورج چڑھا دے
مرے محبُوب کو مجھ سے ملا دے

اگرچہ ربوہ بھی نعم البدل ہے
ہمیں پھر قادیاں اپنی دِلا دے

تعلّق باللہ

جنہیں حاصل ھو حق سے ہمکلامی
اُنہیں آج ہم دیتے ہیں سلامی

کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
مبارک ہے وُہ فرزند گرامی

چُوں دورِ خُسروی آغاز کردند
مُرادِ اوند اعزاز غلامی

بادِ وارثش رسولاں ناز کردند
باں فخرِ رسل برسَد سلامی

نشانِ رحمتِ باری ہے ظاہر
بحسب پیشگوئی دوامی

کناروں تک زمیں کے پائی شہرت
ادب سے لیتے ہیں سب نام نامی

زمانہ مانتا جاتا ہے از خود
مسیح و مہدی تھے جس کے پیامی

ثمر لایا ہے دَوحہ اسمٰعیل
بہ فیض آبشار ابراہامی

فروزاں شمع انوارِ رسالت
خلافت کے لئے ماہ تمامی

وُہ اپنا کام پُورا کر چکا ہے جو تھا اصلاح و ارشاد نظامی
بیاں کیا کر سکے اکمل مناقب
ملے اے کاش اسے اندازِ جامی

ایک سانحہ جو ربوہ میں طالبعلم جامعہ سے گذرا

وُہ اسم بامسمیٰ نثار رسول ہے
قربانی اُسکی درگہ حق میں قبول ہے
ایکاک لہو کا خنجرِ بیداد کا گواہ
اِس بات پر ہُوا کہ ظلوم و جہول ہے
لایا نہ کوئی حرفِ شکایت زبان پر
اِس خامشی میں مقصدِ دیں کا حصول ہے
ہر ضرب نے بڑھا دیا صدق و وفا کا جوش
بزمِ ملائکہ میں اسی سے دخول ہے
احمدؑ کا اِتباع دلاتا ہے قُربِ حق
پیشِ نظر اسی کے محمدؐ رسول ہے
غلطیدہ اپنے خُون میں ہونا ہی رسم خوش
ایسے جواں پہ رحمتِ حق کا نزول ہے
اِن کُشتگانِ خنجرِ تسلیم کے لئے
اکمل زغیب بساں دگر کا حلول ھے

بتقریب یومِ تاسیسِ سلسلہ احمدیہ

مبارک یہ مہینہ ہے کہ اسمیں ابنِ فارس نے
ثریا سے مئے عرفان و ایماں لا کے یاں رکھدی
جو لائے حوضِ کوثر سے تو ہم سے تشنہ کاموں نے
وفورِ شوق میں کانٹوں بھری اپنی زباں رکھدی
نیاز و عجز کی پونجی تھی اپنے پاس جتنی بھی
بصد اخلاص آگے بڑھ کے پیشِ دلستاں رکھدی
نئی بوتل لئے یاران محفل کھولی ساقی نے
تقاضا ہی مگر دِل کا کہ کل والی کہاں رکھدی
مسیحائے محمدؐ کے پسر موعود نے اکمل
فروزاں کرکے شمعِ دیں بہر سُو ضُوفشاں رکھدی

(بدر ۱۲ اپریل ۱۹۶۲ء)

دُعائیہ نظم

بہت کچھ ہو چکا ہے میرے مالک
یہ دُنیا یہ جہاں بے شک ہے ہالک

نظر رحمت کی ہم بندوں پہ فرما
گنہ گاروں کو نعمت دیکے شرما

محبّت نیک کاموں کی عطا کر
بدی ہیں پھر نہ ہم کو مُبتلا کر

ہمیں اسلام کا ہو علم حاصل
رہیں تا زندگی ہم اِس پہ عامل

ترقی ہر طرح دُنیا میں پائیں
مگر مذہب نہ اپنا بھُول جائیں

نتیجہ اچھّا نکلے امتحاں کا
ہو نازل فضل ربّ دو جہاں کا

سکون و امن کا ہو دَور جاری
بہت اعلیٰ ہو پوزیشن ہماری

ہو ربوہ مرجع اقوامِ عالم،
اِسے حاصل رہے اکرام عالم

ادارے جیسے تعلیمی یہاں ہوں
نمونہ وہ پئے اہلِ جہاں ہوں

خدا کا فضل نازل ہر گھڑی ہو
بہت آسان اکمل کی کڑی ہو

نظم

رقیبوں کی زباں کو رکھ دیا جائے گا زبانے پر

مرے سجدوں کی مستی رقص کرے آستانے پر
(۱) نہ کر پرواز اگر بجلی گریگی آستانے پر

مرے خونِنابۂ دل کو رکھو محفوظ آنکھوں میں
اِسی سُرخی سے لکھنا حاشیہ میرے فسانے پر

ہزاروں بلبلیں ہیں خوشنوا گلزار احمدؐ میں
سرورِ سمع ہر کس اب ترانہ ہے ترانے پر

مجھے اپنا بنا کر اپنے ہاں رکھ لیجئے پیارے
رہونگا کب تلک سرگشتگی میں آنے جانے پر

زباں اتنی نہیں کرتے زباں کو روک لے اکمل
زباں کو رکھ دیا جائیگا دشمن کی۔ زبانے پر

(۲)

پایا نہ اُس کو دشت میں نَے کوہسار میں
آخر ملا تو اپنے ہی قلبِ نزار میں

کٹتے ہیں روز و شب مرے اُس گل کی یاد میں
افسوس ہے کہ کچھ بھی نہ دیکھا بہار میں

منگل کو نحس سمجھا دلآرام کا فراق
اب دیکھئے کہ ہوتا ہی کیا سوموار میں

اِک سے بڑھا کے دو کئے جس نے وہی تو ہے
تعیین ڈھونڈتے ہو عبث تین چار میں

کتنا ہے بدنصیب تُو اکملؔ اگر تجھے
دو گز زمیں بھی نہ ملے کُوئے یار میں

مہجورؔ کا پیغام درویشوں کے نام

قادیاں میں جس قدر درویش ہیں
تین سَو تیرہ ہیں یا کم و بیش ہیں

ان سے میری عرض ہے بعد از سلام
مہربانی سے کریں میرا یہ کام

وُہ مشرف ہیں مزارِ پاک سے
جب بھی حاضر ہونے موقع ملے

مہربانی کر کے میرا بھی سلام
عرض کر دیں با ہزاراں احترام

سخت مضطر ہے یہ مہجورِ حضور
کب تلک اقدام سے رکھنا ہی دُور

خاتمہ بالخیر بالایمان ہو
اور پُورا اِس کا ہر ارمان ہو

اُور درویشوں سے یہ ہے التجا
کچھ تبرّک لائیں لنگر خانے کا

اُور بہشتی مقبرے کی کوئی شئے
پھول پھل پھر خاک و آبِ پاک ہے

تحفۂ درویش برگِ سبز ہے
سب سے بڑھ کر ہے "غلام احمد کی جے"

ہے دُعا اکملؔ کی ہم سب ایک ہوں
یعنی پاک و ہند مُسلم نیک ہوں

(۲)

مَیں جاگا مگر بھاگ میرے نہ جاگے | کہ پختہ نہیں میرے ملبس کے دھاگے
جو چاہے قیامت کے دن پائے راحت | وُہ دُنیا میں آرام اپنا تیاگے
وُہی کام آئیں گے مؤمن کو پیچھے | جو اعمال نیک اپنے بھیجے ہیں آگے

مرے مقتدا کا ہے کیا رُعب اکملؔ
کہ بس نام سُنتے ہی اعدا ہیں بھاگے

(۳)

خاتم کے معنے مُہر ہیں تصدیق کیلئے | تکمیل امر ہونے کی توثیق کے لئے
جتنے نبی بھی آئے کہ آئندہ ہوں کبھی | زینت بھی ہے نبوّت بھی ختم محمدی
اے بو العطا خدا سے ملے آپکو ثمر | توڑا ہے علمی ضرب سے مودودی کا حجر

قرآن سے حدیث سے پھر عقل و نقل سے
ثابت تو جبّہ احسن و اکملؔ کیا اسے

پیشوایانِ مذاہب

مبارک پیشوایانِ مذاہب | مبارک سر براہان مذاہب
تمہاری عزّتیں قائم ہیں دائم | قبولیّت ہے برہانِ مذاہب

(۲)

یہ ہے اسلام کا حکم جو محمدی | خدا کی مرضی ہو جائے گی پوری
کہ سچے ہیں وہ سب مذہب کے بانی | جنہیں حاصل ہوئی حق کی حضوری

(۳)

ہمارے دوستو آؤ ادھر کو | یہ سیدھی راہ جاتی ہے جدھر کو
کہ ہم سب ہل کے جھانکیں گائیں | بھٹک کر جا رہے ہو تم کدھر کو

کرشن و رام بدھ زرتشت سب ہی
(۴) دکھانے آئے راہ راست رب کی

محمد مصطفےٰ سب کے مصدق
مسیح و مہدی نے توثیق اب کی

ہمارے مصلح موعود محمود
(۵) کرتے ہیں یہ جلسے وقت مسعود

بڑھے تا اتحاد آپس میں اکمل
کہ ہے توحید و وحدت اپنا مقصود

گواہی بابا نانک نے یہ دی ہے
(۶) کہ دینِ اسلام دینِ ایزدی ہے

رہو دنیا میں بندے بن کے سب نیک
جو ایسا ہے وہ اکمل مہتدی ہے

خلافت

خلافت ہے نبوت کا ضمیمہ
ہے بعد اسکے نظامت کا وسیلہ

سناتی ہے رسالت حکم باری
دکھاتی ہے نشاں اللہ کے بھاری

وہ راہیں پاکبازی کی بتائے
کتاب و حکمتِ ربی سکھائے

دلائل سے ہمیں آگاہ کر دے
ہماری جھولیاں تقویٰ سے بھر دے

نبی کے بعد پھر اک جانشیں ہو
مقامِ صدق میں ایسا مکیں ہو

جماعت کو بہم پیوست رکھے
وہ ان سب کی کشاد و بست رکھے

بجا لائیں اکٹھے خدمتِ دیں
وہ مل جل کر بڑھائیں عظمتِ دیں

ہو تمکین دین کو ان سے حاصل
نہ خوف و حزن ہو سب رب سے واصل

محمد مصطفےٰ کی پیشگوئی
کرے گا آ کے پوری جو بھی کوئی

وہی ہوگا نبی بھی امتی بھی
مسیح و مہدی ہر مقتدی بھی

کہ منہاجِ نبوت پر خلافت
کرے گا آ کے قائم تا قیامت

چنانچہ الوصیت میں بتایا
کہ میں ہوں قدرتِ اول بن کے آیا

اب اسکے بعد قدرتِ ثانی آئے
جو تم کو مفلح و مصلح بنائے

اسے قائم کرے گا حق تعالےٰ ۔ کہ ہو اسلام کا پھر بول بالا
چنانچہ پہلے نورالدینؓ پُرنور ۔ حکیم الاُمّۃ و بوبکر مشہور
اور ان کے بعد فرزند گرامی ۔ کہ ہے فضلِ عمر محمُود کامی
جماعت کو یہاں تک ہے بڑھایا ۔ کہ شرق و غرب کو اِک کر دِکھایا
ہُوئے ہیں مصلح موعود ثابت ۔ تو پھیلا خُوب ہی دین خلافت

جو ہے اکمَلتُ پھر اتمامِ نعمت
پسند اِس کو کرے اللہ کی رحمت

قطعہ

دُعائیں کرتا ہے اکمل صداقتِ احمدؑ
جہاں میں پھُولے پھلے از خلافتِ احمدؑ
علی الخصوص یہ محمُود مُصلحِ موعود
ہے اسکے حق میں دُعائے جماعتِ احمدؑ

ترا جمال ترقّی کرے قیامت کی ۔ ترے کمال میں ہو شاں ہر کرامت کی

بہ تقریب یوم الخلافۃ

آہ چھبیس ۲۶ مئی بدرِ رسالت کا غروب ۔ اور ستائیس ۲۷ کو پھر نجم خلافت کا طلوع
نور ہی نور نظر آتا ہے ہر سُو اکمل ۔ جبکہ روشن ہوئیں اسلام کی دنیا میں شموع

ہر طرف پھیل گئے اپنے مبلّغ فاضل ۔ زندگی وقف کئے ہیں پئے دینِ کامل
مرحبا صَلِّ علیٰ ہمّتِ مردانہ ء شان ۔ قوّتِ قدسئی محمُود ہے سب میں شامل

رُباعیات

قدرتِ اوّل چھپی۔ وحدت میں پڑتا تھا فتور　　قدرتِ ثانی نے ارضِ نوس میں پایا ظہور
کشتیٔ احمدؑ کو طوفاں میں ملی ہے جا پناہ　　طیبہ بلدے میں ہے محمودؑ کا ربِّ غفور

(۲)

روشنی ماہِ خلافت کی ہے پھیلی سُو بہ سُو　　مومنوں کو ربّ نظر آنے لگا ہے رُو برُو
غلبۂ اسلام کُل ادیان پر ہے ہو رہا　　مرحبا۔ صلِّ علیٰ۔ اللہ بس۔ اللہ ھُو

(۳)

دُعائیں اکمل مہجور کی الٰہی قبول　　مُرادیں جو ہیں خلافت کی وہ سبھی ہوں حصول
جمال و حسن ترقّی کرے قیامت تک　　شباب بڑھتا چلا جائے بن کے شانِ رسول

قطعات

برائے تقریب عید المیلاد

محمّد محمّدؐ پکاروں گا میں　　ہے جیت اِسمیں ہرگز نہ ہاروں گا میں
اِسی سے ملے گی حیاتِ ابد　　بہ اِخلاص سَو جان واروں گا میں

(۲)

بتاتا ہوں شانِ رسولِ کریمؐ　　خدا نے کیا اُن پہ فضلِ عظیم
وُہ انسان کامل ہیں ختم الرُسل　　جو قرآن لائے کتابِ حکیم

(۳)

وُہ زندہ خدا کا ہے زندہ رسولؐ　　جو درگاہِ حق میں ہُوا ہے قبول
ہے بعد از خدا ایک ہی ذات پاک　　بزرگ اور باتیں نہ کیجے فضول

(۴)

ہے اُن کا نمونہ مرا رہنما ‏ ‏ ملے پیروی سے انہی کی خدا
غلامی میں اُن کی شہنشاہی ہے ‏ ‏ درود اُن پہ لاکھوں ہوں صلِّ علیٰ

(۵)

اِسے پہلے کہتے تھے بارہ وفات ‏ ‏ ہے اب عید میلاد یوم حیات
بہر حال سیرت پر رکھّو نظر ‏ ‏ کہ مقصود ہے حق نہ لات و منات

(۶)

وُہ اطفال و خدّام کا دستگیر ‏ ‏ وُہ انصار کا اپنے دائم ظہیر
وُہ روزِ قیامت شفیع الوریٰ ‏ ‏ وُہ جن کا ہے اکمل بھی عاجز فقیر

قطعہ

یہ اِک روز ہو جانیوالے ہیں میرے ‏ ‏ جو نگری کو احمدؑ پیا کی ہیں گھیرے
یہ اکملؔ سے کیا پوچھنے کی ضرورت ‏ ‏ ہے جنگل میں منگل فقیروں کے ڈیرے

یومِ پاکستان

ہماری فوج نے نیچا کیا بھارت کے جھنڈے کو ‏ ‏ خدا کے فضل سے اُونچا ہے پاکستان کا جھنڈا
الٰہی خوب لہرائے یہ پاکستان کا جھنڈا ‏ ‏ حضورِ سَرورِ عالم کے ہر فیضان کا جھنڈا
ہے سب سے بالا بالا رحمتیں پھیلانے والا ہی ‏ ‏ محمد مصطفٰے ختم الرسل کی شان کا جھنڈا
مسیح و مہدی۔ احمدؑ نے کیا قائم رہے دائم ‏ ‏ ثریّا سے قلوب خلق میں ایمان کا جھنڈا
ہمارا فرض ہے قائم کریں اکنافِ عالم میں ‏ ‏ کلام اللہ شرعِ آخری قرآن کا جھنڈا

الٰہی برتری ہو صدر ایّوب و کمانڈر کی ‏ بہادر فوج تھامے رکھے پاکستان کا جھنڈا
ظفر مندی سے بہرہ ور رہیں افواجِ اسلامی ‏ جہاں جائیں نگوں کر دیں وُہ کُفرستان کا جھنڈا

دُعا ہے اکملؔ بیمار کی سرسبز دائم ہو
جنابِ ناصرِ اسلام کی بُرہان کا جھنڈا

نعرۂ توحید

حیّ ہے قیّوم ہے یکتا خُدا ‏ جو ہو مُردہ وُہ خدا بھی ہو گا کیا
تین میں کا تیسرا دِکھلاؤ تو ‏ بائبل میں لفظ بھی تثلیث کا

(۲)

خطۂ کشمیر کی بستی "سرینگر" ‏ اِس میں ہے مدفون عیسیٰ مریمی
مَوت تو ثابت ہے نصِ آیات سے ‏ اَور ہے تاریخ شاہد قبر کی

(۳)

بچ گیا مصلوب ہونے سے جبھی ‏ بائبل سے ورنہ کہتے لعنتی
جب رہا زندہ نہ کفّارہ ہُوا ‏ اصل کی قرآن نے تصدیق کی

(۴)

پھر صحیفے وادیٔ قمران کے ‏ اور جو آثارِ کفن ظاہر ہوئے
یہ شہادت سب کے سب ہیں دے رہے ‏ سچ لِکھّا ہے مہدیٔ مَوعودؑ نے

(۵)

ہو گیا ثابت کہ اللہ ہے اَحَدْ ‏ ذات پاک اسکی ھی ہر شے کی صَمَدْ
لَمْ یَلِدْ ھی اور لَمْ یُولَدْ بھی ہی ‏ کُفُو کوئی بھی نہیں۔ ھی بے عدد

(۶)

بو العطا ہے فی الحقیقت عبدِ حق ‏ حق ہے بالا اور باطل ہے زھَقْ
یہ دُعا اکملؔ کی ھی اِنّی اَعُوْذُ ‏ رَبَّنَا مِنْ شَرِّ کُلِّ مَا خَلَقْ

آدمیّت

جن کی باتیں غیر سے ہوں حق سے باتیں کیا کریں
چاند زیرِ ابر ہو تاریک راتیں کیا کریں

آمد و رفت پیامِ یار مدّت سے نہیں
بند ہو بجلی کی رَو تو صرف دھاتیں کیا کریں

فاضلہ اخلاق پر ہے آدمیّت کا مدار
آدمی میں یہ نہ ہو۔ تو۔ اعلیٰ ذاتیں کیا کریں

تو عروسِ کامرانی سے ہوں کیونکر ہمکنار
جبکہ دُولھا ہی نہ ہو خالی براتیں کیا کریں

کِس طرح اکملؔ وُہ پائیں مُرغ و ماہی یا غزال
جب شکاری ہی نہ ہو تو محض گھاتیں کیا کریں

حقیقتِ معراج نبویؐ

ستائیس رجب المرجّب کی رات
ہے بیداری میں کشف کی ایک بات

نبی پاک پہنچے خُدا کے حضُور
نظر میں نہیں آیا کوئی فتوُر

وُہ نُورٌ علےٰ نُور ہوتے گئے
محبّت کے رشتے پروتے گئے

ترقّی جو اسلام کو ہونی تھی
وُہ اُس سرزمیں میں دِکھائی گئی

جتاتی ہے نبیوں کی یہ اقتدا
کہ اُن کی امامت ہُوئی ہے عطا

مسیحا جو ہے اِک نبی اُمّتی
ترے نُور سے پائے گا روشنی

جو ہے مسجدِ اقصیٰ میں اِک منار
نشانِ اشاعت کرے آشکار

ہے اقوامِ عالَم کا مرکز وُہی
ترقّی ملے گی کما ینبغی

عروجِ سماوات پھر جو ہُوا
ترفّع کا منظر دِکھایا گیا

ہے رُوحانیت کا وسیلہ یہی
محمّدؐ کی تا عرش ہوگی شہی

تماشا نہیں تھا حقیقت ہی تھی
جو اکملؔ نبی پاکؐ پر یُوں کُھلی

علیہ الصّلوٰۃ و علیہ السّلام
اِسی پر ہے اِس نظم کا اختتام

برائے جلسہ قادیان

بہشتی مقبرے میں آپ جائیں
سلامِ عجز میرا بھی سنائیں

حضورِ مہدیٔ آخر زماں میں،
مری فریادِ مہجوری بتائیں

برس پندرہ گزرتے جا رہے ہیں
تڑپتے ہی نہ یوں دن بیت جائیں

ستارے گنتے راتیں کٹ رہی ہیں
کبھی تو خواب میں چہرہ دکھائیں

نگاہِ لطف ہو فرقت زدوں پر
ہمیں بھی پاس اپنے پھر بلائیں

جگر کے خون سے سینچے ہوئے پھول
مزارِ پاک پر ہدیہ چڑھائیں

مرے آنسو ہوں منظورِ الٰہی
یہی بن جائیں اکمل کی دعائیں

سالانہ جلسے

(قادیان و ربوہ)

دسمبر میں سالانہ جلسے ہیں دو
چلو پہلے سب قادیاں کو چلو

مسیحِ محمدؐ کا واں ہے نزول
کیا حق تعالیٰ نے جس کو قبول

وہیں مہبطِ وحی دین الہدیٰ
اسی میں ہے روحانیت کی فضا

وہیں ہے مزارِ مسیحِ زماں
وہیں ہے منارِ بلند آستاں

ہے مسجد مبارک تو اقصیٰ بھی ہو
وہیں چشمۂ نورِ اصفیٰ بھی ہے

بہشتی وہیں مقبرہ مرکزی
شعائر ہیں اسلام کے اور بھی

ہیں درویش خدام جس کے تمام
ہماری جماعت کے قائم مقام

زیارت کرو چل کے اے بھائیو
مگر بھول اکمل کو مت جائیو

دعاؤں کا مہجور محتاج ہے
وہیں تھا دلِ اس کا وہیں آج ہے

وہیں دفن ہونے کی ہے آرزو
اسے پوری کردے مرا اللہ ھو

(۲)

ازاں بعد ربوہ کا جلسہ سنو
تو گلہائے بستانِ عرفاں چنو

یہیں پر ہیں اصحاب احمد مسیحؑ
یہیں پر ہمارا امام صبیح

اشاعت کا اسلامی مرکز یہیں
ہے پھیلا رہا خوب دین مبیں

یہیں پر مبلّغ ۔ مربّی تمام
بہ تحریک و وقفِ جدیدہ نظام

یہیں پر ہیں انصار و خدّام سب
جو کرتے ہیں خدمات اسلام سب

سبھی کے سبھی ہیں پرستار حق
عزیزو سُنو آکے گفتارِ حق

ذرا آکے جلسے میں دیکھو ہمیں
ہے جنگل میں منگل بڑی رونقیں

بھروسہ نہیں زندگانی کا کچھ
کرو ناز مت نوجوانی کا کچھ

فدا کار احمدؐ ہیں اکملؔ تمام
عَلَیۡہِ الصَّلٰوۃُ عَلَیۡہِ السَّلَام

مقام عورت کا

بتاتا ہُوں تمہیں کس شان کی دُنیا میں عورت ہے
رجُل کے واسطے یہ موجب تسکین و راحت ہے

رفیقِ زندگی بن کر رفاقت کو بڑھاتی ہے
کہ اس میں رِفق ہے اور یہ رفاقت کی علامت ہے

اگر قیّم ہے شوہر اور نگرانی ہی فرض اس کا
تو کار و بار خانہ میں اسے حق قیادت ہے

دِگر انعام جسمانی و رُوحانی میں شامل ہے
خُدائے پاک سے حاصل اسے پُوری شراکت ہے

بہت سے کارنامے اسکے ہیں اسلام میں ثابت
جہادِ اکبر اس کا بھی حفاظت اور اشاعت ہے

ہُوئے جو اولیاء و بادشاہ اُمّت میں سب کے سب
اسی کی گود میں پل کر انھوں نے پائی نعمت ہے

رسُول پاک نے فرمایا سچ ماؤں کے قدموں میں
خدا نے فضل سے اکملؔ عطا کی ایک جنّت ہے

بہ تقریب شب برات

ہر روز روزِ عید ہے ہر شب۔ شبِ برات
جب حق کے ساتھ دل کے ہوں گہرے تعلّقات

بھیجا کرو رسول ؐ کو تحفے درُود کے
اِس کے عوض میں پاؤ گے نُوری تجلّیات

خالق سے لَو لگا کے کرو دِین کو درست
آگے بڑھو کہ ہیچ ہیں دُنیا کے رقبہ جات

عیسیٰ تو مرچکا ہے وُہ پھر آئے گا نہیں
ملتا اِسی سے ختمِ نبوّت کو ہے ثبات

ہیں محکمات قاضی محمد ؐ نذیر کے
اسکے مقابلے ہیں ہیں مودودی لغویات

ہوتا ہے اس میں فیصلہ اَمرِ حکیم کا
شعبان کی پندرہ ہو کہ ہو قدر والی رات

اکملؔ بشارت آئی ہے ماہِ صیام کی
اب دیکھیے کہ ملتی ہے کس کس کو کیا برات

بشارت

عزیزو پھر آیا ہے ماہِ صیام
خداوندی رحمت کا لایا پیام

اِسی میں ہے اک لیلۃ القدر بھی
کہ فرمایا مِنْ کُلِّ اَمرٍ سلام

(۲)

جو روزہ ہو دِن کو تو شب کو قیام
حلال اپنے اُوپر بھی کرلو حرام

کلامِ الٰہی کا دن رات دَور
ہے اُسوہ نبیؐ کا یہی لاکلام

(۳)

مُزَمِّل۔ مُدَثِّر میں ہے یہ پیام
کمر بستہ ہو جائیں مؤمن تمام

جہادِ کبیر اور اکبر کریں
مبشّر بنیں ہو کے اِک نیک نام

نظم بہ تقریب یوم الخلافۃ

جب ہو گیا وصال مسیح محمدی
لازم ہوا خلیفے کا اب انتخاب ہو

تحریک یہ دلوں سے اُٹھی متفق کہ وہ
چہرے پہ جس کے نور بصد آب و تاب ہو

اے نور دین خلافتِ احمدؑ کے باب ہو
قدرت خدا کی ہادیٔ راہِ صواب ہو

ہر کس ہو نور دین تو نورانی ہو جہان
دُنیا مثالِ خلدِ بریں مستطاب ہو

طاہر بنے حنیف ہو ناصر رفیقِ حق
انور مبارک اور منوّر خطاب ہو

اظہر ہے پھر رفیع ہو دار النعیم میں
جب رُوح ہو وسیم بحق باریاب ہو

دل ہو منیر لے کے کلید ظفر بڑھے
تو واقعی مظفّر و منصور شاب ہو

داؤدی نسل بڑھتی چلی جائے حشر تک
تجدید دین کا اسی سے انتساب ہو

پھر آگیا وہ وقت کہ اور انتخاب ہو
جو حسب پیشگوئی خلافت مآب ہو

ہوتا ہے جن کو حسن میں احسان میں نظیر
احمد نبیؐ کی خاص دُعا کا جواب ہو

محمود اس کا نام ہو محمود ہی مقام
اور آسماں پہ نقطۂ نفسی خطاب ہو

آخر وہی ہو مصلح موعود کا ظہور
اک آفتاب جسکی دلیل آفتاب ہو

اکمل ہے ایک ذرّۂ ناچیز ربوہ میں
اس پہ نگاہ مہر منوّر جناب ہو

نظم

آتی ہیں یاد مجھ کو قادیاں کی گلیاں
وہ قادیاں کی گلیاں دارالاماں کی گلیاں

مینار اس گلی کا جنّت کا اک نشاں ہے
اس سے ہوئیں منوّر سارے جہاں کی گلیاں

گلیوں میں اک گلی ہے جو نور میں ڈھلی ہے
نورانی اس نے کر دیں سب قادیاں کی گلیاں

اُس کی گلی سے ہو کر پہنچیں گے ہم خدا تک
آؤ تمہیں دِکھائیں اس لامکاں کی گلیاں

محمود آجکل ہی اس کا گُلِ شگفتہ
خوشبو سے ہیں معطر باغِ جناں کی گلیاں

فُرقت کی راتیں یارب کیوں لمبی ہو رہی ہیں
رحمت سے پھر دکھا دے دارالاماں کی گلیاں

فرقت کے صدمے یارب کب تک سہینگے ہم سب
اکمل کو پھر دکھا دے اس دلستاں کی گلیاں

اکملؔ ظہور دیں ہے - مہجور ہے حزیں ہے
آتی ہیں یاد اس کو - وُہ قادیاں کی گلیاں

نعت النبیؐ

جتنا بھی کیا جائے گا اکرام محمدؐ
پھیلے گا اسی قدر سے اسلام محمدؐ

جب صُبح ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ آئے زباں پر
لیتا ہُوں محبت سے معًا نام محمدؐ

اللہ رے کیا شاں ہے اس بندۂ حق کی
جس نے کہ اُٹھائے ہیں سب آلام محمدؐ

وُہ جس پہ ہُوئے ختم رسولوں کے مدارج
ہے فرش سے تا عرش وُہی بام محمدؐ

کیا صبح ہے وُہ صبح جو ہے صبحِ محمدؐ
کیا شام ہے وُہ شام جو ہے شام محمدؐ

مہدی و مسیحا جسے کہتے ہو غلام ایک
از رُوئے حقیقت ہے دِلآرام محمدؐ

جو پیرو ِ کامل ہے اسی ذات میں شامل
فرزندِ گرامی ہے بہ ادغام محمدؐ

اک ہوک سی اُٹھتی ہے کلیجے میں ہمارے
آتے ہیں ہمیں یاد جب ایام محمدؐ

خم خانۂ وحدت ہے کھلا ربوہ میں اکملؔ
پیتا ہوں شب و روز یہیں جام محمدؐ

لو قمر ڈُوبا

ستارے ڈوبے دیکھے تھے امشب لو قمر ڈوبا
وُہ مشرق میں نہاں دیکھا تو مغرب میں ہے پوشیدہ

نمودِ صبح کی امید تھی اب تک اندھیرا ہے
شفق پھُولی ہے آنکھوں میں تو دِل ہے سخت رنجیدہ

چمن میں لالہ و گل کی فراوانی تو دیکھی تھی | مگر اب دیکھئے کیا دیکھتی ہے خوں فشاں دیدہ

قیادت کے لئے اصحابِ عیسیٰ دو ہی پائے ہیں | بادہ کش پرانے اُٹھ گئے سنجیدہ سنجیدہ

مبشر تھی وحیِ احمدؐ میں کہ دو شہتیر ٹوٹے ہیں | حذر اے قوم چھٹ ہونے نہ پائے جلد پوسیدہ

ملے تھے چار لیکن عمر پانے والا اک نکلا | نشانِ مصلح موعود یہ بھی تھا مواعیدہ

دُعا ہے اکملؔ غم ناک کی ابرِ کرم سے
ثمر تو ختم ہوتے جا رہے ہیں جیدہ برجیدہ

قادیان سے مفارقت

قادیان سے مفارقت کا دِن | سن سنتالیس بارہ اکتوبر

آہ وُہ روز جو رہا ہمہ سوز | پیش آیا تھا سانحہ دِل دوز

رات گزری تھی دارِ رحمت میں | پڑ گئے پھر سفر کی زحمت میں

پہنچے لاہور رات نو کے قریب | یاد آتی تھی وُہ دیارِ حبیبؑ

جس میں چالیس سال سے رہتے | ہجر کے صدمے اب تو ہیں سہتے

نو برس تو گزارے ہیں لاہور | ربوہ میں سات سال ہیں پھر اور

عمر بیاسی (۸۲) برس سے زیادہ ہے | آگے مالک کا جو ارادہ ہے

الٰہی ہو خاتمہ بالخیر | اَنْتَ رَبِّیْ وَمَلْجَئِیْ لَاغَیْر

جنگل میں منگل

عزیزو تمہیں پھر بلاتا ہے جلسہ | یہ جنگل میں منگل دِکھاتا ہے جلسہ

محبانِ اسلام آئیں گے سارے | ملیں گے پیاروں سے اپنے پیارے

تقاریرِ عرفانِ حق جو سُنو گے | تو گلہائے گلزارِ جنت چُنو گے

بتائیں گے سب کو بزرگان ملّت — کہ پائے گی کیسے فروغ احمدیّت
ہے کیا فرض اطفال و خدّامِ احمدؑ — بنیں کیونکر انصار اسلام احمدؑ
کمر بستہ ہو جاؤ تیار پیارو — کہ تن من خدا کیلئے دھن بھی وارو
یہ مژدہ سنایا ہے اکمل نے پہلے — کہ دن آ رہے ہیں ہمارے روپہلے

خلافت کی واجب ہے سب پر اطاعت
اسی میں ہے دونو جہاں کی سعادت

نظم بتقریب جلسہ سالانہ قادیان

اکمل جو ناتواں ہے — اک مشتِ استخواں ہے
مشتاقِ قادیاں ہے — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

دارالاماں دکھا دے — بچھڑوں کو پھر ملا دے
گلزارِ نَو کھلا دے — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

وُہ یادگارِ مہدی — یعنی مزارِ مہدیؑ
وُہ نُور بارِ مہدی — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

وُہ مقبرہ بہشتی، — جنّت کی جو ہے کشتی
جائے نکو سرشتی — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

مینارِ احمدیّت — انوارِ احمدیّت
دربارِ احمدیّت — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

بیت الدّعاء احمدؑ — وُہ ابتدائے احمدؑ
یہ انتہائے احمدؑ — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

وہ سب شعائر اللہ — بُرہان رفعہ اللہ،
ثابت بکلمۃ اللہ — سُبحَانَ مَنۡ یَّرَانِیۡ

وُہ اجتماعِ ملت　کثرت نہاں بہ قلت　مژدہ رساں جلت　سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

مہجور کی دُعائیں اور اس کی التجائیں
تا عرش پہنچ جائیں ۔ سند قبول پائیں
(سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ)

محفلِ قُدسی

تمہاری محفلِ قُدسی سے اُٹھ کر ہم کہاں جاتے　اگر جاتے کہیں تو لَوٹ کر پھر قادیاں آتے
جہاں جاتے وہاں ہم قادیاں ہی کا سماں لاتے　مگر تاروں میں وُہ بدرِ منوّر ہم کہاں پاتے
اگر وہ چشمۂ وَحیِ الٰہی پھر رواں پاتے　تو اس "گُلرنگ" پہ کانٹوں بھری پیاسی دکاں پاتے

ہے جن کی پیشگوئی سُورہ جن میں یہ ضروری تھا　مسیحائے محمدؐ مصطفٰے کے میہماں آتے
نماز باجماعت اور قرآں عجب سُنتے　نقوشِ وَحی و توحید و رسالت بے گماں پاتے
وہ باتیں آسمانی وحی کی سُن سُن کے سر دُھنتے　نصیبوں والے نصب العین اسلامی عیاں پا جاتے
مقدّر تھا یہی اکمل یہ درویشی سعادت تھی
جو ان کے حِصّے میں آئی اسے کیوں لوگ رُکواتے

تواریخ خلافت

فروری کی بیسؔ ۲۰ ہو چونسٹھ ہو سن عیسوی　سن اٹھارہ سو چھیاسی کی دُعائے احمدی
ہوگئی منظور باب بارگاہ ایزدی　سن اٹھارہ سو نواسی ہفتہ بارہ ۱۲ جنوری
اشتہار سبز کا مَوعُود پیدا ہوگیا　فضل تھا فضلِ عُمر ۱۸۸۹ پائی خلافت دوسری

حسب منہاج نبوت پہلے گزرے ہیں تیس سال
یعنی سن انیس سو چودہ سے چوتالیس تھی

بعد اس کے مصلح موعود ظاہر ہو گیا
جسکی شہرت چار سو اکنافِ عالم میں ہوئی

دعوتِ اسلام یعنی احمدیت کی طفیل
مسجدیں بنتی گئیں مغرب میں پھیلی روشنی

صبرِ ایوبی کا ہے اعجاز دگنی نعمتیں
قادیاں سے ربوہ میں اکمل ہوئیں حاصل سبھی

نقطۂ نفسی کی جانب آسمانی رفع ہے
صدقہ استغفار سے تطہیر ہی اب ہو رہی

رباعیات

تیرہ مارچ جمعہ کا دن چودہ سن عیسوی
یاد ہے اب تک اگرچہ گزری ہے آدھی صدی

پھر وہی مارچ کی تیرہ جمعہ ہے چونسٹھ ہے سن
انقلاباتِ زماں پر غور کر اے احمدی

حضرت مرزا شریف احمدؓ طبعاً بادشاہ
باوجود ضعفِ اعصابی بہ نفس راضیہ

صاحبِ رائے رزینہ۔ قاضی احقاق حق
معمر تو ہوئے پر "دولتِ مستعجلہ"

حضرت مرزا بشیر احمدؓ کہ جن میں تھی جھلک
مصلح موعود کی رِداً بہ اخبار فلک

انبیاء کے تھے قمر۔ احمد کے رخشندہ گہر
چاندنی پھیلائی دیں کی۔ سیرت و صورت ملک

خوبیاں ان کی بیاں ہوں گنگ ہے اپنی زباں
کارنامے ان کے ہیں مشہود مشہورِ جہاں

یاد کر کر کے انہیں رویا کریں گے روز و شب
آہ پیاری پیاری ایسی ہستیاں اکمل کہاں

قادیاں سے ربوہ آئے تین کو کردیگا چار
تاکہ سب مہجور پائیں مطمئن ہو کر قرار

اٹھتی ہیں سوئے فلک اپنی نگاہیں مایہ ناز
یاالٰہی تیرے فضلوں کے ہیں ہم امیدوار

عیدِ قرباں سے سبق

عید قرباں بتاتی ہے کہ قرباں کرو — راہِ مولیٰ میں فدا مال کرو جان کرو
حاصل اس روز سے اللہ کا عرفان کرو — عاقبت خیر ہو کچھ اس کا بھی سامان کرو

بیادِ حضرت مرزا بشیر احمدؐ صاحبؓ قمر الانبیاء

(جلسہ خدّام کے لئے)

نہیں دم بھر بھی غافل ہم بشیر احمدؐ سے دلبر سے — کہ اُن کی قبر پر بارانِ رحمت تا ابد برسے
قمر تھے انبیاء کے اُن سے روشن احمدیت ہے — مکیں دل میں ہیں لیکن دیکھنے کو اُنکے جی ترسے

(۲)

یہ ظاہر ہو چکا ہے اُن کی تقریرِ دسمبر سے — مہک جاتا تھا مجمع ان بشاراتِ معنبر سے
تو گونج اُٹھتا تھا جلسہ نعرۂ اللہ اکبر سے — فرشتے پھول برساتے اُتر کر اپنے چنبر سے

(۳)

منوّر چاند کا ٹکڑا تھا نور ہر پیمبر سے — ہمارا کلبۂ تاریک روشن روئے انور سے
خدا کا فضل ہی فضلِ عمر قیّم امام اپنے — خلافت ہے مُزکّی منتظم اس پاک رہبر سے

قطعات

نہ پوچھو مجھے مَیں کہاں جا رہا ہُوں — جہاں سے مَیں آیا وہاں جا رہا ہوں
اقامت ہے فی الحال ربوہ میں اپنی — مرا دل کہے قادیاں جا رہا ہوں

وُہی قادیاں مہبطِ وحیِ ربّی — مَیں ربّانی ہو کر وہاں جا رہا ہُوں
مَیں ہُوں عندلیبِ گلستانِ احمدؐ — پئے نغمہ باغِ جناں جا رہا ہُوں

برائے جلسہ خدام الاحمدیہ گوجرانوالہ

تحریک کی ہے مجھ کو یہ عبد الحمید نے
پیغام کوئی بھیجوں جوانانِ قوم کو
پیغام کیا ہو میرا سوا اسکے دوستو!
قائم کرو تمام صلوٰۃ اور صوم کو

(۲)

سکھلاتی ہے نماز کہ صَفُّوا صفوفکم
یوں ربط و ضبط سے کرو قائم نظام کو
شیطاں سے ہو مقابلہ اسلام کیلئے
جُنّہ بناؤ جنگ میں اپنے امام کو

(۳)

پھر صوم یہ سکھائے کہ قرباں جسم و جاں
ترک حلال کی بھی ضرورت پڑے تو "ہاں"
بیداریٔ شبانہ کی عادت ہو مستقل
قرآن کی تلاوت و تعمیل بے گمان

(۴)

خُدام کا ہے فرض کہ خدمت کریں تمام
اسلام و خلق کی کہ یہی بہترین ہے کام
درخانہ گر کس است ہمیں حرف یک بس است
اکمل کا یہ پیام ہو مقبول والسلام

نظم بدر قادیان

اے مرے بدر منیر و مہر اوج برتری
نور بیزی کی تری محتاج ہے خشکی تری
تیری شانِ دلبری ہر نقص سے پائی بری
خوب محبوبی کہ از خوبانِ عالم بہتری

ثابت از کسرِ صلیب و قتل دجل خنزری
ملّتِ اسلام بر ادیان دارد برتری
از پئے احیاء و تجدید و اشاعت صلح کل
احمدِ مرسل شدہ افضل از مسیح ناصری

مصلحِ موعود ہیں اپنے امام ارجمند
احمدیت کی جنہوں نے چارسُو ڈالی کمند
قادیان اور ربوہ ہیں مرکز ہمارے دل پسند
دونوں میں سالانہ جلسے ہونگے اب ڈیسمبری

نبیوں کا چاند

مجھے جب یاد آتا ہے وُہ روشن چاند نبیوں کا ۔۔۔ تو چھا جاتا اندھیرا سا ہے اِن مشتاق آنکھوں میں
وُہ لعلِ بے بہا کھویا گیا اے وائے ناکامی ۔۔۔ جو تھا بس ایک ہی تو منتخب نایاب لاکھوں میں

زائرینِ قادیان سے

السّلام اے زائرینِ قادیان ۔۔۔ السّلام اے ناظرینِ قادیان
السّلام اے مبصرینِ قادیان ۔۔۔ السّلام اے حاضرینِ قادیان

تم نے دیکھا وُہ منارِ نُور بار ۔۔۔ اور مسیحائے محمدؐ کا مزار
جن سے ہو شانِ بہشتی آشکار ۔۔۔ رحمتیں جس پہ برستی ہیں ہزار

تم نے دیکھا ہو گا وُہ بیت الدعا ۔۔۔ جس میں حاصل ہوتا ہے ہر مدّعا
مَیں نہیں کرتا یہ یُونہی ادّعا ۔۔۔ قد وجدتم اِن دخلتم راکِعاً

تم نے دیکھی ہیں یہ سب سجدہ گہیں ۔۔۔ نُور کے چشمے جہاں ہر دم بہیں
دیکھ کر جا جن کو سبھی مومن کہیں ۔۔۔ ان مقاماتِ مقدّس میں رہیں

تم نے دیکھا پاک درویشی کا رنگ ۔۔۔ بارگاہِ حق میں ہر میشی کا رنگ
نغز گوئی و صفاکیشی کا رنگ ۔۔۔ از پئے اسلام دل ریشی کا رنگ

نانِ لنگر ہدیۂ درویش ہے ۔۔۔ جانِ مُعتر طعمۂ درویش ہے
لا اُٹھے لالہ درویش ہے ۔۔۔ برگ سبزی تحفۂ درویش ہے

لے لو جو خاکِ رہِ درویش ہے
چشم اکمل! سُرمۂ درویش ہے

چاند کی ابتدائی نظم کے ساتھ تتمہ

حضرت مسیح و مہدی بروزِ محمدی
مامور ہو کے آئے بصد شان احمدی

رحمت کا جو نشاں ملا فروری کی بیس
دیکھا ہے اپنی آنکھوں وہ نفسِ زکی نفیس

محمود ہیں وہ مصلح موعود بے گماں
فضلِ عمر خلیفۂ ثانی مومناں

ہر تین[۳] کو ہی چار کیا آپ ہی نے ھو
بانفسِ مطمئن ہیں سفر اپنا کر کے طے

پہنچا زمیں کے کناروں تلک وہ نور
جسکے لئے ہُوا تھا خداوند کا ظہور

ہیں احمدی جماعتیں قائم ہر ایک جا
سورج غروب ہوتا نہیں ان پہ مطلقا

یا ربّ دعائے غلبۂ اسلام ہو قبول
اکمل رسولِ پاک کا اکرام ہو قبول

یادِ مسیح موعودؑ

یا مسیح الخلق عدوٰنا کہیں
تا نہ طوفانِ ضلالت میں بہیں

بارگاہِ ایزدی میں ہے دعا
ہم تمہارے ہیں تمہارے ہی رہیں

(۲)

سخت شورے افتاد اندر زمیں
رحم حق برما الٰہ العالمین

قائم و دائم بود امن و اماں،
ایں دعائے از کہین و از مہین

(۳)

جان و دل سے میں فدائے مرسلین
ثلۃ من اولین و اخرین

فتح و نصرت کی ہمیں بخشو کلید
تا کہ ہو دنیا سے خلد بریں

(۴)

احمدی - درویش سب دلریش ہیں — بے قرار و مضطر اُن کے خویش ہیں
یا الٰہی تُو ہی ہے اُن کا حفیظ، — وُہ وفادار و رفاقت کیش ہیں

(۵)

بر مزارِ حضرتِ مہدی انام — اکملؔ اندوہگین کا صد سلام
ہے نظر افروز تیری ہی ضیاء — در شبِ تاریک اے ماہِ تمام

شانِ خلافت

تعالیٰ اللہ کیا شانِ خلافت ہے — مِرا محمودؔ ہی جانِ خلافت ہے
معارف کے گہر جھڑتے ہیں لب سے — وُہی تو ابرِ نیسانِ خلافت ہے

(۲)

خُدا خود میرِ سامانِ خلافت ہے — جو دُنیا ساری میدانِ خلافت ہے
ضیا افگن ہے تا اکنافِ عالم، — کہ جو بدرِ درخشانِ خلافت ہے

(۳)

پھلا پھولا گلستانِ خلافت ہے — تو پُر رونق دبستانِ خلافت ہے
گلِ سرسبز باغِ احمدیّت — بہارِ بے خزاں آنِ خلافت ہے

سلامت ناصرِ دینُ الہدیٰ باد
یہ اکملؔ دل سے قربانِ خلافت ہو

رُباعیات

مُدّت سے خبر آئی نہیں اہلِ وطن کی — خوشبو کہیں پائی نہیں گلہائے چمن کی
یا ربّ وُہ سبھی خیر سے آرام سے ہو ویں — اس بزم خدا داد میں اکرام سے ہو ویں

شکر صد شکر کہ سب احمدی مامون رہے — ان بلیات سے آفات سے مصئون رہے
اک نمونہ تھے حکومت کی وفاداری کا — عہد جو کر چکے تھے اسکے وہ مرہون رہے

مرے موعود تیری درگہ میں دعائے درویش — سبھی دل شاد رہیں ہونے نہ پائیں دلریش
ہم تو مہجور ہیں اچھا - جو خدا کو منظور — موقعہ خدمتِ دیں کا ملے بیش از پیش

نیا زمانہ ← دورِ ثالث

(شب درمیان ۷، ۸ نومبر ۱۹۶۵ء رؤیا میں دو اشعار)

چودہویں کے چاند کی جب روشنی — خالق الانوار نے کچھ ماند کی
سب جماعت تھی دعا گو کر قبول — قُدرتِ ثانی کا یارب ہو نزول
ہو چکا ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِیْنَ — اور اب ہے ثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِیْنَ
بے امامت کے تو رہ سکتے نہیں — صدمۂ فرقت تو سہ سکتے نہیں
پڑھتے ہیں اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن — تائبون و آمنون و حامدون
ناصرِ دینِ محمدؐ کی طلب — قدرتِ ثانی کا ثالث منتخب

شیخ کبیر مرد - خلیفہ ثانِ احمدیاں
۱۳۸۶ھ — خلیفہ ثانی حامداں
۱۳۸۶ھ

قطعہ

(یہ قطعہ ۲۹ نومبر ۱۹۶۵ء کو دو بجے کہا گیا)

ناصر الدین ناصر احمد میرزا صد مرحبا — قدرتِ ثانی کی صورت میں ہمیں تو مل گیا
ان دعاؤں کے نتیجے میں ملا انعام یہ — جن سے عرشِ اعظم اللہ تعالےٰ ہل گیا

مُصلحِ ربّانی اُمّت وُہ رخصت ہو گئے

مصلحِ ربّانی اُمّت وُہ رخصت ہو گئے
رہنما و ہادیٔ ملّت وُہ رخصت ہو گئے

وُہ جو تھے اللہ کی رحمت وُہ رخصت ہو گئے
وُہ جو تھے اللہ کی قدرت رخصت ہو گئے

جو ثریّا سے ہمیں ایمان لاکر دے گئے
دعوۃ و تبلیغ کی حجّت وہ رخصت ہو گئے

کارنامے مشرق و مغرب میں ہیں انکے عیاں
کچھ نہیں تفتیش کی حاجت وُہ رخصت ہو گئے

مرحبا صد مرحبا ہے اس وصالِ پاک پر
مل گئی دُنیا ہی میں جنّت وُہ رخصت ہو گئے

خادمِ آشفتہ افضل حق سے ہو کر جاں بہ کف،
کرلے حاصل آگے بڑھ کر دین کی خدمت کا شرف

قطعات

سمجھتا ہوں اپنے تئیں خوش نصیب
مجھے مل گیا میرا پیارا حبیب

جسے دی گئی ہے ظفر کی کلید
کہ نَصرٌ مِّنَ اللہ فَتحٌ قَرِیب

(۲)

ناصرِ ملّت ہمارا مل گیا
یعنی وُہ پیاروں کا پیارا مل گیا

مل گیا ہے چارہ ساز و چارہ گر
ہم سے بیچاروں کو چارہ مل گیا

(۳)

یادگارِ مصلح موعود ہے یہ نافلہ
جس کی نصرت پر فرشتوں کا ہی اُترا قافلہ

تھی اُن کی تواضع ہے ترفّع کی دلیل
فطرتاً بخشی ہی انکو حق نے اک شانِ جمیل

(۴)

فروری کا آخری سن چھیاسٹھ جب کہ تھا،
چھ مہینے بعد آیا ہے نظر بدرِ دُھدے

آنکھیں روشن ہو گئیں اللہ حفیظ اپنا ہوا
شاد ہو اکمل کہ فیضِ احمدؐ کا جاری ہو گیا

نشانِ رحمت

پھر بیس فروری کی ہے تاریخ آ گئی، پھر ہم کو اپنا جلوۂ جاناں دِکھا گئی
اِک پیشگوئی حضرت مہدی امام نے بعد از دُعا بتائی علیہ السّلام نے
فرزند ارجمند عطا ہوگا آپ کو جو اعلیٰ مرتبے پہ دِکھائیگا آپ کو
پھیلے گا شہرہ اس کا جہاں میں جو ہر طرف کر دے گا کل مذاہبِ عالم کو برطرف
لیکن جو احمدیت و اِسلام کا ہے دیں حاصل فروغ ہوگا اسے خاص بالیقیں
یہ کام ہوگا مصلح موعود کی طفیل وَالفجر کی ضیاؤں سے جاتی رہیگی لیل
مرفوع آسماں پہ ہُوا کر کے اپنا کام
اور جانشیں ناصرِ دیں چھوڑا و السّلام

نظم

(مندرجہ بدر قادیان ۲۱ اپریل ۱۹۶۶ء)

(۱)
محمد مصطفےٰ کے باغ میں احمدیت کا گُلِ رعنا کِھلا
بلبلِ عرفاں ہُوا نغمہ سرا مژدہ دید یار کا ہم کو ملا

(۲)
بیعتِ اُولیٰ کی منظوری ہوئی، قُربِ حق کی راہیں یکسر کُھل گئیں
پیش گوئی شان سے پوری ہوئی دُور اسکے فضل سے دُوری ہُوئی

(۳)
سخت طوفانوں میں کشتی مل گئی زندگی اکمل بہشتی مل گئی
فیضِ ساقی سے پیئے جاموں پہ جام یُوں ہمیں نیکو سرشتی مل گئی

(۴)
ایک سے لاکھوں ہوئے بڑھتے گئے اُوپر اُوپر شوق سے چڑھتے گئے
عرش کے نیچے ہوئے ہیں سجدہ ریز ہم نشاناتِ خدا پڑھتے گئے

دعوت خبر مبلّغ پہنچی چار سُو | مشرق و مغرب کو لائے رُوبرُو
ہر طرف اسلام کے جھنڈے گڑے | کفر پر غالب رہا اَللّٰہ ھُو

ناصرِ اسلام کو منصور کر | یہ دُعا یا ربّ مری منظور کر
احمدیّت کو ملے اکمل فروغ | ذرّے ذرّے کو مثالِ طُور کر

بتقریب یوم الخلافت

یہی قرآن سے ثابت یہی واضح ہی سُنّت ہے | یہی نکلے مسیحائے محمدؐ کی وصیّت ہے
اِسی پر ہم ہُوئے قائم خلافت ہم میں ہو دائم | بہرہ ور رہیں گے ہم خلیفوں کی ہدایت ہے

یہ نشأۃ ثانیہ اسلام کی موقوف ہے اسپر
کہ اپنا کام ہو اکمل حفاظت ہے اشاعت ہے

برائے میلاد النبیؐ

بتاؤں کیا تمہیں شانِ محمدؐ | محمدؐ ہست برہانِ محمدؐ
محمدؐ باعثِ تکوینِ عالم | کہ ہے جانِ جہاں جانِ محمدؐ

(۲)

گمان و وہم سے ہے شان برتر | محمدؐ پاک کی اَللّٰہُ اَکْبَر
غلام اُس کا مسیح و مہدئِ حق | جو اپنی شان میں عیسیٰ سے بڑھ کر

(۳)

خدا زندہ ہے زندہ ہے نبی بھی | یہ قرآں ہے کتاب زندہ اس کی
ملا ہر مُتّبع کو دینِ اکمل
پئے اتمام نعمت وہ وحی باقی

(۴)

یہ الفرقان ہے اسکی عطا ہے — کہ قطرے سے سمندر ہو گیا ہے
قیامت تک اسی کی مہر جاری — وُہی تو سرورِ کُل انبیا ہے

(۵)

یوم میلاد النبی بے شک مبارک روز ہے — یہ گلستانِ محمدؐ کا شگفتہ روز ہے
فطر و اضحیٰ دو ہی عیدیں ہیں فقط اسلام میں — جشنِ تولیدی نہیں نے مرگ کا کچھ سوز ہے

نوجوانوں کی زباں ما انت افعل بولے — اور حسینوں کی تڑپ سجدوں کے مذہن کھولے
داغ عصیاں کے جب اشکِ ندامت دھولے
حمد و تسبیح کی تسبیح یہ اکمل رولے

تربیتی کلاس

فروغِ احمدیت کا ہے موجب یہ کلاس اپنی — کہ اس سے ہو رہی مضبوط ہے دینی اساس اپنی
یہ قرآن پاک کی تفسیر پھر اس کے عجائب بھی — بتائے جاتے ہیں ہر سال صدہا ہی غرائب بھی
احادیث النبی ہم کو پڑھائی جاتی ہیں اکثر — کہ جن سے شانِ دین اسلام ثابت ہوتی ہی برتر
مسیحائے محمدؐ کی سُناتے ہیں جو تحریریں — مسائلِ مختلف پر علم کی ہوتی ہیں تقریریں
غرض اس مختصر عرصے میں سیکھا ہے بہت ہم نے — خدا اجرِ عظیم ان عالمانِ ربوہ کو بخشے
نظامِ احمدیت صدر لجنہ کی تھی نگرانی — ہمیں حاصل ہوئے آرام جسمانی و رُوحانی
یہ سب برکات ہیں واللہ تنظیم خلافت کی — ہمیں تعلیم دی جاتی ہے تکریم خلافت کی
سلام الو داعی میری ساتھی بہنوں کو پہنچے
نبھایا خوب بہناپا دوائم اسکو خدا بخشے

طابع ——— نقوش پریس اردو بازار لاہور
ناشر ——— عبدالرحمٰن جنید ہاشمی